

# پیش لفظ

حیر کاہل ﷺ کو میں نے آپ کے لئے لکھا ہے۔ آپ سب کی زندگی میں آنے والے اُس موڑ کے لئے، جب روشنی یا تاریکی کے انتخاب کا فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ہم چاہیں تو اس راستے پر قدم بڑھادیں جو روشن ہے اور چاہیں تو تاریکی میں داخل ہو جائیں۔

روشنی میں ہوتے ہوئے بھی انسان کو آنکھیں کھلی رکھنی پڑتی ہیں۔ اگر وہ ٹھوکر کھائے بغیر زندگی کا سفر طے کرنا چاہتا ہے تو تاریکی میں داخل ہونے کے بعد آنکھیں کھلی رکھیں یا بند کوئی فرق نہیں پڑتا، تاریکی ٹھوکر دوں کو ہماری زندگی کا مقدر بنادیتی ہے۔

مگر بعض دفعہ تاریکی میں قدم دھرنے کے بعد ٹھوکر گرنے سے پہلے ہی انسان کو بچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ وہ داپس اُس موڑ پر آنا چاہتا ہے جہاں سے اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ تب صرف ایک چیز اس کی مدد کر سکتی ہے، کوئی آواز جو رہنمائی کا کام کرے اور انسان اطاعت کے علاوہ کچھ نہ کرے۔

حیر کاہل ﷺ وہی آواز ہے، جو انسان کو تاریکی سے روشنی تک لاسکتی ہے اور لاتی ہے۔ اگر انسان روشنی چاہے تو ”یقیناً ہدایت انہیں کو دی جاتی ہے جو ہدایت چاہتے ہیں۔“ آئیے ایک بار پھر حیر کاہل ﷺ کو سنیں!

## باب ۱



”میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟“ ہاں پوچھتے ہو توں میں دہائے ۷۰ سوچ میں پڑ گئی ہر ایک لباس اس لیے ہوئے قدرے بے بسی سے مسکرائی۔  
 ”بہت مشکل ہے اس سوال کا جواب دینا۔“  
 ”کیوں مشکل ہے؟“ جویریہ نے اس سے پوچھا۔  
 ”کیونکہ میری بہت ساری خواہشات ہیں اور ہر خواہش ہی میرے لئے بہت اہم ہے۔“ اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

۷۰ دونوں آڈیٹریم کے مقنی صے میں دھار کے ساتھ زمین پر ٹپک لگائے بیٹھی تھیں۔  
 ایف ایس سی کلاسز میں آج ان کا آٹھواں دن تھا اور اس وقت ۷۰ دونوں اپنے فری ٹیوٹر میں آڈیٹریم کے مقنی صے میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ لیکن سوچ بچل کے دانوں کو ایک ایک کر کے کھاتے

ہوئے جو یہ نے اس سے پوچھا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے امام؟“

امام نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔

”پہلے تم بتاؤ، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟“ امام نے جواب دینے کے

بجائے اٹھ سوال کر دیا۔

”پہلے میں نے پوچھا ہے، تمہیں پہلے جواب دینا چاہئے۔“ جو یہ نے گردن ہلائی۔

”اچھا..... ٹھیک ہے..... مجھے اور سوچنے دو۔“ امام نے فوراً ہار مانتے ہوئے کہا: ”میری زندگی کی

سب سے بڑی خواہش؟“ وہ بڑبڑائی۔ ”ایک خواہش تو یہ ہے کہ میری زندگی بہت لمبی ہو۔“ اس نے کہا۔

”کیوں.....؟“ جو یہ یہ پوچھی۔

”بس چچا، ساٹھ سال کی زندگی مجھے بڑی چھوٹی لگتی ہے..... کم سے کم سو سال تو ملنے چاہئیں

انسان کو دنیا میں..... اور پھر میں اتنا سب کچھ کرنا چاہتی ہوں..... اگر جلدی مری جاؤں گی تو پھر میری

ساری خواہشات اور ضروری رہ جائیں گی۔“ اس نے مونگ چلی کا ایک دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”اچھا اور.....؟“ جو یہ یہ بے کہا۔

”اور یہ کہ میں ملک کی سب سے بڑی ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں..... سب سے اچھی آئی سیٹلسٹ۔

میں چاہتی ہوں جب پاکستان میں آئی سر جری کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں میرا نام ٹاپ آف والست

ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کو دیکھا۔

”اچھا اور اگر کبھی تم ڈاکٹر بن سکیں تو.....؟“ جو یہ نے کہا: ”آخر یہ میرٹ اور قسمت کی بات

ہے۔“

”ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ میں اتنی محنت کر رہی ہوں کہ میرٹ پر ہر صورت آؤں گی۔ پھر میرے

والدین کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ میں اگر یہاں کسی میڈیکل کالج میں نہ جا سکی تو وہ مجھے بیرون ملک بھجوا

دیں گے۔“

”پھر بھی اگر کبھی ایسا ہو کہ تم ڈاکٹر نہ بن سکو تو.....؟“

”ہو ہی نہیں سکتا..... یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے میں اس پر فیصلہ کر کے لئے سب

کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور خواہوں کو بھلا کیسے چھوڑ دیا بھلا یا سکتا ہے۔“ اسماٹل.....

امام نے بعض انداز میں سر ہلاتے ہوئے چٹیلی پر رکھے ہوئے دانوں میں سے ایک اور دانہ منہ

میں ڈال دیا۔

”زندگی میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا..... کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، فرض کرو کہ تم ڈاکٹر نہیں بن

پاتیں تو.....؟ پھر تم کیا کرو گی.....؟ کیسے رکی ایکٹ کرو گی؟“ امام اب سوچ میں پڑ گئی۔

”پہلے تو میں بہت روؤں گی۔ بہت ہی زیادہ..... کئی دن..... اور پھر میں مری جاؤں گی۔“

جو یہ یہ بے اختیار پوچھی: ”اور ابھی کچھ دیر پہلے تو تم یہ کہہ رہی تھیں کہ تم لمبی زندگی چاہتی ہو..... اور

ابھی تم کہہ رہی ہو کہ تم مری جاؤ گی۔“

”ہاں تو پھر زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ سارے پلانز ہی میرے میڈیکل کے حوالے سے ہیں..... اور

یہ جج زندگی سے نکل گئی تو پھر باقی رہے گا کیا؟“

”یعنی تمہاری ایک بڑی خواہش دوسری بڑی خواہش کو ختم کر دے گی؟“

”تم کبھی سمجھ لو.....“

”تو پھر اس کا مطلب تو یہی ہو کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش ڈاکٹر بننا ہے، لمبی زندگی پانا

نہیں۔“

”تم کہہ سکتی ہو.....“

”اچھا..... اگر تم ڈاکٹر نہ بن سکیں تو پھر مرد کی کیسے..... خودکشی کرو گی یا طبیی موت؟“ جو یہ نے

بڑی لچکی سے پوچھا۔

”طبیی موت ہی مرد کی..... خودکشی تو کڑی نہیں سکتی۔“ امام نے لاپرواہی سے کہا۔

”اور اگر تمہیں طبیی موت آنے لگی تو..... میرا مطلب ہے جلد ہی آئی تو پھر تو تم ڈاکٹر نہ بننے کے

باوجود بھی لمبی زندگی گزارو گی۔“

”نہیں، مجھے پتا ہے کہ اگر میں ڈاکٹر نہ بنی تو پھر بہت جلد مری جاؤں گی۔ مجھے اتنا دکھ ہو گا کہ میں تو

زندہ رہ رہی نہیں سکوں گی۔“ وہ یقین سے بولی۔

”تم جس قدر خوش مزاج ہو، میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ تم کبھی اتنی دیکھی ہو سکتی ہو کہ رودر کر

مر جاؤ اور وہ بھی صرف اس لئے کہ تم ڈاکٹر نہیں بن سکیں۔ look funny۔“ جو یہ نے اس بار اس کا

ذائقہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”تم اب میری بات چھوڑو اپنی بات کرو، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟“ امام

نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”رہنے دو.....“

”کیوں رہنے دوں.....؟ بتاؤ نا؟“

”تمہیں برا لگے گا؟“ جو یہ نے کچھ ہلچلتے ہوئے کہا۔

امام نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے کیوں برا لگے گا؟“



جو یہ خاموش رہی۔

"نہیں کیا بات ہے جو مجھے بری لگے گی؟" امانہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"بری لگے گی۔" جو یہ نے دم آواز میں کہا۔

"آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے کہ میں اس پر برا

مانوں گی۔" امانہ نے اس بار قدرے اچھے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "کہیں تمہاری یہ خواہش تو نہیں ہے

کہ میں ڈاکٹر نہ ہوں؟" امانہ کو اچانک یاد آیا۔

جو یہ ہنس دی۔ "نہیں..... زندگی صرف ایک ڈاکٹر بن جانے سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل

ہوتی ہے۔" اس نے کچھ فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"پہلیاں مجھ کو اچھوڑو اور مجھے بتاؤ۔" امانہ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں، میں برا نہیں مانوں گی۔" امانہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے کہا۔

"وعدہ کرنے کے باوجود میری بات سننے پر تم بری طرح ہراؤں ہو گی۔ بہتر ہے ہم کچھ اور بات

کریں۔" جو یہ نے کہا۔

"اچھا میں اندازہ لگاتی ہوں، تمہاری اس خواہش کا تعلق میرے لئے کسی بہت اہم چیز سے ہے۔۔۔۔۔

رائٹ.....؟" امانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا جو یہ نے سر ہلایا۔

"سب سوال یہ پیدا ہو تا ہے کہ میرے لئے کون سی چیز اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ میں....." وہ بات

کرتے کرتے رک گئی۔

"مگر جب تک میں تمہاری خواہش کی نوعیت نہیں جان لیتی، میں کچھ بھی اندازہ نہیں کر سکتی۔ بتا

دو جو یہ..... پلیز..... اب تو مجھے بہت سی زیادہ تجسس ہو رہا ہے۔" اس نے منت کی۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ امانہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جو یہ نے

سر اٹھا کر امانہ کو دیکھا۔

"میرے پروفیشن کے علاوہ میری زندگی میں فی الحال جن چیزوں کی اہمیت ہے وہ صرف ایک

ہی ہے اور اگر تم اس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہہ میں برا نہیں مانوں گی۔" امانہ نے سمجھتی

سے کہا۔

جو یہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا، وہ اپنے ہاتھ میں سوچو ایک انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

جو یہ مسکرائی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم....." جو یہ نے اسے اپنی خواہش بتائی۔

امانہ کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا۔ وہ شاید کبھی یا حیرت زدہ..... جو یہ اندازہ نہیں کر سکی، مگر اس کے

چہرے کے تاثرات یہ ضرور بتا رہے تھے کہ جو یہ کے منہ سے نکلنے والے جملے اس کے ہر اندازے

کے برعکس تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا، تم برا مانو گی۔" جو یہ نے جیسے معافی بخش کرنے کی کوشش کی مگر امانہ

کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

☆.....☆.....☆

میر حلق کے مٹی چلا تا ہو اور دس دو ہزار ہو گیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے۔ اس کے

سامنے کمرے بارہ سالہ لڑکے نے اپنی چٹنی ہوئی ٹی شرٹ کی آستین سے اپنی ناک سے بہتا ہوا خون

صاف کیا اور ہاتھ میں چکڑے ہوئے ٹیسٹریٹ ایک بار پھر پوری قوت سے میز کی ٹانگ پر دے مارا۔

میز کے قلعے سے ایک بار پھر جھنجھکی اٹھی اور وہ اس بار سیدھا ہو گیا۔ کچھ بے چینی کے عالم میں اس نے خود سے

دو سال چھوٹے بھائی کو دیکھا جو اب بغیر کسی لحاظ اور مرآت کے اسے اس بیکٹ سے پیٹ رہا تھا جو میر

کچھ دیر پہلے اسے پیٹنے کے لئے لے کر آیا تھا۔

اس بیٹے میں ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ تیسرا جھگڑا تھا اور تینوں بار جھگڑا شروع کرنے

والا اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ میر اور اس کے تعلقات ہمیشہ ہی ناخوشگوار رہے تھے۔

ان کا جھگڑا بچپن سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک صرف زبانی کلامی باتوں اور دمکیوں تک ہی

محدود رہتا تھا، مگر اب کچھ عرصے سے دونوں بات چالی پر بھی اتر آئے تھے۔

آج بھی یہی ہوا تھا وہ دونوں اسکول سے اکٹھے واپس آئے تھے اور گاڑی سے اترتے ہوئے اس

کے چھوٹے بھائی نے بڑی درشتی کے ساتھ جیسے ڈکی سے اس وقت اپنا بیک کھینچ کر نکالا جب میر اپنا بیک

نکال رہا تھا۔ بیک کھینچتے ہوئے میر کے ہاتھ کو بری طرح رگڑا۔ میر بری طرح تھلایا۔

"تم اندھے ہو چکے ہو؟"

وہ اطمینان سے اپنا بیک اٹھائے بے نیازی سے اندر جا رہا تھا، میر کے ملانے پر اس نے پلٹ کر

اس کو دیکھا اور لاؤنچ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ میر کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، وہ تیز

قدموں سے اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔

"اگر دوبارہ تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا۔" اس کے قریب پہنچتے ہوئے میر

ایک بار پھر حجاز۔ اس نے بیک کندھے سے اٹھ کر نیچے رکھ دیا اور دونوں ہاتھ کر پر رکھ کر کمر اٹھایا۔

"کالوں گا۔ تم کیا کرو گے.....؟ ہاتھ توڑ دو گے؟ اتنی ہمت ہے؟"

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم دوبارہ یہ حرکت کرو گے۔" میر اپنے کمرے کی



طرف بڑھا۔

مگر اس کے بھائی نے پوری قوت سے اس کا ایک کھینچے ہوئے اسے رکھنے پر مجبور کر دیا۔

”نہیں تم مجھے ابھی بتاؤ۔“ اس نے معیو کا بیک اٹھا کر دور اچھال دیا۔ معیو کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے زمین پر پڑا ہوا اپنے بھائی کا بیک اٹھا کر دور اچھال دیا۔ ایک لمحے کا انتظار کے بغیر اس کے بھائی نے پوری قوت سے معیو کی ٹانگ پر ٹھوک ماری۔ جو اب اس نے پوری قوت سے چھوئے بھائی کے منہ پر مکارا جو اس کی ناک پر لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی ناک سے خون نکلنے لگا۔ اتنے شدید جملے کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اس نے معیو کی ٹانگیں کھینچے ہوئے اس کا گاد ہانے کی کوشش کی۔ معیو نے جو اب اس کی شرٹ کو کالرز سے کھینچا اسے شرٹ کے پھٹنے کی آواز آئی۔ اس نے پوری قوت سے اپنے چھوئے بھائی کے پیٹ میں مکارا اس کے بھائی کے ہاتھ سے اس کی ٹانگیں نکل گئی۔

”غصہ دہی تمہیں اب تمہارا ہاتھ توڑ کر دکھاتا ہوں۔“ معیو نے اسے گالیاں دیتے ہوئے لاؤنچ کے ایک کونے میں بڑے ہوئے ایک ریکٹ کو اٹھا لیا اور اپنے چھوئے بھائی کو مارنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے ریکٹ اس کے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پوری قوت سے گھما کر اتنی برقی رفتار کی کہ ساتھ اس ریکٹ کو معیو کے پیٹ میں مارا کہ وہ سنبھل یا خود کو بچا بھی نہیں سکا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اس کی کمر اور ٹانگ پر ریکٹ برسادی۔

اندر سے ان دونوں کا بڑا بھائی اشتعال کے عالم میں باہر لاؤنچ میں آگیا۔

”کیا تکلیف ہے تم دونوں کو..... مگر میں آتے ہی ہنگامہ شروع کر دیتے ہو۔“ اس کو دیکھتے ہی چھوئے بھائی نے اٹھا ہوا ریکٹ نیچے کر لیا تھا۔

اور تم..... تمہیں شرم نہیں آتی اپنے سے بڑے بھائی کو مارتے ہو۔“ اس کی نظر اب اس کے ہاتھ میں پکڑے ریکٹ پر گئی۔

”نہیں آتی۔“ اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہوئے ریکٹ ایک طرف اچھال دیا اور بڑی بے خوفی سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا اپنا بیک اٹھا کر اندر جانے لگا۔ معیو نے بلند آواز میں میڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے چھوئے بھائی سے کہا۔

”تم کو اس کا خیال زہن بھٹکتا ہے گا۔“ وہ ابھی تک اپنی ٹانگ سہارا ہاتھ۔

”sure why not.“ (ہاں، کیوں نہیں) ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ میڑھیاں کے آخری سرے پر ڈک کر اس نے معیو سے کہا: ”اگلی بار تم پیٹ لے کر آنا..... ٹینس ریکٹ سے کچھ مزہ نہیں آتا..... تمہاری کوئی بڑی نہیں ٹوٹی۔“ معیو کو اشتعال آگیا۔

”تم اپنی ناک سنبھالو..... دو پتھیا ٹوٹ گئی ہے۔“

معیو غصے کے عالم میں میڑھیاں کو دیکھتا رہا جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

سبز سائنس چارڈز نے دوسری رو میں کھڑکی کے ساتھ جلیبی کھانسی پر بیٹھے ہوئے اس لڑکے کو چوتھی بار گھورا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھتے میں مصروف تھا۔ وہ خافہ قادیاباہر سے نظریں ہٹاتا..... ایک نظر سبز سائنس کو دیکھتا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح باہر جھانکتے لگتا۔

اسلام آباد کے ایک غیر ملکی اسکول میں وہ آج پہلے دن اس کلاس کی چالوچی پڑھانے کے لئے آئی تھیں۔ وہ ایک ڈپلومیٹ کی بیوی تھیں اور کچھ دن پہلے ہی اسلام آباد اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں۔ ٹینک ان کا پروفیشن تھا اور جس جس ملک میں ان کے شوہر کی پوسٹنگ ہوئی وہاں سفارت خانہ سے منسلک اسکولز میں چھاتی رہیں۔

اپنے سے پہلے چالوچی پڑھانے والی ٹیچر سبز میز کی تنیم آف ورک کو ہی جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کلاس کے ساتھ کچھ ابتدائی تعارف اور گفتگو کے بعد دل اور نظارہ دور ان خون کی ڈیاگرام رائٹنگ بورڈ پر دہاتے ہوئے اسے سمجھانا شروع کیا۔

ڈیاگرام کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے اس لڑکے کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پرانی محنت کا استعمال کرتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر مرکوز رکھتے ہوئے انہوں نے اچانک بولنا بند کر دیا۔ کلاس میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ اس لڑکے نے سر گھما کر اندر دیکھا۔ سبز سائنس چارڈز نے اس کی نظریں ملیں۔ سبز سائنس چارڈز مسکرائیں اور ایک بار پھر انہوں نے اپنا لچکر شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک انہوں نے اسی طرح بولتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر رکھیں، جواب اپنے سامنے پڑی نوٹ بک پر کچھ لکھتے میں مصروف تھا اس کے بعد سبز سائنس چارڈز نے اپنی توجہ کلاس میں موجود دوسرے اسٹوڈنٹس پر مرکوز کر لی۔ ان کا خیال تھا وہ خاصا شرمندہ ہو چکا ہے دوبارہ باہر نہیں دیکھے گا مگر صرف دو منٹ کے بعد انہوں نے اسے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر متوجہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بولنے لگے خاموش ہو گئیں۔ بلا توقف اس لڑکے نے گردن موڑ کر پھر ان کی طرف دیکھا، اس بار سبز سائنس چارڈز مسکرائیں نہیں، بلکہ قدرے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر لچکر دینا شروع کر دیا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد انہوں نے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے کے بعد دوبارہ اس لڑکے کو دیکھا تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس بار غیر محسوس طور پر ان کے چہرے پر کچھ ناراضی نمودار ہوئی اور وہ کچھ جھنجھلاتے ہوئے خاموش ہوئیں اور ان کے خاموش ہوتے ہی اس لڑکے نے کھڑکی کے باہر سے اپنی نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا، اس بار اس لڑکے کے ماتھے پر بھی کچھ ٹپائیں تھیں۔ ایک نظر سبز سائنس چارڈز کو ناگوار سی سے دیکھ کر وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا انداز اس قدر توجہ آمیز تھا کہ سسر سنا تھا چڑکا چڑھا سرخ ہو گیا۔

"سالار! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔

"nothing....." ایک لفظی جواب آیا۔ وہ اب چھٹی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہے، میں کیا پڑھا رہی ہوں؟"

"hope so" اس نے اسے روڈ انداز میں کہا کہ سنا تھا چڑا نے یک دم ہاتھ میں پکڑا ہوا مارکر

کیپ سے بند کر کے نیپل پر پھینک دیا۔

"یہ بات ہے تو پھر یہاں آؤ اور یہ ڈایا گرام بنا کر اس کو لیبل کرو۔" انہوں نے اسٹیج کے ساتھ

رائٹنگ بورڈ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یکے بعد دیگرے لڑکے کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔ انہوں

نے کلاس میں بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس کو آپس میں نظروں کا جالو کرتے دیکھا۔ وہ لڑکا اب مرد نظروں

کے ساتھ سنا تھا چڑا کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے رائٹنگ بورڈ سے آخری نشان صاف کیا وہ اپنی

کرسی سے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا۔ تیز قدموں کے ساتھ اس نے نیپل پر پڑا ہوا مارکر اٹھایا اور

برقی رفتار کے ساتھ رائٹنگ بورڈ پر ڈایا گرام بنانے لگا۔ پورے دو منٹ ستاون سیکنڈز کے بعد اس

نے مارکر پر کیپ لگا کر اسے میز پر اسی انداز میں اچھالا۔ جس انداز میں سنا تھا چڑا نے اچھالا تھا اور

سنا تھا چڑا کی طرف دیکھے بغیر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ سسر چڑا نے اسے مار کر اچھالنے یا اپنی کرسی

کی طرف جاتے نہیں دیکھا۔ وہ بے چینی کے عالم میں رائٹنگ بورڈ پر تین منٹ سے بھی کم عرصہ میں ہائی

جانے والی اس labelled ڈایا گرام کو دیکھ رہی تھیں جسے بنانے میں انہوں نے دس منٹ لئے تھے اور وہ

ان کی ڈایا گرام سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ کہیں بھی معمولی سی غلطی بھی نہیں دھونڈ سکیں۔ کچھ خفیف سی ہوتے

ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس لڑکے کو دیکھا وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دسیم نے تیسری بار دروازے پر دستک دی، اس بار اندر سے امانہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"امانہ! میں ہوں..... دروازہ کھولو۔" دسیم نے دروازے سے اپنا ہاتھ جلاتے ہوئے کہا۔ اندر

خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر بعد دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دسیم نے دروازے کے نیپل کو تھما کر

دروازہ کھول دیا۔ امانہ اس کی جانب پشت کیٹے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی۔

"تمہیں اس وقت کیا کام آن پڑا ہے مجھ سے؟"

"آخر تم نے اتنی جلدی دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ ابھی تو دس بجے ہیں....." دسیم کمرے میں

داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"میں نیند آرہی تھی مجھے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دسیم اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔

"تم رورہی تھیں؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ امانہ کی آنکھیں سرخ اور سوتی ہوئی تھیں اور

وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں رو نہیں رہی تھی، بس سر میں کچھ درد ہو رہا تھا۔" امانہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔

دسیم نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیبلر چیک کرنے کی کوشش کی۔

"نکس بخار تو نہیں ہے۔" اس نے کچھ تشریف بھرے انداز میں کہا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ "بخار تو

نہیں ہے..... پھر تم کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں۔"

"میں لے چکی ہوں۔"

"اچھا تم سو جاؤ..... میں باتیں کرنے آیا تھا مگر اب اس حالت میں کیا باتیں کروں گا تم سے۔"

دسیم نے قدم باہر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ امانہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی اٹھ

کر اس کے پیچھے گئی اور دسیم کے باہر نکلنے ہی اس نے دروازے کو پھر لاک کر لیا۔ بیڈ پر اونٹھے منہ لیٹ

کر اس نے غصے میں منہ چھپا لیا۔ وہ ایک بار پھر آنکھوں کے ساتھ رورہی تھی۔

☆.....☆.....☆

تیسرے سال کا وہ لڑکا اس وقت ٹی وی پر میوزک شو دیکھنے میں مصروف تھا، جب طیبہ نے اندر

جھانکا۔ بے چینی سے انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر کچھ ناراضی کے عالم میں اندر چلی آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ٹی وی سے نظریں نہیں جٹائیں۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں..... کارڈ اسٹیک۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارے پیچھے زور ہے یا؟" طیبہ

نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"سو دات....." اس لڑکے نے اس بار کچھ غلطی سے کہا۔

"سو دات؟" تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں کتابوں کے درمیان ہونا چاہئے نہ کہ یہاں اس

بے ہودہ شو کے سامنے۔" طیبہ نے ڈانٹا۔

"مجھے جتنا پڑھنا تھا میں پڑھ چکا ہوں آپ سامنے سے ہٹ جائیں....." اس کے لہجے میں ناگواری

آگئی۔

"پھر بھی اٹھو اور اندر جا کر پڑھو۔" طیبہ نے اسی طرح کھڑے کھڑے اس سے کہا۔

"نہ نہیں یہاں سے انھوں گاند اندر جا کر پڑھوں گا۔ میری اسٹڈیز اور جیڑ میرا مسئلہ ہیں۔ آپ کا







"لاؤ پھر مجھے دے دو یہ بیکٹ، میں دسم گوروں کی، اور بھگوانے گا۔"  
"نہیں ای ایس ایس نہیں بھگوانوں کی..... ابھی اس کی ساگر وکی تاریخ نہیں آئی۔" سلتی کو لگا جیسے وہ ایک دم گھبرا گئی ہو۔ انھیں حیرانی ہوئی۔ کیا یہ گھبرانے والی بات تھی؟

تین سال پہلے امامہ کی وجہ سے انھیں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انھیں اور ان کے شوہر باشم کو۔ وہ جب اپنی بیٹی کے بارے میں بہت فکر مند تھیں اور باشم ان سے زیادہ مگر پچھلے تین سال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اب اس کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھے۔ خاص طور پر اسجد سے اس کی نسبت ملے کر کے۔ وہ جانتی تھیں امامہ اسجد کو پسند کرتی ہے اور صرف وہی نہیں اسجد کو کوئی بھی پسند کر سکتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا تھا..... وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ اسجد سے نسبت ملے ہوئے بہت خوش ہوئی تھی۔ اسجد اور اس کے درمیان پہلے بھی خاصی دوستی اور بے تکلفی تھی مگر بعض دفعہ انھیں لگتا جیسے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت چپ ہوئی جا رہی ہے۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔

"گھراب وہ اسکول جانے والی بیٹی بھی تو نہیں رہی۔" سلتی نکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے..... پھر وقت بھی کہاں ہوتا ہے اس کے پاس....." سلتی بیٹھ خود کو تسلی دے لیتیں۔

وہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی دونوں بیٹیوں کی وہ شادی کر چکی تھیں۔ ایک بیٹی کی بھی شادی کر چکی تھیں جب کہ دوسری اور امامہ غیر شادی شدہ تھے۔

"اچھا ہی ہے کہ یہ سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ لڑکیوں کے لئے سنجیدگی اچھی ہوتی ہے۔ انہیں جتنی جلدی اپنی زندگی میں احساس ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔" سلتی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے امامہ سے نظریں بنالیں۔ وہ چشموں میں گھرا آئی ہوئی تھی اور جتنے دن وہ یہاں رہتی ان کی نظریں اس پر اسی طرح مرکوز رہتیں۔

"چنانچہ یہ ساجد کہاں رہ گیا ہے جو بھی کام اس کے ذمے لگاؤ بس بھول ہی جاؤ۔" انھیں اچانک اپنے ملازم کا خیال آیا۔ جس کے پیچھے وہ لاڈلے میں آئی تھیں۔ بڑا اتنے ہوئے وہ لاڈلے سے نکل گئیں۔

☆.....☆.....☆

یہ نیا ٹائر ہنٹ تھی۔ پانچ سال شروع ہونے میں تیس سوٹ باقی تھے۔ دس لاکھوں پر مشتمل چھ سو چار سو سال کے لڑکوں کا وہ گروپ پچھلے دو دہائیوں سے اپنے اپنے سوشل سائیکل پر شہر کی مختلف سڑکوں پر اپنے کرتب دکھانے میں مصروف تھا ان میں سے چند نے اپنے ماتھے پر چند ارب پتیز باندھے ہوئے تھے جن پر سترے سال کے حوالے سے مختلف بیناات درج تھے۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے پمپ شعلات کی ایک بڑی ہیر مارکیٹ میں موجود تھے اور وہاں وہ مختلف لڑکیوں پر آوازے کستے رہے تھے۔

اپنی بانگس پر سوار اب مختلف سڑکوں پر پھر لگا رہے تھے، ان کے پاس غار کرکیز موجود تھے

جنہیں وہ وقتاً فوقتاً چلا رہے تھے۔ پوسٹے بارہ پر وہ جم خانہ کے باہر موجود تھے جہاں پارکنگ لائٹ گاڑیوں سے بھر چکا تھا۔ یہ گاڑیاں ان لوگوں کی تھیں جو جم خانے میں سترے سال کے سلسلے میں ہونے والی ایک پارٹی میں آئے تھے۔ ان لڑکوں کے پاس بھی اس پارٹی کے دعوتی کارڈ موجود تھے۔ کیونکہ ان میں سے تقریباً تمام کے والدین جم خانہ کے ممبر تھے۔

وہ لڑکے اندر پہنچنے کے بعد پچھن کر پہچن کر منٹ ہو رہے تھے چند منٹوں بعد ڈانس فلوور سمیت تمام بچیوں کی لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد باہر لان میں آتش بازی کے ایک مظاہرے کے ساتھ نیا سال شروع ہونے پر لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد تقریباً تمام رات وہاں دھن کے ساتھ ساتھ شراب پی جاتی، جس کا اہتمام سترے سال کی اس تقریب کے لئے جم خانہ کی انتظامیہ خاص طور پر کرتی تھی۔ لائٹس آف ہوتے ہی وہاں ایک طوفان بدتمیزی کا آغاز ہو جاتا تھا اور وہاں موجود لوگ اسی "طوفان بدتمیزی" کے لئے وہاں آئے تھے۔

چند سو سال وہ لڑکا بھی دس لاکھوں کے اس گروپ کے ساتھ آئے کے بعد اس وقت ڈانس فلوور پر راک بیٹ پر ڈانس کر رہا تھا، ڈانس میں اس کی مہارت قابل دید تھی۔

بارہ بیٹے میں دس سیکنڈ رہ جانے پر لائٹس آف ہو گئیں اور ٹھیک بارہ بجے لائٹس ایک دم دوبارہ آن کر دی گئیں۔

اندھیرے کے بعد سیکنڈ دھنکے والوں کی آوازیں اب شور اور خوشی کے قہقہوں اور ہنسنوں میں بدل گئی تھیں چند سیکنڈ پہلے ختم جانے والا سونگ ایک بار پھر بھلا جانے لگا۔ وہ لڑکا اب اپنے دوستوں کے ساتھ باہر پارکنگ میں آگیا جہاں بہت سے لڑکے اپنی اپنی گاڑیوں کے باہر بجا رہے تھے۔ ان ہی لڑکوں کے ساتھ بیڑے کے کین بکڑے وہ وہاں موجود ایک گاڑی کی چھت پر چڑھ گیا۔ اس لڑکے نے گاڑی کی چھت پر کھڑے کھڑے اپنی جیکٹ کی جیب سے بیڑے کا ایک بھرا ہوا کین نکالا اور پوری طاقت سے کچھ قاصلے پر کھڑی ایک گاڑی کی دھڑا سکرین پر دے مارا۔ ایک دھماکے کے ساتھ گاڑی کی دھڑا سکرین پر چڑھ ہو گئی وہ لڑکا اطمینان کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں بکڑا کین پکڑا رہا۔

☆.....☆.....☆

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کامران کو ڈیوٹیم گرم کھیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر موجود اسکرین کوئی خاص اضافہ نہیں ہو رہا تھا، شاید اس کی وجہ وہ مشکل ٹریک تھا جس پر کامران کو گاڑی ڈرائیج کرنی تھی۔ سالار لاڈلے کے صوفوں میں سے ایک صوفے پر بیٹھا اپنی ٹوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا، مگر وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کرتی، وہی اسکرین کو کبھی دیکھ رہا تھا جہاں کامران اپنی جد جہد میں مصروف تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد اس نے ٹوٹ بک بند کر کے سامنے پڑی میز پر رکھ دی۔ پھر منہ پر ہاتھ



دیکھ کر جماعتی روکی۔ دونوں ناٹکیں سامنے پڑی میز پر رکھ کر اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں سر کے پیچھے باندھے وہ کچھ دیر اسکرین کو دیکھا رہا، جہاں کامران اپنے تمام چائرس خالی کرنے کے بعد ایک بار پھر نیا گرم پھیلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا پرالم ہے کامران؟" سالار نے کامران کو مخاطب کیا۔

"ایسے ہی..... نیا گرم لے کر آیا ہوں مگر اسکو کرنے میں بڑی مشکل ہو رہی ہے۔" کامران نے بے زاری سے کہا۔

"اچھا مجھے دکھاؤ۔" اس نے صوفے سے اٹھ کر ریوٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

کامران نے دیکھا۔ پہلے جس سیکنڈ میں ہی سالار اسے جس اسپینڈ پر دوڑا تھا اس اسپینڈ پر کامران اب تک نہیں دوڑا پایا تھا۔ جو فریک اسے بہت مشکل لگ رہا تھا وہ سالار کے سامنے ایک پچھان چیز محسوس ہو رہا تھا۔ ایک منٹ بعد وہ جس اسپینڈ پر گاڑی دوڑا تھا اس اسپینڈ پر کامران کے لئے اس پر نظر میں جتنا مشکل ہو گیا جب کہ سالار اس اسپینڈ پر بھی گاڑی کو مکمل طور پر کنٹرول کئے ہوئے تھا۔

تین منٹ کے بعد کامران نے پہلی بار گاڑی کو ڈانگ گاتے اور پھر فریک سے اتر کر ایک دمحا کے کے ساتھ جاہ کرتے دیکھا۔ کامران نے کچھ سکرانے ہوئے سڑک سالار کو دیکھا۔ گاڑی کیوں جاہ ہوئی تھی وہ جان گیا تھا ریوٹ اب سالار کے ہاتھ کے بھائے میز پر پڑا تھا اور وہ اپنی ٹوٹ بک اٹھاٹے کھڑا ہو رہا تھا۔ کامران نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ "بہت بوریج۔ تم ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا اور کامران کی جاکوں کو پھلا گتے ہوئے لگاؤ سے باہر لٹک گیا۔ کامران جو ٹیپتے سات بندھ سوں پر بھی اس اسکو کو دیکھ رہا تھا جو اسکرین کے ایک کونے میں جھنگا رہا تھا، کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں اس نے بیرونی دروازے کو دیکھا جس سے وہ غائب ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں ایک بار پھر خاموش تھے، امجد کو الجھن ہونے لگی۔ امام اتنی کم کو نہیں تھی جتنی وہ اس کے سامنے ہو جاتی تھی۔ پچھلے آدھے تھکے میں اس نے گنتی کے لفظ بولے تھے۔

وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج تھی۔ ان دونوں کی نسبت غمیرائے جانے کے بعد بھی ابتدائی سال میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ امجد کو اس سے بات کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بلا کی حاضر جواب تھی، مگر پچھلے کچھ سالوں میں وہ یک دم بدل گئی تھی اور میڈیکل کالج میں جا کر تو یہ تبدیلی اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ امجد کو بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس سے بات کرتے ہوئے وہ حدود پر محتاط رہتی ہے۔ کبھی وہ ابھی ہوئی ہی محسوس ہوتی اور کبھی اسے اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری محسوس ہوتی۔ اسے لگتا وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا پا کر اس کے پاس سے اٹھ کر چلی جانا

چاہتی ہے۔

اس وقت بھی وہ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔

"میں کی بار سوچتا ہوں کہ میں خواہ مخواہی تمہارے لئے یہاں آنے کا تردد کرتا ہوں..... تمہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہو گا کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔" امجد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ وہ اس کے بالفاظ لان چیز پر بھی دودھ پاؤ ڈھری وال پر چڑھی ہوئی نکل کو گھور رہی تھی۔ امجد کی شکایت پر اس نے گردن ہلائے بغیر اپنی نظریں نکل سے جتا کر امجد پر مرکوز کر دیں۔ امجد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ خاموش رہی تو اس نے نظروں میں کچھ رد و بدل کے ساتھ اپنا سوال دہرایا۔

"تمہیں میرے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا امام..... کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں؟"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس پر؟"

"تم کم از کم انکار تو کر سکتی ہو۔ میری بات کو جھٹا تو سکتی ہو کہ ایسی بات نہیں ہے۔ میں لفظ سوچ رہا ہوں اور....."

"ایسی بات نہیں ہے، آپ لفظ سوچ رہے ہیں۔" امام نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اس کا لہجہ اب بھی اتنی غنڈ اور چروا تھا ہی بے جاڑ تھا جتنا پہلے تھا، امجد ایک غنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"ہاں، میری دعا اور خواہش تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو اور میں واقعی لفظ سوچ رہا ہوں مگر تم سے بات کرتے ہوئے میں ہر بار ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔"

"کس بات سے آپ ایسا محسوس کرتے ہیں؟" اس بار پہلی بار امجد کو اس کی آواز میں کچھ ناراضی جھلکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"بہت سی باتوں سے..... تم میری کسی بات کا ڈھنگ سے جواب ہی دیتیں۔"

"حالانکہ میں آپ کی ہر بات کا ڈھنگ سے جواب دینے کی ہرچہرہ رکھتی ہوں..... لیکن

اب اگر آپ کو میرے جواب پسند نہ آئیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

امجد کو اس بار بات کرتے ہوئے وہ کچھ مزید خاموش ہوئی۔

"میں نے یہ کب کہا کہ مجھے تمہارے جواب پسند نہیں آئے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میری ہر بات کے جواب میں تمہارے پاس..... ہاں اور نہیں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو مجھے لگتا ہے میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔"

"اگر آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ تم ٹھیک ہو؟ تو میں اس کا جواب ہاں یا نہیں میں ہی دوں گی۔ ہاں اور نہیں کے علاوہ اس سوال کا جواب کبھی غور سے دیا جاسکتا ہے تو آپ مجھے وہ دے دیں، میں وہ کر دوں گی۔" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔



"ہاں اور نہیں کے ساتھ بھی تو کچھ کہا جاسکتا ہے..... اور کچھ نہیں، تم جیسا میرا حال ہی پوچھ سکتی ہو۔"

"نہیں آپ کا کیا حال پوچھوں، ظاہر ہے اگر آپ میرے گھر آئے ہیں، میرے سامنے بیٹھے مجھ سے باتیں کر رہے ہیں تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ آپ ٹھیک ہیں ورنہ آپ اس وقت اپنے گھر اپنے بستر پر پڑے ہوتے۔"

"یہ قارمٹائی ہوتی ہے اماں.....!"

"اورے آپ جانتے ہیں، میں فارمیٹریز پر یقین نہیں رکھتی۔ آپ بھی مجھ سے میرا حال نہ پوچھا کریں۔ میں بالکل ہائینڈ نہیں کروں گی۔" امجد پیچھے لاجواب ہو گیا۔

"ٹھیک ہے فارمیٹریز پوچھو، وہ بندہ کوئی اور بات کر لیتا ہے۔ کچھ ڈسکس کر لیتا ہے۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں ہی کچھ بتا دیتا ہے۔"

"امجد! میں آپ سے کیا ڈسکس کروں..... آپ بزنس کرتے ہیں۔ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں..... آپ سے میں کیا پوچھوں، اسٹاک مارکیٹ کی پوزیشن.....؟ فرینڈ bullish تھا یا bearish انڈیکس میں کتنے پوائنٹس کا اضافہ ہوا؟ یا اگلی کسٹائنٹ کہاں بھیج رہے ہیں؟ اس بار گورنمنٹ نے آپ کو کتنی رپیٹ دی؟" اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سرد تھا یا آپ سے اتنا ہی ڈسکس کروں، کون سے عوامل انسان کے جگر کو متاثر کر سکتے ہیں۔ بائی پاس سرجری میں اس سال کون سی نئی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ دل کی دھڑکن بحال کرنے کے لئے کتنے سے کتنے دولت کا الیکٹرک شاک دیا جاسکتا ہے۔ تو ہم دونوں کی مصروفیات تو یہ ہیں اب ان کے بارے میں ڈسکشن سے آپ اور میں محبت اور بے تکلفی کی کون سی چیزیں ملے کریں گے۔ وہ میری کچھ سے باہر ہے۔"

امجد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب وہ اس لمحہ کو کوس رہا تھا جب اس نے اماں سے شکایت کی تھی۔

"اور بھی تو مصروفیات ہوتی ہیں انسان کی۔" امجد نے قدرے کمزور لہجہ میں کہا۔

"نہیں پڑھائی کے علاوہ میری تو اور کوئی مصروفیات نہیں ہیں۔" اماں نے قلعیت سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پہلے بھی تو ہم دونوں آپس میں بہت سی باتیں کرتے تھے۔" اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پہلے کی بات چھوڑیں، اب میں وقت ضائع کرنا انورڈ نہیں کر سکتی۔ حیرت مجھے آپ پر ہو رہی ہے۔ آپ بزنس میں ہو کر اتنی انچور اور ایجوٹل سوچ رکھتے ہیں۔ آپ کو تو خود بہت پرکھنیکل ہونا چاہئے۔"

امجد کچھ بول نہ سکا۔

"ہم دونوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ہم دونوں جانتے ہیں۔ اب اگر آپ میری پکھنیکل اپروچ

کو بے اتفاقی، بے نیازی، ناراضی سمجھیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ یہاں بھی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس رشتے کو اہمیت دیتی ہوں ورنہ کوئی اجنبی تو اس طرح یہاں میرے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پی سکتا۔" وہ ایک لمحے کے لئے زکی۔ "اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کے آنے یا نہ آنے سے مجھے کوئی فرق پڑے گا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں ہی بہت معروف رہتے ہیں۔ ہم ماڈرن ایج کی پیداوار ہیں نہ میں کوئی ہیر ہوں کہ آپ کے لئے تنگی کی چوری لے جا کر تمناؤں آپ کی بائسری منتی رہوں گی نہ ہی آپ رائجے کے فیصلے سے تعلق رکھتے ہیں کہ میرے لئے تمناؤں یہ فریڈ سرائیام دیں۔ جگ بھی ہے کہ فرق واقعی نہیں پڑتا کہ ہم دونوں ملیں یا نہ ملیں، باتیں کریں یا نہ کریں۔ ہمارا رشتہ دیر سے جاڑا ہے اس میں کوئی تبدیلی آ سکتی ہے؟"

اگر امجد کے سامنے پرہیز نہیں کیا تھا تو اس کی واحد وجہ دسمبر کا مہینہ تھا ان دونوں کی عمر میں آٹھ سال کا فرق تھا مگر اس وقت مکمل بار امجد کو یہ فرق اٹھارہ سال کا محسوس ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے سے اٹھارہ سال بڑی لگی تھی۔ وہ بچتے پہلے دو انیس سال کی ہوئی تھی مگر اس وقت امجد کو لگ رہا تھا جیسے وہ انیس سال سے سیدھی ایدز مری میں چلی گئی تھی اور خود وہ ایک بار Pre-teen میں آگیا تھا۔ وہ اس کے بالفاظ ٹانگ پر ٹانگ رکھے امجد کے چہرے پر نظریں جمائے اسی بے تاثر انداز میں اس کے جواب کی منتظر تھی۔ امجد نے کرسی کے مجھے پر گئے اس کے ہاتھ میں مٹکی کی انگوٹھی کو دیکھا اور ٹھنکھار کر اٹھا گا صاف کرنے کی کوشش کی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو؟ میں صرف اس لئے ڈسکشن کی بات کر رہا تھا کہ ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے۔"

"امجد! میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھتی اور جانتی ہوں اور یہ جان کر مجھے انوس ہو ا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے درمیان اچھی بھی کسی انڈر اسٹینڈنگ کو ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال تھا ہم دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

وہ امجد کا دل نہیں تھا، امجد نے اعتراف کیا۔

"اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ اتنا ہی اور بزنس کو ڈسکس کر کے ہم کوئی انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کر لیں گے تو ٹھیک ہے، آئندہ ہم بھی ڈسکس کر لیا کریں گے۔" اماں کے لہجے میں لاپرواہی کا عنصر واضح تھا۔ "تم کو میری بات بری لگی ہے؟"

"بالکل بھی نہیں..... میں کیوں برا مانوں گی؟" اس کے لہجے میں موجود حیرت کے عنصر نے امجد کو مزید شرمندہ کیا۔

"شاید میں نے غلط بات کی ہے۔" "شاید نہیں یقیناً" اس نے تینوں نظروں پر باری باری زور



دے دے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو میرے نزدیک یہ رشتہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے بہت سے خواب ہیں۔ اس رشتے کے حوالے سے، تمہارے حوالے سے۔" امجد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "بہت سے باتیں چہرے کے ساتھ اسی بل کو دیکھ رہی تھی۔"

"شاید اس لئے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس رشتے کے حوالے سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ رشتہ ہم دونوں کی مرضی سے ہوا ہے۔"

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے جذب سے کہہ رہا تھا اور یکدم ہی اسے ایک بار پھر یہ احساس ہونے لگا تھا جیسے وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ امجد کو لگا وہ ایک بار پھر خود سے باتیں کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بہت بڑی کوٹھی کے عقب میں موجود انجیسی سے میوزک کی آواز باہر لان تک آرہی تھی۔ باہر موجود کوئی بھی شخص انجیسی کے اندر موجود لوگوں کی قوت برداشت پر حیرانی کا اظہار کر سکتا تھا لیکن وہ انجیسی کے اندر موجود لوگوں کی حالت دیکھ لیتا تو وہ اس حیران کن قوت برداشت کی وجہ جان جاتا۔ انجیسی کے اندر موجود وہ چھ لڑکے جس حالت میں تھے اس حالت میں اس سے زیادہ تیز اور بلند میوزک بھی ان پر اثر انداز نہ ہو سکتا تھا اور جہاں تک ساتویں لڑکے کا تعلق تھا تو وہ ایسی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

انجیسی کا وہ کمرہ اس وقت دھوئیں کے مرغولوں اور عجیب قسم کی بو سے بھرا ہوا تھا۔ قالین پر ایک مشہور ریٹرنٹ سے لائے گئے کھانے کے کپے ہوئے ڈبے اور ڈسپوزر محل چلنے، چلنے بھی پڑے تھے۔ قالین پر کھائے پینے کی بچی بچی چیزیں اور ہڈیاں بھی ادھر ادھر بچھری گئی تھیں۔ سوٹ ڈرنک کی پلاسٹک کی بوتلیں بھی ادھر ادھر لڑھک رہی تھیں۔ کچپ کی بوتلوں سے نکلنے والی کچپ قالین کو کچھ اور بدلتا جا رہی تھی۔ وہ سات لڑکے اسی قالین پر ایک دوسرے سے کچھ قاصیلے پر راجہاں تھے۔ ان کے سامنے قالین پر بیڑ کے خالی کبوتر کا ایک ڈھیر بھی لگا ہوا تھا اور تقریباً کایہ سلسلہ وہیں تک نہیں لڑکا تھا اس وقت وہ ان ڈارگز کو استعمال کرنے میں مصروف تھے جن کا انتظام ان میں سے ایک نے کیا تھا۔

پچھلے دو ماہ میں وہ تیسری بار اس ایڈوچر کے لئے اکٹھے ہوئے تھے اور ان تین مواقع پر وہ چار مختلف قسم کی ڈارگز استعمال کر چکے تھے۔ پہلی بار انہوں نے دو ڈارگز استعمال کی تھی جو ان میں سے ایک کو اپنے باپ کی دواؤں سے ملی تھی۔ دوسری بار انہوں نے جو ڈارگز استعمال کی تھی وہ انہوں نے اپنے ایک اسکول فیلو کے توسط سے اسلام آباد کے ایک کلب سے خریدی تھی اور اس بار وہ جو ڈارگز استعمال کر

رہے تھے وہ انہوں نے ایک ٹرپ پر اوپنڈی کی ایک مارکٹ میں ایک افغان سے خریدی تھی۔ تینوں مواقع پر انہوں نے ان ڈارگز کے ساتھ انکوئل کا استعمال کیا تھا جس کا حصول ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اس وقت بھی ان سات لڑکوں میں سے چھ لڑکے پوری طرح نشے میں تھے۔ ان میں سے ایک ابھی بھی کاپتے ہاتھوں کے ساتھ ڈارگز کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ دو لڑکے مگرینٹ پیچے ہوئے باقی لڑکوں کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی منگھو کر رہے تھے۔ صرف ساتواں لڑکا مکمل طور پر ہوش میں تھا اس لڑکے کا چہرہ pimples / مہاسوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گلے میں موجود ایک سیاہ رنگ ڈوری میں تین چار تانبے کی عجیب سی شکلوں کے ذریعہ رات پردے ہوئے تھے۔ ایلوں پر پیسلے لٹائیں کے کارزدانی ایک چمکر ڈارگز بلوشرٹ کے ساتھ وہ ایک بے ہودہ سی سرنگی جھڑپنے ہوئے تھا جس کے دونوں ہاتھوں پر میڈو کا چہرہ چنٹ کیا گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اپنی دائیں طرف موجود لڑکوں پر ایک اپنی نظر ڈالی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مگر اس سرخی کے باوجود وہ ایسا کوئی تاثر نہیں دے رہی تھیں کہ وہ باقی لڑکوں کی طرح مکمل طور پر نشے کی گرفت میں تھا۔ چند منٹ انہیں دیکھنے کے بعد اس نے سیدھے ہوتے ہوئے ڈھانچ میں موجود باقی ڈارگز کو ان میں ڈال دی اور ایک چھوٹے سے سڑک کے ساتھ اسے سنبھالنے لگا۔ کافی دیر کے بعد اس نے سڑک کو ایک طرف پیچک دیا اور اپنے ہاتھ کی پور پر تھوڑی سی ڈارگز رکھ کر زبان کی نوک کے ساتھ کچھ دلچسپی، تجسس مگر احتیاط کے ساتھ اسے پھلکا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے برق رفتاری کے ساتھ اپنے بائیں جانب تھوکا، ڈارگز جیتا بہت اچھی کوالٹی کی تھی۔ اس کی آنکھیں اب پہلے سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں مگر ابھی بھی وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی اس سرگرمی سے کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہوا۔ ایک دو منٹ کے بعد اس نے اپنے پاس قالین پر پڑے ہوئے بیڑ کے can سے چند گھونٹ لیٹے ہوئے پیسے ڈارگز کے ڈائیکو کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ can رکھنے کے بعد وہ چند منٹ تک کو ان میں موجود ڈارگز کو دیکھتا رہا۔ دوسرے چھ لڑکے اس وقت تک نشے میں پوری طرح دھت کارہٹ پر اندھے سیدھے پڑے تھے مگر وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا تھا can میں موجود بیڑ کے گھونٹ لیٹے ہوئے وہ ہر سوچا انداز میں ان سب کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب حورم ہو رہی تھیں مگر ان میں موجود چمک جتا رہی تھی کہ وہ ابھی بھی مکمل طور پر نشے میں نہیں ہے۔

یہ اس کے ساتھ تیسری بار ہوا تھا۔ پہلی دو بار ڈارگز استعمال کرنے کے بعد بھی وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا، جب کہ اس کے دوست بہت جلد نشے میں دھت ہوئے تھے۔ رات کے پچھلے پہر وہ ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر خود گھر آگیا تھا۔ آج بھی وہ یہی کرنا چاہتا تھا۔ کمرے کے اندر موجود ڈارگز کی بو سے اب پہلی بار وہ الجھنے لگا تھا اس نے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور وہ لاکھڑا ہوا۔ اپنی لاکھڑاہٹ پر قابو



پاتے ہوئے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر اس نے کانٹ سے کی رنگ، والٹ اور کریڈٹ کارڈ اٹھائے پھر آگے بڑھ کر اس نے اسٹیرج کو بند کر دیا۔ اپنی ستورم اور سرخ آنکھوں سے اس نے کمرے میں ایک نظر دوڑائی۔ یوں جیسے وہ کوئی چیز یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بار پھر نیچے بیٹھ کر اس نے جاگڑ پینے اور ان کے قسموں کو ٹخوں کے گرد لپیٹ کر گرد پاندھی پھر دروازے کا لاک کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ روشنی سے یک دم وہ کورڈور کی تاریکی میں آ گیا تھا۔ اندھیرے میں اپنا راستہ ڈھونڈتے ہوئے وہ انگیسی کے چروٹی دروازے کو کھولتا ہوا باہر لان میں آ گیا۔ انگیسی کی سڑکیاں اترتے ہوئے اسے اپنی ناک سے کوئی چیز بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بایاں ہاتھ اٹھا کر اس نے اپنے اوپر کی ہونٹ پر رکھا اس کی انگلیاں چپچپانے لگی تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنی انگلیوں کو انگیسی کی چروٹی لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔ اس کی پوروں پر خون کے قطرے گتے ہوئے تھے اس نے اپنی نراؤز کی جیب نڈلتے ہوئے اندر سے ایک رومال برآمد کیا اور اپنی پوروں پر لگا ہوا خون صاف کیا اس کے بعد اسی رومال کے ساتھ اس نے اپنے ناک سے نچنے والا خون صاف کیا اسے اپنے حلق میں کوئی چیز جھپٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کھانکھار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسے اب اپنے سینے میں بھی ٹھنکن کا احساس ہونے لگا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے اس ٹھنکن کو کم کرنے کی کوشش کی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے دو تین بار نیچے تھوکا اور ایک بار پھر سڑکیاں اترنے کے لئے قدم بڑھایا۔ وہ یک دم ٹھٹھک گیا۔ اس کے ناک میں عجیب سی سنناہٹ ہوئی اور پھر یک دم کوئی چیز پوری قوت سے پہنچے لگی۔ وہ بے اختیار کمرے کی جھک گیا۔ ایک دھماکہ کی صورت میں اس کی ناک سے نچنے والا خون سڑکیوں پر گرنے لگا تھا۔ مارٹن پر چھٹکا ہوا خون، وہ اسے دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

گالف کلب میں تقریباً تقسیم اخراجات منفقہ کی جاری تھی۔ سولہ سالہ سالار سکندر بھی انڈر سکلین کی کٹنگری میں seven under par کے اسکور کے ساتھ پہلی پوزیشن کی ٹرافی وصول کرنے کے لئے موجود تھا۔

سکندر عثمان نے سالار سکندر کا نام پکارے جانے پر تالیاں بجاتے ہوئے اس ٹرافی کیمپٹ کے بارے میں سوچا۔ جس میں اس سال انہیں کچھ مزید تبدیلیاں کر دانی پڑیں گی۔ سالار کو ملنے والی شیلڈ زاور ٹرافی کی تعداد اس سال بھی پچھلے سالوں جیسی ہی تھی۔ ان کے تمام نیچے ہی پڑھائی میں بہت اچھے تھے مگر سالار سکندر باقی سب سے مختلف تھا۔ ٹرافی، شیلڈ زاور سرنیکٹینس کے معاملے میں وہ سکندر عثمان کے باقی بچوں سے بہت آگے تھا۔ ۵۰ آئی کیو لیول کے حامل اس بچے کا مقابلہ کرنا ان میں سے کسی کے لئے ممکن

تھا بھی نہیں۔

فخریہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے سکندر عثمان نے دائیں طرف بیٹھی ہوئی اپنی بیوی سے سرگوشی میں کہا: "یہ گالف میں اس کی حیرتوں اور اس سال کی چوتھی ٹرافی ہے۔"

"ہر چیز کا حساب رکھتے ہو تم۔" اس کی بیوی نے مسکراتے ہوئے جیسے قدرے ستائشی انداز میں اپنے شوہر سے کہا۔ جس کی نظریں اس وقت مہمان خصوصی سے ٹرافی وصول کرتے ہوئے سالار پر مرکوز تھیں۔

"صرف گالف کا اور کیوں، دو ختم اچھی طرح جانتی ہو۔" سکندر عثمان نے اپنی بیوی کو دیکھا جواب سیٹ کی طرف جاتے ہوئے سالار کو کچھ رہی تھی۔

"I bet اگر یہ اس وقت اس مقابلے میں شرکت کرنے والے پروفیشنل کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل رہا ہو تا تو بھی اس وقت اس کے ہاتھ میں یہی ٹرافی ہوتی۔" سکندر عثمان نے بیٹے کو دور سے دیکھتے ہوئے کچھ فخریہ انداز میں دعویٰ کیا۔ سالار اب اپنی سیٹ کے اطراف میں موجود دوسری سیٹوں پر موجود دوسرے اخراجات حاصل کرنے والوں سے ہاتھ ملانے میں مصروف تھا۔ ان کی بیوی کو سکندر عثمان کے دعویٰ پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھیں سالار کے بارے میں یہ ایک باپ کا جذباتی جملہ نہیں تھا۔ وہ واقعی اتنا ہی غیر معمولی تھا۔

اسے دو دفعے پہلے اپنے بھائی زہیر کے ساتھ اسی گالف کورس پر افکارہ بول پر کھیل جانے والا گالف کا بیچ یاد آیا۔ rough میں اتفاقاً گر جانے والی ایک بال کو وہ جس صفائی اور مہارت کے ساتھ واپس گرین پر لایا تھا اس نے زہیر کو محو حیرت کر دیا۔ وہ پہلی بار سالار کے ساتھ گالف کھیل رہا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔" افکارہ بول کے خاتمہ تک کسی کو بھی یہ یاد نہیں تھا کہ اس نے یہ جملہ کتنی بار بولا تھا۔

rough سے کھیل جانے والی اس شاٹ نے اگر اسے محو حیرت کیا تھا تو سالار سکندر کے Putters نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ گیند کو بول میں جاتے دیکھ کر اس نے کلب کے سہارے کھڑے کھڑے صرف گردن موڑ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں سالار سکندر اور اس بول کے درمیان موجود فاصلے کو ماپا تھا اور پھر جیسے بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"آج سالار صاحب اچھا نہیں کھیل رہے۔" زہیر نے مڑ کر بے یقینی کے عالم میں اپنے بیچے کھڑے کیڑی کو دیکھا جو گالف کارٹ پکڑے سالار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"ابھی یہ اچھا نہیں کھیل رہا؟" زہیر نے کچھ استہزاء انداز میں کلب کے کیڑی کو دیکھا۔

"ہاں صاحب ورنہ بال بھی rough میں نہ جاتی۔" کیڑی نے بڑے معمول کے انداز میں انہیں بتایا۔

"آپ آج یہاں پہلی بار کھیل رہے ہیں اور سالار صاحب پچھلے سات سال سے یہاں کھیل رہے ہیں۔"

میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آج وہ اچھا نہیں کھیل رہے۔  
کیٹی نے زیر کی معلومات میں اضافہ کیا اور زیر نے اپنی بہن کو دیکھا جو فخریہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"اگلی بار میں پوری تیاری کے ساتھ آؤں گا اور اگلی بار کھیل کی جگہ کا انتخاب بھی میں کروں گا۔"  
زیر نے کچھ وقت کے عالم میں اپنی بہن کے ساتھ سالار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔  
"any time any place" (کسی بھی وقت کسی بھی جگہ) انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف سے اپنے بھائی کو براہ اعتماد انداز میں چیلنج کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں اس ویک اینڈ پر ٹی اے اور ڈی اے کے ساتھ کراچی بلوانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے سالار کے قریب پہنچ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ سالار مسکرایا۔  
"کس لئے.....؟"

"میرے behalf پر تمہیں کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر کے ساتھ ایک میچ کھیلنا ہے میں اس بار الیکشن میں اس سے ہار ہوں، مگر وہ اگر کسی سے گالف کا میچ ہار گیا تو اسے ہارٹ ایک ہو جائے گا اور وہ بھی ایک بچے کے ہاتھوں settle the scores کی بات پر ہنسی نہیں، مگر سالار کے سامنے پر چند منٹ سووار ہو گئے تھے۔

"بچہ؟" اس نے ان کے جیلے میں موجود واحد قابل اعتراض لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا۔  
"میرا خیال ہے انکل اچھے کل آپ کے ساتھ اٹھارہ ہو کر کا ایک اور ٹیم کرنا پڑے گا۔"

☆.....☆.....☆

احمد دروازہ کھول کر اپنی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ای! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو..... کیا بات ہے؟"

احمد صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آپ ہاشم انکل کی طرف نہیں گئیں؟"

"نہیں۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں اماں اس ویک اینڈ پر آئی ہوئی ہے۔"

"اچھا..... آج شام کو چلیں گے..... تم گئے تھے وہاں؟" کلیڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں کیا تھا۔"

"کیسی ہے وہ۔ اس بار تو خاصے عرصے کے بعد آئی ہے۔" کلیڈ کو یاد آیا۔

"ہاں دو ماہ کے بعد....." کلیڈ کو احمد کچھ الجھا ہوا لگا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"آئی اچھے اماں! پچھلے کچھ عرصے سے بہت بدلی بدلی لگ رہی ہے۔" اس نے ایک مگر اسانس لیے ہوئے کہا۔

"بدلی بدلی؟ کیا مطلب؟"

"مطلب تو میں شاید آپ کو نہیں سمجھا سکتا، بس اس کا رویہ میرے ساتھ کچھ عجیب سا ہے۔" احمد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آج تو وہ ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی۔ پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی اس میں..... میں سمجھ نہیں پا رہا کہ اسے ہوا کیا ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہو گا امجد..... اس کا رویہ کیوں بدلنے لگا..... تم کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔" کلیڈ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں اسی.....! پہلے میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید مجھے وہم ہو گیا ہے لیکن اب خاص طور پر آج مجھے اپنے یہ احساسات صرف وہم نہیں لگے ہیں۔ وہ بہت اکثرے سے انداز میں بات کرتی رہی مجھ سے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس کا رویہ کیوں بدل گیا ہے؟" کلیڈ نے برش میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا؟"

"تم نے پوچھا اس سے؟"

"ایک بار نہیں کہی بار....."

"پھر.....؟"

"ہر بار آپ کی طرح وہ بھی یہی کہتی ہے کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کبھی وہ کہتی ہے اسٹوڈنٹ کی وجہ سے ایسا ہے..... کبھی کہتی ہے وہ اب بچو رہ گئی ہے اس لئے....."

"یہ ایسی کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے واقعی یہ بات ہو۔" کلیڈ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ای! بات سمجھ گئی کی نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے کھڑے لگی ہے۔" احمد نے کہا۔

"تم فضول بائیں کر رہے ہو امجد! میں نہیں سمجھتی کہ ایسی کوئی بات ہو گی، ویسے بھی تم دونوں تو بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو، ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہو۔"

کلیڈ کو بچنے کے خدشات بالکل بے معنی لگے۔

"ظاہر ہے۔ عرصے کے ساتھ کچھ تبدیلیاں آئی جاتی ہیں، اب بچے تو رہے نہیں ہو تم لوگ..... تم معمولی معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی عادت چھوڑ دو....." انہوں نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی ہاشم بھائی اگلے سال اس کی شادی کرو دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بعد میں اپنی تعلیم



کمل کرتی رہے گی۔ کم از کم وہ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" کلیڈ نے انکشاف کیا۔

"انکل نے ایسا کیا کیا؟" اسجد کچھ چونکا۔

"کئی بار کہا ہے..... میرا خیال ہے وہ لوگ تو تیار یاں بھی کر رہے ہیں۔" اسجد نے ایک اطمینان

بھرا سانس لیا۔

"ہو سکتا ہے اماں اسی وجہ سے قدرے پریشان ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے..... بہر حال یہ ہی صحیح ہے۔ اگلے سال شادی ہو جانی چاہئے۔" اسجد نے کچھ

طمینان ہوتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ سولہ ستر سال کا ایک دبلا پتلا مگر لمبا لڑکا تھا، اس کے چہرے پر ملوث کا وہ مگر اداس نظر آ رہا تھا جسے ایک بار بھی شیو نہیں کیا گیا تھا اور اس روئیں نے اس کے چہرے کی مصوہیت کو برقرار رکھا تھا۔ وہ اسجد رئیس شاد رئیس اور ایک ڈبیلی ڈھانی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پیروں میں کاشن کی جرابیں اور جاگرز تھے، عجیب گم چپاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب تھا۔

وہ اس وقت ایک پر بھوم سڑک کے بچوں سچ ایک بیوی ڈیوٹی موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تھی۔ تقریباً اسے اڑائے لے جا رہا تھا۔ وہ کسی قسم کے ہیڈلٹ کے بغیر تھا اور بہت دلش انداز میں موٹر سائیکل کو چلا رہا تھا۔ اس نے دو دفعہ ٹکٹل توڑا..... تین دفعہ خطرناک طریقے سے کچھ گاڑیوں کو اور ٹیک کیا..... چار دفعہ بائیک چلاتے چلاتے اس کا اگلا پیرو اٹھا دیا اور کتنی ہی دیر دور تک صرف ایک پیچ پر بائیک چلاتا رہا..... دو دفعہ دائیں بائیں دیکھے بغیر اس نے اپنی مرضی کا ٹرن لیا..... ایک دفعہ وہ زگ زگ انداز میں بائیک چلانے لگا، دیکھے دفعہ اس نے پوری رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں اٹھا دیے۔

پھر ایک دم اسی رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اس نے دن وے کی خلاف ورزی کرتے اس لین کو توڑا اور دوسری لین میں زانے کے ساتھ گھس گیا، سامنے سے آتی ہوئی ٹریک کی بیکیں یک دم جھج اٹھیں..... اس نے نکل اسپینڈ پر بائیک چلاتے ہوئے یک دم ونڈل پر سے اپنے ہاتھ ہٹا دیے۔ بائیک پوری رفتار کے ساتھ سامنے سے آنے والی گاڑی کے ساتھ ٹکرائی، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہوا اور پھر کسی چیز پر گر..... اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا۔

دو دونوں لڑکے اسٹیج پر ایک دوسرے کے بالفاظی دوسرے کے پیچھے کھڑے تھے، مگر ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کی نظریں ہمیشہ کی طرح ان میں سے ایک پر مرکوز تھیں، وہ دونوں بیٹے ہوائے کے

استحاب کے لئے کنوینینس کر رہے تھے اور وہ پروگرام بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ دونوں کے دوسرے پر ایک ایک پکڑ لگا ہوا تھا، جن میں سے ایک پر دوٹ فار سالار اور دوسرے پر دوٹ فار فیضان لکھا ہوا تھا۔

اس وقت فیضان بیٹھ بوائے بن جانے کے بعد اپنے ممکنہ اقدامات کا اعلان کر رہا تھا، جب کہ سالار پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھتے ہی مصروف تھا۔ فیضان اسکول کا سب سے اچھا مقرر تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے جوش و خروش کے کمال دکھانے میں مصروف تھا اور اسی پرش لب و لہجے میں بات کر رہا تھا جس کے لئے وہ مشہور تھا۔ بہترین سٹوڈنٹس کی وجہ سے اس کی آواز اور انداز دونوں ہی خاصے حاشر کن تھے۔ ہال میں بلاشبہ سکوت طاری تھا اور یہ خاموشی صرف اسی وقت فوقتی جب فیضان کے سپورٹرز اس کے کسی اچھے جیلے پر داد دینا شروع ہوتے ہال یک دم تالیوں سے گونج اٹھتا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ جب اپنے لئے دوٹ کی اپیل کرنے کے بعد خاموش ہوا تو ہال میں اگلے کئی منٹ تالیاں اور بیٹیاں بکھتی رہیں۔ ان تالیاں بجانے والوں میں خود سالار سکندر بھی شامل تھا۔ فیضان نے ایک فائنل نظر ہال پر اور سالار پر ڈالی اور اسے تالیاں بجاتے دیکھ کر اس نے گردن کے ہٹکے سے اشارے سے اسے سر اٹھا، سالار سکندر آسمان حریف نہیں تھا یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اسٹیج سکرٹری اب سالار سکندر کے لئے انارڈمنٹ کر رہا تھا۔ تالیوں کی گونج میں سالار نے بولنا شروع کیا۔

"گھنٹہ مارنگ فرینڈز....." وہ یک لکھ ٹھہرا۔ "فیضان اکبر ایک مقرر کے طور پر یقیناً ہمارے اسکول کا املا ہے۔ میں یاد دہراؤں کہ ان کے مقابلے میں کسی اسٹیج پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔" وہ ایک لمبے کے لئے رکا اس نے فیضان کے چہرے کو دیکھا۔ جس پر ایک خفیہ مسکراہٹ اُبھر رہی تھی مگر سالار کے جملے کے باقی حصے نے اگلے لمحے اس مسکراہٹ کو غائب کر دیا۔

"اگر معاملہ صرف باتیں بتانے کا ہو تو....."

ہال میں ہلکی سی کھٹکھٹاہٹیں ابھریں۔ سالار کے لہجے کی سنجیدگی برقرار تھی۔

"مگر ایک بیٹھ بوائے اور مقرر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مقرر کو باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ بیٹھ بوائے کو کام کرنا ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق talker اور doer کا ہوتا ہے اور

great talkers are not great doers سالار کے سپورٹرز کی تالیوں سے ہال گونج اٹھا۔

"میرے پاس فیضان اکبر جیسے خوب صورت لفظوں کی روانی نہیں ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرے پاس صرف میرا نام ہے اور میرا حاشر کن ریکارڈ اور مجھے کنوینینس کے لئے لفظوں کے کوئی دہراؤ نہیں بھانے، مجھے صرف چند الفاظ کہنے ہیں۔" وہ ایک بار پھر زکا۔

"trust me and vote for me" (مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے ووٹ دیں)۔



اس نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے جس وقت اپنے ٹانگ کو آف کیا اس وقت ہال ٹالیوں سے گونج رہا تھا ایک منٹ چالیس سیکنڈز میں وہ اسی پے گئے اور calculated انداز میں بولا تھا، جو اس کا خاصا تھا۔۔۔ اور اسی ڈیڑھ منٹ نے فیضان کا تحفہ کر دیا تھا۔

اس ایجنسی تعارف کے بعد دونوں امیدواروں سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ سالار سکندر ان جوابات میں بھی اسے ہی اختصار سے کام لے رہا تھا جتنا اس نے اپنی تقریر میں لیا تھا۔ اس کا سب سے طویل جواب چار جملوں پر مشتمل تھا جب کہ فیضان کا سب سے مختصر جواب بھی چار جملوں پر مشتمل نہیں تھا۔ فیضان کی وہ نصاحت و بلاغت جو پہلے اس کی خوبی سمجھی جاتی تھی اس وقت اس اسٹکچر پر سالار کے مختصر جوابات کے سامنے چرب زبانی نظر آرہی تھی اور اس کا احساس خود فیضان کو بھی ہو رہا تھا، جس سوال کا جواب سالار ایک لفظ یا ایک جملے میں دیتا، اس کے لئے فیضان کو عاداً تہید پاندہ مٹی پڑتی اور سالار کا اپنی تقریر میں اس کے بارے میں کیا ہوا یہ قہر وہاں موجود اسٹوڈنٹس کو کچھ اور عجیب محسوس ہوتا کہ ایک مقرر صرف باتیں کر سکتا ہے۔

"سالار سکندر کو ہیڈ ہوائے کیوں ہو؟ چاہئے؟" سوال کیا گیا۔

"کیونکہ آپ بہترین شخص کا انتخاب چاہتے ہیں۔" جواب آیا۔

"کیا یہ جملہ خود ساختہ نہیں ہے؟" اعتراض کیا گیا۔

"نہیں یہ جملہ خود شناسی ہے۔" اعتراض کو رد کر دیا گیا۔

"خود ساختہ اور خود شناسی میں کیا فرق ہے؟" ایک بار پھر چہنچہ ہوئے لمحے میں پوچھا گیا۔

"وہی جو فیضان اکبر اور سالار سکندر میں ہے۔" سنجیدگی سے کہا گیا۔

"اگر آپ کو ہیڈ ہوائے نہ بنایا تو آپ کو کیا فرق پڑے گا؟"

"فرق مجھے نہیں آپ کو پڑے گا۔"

"کیسے؟"

"اگر بہترین آدمی کو ملک کا لیڈر نہ بنایا جائے تو فرق قوم کو پڑتا ہے۔ اس بہترین آدمی کو نہیں۔"

"آپ اپنے آپ کو بھر بہترین آدمی کہہ رہے ہیں۔" ایک بار پھر اعتراض کیا گیا۔

"کیا اس ہال میں کوئی ایسا ہے جو خود کو برے آدمی کے ساتھ equate کرے؟"

"ہو سکتا ہے؟"

"پھر میں اس سے ملتا چاہوں گا۔" ہال میں ہنسی کی آوازیں ابھریں۔

"ہیڈ ہوائے بننے کے بعد سالار سکندر جو تبدیلیاں لائے گا اس کے بارے میں بتائیں۔"

"تبدیلی بتائی نہیں جاتی دکھائی جاتی ہے اور یہ کام میں ہیڈ ہوائے بننے سے پہلے نہیں کر سکتا۔"

چند اور سوال کے لمحے پھر اسٹکچر ٹری نے حاضرین میں سے ایک آخری سوال لیا۔ وہ ایک سری فنک لاکا تھا جو کچھ شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"مگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اور میرا چور اگر روپ آپ کو دوں دے گا۔" سالار اس کی بات پر مسکرایا۔ "جواب دینے سے پہلے میں جانتا چاہوں گا کہ آپ کے روپ میں کتنے لوگ ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بھئی۔۔۔" اس لڑکے نے کہا۔

سالار نے سر ہلایا "او کے۔ سوال کریں۔"

"آپ کو کچھ حساب کتاب کرتے ہوئے مجھے بتاتا ہے کہ اگر ہم 267895 میں 952852 کو جمع کریں پھر اس میں سے 399999 کو تفریق کریں پھر اس میں 929292 کو جمع کریں اور اسے۔۔۔۔۔" وہ سری فنک لاکا ٹھہر ٹھہر کر ایک کاغذ پر لکھا ہوا ایک سوال پوچھ رہا تھا۔ "مجھے کے ساتھ ضرب دیں پھر اسے دو کے ساتھ تقسیم کریں اور جواب میں 492359 کو جمع کر دیں تو کیا جواب آئے۔۔۔" وہ لاکا اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔

"8142473" بڑی برقی رفتار کے ساتھ سالار نے جواب دیا۔ اس لڑکے نے کاغذ پر ایک نظر دوڑائی اور پھر کچھ بے چینی سے سر ہلاتے ہوئے تالیاں بجانے لگا۔ فیضان اکبر کو اس وقت اپنا آپ ایک ایکسٹریس زیادہ نہیں لگا۔ پورا ہال اس لڑکے کے ساتھ تالیاں بجانے میں مصروف تھا۔ فیضان اکبر کو وہ پورا پورا دگر ام ایک مذاق محسوس ہونے لگا۔

ایک لمحے کے بعد جب وہ سالار سکندر سے پہلے اس اسٹکچر سے اتر رہا تھا تو وہ جانتا تھا کہ وہ مقابلے سے پہلے ہی مقابلہ ہار چکا تھا۔ 150 کے آئی کیو لیول والے اس لڑکے سے اسے زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنا حسد محسوس نہیں ہوا۔

☆.....☆.....☆

"ایمانہ آپ! آپ لاہور کب جائیں گی؟"

"دو ماہ پہلے خوشی کو دیکھتے ہوئے چوکی۔" سر اٹھا کر اس نے سہو کو دیکھا۔ وہ سائیکل کی رفتار کو اب بالکل آہستہ کے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"کل۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" ایمانہ نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"جب آپ چلی جاتی ہیں تو میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

"کیوں۔۔۔۔۔؟" ایمانہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں اور آپ میرے لئے بہت سے کھلونے لاتی ہیں اور آپ مجھے



سیر کروانے لے کر جاتی ہیں اور آپ میرے ساتھ کھینچتی ہیں اس لئے۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔  
 "آپ مجھے اپنے ساتھ لاہور نہیں لے جاسکتیں؟" امامہ اندازہ نہیں کر سکی۔ یہ تجویز تھی یا سوال.....  
 "میں کیسے لے جاسکتی ہوں..... میں تو خود ہاسٹل میں رہتی ہوں، تم کیسے رہو گے وہاں؟" امامہ نے کہا۔

سعد سائیکل چلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا "تو پھر آپ جلدی یہاں آیا کریں۔"  
 "اچھا۔ جلدی آیا کروں گی۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کیا کرو کہ مجھ سے فون پر بات کر لیا کرو۔ میں فون کیا کروں گی جنہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سعد کو اس کی تجویز پسند آئی۔ سائیکل کی رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے وہ لان کے لیے لیے پتھر کاٹنے لگا۔ امامہ بے دھیانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

وہ اس کا بھائی نہیں تھا، دس سالہ سعد پانچ سال پہلے ان کے گھر آیا تھا کہاں سے آیا تھا اس کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی، کیونکہ اسے اس کے بارے میں اس وقت کوئی جھنجھٹ نہیں ہو تھا مگر کیوں لایا گیا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ سعد اب دس سال کا تھا اور وہ گھر میں بالکل مکمل مل گیا تھا۔ امامہ سے وہ سب سے زیادہ داناؤں تھا۔ امامہ کو اس پر اکثر ترس آتا۔ ترس کی وجہ اس کا لاوارث ہونا نہیں تھا۔ ترس کی وجہ اس کا مستقبل تھا..... اس کے دو چچاؤں اور ایک تایا کے مگر بھی اس وقت اسی طرح کے گواہ لے ہوئے بچے ہیں رہے تھے۔ وہ ان کے مستقبل پر بھی ترس کھانے پر مجبور تھی۔

فاصل باجھ میں پکڑے سائیکل پر لان میں گھر سے سعد پر نظریں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ اسی طرح کی بہت سی سوچوں میں الجھ جاتی تھی مگر اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ چاروں اس وقت لاہور کے ریڈ لائٹ ایریا میں موجود تھے۔ ان کی عمریں اٹھارہ، دس سال کے لگ بھگ تھیں اور اپنے طبقے سے وہ چاروں اپر کلاس کے تھکتے تھے مگر وہاں پر ان کی عمر کوئی نمایاں کر دینے والی چیز تھی نہ ان کی اپر کلاس سے تعلق رکھنے کی انتہائی خصوصیت..... کیونکہ وہاں پر ان سے بھی کم عمر لڑکے آتے تھے اور اپر کلاس اس علاقے کے مستقل کسٹمرز میں شامل تھی۔

چاروں لڑکے ریڈ لائٹ ایریا کی ٹوٹی ہوئی گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے، جن لڑکے آج بھیں میں باتیں کر رہے تھے، جب کہ صرف چوتھا قدرے جنس اور دلچسپی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار وہاں آیا تھا اور ان تینوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہوئے والی اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ واقعی وہاں پہلی بار آیا تھا۔

گلی کے دونوں اطراف میں کھلے دروازوں میں بیٹاؤں سگھارے کے نیم عموں کپڑوں میں بیوس ہر عمر اور ہر شکل کی عورت کھڑی تھیں سفید..... ساوئی..... سیاہ..... گندی..... بہت خوب صورت..... درمیانی..... اور معمولی شکل و صورت والی۔

گلی میں سے ہر شکل اور عمر کا مرد گزر رہا تھا۔ وہ لڑکا وہاں سے گزرتے ہوئے ہر چیز پر غور کر رہا تھا۔  
 "تم یہاں کتنی بار آئے ہو؟" پتلے پتلے اس لڑکے نے اچانک اپنے دائیں طرف پتلے والے لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ لڑکا جواب دینا "کتنی بار.....؟" یہ تو پتا نہیں..... اب تو کتنی بھی بھول چکا ہوں، اکثر آتا ہوں یہاں پر۔" اس لڑکے نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

"ان عورتوں میں مجھے تو کوئی اڑیکشن محسوس نہیں ہو رہی۔"

"nothing special about them" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"مگر کہیں رات ہی گزرائی ہو تو کم از کم environment (ماحول) تو اچھا ہو۔"

"it's such a dirty, filthy place." (یہ تو بہت ہی گندی جگہ ہے) اس نے گلی میں موجود

گڑبڑوں اور کوڑے کے ڈھیروں کو دیکھتے ہوئے کچھ ناگوار ہی سے کہا۔

"پھر گرل فرینڈز کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اس بار اپنی بیویوں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس جگہ کا اپنا ایک چارم ہے۔ گرل فرینڈز اور یہاں کی عورتوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ گرل فرینڈز اس طرح کے فائنس تو نہیں دیکھا سکتیں جو ابھی کچھ دیر بعد تم دیکھو گے۔" تیسرا لڑکا جملہ "اور پھر پاکستان کی جس بڑی دیکھنے والوں کا ڈانس دیکھانے ہم جنہیں لے جا رہے ہیں وہ تو بس....."

دوسرے لڑکے کی بات کو پہلے لڑکے نے کٹ دیا۔ "اس کا ڈانس تو تم پہلے بھی مجھے دکھائے ہو۔"  
 "ارے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بھائی کی شادی پر ایک بھرا کیا تھا..... مگر یہاں پر تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"وہ دیکھنے میں تو ایک پوش علاقے میں رہتی ہے بھر یہاں کیوں آتی ہے؟" پہلے لڑکے نے کچھ غیر مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہ تم آج خود اس سے پوچھ لیتا میں کبھی اس سے اس طرح کے سوال نہیں کرتا۔" دوسرے لڑکے کی بات پر باقی دونوں لڑکے ہنسے مگر تیسرا لڑکا اسی طرح چسپتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا۔

ان کا سفر پانچواں گلی کے آخر میں ایک عمارت کے سامنے ختم ہو گیا۔ عمارت کے نیچے موجود دکان سے تینوں لڑکوں نے سوچے کے بہت سے ہار خریدے اور اپنی کلائیوں میں لپیٹ لئے۔ ایک ہار







"ہاں۔ یہ تو میں بھی جھپٹے کی ماہ سے لوٹ کر رہا ہوں۔" ہاشم عین نے دسم کی بات پر بیٹی کے چہرے خود سے دیکھنے ہوئے کہا۔

امام نے چادروں کا چھوڑ دیا اور دسم کو کھڑا

"کیوں امام! کوئی مسئلہ ہے؟"

"بابا! یہ بڑی فضول باتیں کرتا ہے اور آپ بھی خواہتا ہوں اس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔ میں اپنی اسطر کی وجہ سے مصروف اور سنجیدہ ہوں۔ اب ہر کوئی دسم کی طرح نکلا تو نہیں ہوتا۔" اس نے اپنے ساتھ بیٹھے دسم کے کندھے پر کچھ مارا مٹی سے لپکا سا ہاتھ مار رہے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ ذرا اندازہ کریں، میڈیکل کے شروع کے سالوں میں اس کا یہ حال ہے تو جب یہ ڈاکٹر بن جائے گی تب اس کا کیا حال ہو گا۔" دسم نے امام کی سنجیدگی پر وہانہ کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔ "سالوں کو زور دیا کریں گے، مس! امام ہاشم کو مسکراتے ہوئے۔"

ڈاکٹنگ نیکل پر موجود لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ان دونوں کے درمیان یہ ٹوک جھونک ہمیشہ رہتی تھی۔ بہت کم مواقع ایسے ہوتے تھے جب دونوں اکٹھے ہوں اور ان کے درمیان آپس میں جھگڑا نہ ہو۔ مشکل بنیادوں پر ہوتے رہنے والے ان جھگڑوں کے باوجود امام کی سب سے زیادہ دوستی بھی دسم کے ساتھ ہی تھی۔ اس کی وجہ شاید ان کی اوپر تلے کی پیوندگاری تھی۔

"اور آپ تصور کریں کہ....." اس بار امام نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی، اس نے اس کے کندھے پر پوری طاقت سے مٹا مارا۔ دسم پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

"ہمارے گھر میں ایک ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا کے سوا اور کیا کیا ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ آج کل کے ڈاکٹر زوارڈ میں مریضوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی شرح اموات کی ایک وجہ....."

"بابا! اس کو منع کریں۔" امام نے بالآخر ہتھیار ڈالنے ہوئے ہاشم عین سے کہا۔

"دسم....." ہاشم عین نے اپنی مسکراہٹ جھپٹا کرتے ہوئے دسم کو جھڑکا، وہ بڑی سعادت مندی سے فوراً خاموش ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

اس نے چورے لٹانے کو گراؤنڈ میں خالی کر دیا اور پھر اسے بند کر کے چلا دیا۔ خانہاں اسی وقت اندر آیا۔

"جھوٹے صاحب! انہیں، میں آپ کی مدد کر دوں۔" وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"نہیں میں خود کر لیتا ہوں۔ تم مجھے دودھ کا ایک گلاس دے دو۔" اس نے گراؤنڈ آف کرتے ہوئے کہا۔ خانہاں ایک گلاس میں دودھ لے کر اس کے پاس چلا آیا۔ دودھ کے آدھے گلاس میں اس نے گراؤنڈ میں موجود تمام پاؤں ڈال دیے اور ایک چھوٹے سے اچھی طرح بلانے لگا مگر ایک ہی سانس میں دودھ خالی کیا۔

"کھانے میں آج کیا کھایا ہے تم نے؟" اس نے خانہاں سے پوچھا۔

خانہاں نے کچھ ڈشز گھواٹی شروع کر دیں۔ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری ابھری۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا، سونے جا رہا ہوں، مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔"

اس نے سختی سے کہا اور مکان سے نکل گیا۔

دروں میں پہنچی ہوئی ہانا کی فیل کو وہ فرش پر تقریباً ٹھیک رہا تھا۔ اس کی شبیر بڑی ہوئی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں۔ شرٹ کے چند ایک کے سوا سارے ہی ٹخن کٹے ہوئے تھے۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے دروازے کو لاک کر لیا اور وہاں موجود چھڑی سائز کے میوزک سسٹم کی طرف گیا اور کمرے میں بولٹن کا ٹیبلٹ when a man loves a woman بلند آواز میں بجنے لگا۔ وہ ریسیوٹ لے کر اپنے بیڈ پر آ گیا اور اونٹ سے منہ ہٹے ترنٹی کے عالم میں لیٹ گیا۔

اس کا ریسیوٹ والا بالیاں ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور مسلسل بل رہا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں بھی میوزک کے ساتھ گردش میں تھے۔

کمرے میں بیٹا اور اس کے اپنے طبقے کے علاوہ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، گھنٹی پر کچھ بھی بے ترتیب نہیں تھا۔ گھنٹی پر گرد کا ایک ڈنڈہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میوزک سسٹم کے پاس موجود دیواری ٹیلیفون تمام آؤٹ اور ڈیج کیسٹس پڑے اچھے طریقے سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری دیوار میں موجود ریسیوٹ پر کن یوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ کونے میں پڑی ہوئی کپڑیوں پر عیاں تھا کہ اسے استعمال کرنے والا بہت آرمکا تر ہے۔ کمرے کی مختلف دیواروں پر ہالی وڈ کی ایکٹریز اور وہاں کے بیٹاز کے پوسٹرز لگے تھے۔ ہاتھ روم کے دروازے اور کمرے کی کڑکیوں کے شیشوں کو پلے پوائے میگزین سے ڈالی گئی کچھ مالٹری کی تھوڑی تعداد سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں ٹیلی بارڈر اصل ہونے والا دروازہ کھولنے سے بہت بڑی طرح چمکتا کیونکہ بالکل سامنے کڑکیوں کے شیشوں پر موجود تصویریں چند لمحوں کے لئے دیکھنے والوں کو تصویریں نہیں بلکہ اصل لڑکیاں نظر آتی تھیں۔ ان تصویروں کو وہاں لگاتے ہوئے ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ میوزک سسٹم میں دیوار کے ساتھ موجود تھا دیوار کے ایک کونے میں دیوار پر ایک الیکٹرک کنڈر لٹکا یا گیا تھا اور اسی کونے میں ایک کی بورڈ بھی اسٹیڈ پر رکھا ہوا تھا۔ دیوار پر مٹا رہے کچھ قاصدے piccolo، فوٹ اور obac بھی لٹکائے گئے تھے اس کمرے کے کئیں کو یقیناً میوزک سے گہری



دلچسپی تھی۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار میں سوچو دیکھتے ہیں ٹی وی موجود تھا اور اسی کینٹ کے مختلف خانوں میں مختلف ٹرانزفائرڈ شیلڈز پڑی ہوئی تھیں۔

کمرے کا چھوٹا کانا بھی خالی نہیں تھا وہاں دیوار پر مختلف ریکٹس لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹینس کا تھا اور دوسرا اسکوٹش کے، ان ریکٹس کو دیوار پر لٹکانے سے پہلے نیچے پوسٹر لگائے گئے تھے اور پھر ریکٹس اس طرح لٹکائے گئے تھے کہ ہاں لٹکا تھا وہ ریکٹس ان کھلاڑیوں نے پکڑے ہوں ٹینس کے ریکٹ کے نیچے کمریٹا سبائی کا پوسٹر تھا جب کہ اسکوٹش کے ایک ریکٹ کے نیچے جہانگیر خان کا پوسٹر تھا جب کہ دوسرے ریکٹ کے نیچے روڈنی مارش کا۔

کمرے میں واحد جگہ جہاں بے ترتیبی تھی دو ذیل بیڈ تھا جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ سلک کی بیڈ شیٹ بری طرح سلوٹ زد تھی اور اس پر ادھر ادھر چند پروٹوگرافی کے غیر ملکی میگزین پڑے ہوئے تھے جن میں پلے ہوئے نمایاں تھا بیڈ پر ایک ہیج کز اور کاغذ کی کچھ چھوٹی چھوٹی کتھیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ حقیقتاً کچھ دیر پہلے وہ ان میگزینز سے تصویروں کا ٹرہا تھا۔ فوٹو گز کے کچھ دھچرے بھی ٹرے ٹرے بیڈ پر ہی پڑے ہوئے تھے۔ ڈن مل کا ایک پیکٹ اور لائٹ بھی انٹرنل ٹرے کے ساتھ بیڈ پر ہی پڑا تھا جب کہ سلک کی سفید چمک دار بیڈ شیٹ پر کئی جگہ ایسے نشان تھے جیسے وہاں پر سگریٹ کی راکھ بھی تھی۔ کافی کا ایک خالی ٹمک بھی بیڈ پر پڑا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک ٹائی اور دست دایچ بھی تھی۔ ان سب چیزوں سے کچھ فاصلے پر سرہانے ایک سوباگل پڑا تھا جس پر ایک دم کوئی کال آنے لگی تھی۔ بیڈ پر اوٹھے سے منہ لیٹا ہوا وہ جو ان اب شاید غیبت کے عالم میں تھا کیونکہ سوباگل کی پیپ پر اس نے سر اٹھائے بغیر اپنا دایاں ہاتھ بیڈ پر ادھر ادھر پھیرتے ہوئے جیسے سوباگل تلاش کرنے کی کوشش کی مگر سوباگل اس کے ہاتھ کی رسائی سے بہت دور تھا۔ اس پر مسلسل کال آ رہی تھی۔ کچھ دیر اسی طرح ادھر ادھر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کا ہاتھ ساکت ہو گیا شاید اب وہ واقعی سوچا تھا کیونکہ اس کے غمگینہ جھڑک چکے تھے۔ سوباگل پر اب بھی کال آ رہی تھی۔ بیڈ سے باہر نکلے ہوئے اس کے ہاتھیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوٹ پک دم اس کی گرفت سے نکل کر نیچے کارپٹ پر گر پڑا۔ مائیکل بولٹن کی آواز ابھی بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔ "when a man loves a woman" پھر ایک دم کمرے کے دروازے پر کبھی نے دستک دی اور پھر دستک کی یہ آواز بلا متنی ہی گئی۔ سوباگل کی کال ختم ہو چکی تھی، دروازے پر دستک دیے والے ہاتھ بلا متنی گئے وہ بیڈ پر اوٹھے سے منہ ہے جس و حرکت پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

"ڈونٹ ٹیلی، اماں! کیا تم واقعی اٹکچو ہو؟"

زیب کو جو یہ کہے انکشاف پر جیسے کٹ لگا۔ اماں نے لامتناہی نظروں سے جو یہ یہ کو دیکھا جو پہلے

یہ معذرت خواہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے نہیں سمجھے دیکھ کر بتاؤ، کیا تم واقعی اٹکچو ہو؟" زیب نے اس بار اسے کچھ بھڑکتے ہوئے کہا۔ "ہاں، مگر یہ اس قدر غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ تو نہیں کہ تم اس پر اس طرح ری ایکٹ کرو۔" اماں نے بڑی رسائی سے کہا۔ وہ سب لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنی طرف سے حتی المقدور سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

"مگر تمہیں ہمیں بتانا تو چاہئے تھا، آخر راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس بار ابو نے کہا۔ "راز میں تو نہیں رکھا، بس یہ کوئی اتنا اہم واقعہ نہیں تھا کہ تمہیں بتانی اور پھر تم لوگوں سے میری دوستی جواب ہوئی ہے جبکہ اس منگھی کو کئی سال گزر چکے ہیں۔" اماں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کئی سال سے کیا سراہا ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے، دو تین سال۔"

"پھر بھی اماں! بتانا تو چاہئے تھا تمہیں....." زیب کا اعتراض ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ اماں نے مسکراتے ہوئے زیب کو دیکھا۔

"اب کروں گی تو اور کسی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"دیر کی ٹی۔" زیب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ نہیں تو تم ہمیں کوئی تصویر وغیرہ مل لا کر دکھاؤ موصوف کی..... ہے کون؟..... نام کیا ہے؟..... کیا کرتا ہے؟"

ابو نے بیٹھ کی طرح ایک ہی سانس میں سوال در سوال کر ڈالے۔

"فرسٹ کزن ہے..... امجد نام ہے۔" اماں نے ڈک ڈک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایم بی اے کیا ہے اس نے اور بزنس کرتا ہے۔"

"شکل و صورت کیسی ہے؟" اس بار زیب نے پوچھا۔ اماں نے خود سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے؟ میں تم سے پوچھ رہی ہوں لہذا ہے؟ ڈاکر ہے؟ چھ مہ ہے؟" اس بار اماں مسکراتے ہوئے کچھ کے بغیر زیب کو دیکھتی رہی۔

"اماں نے اپنی پسند سے یہ منگھی کی ہے..... دو چھانٹا گاڈ لکف ہے۔" جو یہ یہ نے اس بار اماں کی طرف سے جواب دیجے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں اندازہ کر لینا چاہئے تھا، آخر وہ اماں کا فرسٹ کزن ہے..... اب اماں! تمہارا اٹکا کام یہ ہے کہ تم ہمیں اس کی تصویر لا کر دکھاؤ۔" زیب نے کہا۔



”نہیں، اس سے پہلے کا ضروری کام یہ ہے کہ تم ہمیں کچھ کھانے پلانے لے چلو۔“ رابعہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”نی الحال تو یہاں سے چلیں، باطل جاتا ہے مجھے۔“ امامہ یک دم اٹھ کر کڑی ہو گئی تو وہ بھی اٹھ گئیں۔

”ویسے جریہ یہ اقمہ نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟“ ساتھ چلتے ہوئے نضب نے جریہ سے پوچھا۔  
”بھئی، امامہ نہیں چاہتی تھی..... اس لئے میں نے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔“ جریہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ امامہ نے مزے کر ایک بار پھر جریہ کو گھورا، اس کی نظروں میں حیرت تھی۔

”امامہ کیوں نہیں چاہتی تھی..... میری منگنی ہوئی تو میں تو شوہر چاہتی ہر جگہ، وہ بھی اس صورت میں جب یہ میری اپنی مرضی سے ہوئی۔“ نضب نے بلند آواز میں کہا۔

امامہ نے اس بار بھی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

☆.....☆.....☆

”آپ کا بیٹا آبادی کے ۲۰۵۰ حصے میں شامل ہے، جو ۱۵۰۰ سے زیادہ کا آئی کیو لیول رکھتے ہیں۔ اس آئی کیو لیول کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ غیر معمولی سی تحریر و تحقیق نہیں ہے۔“ اس غیر ملکی اسکول میں سالار کو جاتے ہوئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا تھا جب سکندر عثمان اور ان کی بیوی کو وہاں بلا دیا گیا تھا۔ اسکول کے سائیکالوجسٹ نے انہیں سالار سکندر کے مختلف آئی کیو ٹیسٹ کے بارے میں بتایا تھا جس میں اس کی پر غار من نے اس کے فچر زاور سائیکالوجسٹ کو حیران کر دیا تھا۔ اس اسکول میں وہ ۱۵۰۰ کا آئی کیو لیول والا پہلا اور واحد بچہ تھا اور پندرہ ہی دنوں میں وہ وہاں سب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ملاقات کے دوران سائیکالوجسٹ کو اس کے بچپن کے بارے میں کچھ اور کھوج لگانے کا موقع ملا۔ وہ کافی دلچسپی سے سالار کے کیمس کو اسٹڈی کر رہا تھا اور دلچسپی کی یہ نوعیت پر وہ پیش نہیں ذاتی تھی۔ اپنے کیریئر میں وہ پہلی بار اس آئی کیو کے بچے کا سامنا کر رہا تھا۔

سکندر عثمان کو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔ سالار اس وقت صرف دو سال کا تھا اور غیر معمولی طور پر وہ اس عمر میں ایک عام بچے کی نسبت زیادہ صاف لہجے میں باتیں کرتا تھا اور باتوں کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ وہ اور ان کی بیوی اکثر حیران ہوتے۔

ایک دن جب وہ اپنے بھائی سے فون پر بات کرنے کے لئے فون کر رہے تھے تو سالار ان کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس وقت فی دی لائونج میں بیٹھے تھے اور فون پر باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ فی دی وی بھی دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے فون دکھ دیا۔ ریسور رکھنے کے فوراً بعد انہوں نے سالار کو فون کا ریسور اٹھا لے ہوئے دیکھا۔

”ہیلو انگل! میں سالار ہوں۔“ وہ کمرہ ہاتھ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اطمینان سے ریسور کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟“ سکندر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پہلے ان کے ذہن میں یہی قیاس تھا کہ وہ جھوٹ سوت فون پر باتیں کر رہا ہے۔

”پاپا میرے پاس بیٹھے فی دی وی دیکھ رہے ہیں۔ نہیں، انہوں نے فون نہیں کیا، میں نے خود کیا ہے۔“ وہ اس کے اگلے ہٹلے پر چڑ گئے۔

”سالار! کس سے باتیں کر رہے ہو؟“ سکندر نے پوچھا۔

”انگل شاہنواز سے۔“ سالار نے سکندر کو جواب دیا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اس سے لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے غلطی سے کوئی نمبر ملا لیا ہو گا یا پھر لاسٹ نمبر کو ری ڈائل کر دیا ہو گا۔ انہوں نے کان سے ریسور لگایا، دوسری طرف ان کے بھائی ہی تھے۔

”یہ سالار نے نمبر ڈائل کیا ہے۔“ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔

”سالار نے کیسے ڈائل کیا، تو بہت چھوٹا ہے۔“ کان کے بھائی نے دوسری طرف کچھ جیرانی سے پوچھا۔  
”میرا خیال ہے اس نے آپ کا نمبر ری ڈائل کر دیا ہے۔ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا ہو گا۔ ہاتھ بار بار قیامت پر۔“ انہوں نے فون بند کر دیا اور ریسور چھپے رکھ دیا۔ سالار جو خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سننے میں مصروف تھا، ریسور کے نیچے رکھتے ہی اس نے ایک بار پھر ریسور اٹھا لیا۔ اس بار سکندر عثمان اسے دیکھتے گئے، وہ بالکل کبھی سمجھ نہ سکی کہ اس کی طرح ایک بار پھر شاہنواز کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اور بڑی روانی کے ساتھ۔ وہ ایک لمحے کے لئے دم بخود رہ گئے تھے۔ دو سال کے بچے سے انہیں یہ توقع نہیں تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کر لیڈ واپس لیا۔

”سالار! تمہیں شاہنواز کا نمبر معلوم ہے؟“ انہوں نے جیرانی کے اس جھٹکے سے سنکھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں۔“ بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا۔

”کیا نمبر ہے؟“ اس نے بھی روانی کے ساتھ وہ نمبر دہرا دیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی کے انداز سے واقف ہو گا اور پھر وہ نمبر.....

”تمہیں یہ نمبر کس نے سکھایا؟“

”میں نے خود سیکھا ہے۔“

”کیسے؟“

”ابھی آپ نے ملایا تھا۔“ سالار نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کتنی آتی ہے؟“



۱۹- "مجلس"

“چا”

وہ مشین کی طرح شروع ہو گیا۔ ایک عرصے میں اس نے انہیں سوچنے کی تفریح نہ دی۔ سکندر عثمان کے ہیٹ میں تلوار نے گئے۔

”اچھا۔ میں ایک اور نمبر ڈاکٹر کرتا ہوں میرے بعد تم اسے ڈاکٹر کرتا۔“ انہوں نے ریسیور اس سے لیتے ہوئے کہا۔

”اچھا“ سالار کو یہ سب ایک دلچسپ کھیل کی طرح لگا۔ سکندر عثمان نے ایک نمبر لایا اور پھر فون بڑ کر دیا۔ سالار نے فوراً ریسپونڈ کیا۔ پکار کر انھیں یاد دلائی کہ ساتھ وہ نمبر لایا۔ سکندر عثمان کا سر گھومنے لگا تھا۔ وہ واقعی وہی نمبر تھا۔ انہوں نے لایا تھا۔ انہوں نے کیے بعد ونگرے کئی نمبر ملائے اور پھر سالار سے وہی نمبر ملانے کے لئے کہا۔ وہ کوئی غلطی کے بغیر وہی نمبر ملا جا رہا۔ وہ یقیناً فون نوکر ایک میسج دیکھتا تھا۔ انہوں نے اپنی جیوی کو لایا۔

”میں نے اسے گنتی نہیں سکھائی، میں نے تو بس کچھ دن پہلے اسے چند کس میں لاکر دی تھیں اور کل ایک بار ایسے عوام کے سامنے سوک گنتی پڑھی تھی۔“ انہوں نے منکدر صحن کے افسردہ پر کہا۔ منکدر عثمان نے سالار کو ایک بار پھر گنتی سنانے کے لئے کہا، وہ دوتا گیا۔ ان کی بیوی کا بکا بکا روت دیکھتی رہیں۔

دو دنوں میں ان بچی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بچہ ذہنی اعتبار سے غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے اپنے باقی بچوں کی نسبت اسے بہت جلد ہی اسکول میں داخل کروا دیا تھا اور اسکول میں بھی وہ اپنی ان غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ہی دو مردوں کی فکروں میں آگیا تھا۔

”اس بچے کو آپ کی خام توجہ کی ضرورت ہے، عام بچوں کی نسبت ایسے بچے زیادہ حساس ہوتے ہیں، اگر آپ اس کی اچھی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بچہ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے ایک سرمایہ ہو گا نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ آپ کے ملک کے لئے بھی۔“ مسکند عثمان اور ان کی بیوی اس غیر ملکی سائیکالوجسٹ کی باتیں بڑے فخریہ انداز میں سنتے رہے۔

اپنے دوسرے بچوں کے مقابلے میں وہ سالانہ امتحان میں زیادہ اہمیت دینے لگے تھے۔ وہ ان کی سب سے قیمتی اولاد تھا اور انہیں اس کی کامیابیوں پر فخر تھا۔

اسکول میں ایک ٹرم کے بعد اسے اگلی کلاس میں پڑھوٹ کر دیا گیا اور دوسری ٹرم کے بعد اس سے اگلی کلاس میں اور اس وقت پہلی بار سکندر عثمان کو کچھ تشریف ہونے لگی۔ وہ نہیں جانتے تھے سالار

آٹھ دس سال کی عمر میں جو نیٹو سینٹر ٹیجرج کر لیا مگر جس رفتار سے دو ایک کلاس سے دوسری کلاس میں جا رہا تھا یہی ہونا تھا۔

”میں چاہتا ہوں آپ میرے بیٹے کو اب چارے ایک سال کے بعد ہی اگلی کلاس میں پڑھو۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ وہ جلدی اسٹے اور ہارل طریقے سے اچانک ریڈ کیریئر ختم کر لے۔ آپ اس کے ٹیکس اور ایکٹو سٹریٹجیوں پر مدد کریں، مگر اسے ہارل طریقے سے ہی پڑھو۔“

ان کے اصرار پر سالانہ کو دو بار ایک سال کے اندر ذیلی یا ٹریل پر موشن نہیں دیا گیا، اس کے ٹیسٹ کو اسپورٹس اور دوسری چیزوں کے ذریعے چھٹا کر دیا جانے لگا۔ خطرناک ٹینس، گالف اور میوزک۔ دو بار شیعے تھے جن میں اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خود کو صرف ان چاروں چیزوں تک ہی محدود رکھتا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے تقریبات پر ہمیشہ میں شریک ہوتا تھا اگر کسی میں شریک نہیں ہوتا تھا تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ ہمیشہ اسپورٹس سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”جویریہ! پروفیسر امتحان کے ٹیگٹر کے فوٹس مجھے دینا۔“ امامہ نے جویریہ کو مخاطب کیا جو ایک کتاب کھولے بغیر ہوتی تھی۔ جویریہ نے اٹھ بڑھا کر اپنی ایک فوٹ بک اسے تھامی۔ امامہ نوٹ بک کھول کر مٹے پڑے تھی۔ جویریہ ایک بار پھر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اچانک اسے جیسے ایک خیال آیا تھا۔ اس نے مڑ کر اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھا۔

”تم نے پھر غوث کرنا کیوں بند کر دیا ہے؟“ اس نے اِسا کہ مخاطب کیا۔ اِسا نے غوث بک سے  
نکریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”مجھے کچھ سمجھ میں آئے تو میں نوٹ کر دوں۔“

”میں کیا مطلب؟ تمہیں پروفیسر امتحان کا لکچر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔“ جو یہ کہہ کر چھوٹے ہوئی۔  
 ”اٹھا اٹھا توڑ جاتے ہیں۔“

”میں نے کب کہا کہ ہراڑھا ہے، جس مجھے“

اس نے ہر آنکھ سے لہجے میں بات اور صوری چوڑی۔ وہ ایک بار ہر تاحہ میں پکڑی نوٹ  
 کو دیکھ رہی تھی۔ جو رے نے غور سے اسے دیکھا۔

”تم آج کل کچھ غائب دماغ نہیں ہوتی جا رہیں؟“ مزید ہو کسی وجہ سے؟“ ثوریہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اسٹریٹ؟“ وہ بڑبڑائی۔ ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“



”تمہاری آنکھوں کے گرد جلتے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کل رات کو شاید ساڑھے تین کا وقت تھا جب میری آنکھ کھلی اور تم اس وقت بھی جاگ رہی تھیں۔“

”میں پڑھ رہی تھی۔“ اس نے مدافعت لے لی۔

”جی، صرف کتاب اپنے سامنے رکھے بیٹھی ہوئی تھیں، مگر کتاب پر نظر نہیں تھی تمہاری۔“

جویریہ نے اس کا اندر رد کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟“

”کیا مسئلہ ہو سکتا ہے مجھے؟“

”بھر تم اتنی چپ چاپ کیوں رہنے لگی ہو؟“ جویریہ اس کی ٹال منول سے حائر ہوئے بغیر بولی۔

”نہیں، میں کیوں چپ رہوں گی۔“ امارہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔ ”میں تو پہلے ہی کی طرح

بولتی ہوں۔“

”صرف میں ہی نہیں، باقی سب بھی تمہاری پریشانی کو محسوس کر رہے ہیں۔“ جویریہ سنجیدگی سے بولی۔

”گوئی بات نہیں ہے، صرف اسٹریس کی فینش ہے مجھے۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں ہم سے زیادہ فینش تو نہیں ہو سکتی۔“

جویریہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ امارہ نے ایک گہرا سانس لیا، وہ اب رچا بوری تھی۔

”تمہارے گھر میں تو خیریت ہے؟“

”ہاں، بالکل خیریت ہے۔“

”امجد کے ساتھ تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا؟“

”امجد کے ساتھ جھگڑا کیوں ہو گا؟“ امارہ نے اسی کے انداز میں پوچھا۔

”پھر بھی اختلافات تو ایک بہت سی.....“ جویریہ کی بات اس نے درمیان میں ہی کاٹ دی۔

”جب کہہ رہی ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تو تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔“ اسے سوالوں سے کون

سی بات ہے جو میں نے تم سے شیئر نہیں کی یا جو تمہیں بتا نہیں ہے پھر تم اس طرح مجھے محرم سمجھ کر گفتگو

کیوں کر رہی ہو۔“ وہ اب خفا بوری تھی۔

جویریہ گڑبڑا گئی۔ ”یقین کیوں نہیں کروں گی، میں صرف اس لئے اصرار کر رہی تھی کہ شاید تم

مجھے اس لئے اپنا مسئلہ نہیں بتا رہی کہ میں پریشان نہ ہوں اور تو کوئی بات نہیں۔“

جویریہ کچھ نادم سی ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کر واپس اپنی اسٹڈی ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔

اس نے ایک بار پھر وہ کتاب کھول لی جسے وہ پہلے پڑھ رہی تھی۔ کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہنے کے

بعد اس نے ایک جھانکی لی اور گردن موڑ کر لا شعوری طور پر امارہ کو دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹک لگائے

اس کی نوٹ بک کھولے بیٹھی تھی مگر اس کی نظریں نوٹ بک پر نہیں تھیں وہ سامنے والی دیوار پر نظریں

جہانے بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے گاڑی خیر کے بل سے کچھ فاصلے پر کمزری کر دی پھر ڈکی سے ایک بورڈی اور ری نکال لی۔

وہ بورڈی کو کھینچتے ہوئے اس بل کی طرف بلا حصار باہر پاس سے گزرنے والے کچھ راہ گیروں نے اسے دیکھا مگر وہ ڈکے نہیں، اوپر بچ کر اس نے اپنی شرٹ اُٹار کر نہر میں پھینک دی۔ چند لمحوں میں اس کی شرٹ

پتہ پانی کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔ ڈارک بلو کمر کی ٹگ جس میں اس کا لمبا قد اور خوب صورت جسم

بہت نمایاں تھا۔

اس وقت اس شخص کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر تھا جسے پڑھنا دوسرے کسی بھی شخص کے لئے

ناممکن تھا۔ اس کی عمر انیس میں سال ہو گی، مگر اس کے قد و قامت اور طبع نے اس کی عمر کو جیسے بلا حجاب

تھا۔ اس نے ری بل سے نیچے نہر میں لٹکالی شروع کر دی، جب ری کا سر اپانی میں غائب ہو گیا تو اس نے

ری کا دوسرا سر ابوری کے منہ پر پھینک کر تختی سے گرہیں لگانی شروع کر دیں اور اس وقت تک لگا تا رہا جب

تک کو اسلختن نہیں ہو گیا پھر پانی میں پڑا سر ادا ہوا کھینچ کر اس نے اندازے سے تین فٹ کے قریب ری

پھوڑی اور اپنے دونوں ہاتھ ساتھ جوڑتے ہوئے اس نے اپنے جیروں کے گرد ری کو بہت مضبوطی کے

ساتھ دو تین غل دیئے اور گرو لگا دی۔ اب اس تین فٹ کے ٹکڑے کے سرے پر بڑی ہمارت کے

ساتھ اس نے دو پھندے بنائے پھر ایک کر بل کی منڈ پر پرچہ کیا۔ اپنا دایاں ہاتھ کر کے پیچھے لے

جاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کے ساتھ پہلے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور پھر بائیں ہاتھ

کے ساتھ اس نے وہ پھندا کھینچ کر کس دیا۔ اس کے بعد اس نے کر کے پیچھے دائیں ہاتھ کے ساتھ

دوسرے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور دائیں ہاتھ سے اسے کس دیا۔

اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے پشت

کے بل خود کو بل کی منڈ پر سے نیچے گرا دیا، ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر پانی سے ٹکرایا اور کر تک کا

حصہ پانی میں ڈوب گیا پھر ری ختم ہو گئی۔ اب وہ اس طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے بازو پشت پر بندھے

ہوئے تھے اور کر تک کا دھڑپانی کے اندر تھا۔ بورڈی میں موجود وزن یقیناً اس کے وزن سے زیادہ تھا مگر

وجہ تھی کہ بورڈی اس کے ساتھ نیچے نہیں آئی اور وہ اس طرح لٹک گیا۔ اس نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔

پانی کے اندر رہنا سہا جاتے ہی اس نے آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پانی گولا تھا اور اس

میں موجود مٹی اس کی آنکھوں میں چھپنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے پیچھے اب جیسے

پہننے لگے تھے۔ اس نے یک دم سانس لینے کی کوشش کی اور پانی منہ اور ناک سے اس کے جسم کے اندر

داخل ہونے لگا۔ وہ اب بری طرح پھڑپھڑا رہا تھا مگر نہ وہ اپنے بازوؤں کو استعمال کر کے خود کو سٹخ پر لا



سکا تھا اور نہ ہی اپنے جسم کو اٹھا سکا تھا۔ اس کے جسم کی ہڈیاں ہڈیاں آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔ چند لوگوں نے اسے پلی سے نیچے گرتے دیکھا اور پیچھے ہٹے اس طرف بھاگے، وہ اب بھی تک ملی رہی تھی، ان لوگوں کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ پانی کے نیچے ہونے والی حرکت اب دم توڑ گئی تھی۔ اس کی ہڈیاں اب بالکل بے جان نظر آ رہی تھیں۔ پلی پر کھڑے لوگ خوف کے عالم میں اس بے جان وجود کو دیکھ رہے تھے۔ پلی پر موجود ہجوم بڑھ رہا تھا۔ نیچے پانی میں موجود وہ وجود ابھی بھی ساکت تھا۔ صرف پانی اسے حرکت دے رہا تھا۔ کسی ہڈی کی طرح..... آگے پیچھے..... آگے پیچھے.....

☆.....☆.....☆

"امام! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" راہب نے اپنی الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر پھینکے ہوئے کہا۔  
امام نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے تیار ہو جاؤں؟"  
"بھئی، شاہجگ کے لئے جا رہے ہیں، ساتھ چلو۔" راہب نے اسی تجویز داری کے ساتھ استری کا پگ نکالتے ہوئے کہا۔  
"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔  
"کیا مطلب ہے..... مجھے کہیں نہیں جانا..... تم سے پوچھ کون رہا ہے..... تمہیں بتا رہے ہیں۔"  
راہب نے اسی لمحے میں کہا۔

"اور میں نے بتا دیا ہے، میں کہیں نہیں جا رہی۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر کہا۔  
"نریب ابھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ، پورا گروپ جا رہا ہے، ظم بھی دیکھیں گے، واپسی پر۔"  
راہب نے پورا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔  
امام نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ "نریب ابھی جا رہی ہے؟"  
"ہاں، نریب کو ہم راستے سے پک کریں گے۔" امام کسی سوچ میں ڈوب گئی۔  
"تم بہت ڈل ہوئی جا رہی ہو امام!" راہب نے قدرے ناراضی کے ساتھ جبر کیا۔ "ہمارے ساتھ کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے تم نے، آخر ہو تا کیا جا رہا ہے تمہیں۔"  
"کچھ نہیں، بس میں آج کچھ تھکی ہوئی ہوں، اس لئے سونا چاہ رہی ہوں۔" امام نے بازو ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جو یہ بھی اندر آ گئی اور وہ بھی اسے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کرتی رہی، مگر امام

کی زبان پر ایک ہی دھڑکتی تھی۔ "نہیں مجھے سونا ہے، میں بہت تھک گئی ہوں۔" وہ مجبور اسے برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

رستے سے انہوں نے نریب کو اس کے گھر سے پک کیا اور نریب کو پک کرتے ہوئے جو یہ کو یاد آیا کہ اس کے بیک کے اندر اس کا دولت نہیں ہے، وہ اسے ہاسٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔  
"وہاں ہاسٹل چلے ہیں، وہاں سے دولت لے کر پھر بازار چلیں گے۔" جو یہ کے کہنے پر وہ لوگ دوبارہ ہاسٹل چلی آئیں، مگر وہاں آکر انہیں حیرانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

"یہ امام کہاں ہے؟" راہب نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں نہیں۔" کمرہ لاک کر کے اس طرح کہاں جا سکتی ہے۔ وہ تو کبہ رہی تھی کہ اسے سونا ہے۔"  
جو یہ نے کہا۔

"ہاسٹل میں تو کسی کے روم میں نہیں چلی گئی؟" راہب نے خیال ظاہر کیا وہ دونوں اگلے کئی منٹ ان واقعہ لڑکیوں کے کمروں میں جاتی رہیں جن سے ان کی سیلوا بے تھی، مگر امام کا کہیں پتا نہیں تھا۔  
"کہیں ہاسٹل سے باہر تو نہیں گئی؟" راہب کو اچانک خیال آیا۔

"آؤ وارڈن سے پوچھ لیتے ہیں۔" جو یہ نے کہا۔ وہ دونوں وارڈن کے پاس چلی آئیں۔  
"ہاں، امام ابھی کچھ دیر پہلے باہر گئی ہے۔" وارڈن نے ان کی انگواڑی پر بتایا۔ جو یہ اور راہب ایک دوسرے کا ہاتھ دیکھنے لگیں۔

"وہ کبہ رہی تھی شام کو آئے گی۔" وارڈن نے انہیں مزید بتایا۔ وہ دونوں وارڈن کے کمرے سے نکل آئیں۔

"یہ گئی کہاں ہے؟ ہمارے ساتھ تو جانے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے سونا ہے اور وہ تھکی ہوئی ہے اور اس کی طبیعت خراب ہے اور اب اس طرح غائب ہو گئی ہے۔" راہب نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔  
رات کو وہ قدرے لیٹ واپس آئیں اور جس وقت وہ واپس آئیں۔ امام کمرے میں موجود تھی۔  
اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا۔

"گلتا ہے۔ خاصی شاہجگ ہوئی ہے آج۔" اس نے ان دونوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاہجگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس شاہجگ کو اسے دیکھنے لگیں۔  
"تم کہاں گئی ہوئی تھیں؟" جو یہ نے اس سے پوچھا۔ امام کو پیسے ایک جھٹکا لگا۔  
"میں اپنا دولت لینے واپس آئی تھی تو تم یہاں نہیں تھیں، کمرہ لاک تھا۔" جو یہ نے اسی انداز

میں کہا۔

”میں تم لوگوں کے پیچھے گئی تھی۔“

”کیا مطلب؟“ جو یہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

”تمہارے نکلنے کے بعد میرا روادار بدل گیا تھا۔ میں یہاں سے نکلنے کی طرف گئی کیونکہ تم لوگوں کو اسے پک کر رہا تھا، مگر اس کے چوکیدار نے بتایا کہ تم لوگ پہلے ہی وہاں سے نکل گئے ہو، پھر میں وہاں سے واپس آ گئی۔ بس رہتے میں کچھ کتابیں لی تھیں میں نے۔“ امار نے کہا۔

”دیکھا۔ تم سے پہلے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلو مگر اس وقت تم نے فوراً انکار کر دیا، بعد میں بے وقوفوں کی طرح پیچھے چل پڑی۔ ہم لوگ تو شکوک ہو گئے تھے تمہارے بارے میں۔“ راہب نے کچھ اطمینان سے ایک شاہ کھولتے ہوئے کہا۔

امار نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ وہ دونوں اب اپنے شاہ کھولتے ہوئے خریدی ہوئی چیزیں اسے دکھا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”چا نہیں؟“

”ماں باپ نے کیا رکھا تھا؟“

”یہ ماں باپ سے پوچھیں۔“ خاموشی۔

”لوگ کس نام سے پکارتے ہیں تمہیں؟“

”لڑکے پاڑ کیاں؟“

”لڑکے؟“

”بہت سارے نام لیئے ہیں۔“

”زیادہ تر کون سا نام پکارتے ہیں؟“

”daredevil“..... خاموشی.....

”اور لڑکیاں؟“

”وہ بھی بہت سے نام لیجی ہیں۔“

”زیادہ تر کس نام سے پکارتی ہیں؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ it's too personal. (یہ بالکل ذاتی ہے۔)

گہری خاموشی، طویل سانس پھر خاموشی۔

”میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟“

”ہی؟“

”آپ میرے بارے میں وہ جانتے کی کوشش کیوں نہیں کرتے جو نہ آپ پہلے جانتے ہیں نہ میں۔ آپ کے دائیں طرف نیکل پر جو سفید خاکس پڑی ہے اس میں میرے سارے particulars موجود ہیں پھر آپ وقت ضائع کیوں کر رہے ہیں؟“

سانیکو اناست نے اپنے پاس موجود نیکل پیم کی روشنی میں سامنے کاؤچ پر دوڑا اس نوجوان کو دیکھا جو اپنے سر مسلسل ہار رہا تھا، اس کے پیروے پر گہرا اطمینان تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سانیکو اناست کے ساتھ ہونے والی اس ساری گفتگو کو بے کار سمجھ رہا تھا۔ کمرے میں موجود غنڈک، خاموشی اور نیم تاریکی نے اس کے اعصاب کو بالکل متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے دقتاً فوٹا کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ سانیکو اناست کے لئے سامنے لیٹا ہوا نوجوان ایک عجیب کس تھا، وہ فوٹو گرافک میموری کا مالک تھا۔ اس کا آئی کیو لیول ۱۵۰ کی رینج میں تھا، وہ قرآءت، آڈٹ، آؤٹ اسٹینڈنگ اکیڈمک ریکارڈ رکھتا تھا، وہ گالف میں پریزیڈنٹس گولڈ میڈل تین بار جیت چکا تھا اور دو..... وہ تیسری بار خودکشی کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے والدین ہی اسے اس کے پاس لے کر آئے تھے اور وہ بے حد پریشان تھے۔

وہ ملک کے چند بہت اچھے خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ ایسا خاندان جس کے پاس پیسے کی بھرپور کمی، چار بھائیوں اور ایک بہن کے بعد دو چوتھے نمبر پر تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن اس سے بڑے تھے۔ اہمیت اور قابلیت کی وجہ سے وہ اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا۔ اس کے باوجود وہ پہلے تین سال میں اس نے تین بار خودکشی کی کوشش کی۔

مکمل دماغ اس نے سڑک پر بانٹک چلاتے ہوئے دن وے کی خلاف ورزی کی اور بانٹک سے ہاتھ اٹھائے، اس کے پیچھے آنے والے ٹریفک کا نشیمل نے اسے اسے دیکھا تھا۔ خوش قسمتی سے گاڑی سے نکلنے کے بعد وہ ہوا میں آجھل کر ایک دوسری گاڑی کی چھت پر گر گیا اور پھر زمین پر گر گیا۔ اس کی کچھ ribs ایک بازو اور ایک ٹانگ میں فریکچر ہوئے، تب اس کے والدین کا نشیمل کے اصرار کے باوجود اسے ایک حادثہ ہی سمجھے، کیونکہ اس نے اپنے ماں باپ سے کہا تھا کہ وہ غلطی سے دن وے سے بہت گیا تھا۔

دوسری بار پھر اسے ایک سال کے بعد اس نے لاہور میں خود کو باندھ کر پانی میں ڈوبنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر اسے بچا لیا گیا۔ ہاں پر کھڑے لوگوں نے اسے اس دی سمیت باہر کھینچ لیا تھا جس کے ساتھ ہاتھ کر اس نے خود کو غچے کر لیا تھا۔ اس بار اس بات کی گواہی دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی کہ







"اپنے لئے کوئی کول کیوں نہیں سیت کرتے تم؟"

"میں نے کیا ہے؟"

"کیا؟"

"مجھے خودکشی کی ایک اور کوشش کرنی ہے۔" مکمل اطمینان تھا۔

"کیا تمہیں کوئی ڈپریشن ہے؟"

"ناٹ ایٹ آل۔"

"تو پھر مرنا کیوں چاہتے ہو؟" ایک گہرا سانس۔

"کیا آپ کو ایک بار پھر سے بتانا ضرور کروں کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں کچھ اور کرنے کی

کوشش کر رہا ہوں۔" وہ آگیا۔

بات محسوس پھر کر پھر رہی تھی۔ سائیکو لاسٹ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کیا تم یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہے ہو؟"

سالار نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "لڑکی کی وجہ سے؟"

"ہاں۔ کوئی ایسی لڑکی جو تمہیں اچھی لگتی ہو جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار

تہقیر لگایا اور پھر دوبارہ پوچھا۔

"مائی گاڈ! آپ کا مطلب ہے کہ کسی لڑکی کی محبت کی وجہ سے میں خودکشی۔" وہ ایک بار پھر

بات اور صوری چھوڑ کر بٹنے لگا۔ "لڑکی کی محبت..... اور خودکشی..... کیا مذاق ہے۔" وہ اب اپنی ہنسی پر

قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سائیکو لاسٹ نے اس طرح کے کئی سیشن اس کے ساتھ کئے تھے اور ہر بار نتیجہ دھماکے کے

وہی تھم پاتا رہا۔

"آپ اس کو تعلیم کے لئے ہرون ملک بھجوانے کے بجائے جیلیں رکھیں اور اس پر بہت زیادہ توجہ

دیں۔ ہو سکتا ہے یہ توجہ حاصل کرنے کے لئے یہ سب کرتا ہو۔"

اس نے کئی بار کے بعد سالار کے پاس باپ کو مشورہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے باہر بھجوانے کے

بجائے اسلام آباد کے ایک ادارے میں ایڈمیشن دلوادیا گیا۔ سکندر عثمان کو یہ اطمینان تھا کہ وہ اسے اپنے

پاس رکھیں گے تو شاید وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ سالار نے ان کے اس فیصلے پر کسی رد عمل کا اظہار

نہیں کیا بالکل اسی طرح جس طرح اس نے ان کے اس فیصلے پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اسے

ہرون ملک تعلیم کے لئے بھجوا دیا جائے گا۔

سائیکو لاسٹ کے ساتھ آخری سیشن کے بعد سکندر عثمان اسے گھر لے آئے اور انہوں نے طیبہ

کے ساتھ مل کر اس سے ایک لمبی چوڑی میٹنگ کی۔ وہ دونوں اپنے اپنے روم میں بٹھا کر اسے ان تمام

آراء و نظریوں کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ پچھلے کئی سالوں میں اسے فراہم کرتے رہے تھے۔ انہوں

نے اسے ان توقعات کے بارے میں بھی بتایا جو وہ اس سے دیکھتے تھے۔ اسے ان محبت بھرے جذبات

سے بھی آگاہ کیا گیا جو وہ اس کے لئے محسوس کرتے تھے۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ سچ گم چھاپا باپ کی

بے چینی اور اس کے آنسو دیکھا رہا۔ گھٹکے کے آخر میں سکندر عثمان نے تقریباً لگ بھگ آکر اس سے کہا۔

"تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے یا جو تمہیں چاہئے۔ مجھے تاؤ۔" سالار

سوالیہ میں پڑ گیا۔

"اسپورٹس کار۔" اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اسپورٹس کار باہر سے منگوا دیتا ہوں مگر دوبارہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا

جو تم نے کی ہے، ورنہ؟" سکندر عثمان کو کچھ اطمینان ہوا۔

سالار نے سر ہلا دیا۔ طیبہ سکندر نے نشتر سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جیسے سکون کا سانس لیا۔

وہ کمرے سے چلا گیا تو سکندر عثمان نے نگاہ سلگاتے ہوئے ان سے کہا۔

"طیبہ! تمہیں اس پر بہت توجہ دینی پڑے گی۔ اپنی activities کچھ کم کرو اور کوشش کرو کہ اس

کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزار سکو۔" طیبہ نے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

وسیم نے امامہ کو دور سے ہی لائن میں بیٹھے دیکھ لیا۔ وہ کانوں پر بیڈ فون لگائے واک مین پر کچھ سن

رہی تھی۔ وسیم وہ بے قدموں اس کی پشت کی جانب سے اس کے عقب میں گیا اور اس کے پاس جا کر اس

نے ایک دم امامہ کے کانوں سے بیڈ فون کے تار کھینچ لئے۔ امامہ نے برق رفتاری سے واک مین stop

کا فنر دیا تھا۔

"کیا بتا رہا ہے یہاں اکیسے بیٹھے؟" وسیم نے بلند آواز میں کہتے ہوئے بیڈ فون کو اپنے کانوں

میں ٹھونس لیا مگر تب تک امامہ کیسٹ بند کر چکی تھی۔ کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو کر اس نے بیڈ فون کو

اپنی طرف کھینچنے ہوئے وسیم سے کہا۔

"بد تمیزی کی کوئی حد ہوتی ہے وسیم اپنی بیوی پر سیلف۔" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وسیم

نے بیڈ فون کے سروں کو نہیں چھوڑا، امامہ کے غصے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میں سننا چاہتا ہوں، تم کیسا سن رہی تمہیں۔ اس میں بد تمیزی دہائی کیا بات ہے، کیسٹ کو آن کرو۔"

امامہ نے کچھ جھنجھلائے ہوئے بیڈ فون کو واک مین سے الگ کر دیا۔ "میں تمہارے سننے کے لئے

واک مین لے کر یہاں نہیں بیٹھی، بیچ ہو جاؤ یہ بیڈ فون لے کر۔"



وہ ایک بار بھرا اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے واک میں کو بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں بکڑا ہوا تھا۔

دوسم کو لگا جیسے وہ کچھ گھبراہٹ ہوئی ہے مگر وہ گھبرائے گی کیوں؟ دوسم نے سوچا اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے سانسے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ بیٹھ فون کو اس نے میز پر رکھ دیا۔

"یہ لو، اپنا غصہ ختم کرو۔ واکس کر رہا ہوں میں، تم سنو، جو بھی سن رہی ہو۔" اس نے بڑے صلح جویانہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب مجھے نہیں سننا کچھ، تم بیٹھ فون رکھو اپنے پاس۔" اما نے بیٹھ فون کی طرف ہاتھ نہیں پڑھایا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟"

"کیا سنا جاسکتا ہے؟" اما نے اسی کے انداز میں کہا۔

"فون میں سن رہی ہو گی؟" دوسم نے خیال ظاہر کیا۔

"تمہیں پتا ہے دوسم! تم میں بہت ساری باتیں پوڑھی جھوٹوں والی ہیں؟"

"مثلاً"

"مثلاً پال کی کھال اٹار دینا۔"

"اور۔"

"اور دوسروں کی جاسوسی کرتے بھرتا اور شرمندہ بھی نہ ہوتا۔"

"اور تمہیں یہ پتا ہے کہ تم آہستہ آہستہ کتنی خود غرض ہوتی جا رہی ہو۔" دوسم نے ترکی پر ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ اما نے اس کی بات پر برا نہیں دیا۔

"اچھا۔۔۔۔۔ تمہیں پتا چل گیا ہے کہ میں خود غرض ہوں۔" اس بار اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم جتنے بے وقوف ہو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ نتیجہ اخذ کرو گے۔"

"تم اگر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو مت کرو، میں شرمندہ نہیں ہوں گا۔" دوسم نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"بھر بھی ایسے کاموں کی کوشش تو ہر ایک پر غرض ہوتی ہے۔"

"آج تمہاری زبان کچھ زیادہ نہیں چل رہی؟" دوسم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے نہیں، ایسا ہی ہے۔ پلو اچھا ہے، وہ چپ شاد کاروزہ تو تو دیا ہے تم نے جو اسلام آباد آنے پر تم رکھ لیتی ہو۔" اما نے غور سے دوسم کو دیکھا۔

"کون سا چپ شاد کاروزہ؟"

"تم جب سے لاہور آ گئی ہو خاصی بدل گئی ہو۔"

"مجھ پر اسٹریڈ کاکہت بوجھ ہے۔"

"سب پر ہوتا ہے اما اگر کوئی بھی اسٹریڈ کو اتار سر پر سوار نہیں کرتا۔" دوسم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو اس فضول بحث کو، یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"میں۔۔۔۔۔ وہ اسی طرح کرسی جھلاتا رہا۔"

"یہ تو تم پورا سال ہی کرتے ہو، میں آج کل کی خاص مصروفیت کا پتہ چور رہی ہوں۔"

"آج کل تو بس دوستوں کے ساتھ پھر رہا ہوں۔ تمہیں پتا ہونا چاہئے کہ پیچھے کے بعد میری مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔ سب کچھ بھولتی جا رہی ہو تم۔" دوسم نے انہوں سے بھری نظروں سے کہا۔

"میں نے اس امید میں یہ سوال کیا تھا کہ شاید اس سال تم میں کوئی بہتری آجائے مگر نہیں، میں نے بے کار سوال کیا۔" اما نے اس کے تھمرے کے جواب میں کہا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہئے کہ میں تم سے ایک سال بڑا ہوں، تم نہیں، اس لئے اب اپنی ملا جلی تقریر ختم کرو۔" دوسم نے اسے کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ ساتھ والوں کے لڑکے سے تعلقات کا کیا حال ہے؟" اما کو اچانک یاد آیا۔

"چن چن سے؟" اس نے کچھ عجیب سے ہی تعلقات ہیں۔ "دوسم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "بڑا عجیب سا بندہ ہے وہ، موڑا چھاپے تو دوسرے کو سا تو میں آسان پر غصا دے گا، سوڈ خراب ہے تو سیہ حاکنز میں پہنچا دے گا۔"

"تمہارے زیادہ تر دوست اسی طرح کے ہیں۔" اما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کندہم جنس باہم جنس پر واز۔"

"نہیں، خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کم از کم میری عادتیں اور حرکتیں چن چن جیسی تو نہیں ہیں۔"

"وہ تو باہر جانے والا تھا؟" اما کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں جانا تھا مگر پتا نہیں میرا خیال ہے اس کے بعد نہیں بھجوا رہے۔"

"علیہ بڑا عجیب سا ہوتا ہے اس کا۔ مجھے بعض دفعہ لگتا ہے چلوں کے کسی قیلے سے کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق ہو گا یا آئندہ ہو جائے گا۔"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"نکل میں باہر سے آ رہی تھی تو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی وقت باہر نکل رہا تھا، کوئی لڑکی بھی تھی ساتھ۔"

"لوکی؟ بیٹو وغیرہ پہنچ گئی تھی اس نے؟" دسیم نے اچانک دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"مشروم کت بالوں والی..... فیکری؟"

"ارے۔" دسیم چنگی بجاتے ہوئے مسکرایا۔ "اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

"بھلی دفعہ تو تم کسی اور کام لے رہے تھے۔" امام نے اُسے گھور دیا۔

"بھلی دفعہ کب؟" دسیم سوچ میں پڑ گیا۔

"سات آٹھ ماہ پہلے شاید تم سے اس کی گرل فرینڈ کی بات ہوئی تھی۔"

"ہاں جب شیا تھی۔ اب پتا نہیں وہ کہاں ہے۔"

"اس بار تو گاڑی کے پچھلے شیشے پر اس نے اپنے موبائل کا نمبر بھی پیسٹ کر دیا ہوا تھا۔" امام

ایک موبائل نمبر ڈھونڈتے ہوئے تھی۔

"تمہیں پتا ہے؟" دسیم بھی ہنسا۔

"میں نے ذرا دیر میں پہلی بار اتنا بڑا موبائل نمبر نہیں کھوا دیکھا تھا اور وہ بھی ایک گاڑی کے شیشے

پر اس کے نام کے ساتھ، یاد تو ہوتا ہی تھا۔" امام بھر تھی۔

"میں تو خود سوچ رہا ہوں اپنی گاڑی کے شیشے پر موبائل نمبر لکھوانے کا۔" دسیم نے بالوں میں

ہاتھ بھیرتے ہوئے کہا۔

"کون سے موبائل کا۔ وہ جو تم نے ابھی خریدا بھی نہیں۔" امام نے دسیم کا مذاق اڑایا۔

"میں خرید رہا ہوں اس بار۔"

"بابا کے جوتے کھانے کے لئے تیار رہنا، اگر تم نے موبائل کے نمبر کو گاڑی کے شیشے پر لکھوایا

سب سے پہلا فون اُن ہی کا آئے گا۔"

"بس اسی لئے ہر بار میں ڈک جاتا ہوں۔" دسیم نے ایک غصّی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہے۔ بابا سے ڈیاں تو دوانے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنے جذبات پر کچھ

قابو رکھے اور تمہارے لئے تو خطرات ویسے بھی زیادہ ہیں۔" مسیحا کو پتا چلتا اگر اس قسم کے کسی موبائل

فون کا تو....." دسیم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو کیا کرے گی وہ، میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم اس سے ڈرتے نہیں ہو، مگر مجھے بھائیوں کی اگلوٹی بہن سے بھگتی کرنے سے

پہلے تمہیں حرام لٹع نقصان پر غور کر لینا چاہئے تھا جن کا سامنا تمہیں کسی ایسی ویسی حرکت کے بعد ہو سکتا

ہے۔" امام نے ایک بار پھر اس کی منگیتر کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔

"اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ بس میرے مقدّر میں تھا یہ سب کچھ۔" دسیم نے ایک معنوی آہ بھرتے

ہوئے کہا۔

"مجھے کبھی بھی موبائل فون نہیں خریدا چاہئے کیونکہ یہ میرے کسی کام نہیں آئے گا۔ کم از کم

جہاں تک گرل فرینڈ کی تلاش کا سوال ہے۔" وہ ایک بار پھر کرسی چلانے لگا۔

"ذرا سے کسی مگر بات تمہاری کچھ میں آئی گئی۔" امام نے ہاتھ بڑھا کر میز سے بیڑ فون اٹھاتے

ہوئے کہا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟" دسیم کو اسے بیڑ فون اٹھاتے دیکھ کر پھر یاد آیا۔

"ویسے ہی کچھ خاص نہیں تھا۔" امام نے اُنہیں ہونے اسے جیسے ہلا۔

☆.....☆.....☆

"آپ لاہور جا رہے ہیں تو وائسی پر امام کے ہاسٹل چلے جائیں، یہ کچھ کپڑے ہیں اس کے،

درزی سے لے کر آئی ہوں، آپ اسے دے آئیں۔" سلفی نے ہاشم سے کہا۔

"بھئی۔ میں بڑا مصروف ہوں گا لاہور میں، کہاں آتا جاتا پھروں گا اس کے ہاسٹل۔" ہاشم کو

قدرے تامل ہوا۔

"آپ ڈرائیور کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں، خود نہیں جاسکتے تو اسے بھیج دیجئے گا، وہ دے آئے گا

یہ پیکٹ۔" یزن ختم ہو رہا ہے پھر یہ کپڑے اسی طرح بچے رہیں گے۔ اس کا تو پتا نہیں اب کب آئے۔"

سلفی نے لمبی چوڑی وضاحت کی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں لے جاتا ہوں۔" فرصت ملی تو خود دے آؤں گا ورنہ ڈرائیور کے ہاتھ بھرا

دوں گا۔" ہاشم رضامند ہو گئے۔

لاہور میں انہوں نے خاصا مصروف دن گزارا۔ شام پانچ بجے کے قریب انہیں کچھ فرصت ملی اور

حب انہیں اس پیکٹ کا بھی خیال آگیا۔ ڈرائیور کو پیکٹ لے جانے کا کہنے کے بجائے وہ خود امام کے

ہاسٹل چلے آئے۔ اس کے ایڈیشن کے بعد آج پہلی بار وہ وہاں آئے تھے۔ گیٹ کپڑے کے ہاتھ انہوں

نے امام کے لئے پیغام بھجوایا اور خود انتظار کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی آجائے گی مگر ایسا

ہوا دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ..... وہ اب کچھ بیزار ہونے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر دوبارہ

پیغام بھجواتے انہیں گیٹ کپڑے ایک لڑکی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ کچھ قریب آئے پر انہوں نے اس

لڑکی کو پہچان لیا، وہ جو یہ تھی امام کی بچپن کی دوست اور اس کا تعلق بھی اسلام آباد سے ہی تھا۔

"السلام علیکم اہلک!" جو یہ یہ نے پاس آکر کہا۔

"وعلیکم السلام بھائی! کیسی ہو تم۔"



"میں ٹھیک ہوں۔"

"میں یہ امامہ کے کچھ کپڑے دینے آیا تھا، لاہور آ رہا تھا تو اس کی امی نے یہ پیکٹ دے دیا۔ اب یہاں بیٹھے مجھے گھٹن ہو گیا ہے مگر انہوں نے اسے نہیں بلایا۔" ہاشم کے لہجے میں شکوہ تھا۔  
"انگل امامہ مارکیٹ گئی ہے کچھ دوستوں کے ساتھ، آپ یہ پیکٹ مجھے دے دیں، میں خود اسے دے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے، تم رکھ لو۔" ہاشم نے وہ پیکٹ جویریہ کی طرف بڑھادیا۔

رہی ایک سلیک کے بعد وہ واپس مڑ گئے۔ جویریہ بھی پیکٹ پکڑ کر ہاسٹل کی طرف چلی گئی مگر اب اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، کوئی بھی اس وقت اس کے چہرے پر پریشانی کو واضح طور پر بھانپ سکتا تھا۔

ہاسٹل کے اندر آتے ہی وارڈن سے اس کا سامنا ہو گیا جو سامنے ہی کھڑی تھیں۔ جویریہ کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔

"بات ہوئی تمہاری اس کے والد سے؟" وارڈن نے اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، پریشانی والا کوئی مسئلہ نہیں ہے، وہ اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی ہے، اس کے والد یہ پیکٹ لے کر آئے تھے، میرے گھر والوں نے میرے کچھ کپڑے بھجوائے ہیں۔ انگل لاہور آ رہے تھے تو امامہ نے کہا کہ وہ لے جائیں۔ انگل نے غلطی سے یہاں آکر میرا نام لینے کے بجائے امامہ کا نام لے دیا۔" جویریہ نے ایک ہی سانس میں کئی جھوٹ روائی سے بولے۔

وارڈن نے سکون کا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے ورنہ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ مجھے تو وہ ایک اینڈ پر گھر جانے کا کہہ کر گئی ہے۔۔۔۔۔ تو پھر وہ کہاں ہے۔۔۔۔۔"

وارڈن نے مڑتے ہوئے کہا۔ جویریہ پیکٹ پکڑے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ راہبہ اسے دیکھتے ہی تیری طرح اس کی طرف آئی۔

"کیا ہوا۔۔۔۔۔ اسلام آباد میں ہی ہے وہ؟"

"نہیں۔" جویریہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"مائی گاڈ۔" راہبہ نے سبے جتنی سے اپنے دونوں ہاتھ کر اس کے سینے پر رکھے۔ "تو پھر کہاں گئی ہے وہ؟"

"مجھے کیا پتا مجھ سے تو اس نے یہی کہا تھا کہ گھر جا رہی ہے، مگر وہ گھر نہیں گئی، آخر وہ گئی کہاں ہے؟" امامہ ایسی تو نہیں ہے۔" جویریہ نے پیکٹ ہسٹر پر بھیکتے ہوئے کہا۔

"وارڈن سے کیا کہا تم نے؟" راہبہ نے قشوریش مگرے انداز میں پوچھا۔

"کیا کہا؟ جھوٹ بولا ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ بتاتی کہ وہ اسلام آباد میں نہیں ہے تو ہاسٹل میں تو ابھی ہنگامہ شروع ہو جاتا، وہ تو پچیس کو چلا گئیں۔" جویریہ نے ناخن کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور انگل کو۔۔۔۔۔ ان کو کیا بتایا ہے؟" راہبہ نے پوچھا۔

"ان سے بھی جھوٹ بولا ہے، یہی کہا ہے کہ وہ مارکیٹ گئی ہے۔"

"مگر اب ہو گا کیا؟" راہبہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ اگر وہ واپس نہ آئی تو میں تو بری طرح پکڑی جاؤں گی۔ سب یہی سمجھیں گے کہ مجھے اس کے پروگرام کا پتا تھا، اس لئے میں نے وارڈن اور اس کے گھر والوں سے سب کچھ پچھا لیا۔" جویریہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں امامہ کو کوئی حادوثی پیش نہ آ گیا ہو؟ ورنہ وہ ایسی لڑکی تو نہیں ہے کہ اس طرح۔۔۔۔۔"

راہبہ کو اچانک ایک غم نے ستایا۔

"مگر اب ہم کیا کریں۔ ہم تو کسی سے اس سارے معاملے کو ڈسکس بھی نہیں کر سکتے۔" جویریہ نے ناخن کھرتے ہوئے کہا۔

"نہیں سب بات کریں۔" راہبہ نے کہا۔

"فائر گارڈ سیک راہبہ ابھی تو حصل سے کام لیا کر، اس سے کیا بات کریں گے ہم۔" جویریہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو پھر انتظار کرتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ آج رات تک بالکل تک آجائے اگر آگئی پھر تو کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور اگر نہ آئی تو پھر ہم وارڈن کو سب کچھ سچ بتا دیں گے۔" راہبہ نے سنجیدگی سے سارے معاملے پر غور کرتے ہوئے طے کیا۔ جویریہ نے اسے دیکھا مگر اس کے مشورے پر کچھ کہا نہیں۔ پریشانی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جویریہ اور راہبہ رات بھر سو نہیں سکیں۔ وہ مکمل طور پر خوف کی گرفت میں تھیں۔ اگر وہ نہ آئی تو کیا ہو گا، یہ سوال ان کے سامنے بار بار بھیانک شبکیں بدل بدل کر آ رہا تھا۔ انہیں اپنا کیرئیر ڈھونڈنا ہوا نظر آ رہا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کے گھر والے ایسے معاملے پر کیسا رد عمل ظاہر کریں گے۔ وہ انہیں بری طرح ملامت کرتے، انہیں امامہ کے والد کو سب کچھ صاف صاف نہ بتانے پر تنقید کا نشانہ بناتے اور پھر وارڈن سے سارے معاملے کو چھپانے پر اور بھی ناراض ہوتے۔

انہیں اندازہ نہیں تھا کہ حقیقت سامنے آنے پر خود ہاشم بہین اور ان کی چلی کارو عمل کیا ہو گا، وہ

اس سارے معاملے میں ان دونوں کے رول کو کس طرح دیکھیں گے۔ باطل میں لڑکیاں ان کے بارے میں کس طرح کی باتیں کریں گی اور پھر اگر یہ سارا معاملہ پریس کیس بن گیا تو پریس ان کی اس پر دوپٹہ کی کو کیا سمجھے گی وہ اندازہ کر سکتی تھیں اور اسی لئے بار بار ان کے دو ٹوٹے ٹکڑے مڑ رہے تھے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ مٹی کہاں..... اور کیوں..... وہ دونوں اس کے پچھلے رویوں کا تجربہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کس طرح پچھلے ایک سال سے وہ بالکل بدل گئی تھی، اس نے ان کے ساتھ گھومنا پھرنا بند کر دیا تھا، وہ اب بھی ابھی رہنے لگی تھی، پڑھائی میں اس کا انہماک بھی کم ہو گیا تھا اور اس کی کم کوئی۔

"اور وہ ہر ایک بار وہ ہمارے ٹانگ کے لئے جانے پر پیچھے سے غائب تھی، اب بھی جیتا ہوا وہیں مٹی ہوئی جہاں وہ اب مٹی ہے اور ہم نے کس طرح بے وقوفوں کی طرح اس پر اعتبار کر لیا۔" زاہد کو پچھلی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"مگر ہمارا ایسی نہیں تھی، میں تو اسے بھیجنا سے جانتی ہوں۔ وہ ایسی بالکل بھی نہیں تھی۔" جویریہ کو اب بھی اس پر کوئی شک نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا جویریہ نے اس کوئی اور قصور ڈی لگتی ہے، میں انسان کا کردار کر رہا ہوتا چاہئے۔" زاہد بدگمانی کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔

زاہد اس کی مرضی سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ اور زاہد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر وہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔" جویریہ نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے تو کبھی بتا کر اسے کسی ریمارک کے ساتھ نہیں چپکا یا ہے، اس کے باپ اس سے ملے یہاں آئے ہیں اور وہ اپنے گھر سے آئے ہیں، تو ظاہر ہے وہ گھر پر نہیں گئی اور ہم سے وہ یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ مگر جا رہی ہے۔" زاہد نے بے چارگی سے کہا۔

"کیا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔" ہو سکتا ہے، وہ اسی لئے گھر نہ پہنچی ہو۔"

"وہ ہر بار یہاں سے فون کر کے اسلام آباد اپنے گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دے دیتی تھی تاکہ اس کا بھائی اسے کوئٹہ کے سینٹر سے پک کر لے۔ اگر اس بار بھی اس نے اسے اطلاع دی تھی تو پھر اس کے وہاں نہ پہنچنے پر وہ لوگ اطمینان سے وہاں نہ بیٹھے ہوتے، وہ یہاں باطل میں فون کرتے اور اس کے والد کے انداز سے تو ایسی عموں ہوا ہے جیسے اس کا اس دیک ایجنٹ پر اسلام آباد کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" زاہد نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ وہ کبھی بھی ایک ماہ میں دو بار اسلام آباد نہیں جاتی تھی مگر اس بار تو وہ دوسرے ہی ہفتے

اسلام آباد جا رہی تھی اور اس نے وارڈن سے خاص طور پر یہ کہہ کر اجازت لی تھی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، انہیں نہ کہیں، مجھ نہ کہہ ضرور غلط ہے۔" جویریہ کو پھر خدشات ستانے لگے۔

"اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی بری طرح ڈوبیں گے۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو ہم نے سب کچھ اس طرح کو راپ کیا۔ ہمیں صاف صاف بات کرنی چاہئے تھی اس کے والد سے کہ وہ یہاں نہیں ہے، پھر وہ جو چاہے کرتے۔ یہ ان کا مسئلہ ہوتا، کم از کم ہم تو اس طرح نہ چھپتے جس طرح اب چھپنے لگے ہیں۔" زاہد مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"خیر۔ اب کیا ہو سکتا ہے، شاید انکار کرتے ہیں اگر وہ کل بھی نہیں آتی تو پھر وارڈن کو سب کچھ بتا دیں گے۔" جویریہ نے کمرے کے پکڑ لگاتے ہوئے کہا۔

وہ رات ان دونوں نے اسی طرح باتیں کرتے جاتے ہوئے گزار لی۔ اگلے دن وہ دونوں کالج نہیں گئیں۔ اس حالت میں کالج جانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

امام دیک ایجنٹ پر ہفتہ کو دوبارہ پریس کے قریب آ جایا کرتی تھی مگر اس دن وہ نہیں آئی، ان کے اعصاب جواب دینے لگے۔ ذرا حالی بیچ کے قریب وہ فتنہ اور کانپنے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اپنے کمرے سے وارڈن کے کمرے میں جانے کے لئے نکل آئیں، ان کے ذہن میں وہ بیٹلے گردش کر رہے تھے، جو انہیں وارڈن سے کہتے تھے۔

وہ وارڈن کے کمرے سے ابھی کچھ دوری تھیں جب انہوں نے امام کو بڑے اطمینان کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔ اس کا بیگ اس کے کنارے پر تھا اور فوٹو ہاتھوں میں، وہ جیتا سیدھی کالج سے آ رہی تھی۔ جویریہ اور زاہد کو یوں لگا جیسے ان کے بیروں کے بیٹے سے نکلتی ہوئی زمین یک دم ختم ہو گئی تھی۔ ان کی رکی ہوئی سانس ایک بار پھر بیٹلے لگی تھی۔ کل کے اختراعات میں متوجہ وہ ہینڈ لائکس جو بہت سن کر ان کے گرد ناچ رہی تھیں یک دم غائب ہو گئیں اور ان کی جگہ اس غصے اور اشتعال نے لے لی تھی جو انہیں امام کی ہل دیکھ کر آیا تھا۔

وہ انہیں دیکھ چکی تھی اور اب ان کی طرف بڑھ رہی تھی، اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

"تم دونوں آج کالج کیوں نہیں آئیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے ان سے پوچھا۔

"تمہاری معیبتوں سے چھٹکارا لے گا تو ہم کہیں آنے جانے کا سوچ سکیں گے۔" زاہد نے تند و تیز لہجے میں اس سے کہا۔

امام کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا اب؟ اس طرح نصیحتیں کیوں ہو؟" امام نے قدرے تشویش سے پوچھا۔



"تم ذرا اندر کرے میں آؤ پھر تمہیں بتاتی ہوں کہ میں غصے میں کیوں ہوں۔" راجہ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور تقریباً کھینچے ہوئے کمرے میں لے آئی۔ جو یہ یہ کچھ کہے بغیر ان دونوں کے پیچھے آگئی۔ امام بکا کا تھی دور راجہ اور جو یہ کہے روئے کو کچھ نہیں پاری تھی۔

کمرے میں داخل ہوئے ہی راجہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" راجہ نے مڑ کر اچھائی تلخ اور درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اسلام آباد سے اور کہاں سے۔" امام نے اپنا ایک پیچے زمین پر دکھ دیا اس کے جواب سے راجہ کو کچھ اور مشتعل کیا۔

"شرم کرو امام۔۔۔۔۔ اس طرح ہمیں دھوکا دے کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ یہ کہ ہم ڈفر ہیں۔ ایفٹ ہیں۔ پاگل ہیں۔ جی بی ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔۔۔۔۔ نہ ہوتے تو یوں تم پر اندھا حصار نہ کیا ہو؟ تم سے اتنا بڑا دھوکا نہ کھایا ہوتا۔" راجہ نے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کون سا دھوکا۔۔۔۔۔ کیسا دھوکا، کیا یہ بہتر نہیں کہ تم آرام سے مجھے اپنی بات سمجھاؤ۔" امام نے بے چارگی سے کہا۔

"تم ویک اینڈ کہاں گزار کر آئی ہو؟" جو یہ نے پہلی بار منگٹو میں مدخلت کی۔

"تمہیں بتا چکی ہوں اسلام آباد میں، وہاں سے آج سیدھا کالج آئی ہوں اور اب کالج سے۔۔۔۔۔" راجہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"یکو اس بند کرو۔۔۔۔۔ یہ جھوٹ اب نہیں چل سکتا، تم اسلام آباد نہیں گئی تھیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" اس بار امام نے بھی قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیونکہ تمہارے فادر یہاں آئے تھے کل؟" امام کا رنگ لڑ گیا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"اب کیوں منہ بند ہو گیا ہے۔ اب بھی کہو کہ تم اسلام آباد سے آ رہی ہو۔" راجہ نے طرے لہجے میں کہا۔

"بابا یہاں۔ آئے تھے؟" امام نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں آئے تھے، تمہارے کچھ پڑے دینے کے لئے۔" جو یہ نے کہا۔

"انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں بائبل میں نہیں ہوں۔"

"میں نے جھوٹ بولی دیا کہ تم بائبل سے کسی کام کے لئے باہر گئی ہو، وہ پڑے دے کر چلے گئے۔" جو یہ نے کہا۔ امام نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

"یعنی انہیں کچھ پتا نہیں چلا؟" اس نے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے کے اسٹریپس کھولنے ہوئے کہا۔

"نہیں انہیں کچھ پتا نہیں چلا۔۔۔۔۔ تم منہ آٹھا کر اگلے بیٹے پھر کہیں روانہ ہو جاؤ۔" اسٹریپ امام اس میں

اب وارڈن سے اس سلیب میں بات کرنے والی ہوں۔ ہم تمہاری وجہ سے خاصی پریشانی اٹھا چکے ہیں، مزید اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہتر ہے تمہارے پرنس کو تمہاری ان حرکتوں کے بارے میں پتا چل جائے۔" راجہ نے دونوں انداز میں اس سے کہا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کون سی حرکتوں کے بارے میں۔۔۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا کیا ہے۔۔۔۔۔؟ بائبل سے اس طرح دونوں کے لئے گھر کا کہہ کر غائب ہو جانا تمہارے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

امام جواب دینے کے بجائے دوسرے جوتے کے بھی اسٹریپس کھولنے لگی۔

"مجھے وارڈن کے پاس چلے ہی جانا چاہئے۔"

راجہ نے غصے کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جو یہ نے آگے بڑھ کر اسے روکھا۔ "وارڈن سے بات کر لیں گے، پہلے اس سے جوابات کر لیں۔ تم جلد بازی مت کرو۔"

"مگر تم اس ذمیت کا اطمینان دیکھو۔۔۔۔۔ بحال ہے ذرا برابر شرمندگی بھی اس کے چہرے پر جھلک رہی ہو۔" راجہ نے غصے میں امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کو سب کچھ بتاؤں گی۔ اتنا غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا نہ ہی کسی غلط جگہ پر گئی ہوں اور یہاں بھاگی بھی نہیں ہوں۔" امام نے جوتوں کی قید سے اپنے

جوتوں کو آزاد کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"پھر تم کہاں گئی تھیں؟" اس بار جو یہ نے پوچھا۔

"اپنی ایک دوست کے پاس۔"

"کون سی دوست؟"

"بے ایک۔"

"اس طرح جھوٹ بول کر کیوں؟"

"میں تم لوگوں کے سوالوں سے بچنا چاہتی تھی اور گھر والوں کو بتانی یا ان سے اجازت لینے کی کوشش کرتی تو وہ بھی اجازت نہ دیتے۔"

"کس کے پاس گئی تھیں؟" اور کس لئے؟" جو یہ نے اس بار قدرے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"میں نے کہا، میں بتا دوں گی۔ کچھ وقت دو مجھے۔" امام نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"کوئی وقت نہیں دے سکتے تھیں۔۔۔۔۔ تمہیں وقت دیں گا کہ تم ایک بار پھر غائب ہو جاؤ اور اس بار واپس نہ آؤ۔" راجہ نے اس بار بھی ناراضی سے کہا مگر پہلے کی نسبت اس بار اس کا لہجہ دھیمہ تھا۔

"تمہیں تو اس بات کا بھی احساس نہیں ہوا کہ تم نے ہماری پوزیشن کتنی آگورڈ بنا دی تھی، اگر تمہارے اس طرح غائب ہونے کا پتہ چل جاتا تو ہماری کتنی بے عزتی ہوتی۔ اس کا احساس تھا تمہیں؟" رابعہ نے اسی انداز میں کہا۔

"مجھے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ بابا یہاں اس طرح اپنا کام آجائیں گے۔ اس لئے میں یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم لوگوں کو کسی ہڈک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ورنہ میں اس طرح کبھی نہ کرتی۔" امامہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"تم کم از کم ہم پر اعتبار کر کے، ہمیں بتا کر جا سکتی تھیں۔" جویریہ نے کہا۔

"میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" امامہ نے کہا۔

"تم کم از کم میں تمہارے کسی وعدے، کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے دو ٹوک انداز

میں کہا۔

"مجھے اپنی پوزیشن بیکسر کرنے اور رابعہ! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" امامہ نے اس بار قدرے کمزور انداز میں کہا۔

"تم کو احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے ہمارا کیرئیر اور ہماری زندگی کس طرح داؤ پر لگ گئی تھی۔ یہ دوستی ہوتی ہے؟ اسے دوستی کہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔" امامہ نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"بسبب تک تم یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں، میں تمہاری کوئی معذرت قبول نہیں کروں گی۔" رابعہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

امامہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں میچو کے گھر پہنچی گئی تھی۔" جویریہ اور رابعہ نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کون.....؟" ان دونوں نے تقریباً ایک وقت پوچھا۔

"تم لوگ جانتی ہو اسے۔" امامہ نے کہا۔

"وہ فوراً تھو انیر کی میچو؟" جویریہ نے بے اعتبار پوچھا۔

امامہ نے سر ہلایا۔ "مگر اس کے گھر کس لئے گئی تھیں تم؟"

"دوستی ہے اس سے میری۔" امامہ نے کہا۔

"دوستی.....؟ کبھی دوستی.....؟ چاروں کی سلام دعا ہے تمہارے ساتھ اس کی اور میرا خیال ہے تم تو اسے اچھی طرح جانتی بھی نہیں ہو پھر اس کے گھر رہنے کے لئے کیوں چل پڑیں؟" جویریہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی اس طرح جھوٹ بول کر..... کم از کم اس کے گھر جا کر رہنے کے لئے تمہیں ہم سے پناہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"تم اسے کال کر کے پوچھ لو کہ میں اس کے گھر پر تھی یا نہیں۔" امامہ نے کہا۔

"چلو یہ بات لیا کہ تم اس کے گھر پر تھیں مگر کیوں تھیں.....؟" جویریہ نے پوچھا۔

امامہ خاموش رہی پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا "مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔"

ان دونوں نے حیران ہو کر دیکھا "کس مسئلے میں؟"

امامہ نے سر اٹھایا اور ہلکی ہلکی ہچکائے بغیر دیکھتی رہی۔ جویریہ نے کچھ بے چینی محسوس کی۔ "کس مسئلے میں؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو۔" امامہ نے قدرے مدغم انداز میں کہا۔

"میں.....؟" جویریہ نے کچھ گڑبڑا کر رابعہ کو دیکھا جواب بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، تم تو ابھی طرح جانتی ہو۔"

"تم پتیلیاں مت بھجواؤ۔ سیدھی اور صاف بات کرو۔" جویریہ نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

امامہ سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد ہلکتے خورد و انداز میں اس نے سر جھکا دیا۔

☆.....☆.....☆

"بتاؤ۔ آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" اس دن کالج میں امامہ نے جویریہ سے اسرار کیا۔

جویریہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔"

امامہ کو جیسے ایک کرنٹ سا لگا۔ اس نے شاک اور بے چینی کے عالم میں جویریہ کو دیکھا۔ وہ مجھے لہجے میں کتنی چارہ تھی۔

"تم میری باتنی اچھی اور گہری دوست ہو کہ مجھے یہ سوچ کر تکلیف ہوتی ہے کہ تم گمراہی کے راستے پر چل رہی ہو اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہے..... نہ صرف تم بلکہ تمہاری پوری فیملی..... میری خواہش ہے کہ ٹیک اعمال پر اگر اللہ مجھے جنت میں بھیجے تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔"

امامہ کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آ رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی۔

"میں توقع نہیں کر سکتی تھی جویریہ کہ تم مجھ سے قریم بھی باتیں کرو گی۔ تمہیں تو میں اپنا دوست سمجھتی تھی مگر تم بھی....." جویریہ نے زری سے اس کی بات کاٹ دی۔

"قریم نے تم سے تب جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔" امامہ ہلکی ہچکائے بغیر اسے دیکھتی رہی اسے



جو یہ یہ کی باتوں سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"اور صرف آج ہی نہیں، میں اس وقت بھی قریم کو صحیح سمجھتی تھی مگر میری نہارے ساتھ دوستی تھی اور میں چاہنے کے باوجود تم سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں قریم کو حق بجانب سمجھتی ہوں۔ اگر وہ یہ کہتی تھی کہ تم مسلمان نہیں ہو تو یہ ٹھیک تھا۔ تم مسلمان نہیں ہو۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جو یہ یہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ امامہ نے کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر جو یہ یہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم میرا بازو چھو دو۔۔۔ مجھے جانے دو، آئندہ کبھی تم مجھ سے ہاتھ تک مت کرنا۔" امامہ نے ہلکے سے لپکے میں اس سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امامہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ میں۔۔۔۔۔"

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے کتنا ہرٹ کیا ہے مجھے۔ جو یہ یہ مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کر رہی ہوں۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔۔۔ روکنے یا جذبات میں آنے کے بجائے تم ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات پر سوچو۔۔۔ میں آخر تم کو بے کار کسی بات پر ہرٹ کیوں کروں گی۔" جو یہ یہ نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

"یہ تو تمہیں پتا ہو گا کہ تم مجھے ہرٹ کیوں کر رہی ہو، مگر مجھے آج یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تم میں اور قریم میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تم نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی ہے۔ اس سے میری دوستی اتنی بڑھتی نہیں تھی جتنی تمہارے ساتھ ہے۔" امامہ کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ مسلسل اپنا بازو جو یہ یہ کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تمہارا سرا رکھا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بتاؤں۔ میں اسی لئے تمہیں نہیں بتا رہی تھی اور میں نے تمہیں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ تم میری بات پر بہت ناراض ہو گی مگر تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" جو یہ یہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"مجھے اگر یہ پتا ہو گا کہ تم میرے ساتھ اس طرح کی بات کرو گی تو میں کبھی تم سے تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش جاننے پر اصرار نہ کرتی۔" امامہ نے اس بار قدرے غصے سے کہا۔

"اچھا میں دوبارہ اس معاملے پر تم سے بات نہیں کروں گی۔" جو یہ یہ نے قدرے مدافعت انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔ مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم درحقیقت میرے بارے میں کیا سوچتی ہو۔۔۔۔۔"

تمہاری دوستی اب کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکتی۔ آج تک میں نے کبھی تم پر اس طرح کی تنقید نہیں کی مگر تم مجھے اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے کے بجائے غیر مسلم بتا رہی ہو۔" امامہ نے کہا۔

"میں اگر ایسا کر رہی ہوں تو غلط نہیں کر رہی۔ اسلام کے تمام فرقے کم از کم یہ ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔" اس بار جو یہ یہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"مائیکرو لینگویج۔" امامہ بھی بھڑک اٹھی۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں امامہ۔۔۔ اور میں ہی نہیں یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ تمہاری ٹیلی نے دوپے کے حصول کے لئے مذہب بدلا ہے۔"

"امامہ! میری باتوں پر اتنا ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے۔"

امامہ نے جو یہ یہ کی بات کاٹ دی۔ "مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری کسی بھی بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی۔ میں جانتی ہوں حقیقت کیا ہے اور کیا نہیں۔۔۔۔۔"

"تم نہیں جانتیں اور کبھی افسوس ناک بات ہے۔" جو یہ یہ نے کہا۔ امامہ نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس بار بہت زور کے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا اور تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔

اس بار جو یہ یہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کچھ افسوس اور پریشانی سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ امامہ اس طرح ناراض نہیں ہوتی تھی جس طرح وہ آج ہو گئی تھی اور یہی بات جو یہ یہ کو پریشان کر رہی تھی۔

## باب ۲

پھر سب کچھ اسکول میں ہونے والے ایک واقعے سے شروع ہوا تھا۔ امام اس وقت میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور تحریم اس کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔ وہ لوگ کئی سال سے اکٹھے تھے اور نہ صرف ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے بلکہ ان کی فیملیز بھی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اپنی فرینڈز میں سے امام کی سب سے زیادہ دوستی تحریم اور جوہر سے تھی مگر اسے حیرت ہوتی تھی کہ اسی گہری دوستی ہونے کے باوجود بھی جوہر یہ اور تحریم اس کے گھر آنے سے کھڑی تھیں۔ امام ہر سال اپنی سالگرہ پر انہیں انوائٹ کرتی اور اکثر وہ اپنے گھر پر ہونے والی دوسری تقریبات میں بھی انہیں مدعو کرتی، وہ گھر سے اجازت نہ ملنے کا بہانہ بنا دیتیں۔ چند بار امام نے خود ان دونوں کے والدین سے اجازت لینے کے لئے بات کی، لیکن اس کے بے تحاشا اصرار کے باوجود ان دونوں کے والدین انہیں اس کے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان کے اس رویے پر کچھ شاکی ہو کر اس نے اپنے والدین سے شکایت کی۔

”تمہاری یہ دونوں فرینڈز سید ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر ہمارے فرقہ کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے ان دونوں کے والدین انہیں ہمارے گھر آنے نہیں دیتے۔“

ایک بار اس کی امی نے اس کی شکایت پر کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔۔۔“ امام کو ان کی بات پر قہقہہ ہوا۔

”آپ یہ تو وہی لوگ بنا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔۔۔ یہ تو ہمیں غیر مسلم بھی کہتے ہیں۔“ اس کی امی نے کہا۔

”کیوں غیر مسلم کہتے ہیں۔ ہم تو غیر مسلم نہیں ہیں۔“ امام نے کچھ الجھ کر کہا۔

”ہاں بالکل۔ ہم مسلمان ہیں۔۔۔ مگر یہ لوگ ہمارے نبی پر یقین نہیں رکھتے۔“ اس کی امی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“

”آپ اس کیوں کا میں کیا جواب دے سکتی ہوں۔ بس یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔ کمر ہیں بڑے یہ تو انہیں قیامت کے دن ہی پتا چلے گا کہ کون سیدھے رستے پر تھا۔ ہم باب۔۔۔“

”مگر امی! مجھ سے تو انہوں نے کبھی مذہب پر بات نہیں کی۔ پھر مذہب مسئلہ کیسے بن گیا۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھر دوسرے کے گھر آنے جانے سے کیا ہوتا ہے۔“ امام ابھی ابھی ہوتی تھی۔

”یہ بات انہیں کون سمجھائے۔۔۔ یہ لوگ ہمیں جھوٹا کہتے ہیں، حالانکہ خود انہیں ہمارے بارے میں کچھ پتا نہیں۔۔۔ بس مولویوں کے کہنے میں آکر ہم پر چند دوڑتے ہیں۔ انہیں ہمارے بارے میں اور ہمارے نبی کی تعلیمات کے بارے میں کچھ پتا ہو تو یہ لوگ اس طرح نہ کریں۔ شاید پھر انہیں کچھ شعور آجائے۔۔۔ اور یہ لوگ بھی ہماری طرح راہ ہدایت پر آجائیں۔ تمہاری فرینڈز اگر تمہارے گھر نہیں آئیں تو انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بھی ان کے گھر مت جایا کرو۔“

”مگر امی! ان کی غلط فہمیاں تو دور ہو نا چاہئیں میرے بارے میں۔“ امام نے ایک بار پھر کہا۔

”یہ کام تم نہیں کر سکتیں۔ ان لوگوں کے ماں باپ مسلسل اپنے بچوں کی ہمارے خلاف بریں داشتک کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف ذہر بھرتے رہتے ہیں۔“

”نہیں امی! وہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ان کو میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہئے۔ میں ان لوگوں کو اپنی کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گی، تاکہ ان کے دل سے میرے بارے میں یہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں، پھر جو سکتا ہے یہ ہمارے نبی کو بھی مان جائیں۔“ امام نے کہا۔ اس کی امی کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

”آپ کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟“

”ایسا نہیں ہے۔۔۔ تم ضرور انہیں اپنی کتابیں دو۔۔۔ مگر اس طریقے سے نہیں کہ انہیں یہ لگے کہ



تم اپنے فرقہ کی ترویج کے لئے انھیں یہ کتابیں دے رہی ہو۔ تم انھیں یہ کہہ کر کتابیں دینا کہ تم چاہتی ہو  
۱۰۰۰ روپے ہارے میں چائیں۔ ہم کو زیادہ بہتر طریقے سے کچھ سکس اور ان سے یہ بھی کہنا کہ ان کتابوں کا  
ذکر وہاں گھروالوں سے نہ کریں۔ دوسرے وہ لوگ زیادہ ناراض ہو جائیں گے۔" امام نے ان کی بات  
پر سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

اس کے چند دنوں بعد امام اسکول میں کچھ کتابیں لے گئی تھیں۔ بریک کے دور ان وہ جب گراؤنڈ  
میں آکر بیٹھیں تو امام اپنے ساتھ وہ کتابیں بھی لے آئی۔

"میں تمہارے اور جویریہ کے لئے کچھ لے کر آئی ہوں۔"

"کیا لائی ہو دکھاؤ؟" امام نے شاید سے وہ کتابیں نکال لیں اور انھیں دو حصوں میں تقسیم کرتے  
ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ دو دونوں ان کتابوں پر ایک فکر ڈالنے ہی کچھ چپ سی ہو  
گئیں۔ جویریہ نے امام سے کچھ نہیں کہا مگر قریم یکدم کچھ اکھڑ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔

"یہ کتابیں میں تمہارے لئے لائی ہوں۔" امام نے کہا۔

"کیوں؟"

"تاکہ تم لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔"

"کس طرح کی غلط فہمیاں؟"

"وہی غلط فہمیاں جو تمہارے دل میں، ہمارے مذہب کے بارے میں ہیں۔" امام نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ ہمیں تمہارے مذہب یا تمہارے نبی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں؟"

قریم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں خود اندازہ کر سکتی ہوں۔ صرف اسی وجہ سے تو تم لوگ ہمارے گھر نہیں آتے۔ تم لوگ  
شاید یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں یا ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے یا ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کو خلیفہ نہیں مانتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ ان سب چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو  
صرف یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارا بھی ایک نبی ہے اور وہ بھی اسی طرح قابل  
احترام ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" امام نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ وضاحت کرتے  
ہوئے کہا۔

قریم نے اپنے ہاتھ میں بکڑی ہوئی کتابیں اسے واپس حمادیں۔ "ہمیں تمہارے اور تمہارے  
مذہب کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ ہم تمہارے مذہب کے بارے میں ضرورت سے زیادہ

جانتے ہیں۔ اس لئے تم کو کوئی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بڑے روکھے لہجے  
میں امام سے کہا۔ "اور جہاں تک ان کتابوں کا تعلق ہے تو میرے اور جویریہ کے پاس انتخاب بکار وقت  
نہیں ہے کہ ان اساتذہ و مولوں، خوش فہمیوں اور گمراہی کے اس پلندے پر متائع کریں جسے تم اپنی کتابیں  
کہہ رہی ہو۔" قریم نے ایک جھٹکے کے ساتھ راجو کے ہاتھ میں بکڑی ہوئی کتابیں گھنچ کر انھیں بھی امام  
کے ہاتھ میں حمادیا۔ امام کا چہرہ خفت اور شرمندگی سے سرخ پڑ گیا۔ اسے قریم سے اس طرح کے  
تہرے کی توقع نہیں تھی مگر ہوتی تو وہ کبھی اسے وہ کتابیں دینے کی طاقت نہ کرتی۔

"اور جہاں تک اس احترام کا تعلق ہے تو اس نبی میں جس پر نبوت کا نزول ہوتا ہے اور اس نبی میں  
جو خود بخود نبی ہونے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو اگر  
قرآن پر واقعی یقین ہو تا تو تمہیں اس کے ایک ایک حرف پر یقین ہوتا۔ نبی ہونے میں اور نبی بننے میں  
بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"قریم اتم میری اور میرے فرقہ کی بے عزتی کر رہی ہو۔" امام نے آنکھوں میں اُمڈتے ہوئے  
آنسوؤں کے ساتھ کہا۔

"میں کسی کی بے عزتی نہیں کر رہی۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں اور اگر تمہیں بے عزتی  
لگتی ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" قریم نے اونٹوں کے انداز میں کہا۔

"روزہ رکھنے میں اور بھوکے رہنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے اور اس پر ایمان لانے  
میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سارے عیسائی اور ہندو بھی اسلام کے بارے میں جانتے گئے لئے قرآن  
پاک پڑھتے ہیں تو کیا انھیں مسلمان مان لیا جاتا ہے اور بہت سے مسلمان بھی دوسرے مذہب کے بارے  
میں جانتے گئے لئے دوسری الہامی کتابیں پڑھتے ہیں تو کیا وہ غیر مسلم ہو جاتے ہیں اور تم لوگ اگر حضور  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلیفہ مانتے ہو تو کوئی احسان نہیں کرتے۔ تم ان کی نبوت کو جھٹاؤ گے تو اور کیا  
کیا جھٹاؤ گے، پھر تو انہیں کو بھی جھٹانا پڑے گا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خوش  
خبری دی گئی ہے، پھر تو خود بیت کو بھی جھٹانا پڑے گا جس میں ان کی نبوت کی بات کی گئی ہے، پھر قرآن  
پاک کو بھی جھٹانا پڑے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیتا ہے اور سب سے بڑی بات  
یہ ہے کہ اگر تمہارا نبی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو جھٹلاؤ تو وہ ان مناظروں کی کیا توجیہ پیش  
کرنا جو وہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کئی سال عیسائی باپوں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت  
اور اسلام کے آخری دین ہونے پر کرتا رہا تھا۔ اس لئے امام ہاشم اتم ان چیزوں کے بارے میں بحث  
کرنے کی کوشش مت کرنا جن کے بارے میں تمہیں سرے سے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ تمہیں نہ ان مذہب  
کے بارے میں پتا ہے جس پر تم چل رہی ہو اور نہ اس کے بارے میں جس پر تم بات کر رہی ہو۔"

تحريم نے وہ ٹوک انداز میں کہا۔

”اور میں ایک چیز بتا دوں تمہیں..... دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا۔ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے حقیقی ہونے کا انکار کرتے ہو تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”مگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔“ امام نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر ہم بھی انجیل پر یقین رکھتے ہیں، اسے الہامی کتاب مانتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم کر جھگ ہیں.....؟ اور ہم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر بھی یقین رکھتے ہیں تو کیا پھر ہم یہودی ہیں؟“ تحريم نے کچھ شخڑ سے کہا ”یقین ہمارا دین اسلام ہے، کیونکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں اور ہم ان پیغمبروں پر یقین رکھتے ہیں جو باوجود عیسائیت کا حصہ ہیں نہ یہودیت کا، بالکل اسی طرح تم لوگوں کا نبی ہے کیونکہ تم اس کے پیروکار ہو۔ ویسے تم لوگ تو ہمیں بھی مسلمان نہیں سمجھتے۔ ابھی تم اصرار کر رہی ہو کہ تم اسلام کا ایک فرق ہو..... جب کہ تمہارے نبی اور اس کے بعد آنے والے تمہاری جماعت کے تمام لیڈر کا دعویٰ ہے کہ جو مرزائی نبوت پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ تو اسلام سے تو تم لوگ تمام مسلمانوں کو پہلے ہی خارج کر چکے ہو.....“

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے..... میں نے ایسا کب کہا ہے؟“ امام نے قدرے لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تو پھر تم اپنے والد صاحب سے ذرا اس معاملے کو ڈسکس کرنا..... وہ تمہیں خاصی اپ ٹوڈے انفارمیشن دیں گے اس بارے میں..... تمہارے مذہب کے خاصے سرکردہ رہنما ہیں وہ.....“ تحريم نے کہا ”اور یہ جو کتابیں تم ہمیں پیش کر رہی ہو..... انہیں خود پڑھا ہے تم نے..... نہیں پڑھا ہو گا..... ورنہ تمہیں پتا ہوتا ان سرکردہ رہنماؤں کے بارے میں۔“

جو یہ تحريم کی اس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی، وہ صرف کن انکھوں سے امام کو دیکھتی رہی تھی۔ ”اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں اور میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں اور میری کتاب مجھ تک یہ دونوں باتیں بہت صاف واضح اور دونوں انداز میں پہنچا رہی ہے تو پھر مجھے کسی اور شخص کے ثبوت اور اعلان کی ضرورت نہیں ہے..... سمجھیں۔“

تحريم نے اپنے ایک ایک الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”بہتر ہے تم اپنے مذہب کو یا میرے مذہب کو زیر بحث لانے کی کوشش نہ کرو۔ اسنے سالوں سے

دوستی چلی رہی ہے، چلنے دو.....“

”جہاں تک تمہارے گھر نہ آنے کا تعلق ہے تو ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میرے والدین کو تمہارے گھر آنا پسند نہیں ہے۔ یہاں اسکول میں تم سے دوستی اور بات ہے۔ بہت سے لوگوں سے دوستی ہوتی ہے ہماری اور دوستی میں عام طور پر مذہب آڑے نہیں آتا لیکن گھر میں آنا جانا..... کچھ مختلف چیز ہے..... انہیں شاید میری کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو دوست کے گھر جانے پر اعتراض نہ ہو لیکن تمہارے گھر جانے پر ہے..... کیونکہ وہ لوگ اپنے مذہب کو مانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے جس مذہب سے تعلق ہوتا ہے وہی بتاتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بتانا تم لوگوں کو نا پسند کیا جاتا ہے انجان لوگوں کو نہیں کیا جاتا کیونکہ تم لوگ صرف پیسے کے حصول اور ابھی مستقبل کے لئے یہ نیا مذہب اختیار کر کے ہمارے دین میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر کر جھگ، ہندو یا یہودی ایسا نہیں کرتے۔“

امام نے بے اختیار اسے ٹوکا۔ ”کس پیسے کی بات کر رہی ہو تم.....؟ تم ہماری فیملی کو جانتی ہو..... ہم لوگ شروع سے ہی بہت امیر ہیں۔ ہمیں کون سا روپیہ مل رہا ہے اس مذہب پر رہنے کے لئے۔“

”ہاں تم لوگ اب بڑے خوشحال ہو، مگر شروع سے تو ایسے نہیں تھے۔ تمہارے دادا مسلمان مگر غریب آدمی تھے۔ وہ کاشت کاری کیا کرتے تھے اور ایک چھوٹے سے کاشت کار تھے۔ دیوہ سے کچھ فاصلے پر ان کی تھوڑی بہت زمین تھی پھر تمہارے تایا نے اپنے کسی دوست کے توسط سے وہاں جانا شروع کر دیا اور یہ مذہب اختیار کر لیا اور بے تحاشا امیر ہو گئے کیونکہ انہیں وہاں سے بہت زیادہ پیسہ ملا پھر آہستہ آہستہ تمہارے والد اور تمہارے چچا نے بھی اپنا مذہب بدل لیا پھر تم لوگوں کا خاندان اس ملک کے معمول ترین خاندانوں میں شمار ہونے لگا اور یہ کام کرنے والے تم لوگ واحد نہیں ہو زیادہ تر اسی طریقے سے لوگوں کو اس مذہب کا پیروکار بنایا جا رہا ہے۔“

امام نے کچھ ہنسنے کے بعد اس کی بات کو کانا ”تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

”تمہیں یقین نہیں آ رہا تو تم اپنے گھر والوں سے پوچھ لیتا کہ اس قدر دولت کس طرح آئی ان کے پاس..... اور ابھی بھی کس طرح آ رہی ہے۔ تمہارے والد اس مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں ڈالرز آتے ہیں، انہیں غیر ملکی مشین اور این جی او سے.....“ تحريم نے کچھ حقیر آئینہ انداز میں کہا۔

”یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔“ امام نے بے اختیار کہا۔ ”میرے بابا کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے۔ وہ اگر اس فرقہ کے لئے کام کرتے ہیں، تو غلط کیا ہے۔ کیا دوسرے فرقوں کے لئے کام نہیں کیا جاتا۔ دوسرے فرقوں کے بھی تو علماء ہوتے ہیں یا ایسے لوگ جو انہیں سپورٹ کرتے ہیں۔“

”دوسرے فرقوں کو یہ بری مشین سے روپیہ نہیں ملتا۔“

”میرے بابا کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا۔“ امام نے ایک بار پھر کہا۔ تحريم نے اس کی بات کے



جو اب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

امام نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گردن موڑ کر اپنے پاس بیٹھی جو یہ کی طرف دیکھا۔

"کیا تم بھی میرے بارے میں ایسا ہی سوچتی ہو؟"

"تحریم نے قسم میں آکر تم سے یہ سب کچھ کہا ہے۔ تم اس کی باتوں کا براست مانو۔" جو یہ نے

اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم ان سب باتوں کو چھوڑو..... آؤ کلاس میں چلتے ہیں، بریک ختم ہونے والی ہے۔" جو یہ نے

کہا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

.....

اس دن وہ واپس گھر آکر اپنے کمرے میں بند ہو کر روتی رہی۔ تحریم کی باتوں نے اسے واقعی بہت

دل برداشتہ اور مایوس کیا تھا۔

باشم مبین احمد اس دن شام کو ہی آفس سے گھر واپس آ گئے تھے۔ واپس آنے پر انہیں سلمیٰ سے بنا

چلا کہ امام کی طبیعت خراب ہے۔ وہ اس کا حال احوال پوچھنے اس کے کمرے میں چلے آئے۔ امام کی

آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ باشم مبین حیران رہ گئے۔

"کیا بات ہے امام؟" انہوں نے امام کے قریب آکر پوچھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کچھ بہانہ کرنے کے بجائے بے اختیار روئے لگی۔ باشم کچھ پریشان ہو کر اس

کے قریب بیٹھ بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا۔۔۔ امام؟"

"تحریم نے آج اسکول میں مجھ سے بہت بدتمیزی کی ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

باشم مبین نے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے تم لوگوں میں؟"

"بابا! آپ کو نہیں پتا اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟" امام نے باپ کو مطمئن ہونے دیکھ کر کہا۔

"بابا! اس نے....." وہ باپ کو تحریم کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو بتائی تھی۔ باشم مبین کے چہرے

کی رحمت بدلتے لگے۔

"تم سے کس نے کہا تھا۔ تم اسکول کتابیں لے کر جاؤ، انہیں پڑھانے کے لئے؟" انہوں نے امام

کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں ان کی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتی تھی۔" امام نے قدرے کمزور لہجے میں کہا۔

"تمہیں ضرورت ہی کیا تھی کسی کی غلط فہمیاں دور کرنے کی۔ وہ تمہارے گھر نہیں آئیں تو

آئیں۔ ہمیں برا سمجھتی ہیں تو سمجھتی رہیں، ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" باشم مبین نے اسے سمجھاتے

ہوئے کہا۔

"مگر اب تمہاری اس حرکت سے پتا نہیں دو کیا سمجھے گی۔ کس کس کو بتائے گی کہ تم نے اسے وہ

گناہیں دینے کی کوشش کی۔ خود اس کے گھر والے بھی ناراض ہوں گے۔ امام! ہر ایک کو یہ بتاتے نہیں

پھرتے کہ تم کیا ہو۔ نہ ہی اپنے فرقہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اگر کوئی بحث کرنے کی کوشش بھی

کرتے تو ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ورنہ لوگ خواہ مخواہ فضول طرح کی باتیں کرتے ہیں اور فضول طرح

کے شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔" انہوں نے سمجھایا۔

"مگر بابا! آپ بھی تو بہت سارے لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں؟" امام نے کچھ اٹھے ہوئے اعدائے میں

کہا۔ "پھر مجھے کیوں منع کر رہے ہیں؟"

"میری بات اور ہے میں صرف ان ہی لوگوں سے مذہب کی بات کرتا ہوں جن سے میری بہت

بے تکلفی ہو چکی ہوتی ہے اور جن کے بارے میں مجھے یہ محسوس ہو کہ ان پر میری ترغیب اور تبلیغ کا اثر ہو

سکتا ہے۔ میں دو چار دن کی ملاقات میں کسی کو کتابیں پاتا ہوں شروع نہیں ہو جاتا۔" باشم مبین نے کہا۔

"بابا! ان سے میری دوستی دو چار دن کی نہیں ہے۔ ہم کئی سالوں سے دوست ہیں۔" امام کو

اعزاز مل رہا تھا۔

"ہاں مگر وہ دونوں سید ہیں اور دونوں کے گھرانے بہت مذہبی ہیں۔ تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی

چاہئے تھی۔"

"میں نے تو صرف انہیں اپنے فرستے کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ہمیں غیر مسلم

تو نہ سمجھیں۔" امام نے کہا۔

"اگر وہ ہمیں غیر مسلم سمجھتے ہیں تو بھی ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ خود غیر مسلم ہیں۔" باشم مبین نے

جڑی عقیدت سے کہا۔ "وہ تو خود گمراہی کے راستے پر ہیں۔"

"بابا! وہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو غیر ملکی مشن سے روپیہ ملتا ہے۔ این جی اوز سے روپیہ ملتا ہے تاکہ

آپ لوگوں کو ہمارے فرقہ کا پتہ دکھا سکیں۔"

باشم مبین نے خنجر سے گردن کو جھکا۔ "مجھے صرف اپنی جماعت سے روپیہ ملتا ہے اور وہ بھی وہ

روپیہ ہوتا ہے جو ہماری اپنی کیونٹی، اندرون ملک اور بیرون ملک اکٹھا کرتی ہے۔ ہمارے پاس اپنے

روپے کی کیا کمی ہے۔ ہماری اپنی فیکٹری نہیں ہیں کیا اور اگر مجھے غیر ملکی مشن اور این جی اوز سے روپیہ

ملے بھی تو میں بڑی خوشی سے لوں گا، آخر اس میں برائی کیا ہے۔ دین کی خدمت کر رہا ہوں اور جہاں تک

اپنے مذہب کی ترویج و تبلیغ کی بات ہے تو اس میں بھی کیا برائی ہے۔ اگر اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ ہو

سکتی ہے تو ہمارے فرستے کی کیوں نہیں۔ ہم تو ویسے بھی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ لوگوں کو راہ ہدایت پر

لانے کی کوشش میں معروف ہیں۔ ہاشم مبین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا۔

”مگر تم لوگوں سے اس معاملے پر بات مت کیا کرو۔ اس بحث مباحثے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ابھی ہم لوگ اقلیت میں ہیں جب اکثریت میں ہو جائیں گے تو پھر اس طرح کے لوگ اپنی بے خوفی کے ساتھ اس طرح بڑھ بڑھ کر بات نہیں کر سکیں گے پھر وہ اس طرح جاری توکیل کرتے ہوئے دوسروں کے مگر فی الحال ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہئے۔“

”ابا! آئین میں ہمیں اقلیت اور غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم اسلام کا ایک فرقہ ہیں تو پھر انہوں نے ہمیں غیر مسلم کیوں ٹھہرایا ہے؟“ امامہ کو تحریم کی کہی ہوئی ایک اور بات یاد آئی۔

”یہ سب مولویوں کی کارستانی تھی۔ اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دوسب ہمارے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہماری تعداد ابھی زیادہ ہو جائے گی تو ہم بھی اپنی مرضی کے قوانین بنوائیں گے اور اس طرح کی تمام تر مہمات کو آئین میں سے بنا دیں گے۔“ ہاشم مبین نے پر جوش انداز میں کہا۔ ”اور تمہیں اس طرح بے وقوفوں کی طرح کمرے میں بند ہو کر رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

ہاشم مبین نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا، امامہ انہیں دہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

تحریم کے ساتھ وہ اس کی دوستی کا آخری دن تھا اور اس میں تحریم سے زیادہ خود اس کا رویہ وجہ تھا۔ وہ تحریم کی باتوں سے اس حد تک دل برداشتہ ہوئی تھی کہ اب تحریم کے ساتھ دوبارہ پہلے سے تعلقات قائم رکھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ خود تحریم نے بھی اس کی اس خاموشی کو پھلانگتے یا توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

ہاشم مبین احمد احمدی جماعت کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے بڑے بھائی و اعظم مبین احمد بھی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے پورے خاندان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام افراد بہت سال پہلے اس وقت قادیانیت اختیار کر گئے تھے جب اعظم مبین احمد نے اس کام کا آغاز کیا تھا جن لوگوں نے قادیانیت اختیار نہیں کی تھی وہ باقی لوگوں سے قطع تعلق کر چکے تھے۔

اپنے بڑے بھائی و اعظم مبین احمد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہاشم مبین نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا۔ اعظم مبین ہی کی طرح انہوں نے اپنے مذہب کے فروغ اور تحلیف کے لئے کام کرنا بھی شروع کر دیا۔ دس چھوڑ سالوں میں وہ دونوں بھائی اسی تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہوتے گئے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے بے تحاشا پیسہ کمایا اور اس پیسے سے انہوں نے سرمایہ کاری بھی کی مگر ان کی آمدنی کا بڑا زریعہ تحریک کی تحلیف کے لئے میسر ہونے والے فنڈز ہی تھے۔ ان کا شمار اسلام آباد کی ایلٹ کلاس میں ہوتا تھا۔ بے تحاشہ دولت ہونے کے باوجود ہاشم اور اعظم مبین کے گھر کا ماحول روایتی تھا۔ ان کی خواتین باقاعدہ پروردہ کیا کرتی تھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان خواتین پر ناروا پابندیاں یا کسی قسم کا جبر روا رکھا گیا

تھا۔ اس مذہب کی خواتین میں تعلیم کا تقاضا سب پاکستان میں کسی بھی مذہب کے مقابلے میں ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے اعلیٰ تعلیم بھی معروف اداروں سے حاصل کی۔

امامہ بھی اسی قسم کے ماحول میں پائی بڑھی تھی۔ وہ یقیناً ان لوگوں میں سے تھی جو منہ میں سونے کا چھپرے لے کر پیدا ہوئے ہیں اور اس نے ہاشم مبین کو کبھی کسی قسم کے مالی مسائل سے گزرتے نہیں دیکھا۔ سچی وجہ تھی کہ اس کے لئے تخریم کی یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اس کے خاندان نے پیسہ حاصل کرنے کے لئے یہ مذہب اختیار کیا۔ غیر ملکی مشنز اور پیر دن ملک سے ملنے والے فنڈز کا الزام بھی اس کے لئے ناقابل قبول تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایک ایسی کلاس سے تعلق رکھتی ہے جس کا لمبا چوڑا کاروبار تھا اور اگرچہ وہ یہ بات بھی جانتی تھی کہ ہاشم مبین اس مذہب کی تحلیف اور ترویج کرتے ہیں اور تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک ہیں مگر یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ہی اس مسئلے میں اپنے تایا اور والد کی سرگرمیوں کو دیکھتی آ رہی تھی۔ اس کے نزدیک یہ ایک ایسا کام تھا جو ”اسلام“ کی تحلیف و ترویج کے لئے کر رہے تھے۔

اپنے گھروالوں کے ساتھ وہ کئی بار مذہبی اجتماع میں بھی جا چکی تھی اور سرکردہ رہنماؤں کے لندن سے سیٹلائٹ کے ذریعے ہونے والے خطبات کو بھی باقاعدگی سے سنتی اور دیکھتی آ رہی تھی۔ تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے سے پہلے بھی اس نے اپنے مذہب کے بارے میں خود کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے لئے اپنا فرقہ ایسا ہی تھا جیسے اسلام کا کوئی دوسرا فرقہ۔۔۔ اس کی بریں و اشفاق بھی اسی طرح کی گئی تھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ صرف وہی سیدھے راستے پر تھے بلکہ وہی جنت میں جائیں گے۔

اگرچہ گھر میں بہت شروع میں ہی اسے باقی مبین بھائیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کر دی گئی تھی کہ وہ بلاوجہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں کہ وہ راصل کیا ہیں۔ اسکول میں تعلیم کے دوران انہی وہی بھی جان گئی تھی کہ ۱۹۷۳ء میں انہیں پارلیمنٹ نے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا وہ سمجھتی تھی کہ یہ مذہبی افراد ہیں اگر کیا جائے والا ایک سیاسی فیصلہ ہے، مگر تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے نے اسے اپنے مذہب کے بارے میں خود کرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تحریم سے ہونے والے جھگڑے کے بعد ایک حیدر علی جو اس میں آئی وہ اپنے مذہب کا مطالعہ تھا۔ تحلیفی مواد کے علاوہ اور ان کتابوں کے علاوہ جنہیں اس مذہب کے ماننے والے مقدس سمجھتے تھے اس نے اور بھی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور غیادری طور پر اسی زمانے میں اس کی آنکھوں کا آغاز ہوا مگر کچھ عرصہ مطالعہ کے بعد اس نے ایک بار پھر ان آنکھوں اور اضطراب کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میزک کے نور الہند اس سے اس کی منگنی ہو گئی وہ اعظم مبین کا بیٹا تھا۔ یہ اگرچہ کوئی محبت کی منگنی نہیں تھی مگر اس کے باوجود امامہ اور اسجد کی پسند اس رشتہ کا باعث بنی تھی۔ نسبت ملے ہونے کے بعد



اسجد کے لئے امام کے دل میں خاص جگہ بن گئی تھی۔

اپنی پسند کے شخص سے نسبت کے بعد اس کا دوسرا ہارکٹ میڈیکل میں ایڈمیشن تھا اور اسے اس کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کی تنگی دلتی ہے کہ اگر وہ میرٹ پر نہ بھی ہوتی تب بھی وہ اسے میڈیکل کالج میں داخل کروا سکتے تھے اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو بھی وہ ہیرون ملک جا کر میڈیکل کی تعلیم حاصل کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

"تم کچھ کچھ دنوں سے بہت پریشان ہو، کوئی پرالم ہے؟" وحیم نے اس رات امام سے پوچھا۔  
وہ کچھ کچھ دن سے بہت زیادہ خاموش اور ابھی ابھی نظر آ رہی تھی۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارا وہم ہے۔" امام نے سکرانے کی کوشش کی۔  
"خیر وہم تو نہیں، کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ تم بتانا نہیں چاہتیں تو اور بات ہے۔" وحیم نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ امام کے ڈیٹا بیڈ پر اس سے کچھ فاصلے پر لیٹا ہوا تھا اور وہ اپنی فائل میں رکھے نوٹس آؤٹ پلٹ رہی تھی۔ وحیم کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔  
"میں نے ٹھیک کہا تھا تم بتانا نہیں چاہتیں؟"

"ہاں، میں فی الحال بتانا نہیں چاہتی۔" امام نے ایک گھر اسٹش نے کر اعتراف کیا۔  
"جناور ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔" وحیم نے اسے آسایا۔

"وحیم! میں خود تمہیں بتاؤں گی مگر فی الحال نہیں اور اگر مجھے مدد کی ضرورت ہو گی تو میں خود تم سے کہوں گی۔" اس نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔" وہ بیٹھ سے اٹھ گیا۔  
وحیم کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ واقعی جو یہ کہے کے ساتھ اس دن دن ہونے والے جھگڑے کے بعد سے پریشان تھی۔ اگرچہ جو یہ کہنے کے بعد دن اس سے معذرت کر لی تھی مگر اس کی آنکھیں اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جو یہ کہنے کی باتوں نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ایک ڈیڑھ سال پہلے تحریم کے ساتھ ہونے والا جھگڑا اسے ایک بار پھر یاد آئے گا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے مذہب کے بارے میں ابھرنے والے سوالات اور الجھنیں بھی جو اس نے اپنے مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذہن میں محسوس کی تھیں۔ جو یہ کہنے کا تھا "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کاش تم مسلمان ہو تیں۔"

"مسلمان ہوتی؟" وہ عجیب سی بے چینی میں جتنا ہو گئی تھی۔ "کہا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میری بہترین دوست بھی مجھے مسلمان نہیں مانتی؟ کیا یہ سب کچھ صرف اس پر دیکھنے کی وجہ سے ہے جو ہمارے

بارے میں کیا جاتا ہے؟ آخر ہمارے ہی بارے میں یہ سب کچھ کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا ہم لوگ واقعی کوئی غلط کام کر رہے ہیں؟ کسی غلط عقیدے کو اختیار کر بیٹھے ہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر میرے گھر والے ایسا کیوں کریں گے اور پھر ہماری ساری کیہوئی ایسا کیوں کرے گی؟ اور شاید یہ ان سوالوں سے نجات پانے کی ایک کوشش تھی کہ ایک بیٹے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے عالم دین کی قرآن پاک کی تفسیر خریدی۔ وہ جانتا چاہتی تھی کہ ان کے بارے میں دوسرے فریق کا موقف کیا تھا۔ قرآن پاک کا ترجمہ وہ اس سے پہلے بھی پڑھتی رہی تھی مگر وہ تحریف شدہ حالت میں تھا۔ اسے اس سے پہلے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ جو قرآن وہ پڑھتے ہیں اس میں کچھ جگہوں پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مگر اس مشہور عالم دین کی تفسیر پڑھنے کے دور ان اسے ان تبدیلیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا جو ان کے اپنے قرآن میں موجود تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے مختلف فرقوں کے اداروں سے شائع ہونے والے قرآن پاک کے نسخوں کو دیکھا۔ ان میں سے کسی میں بھی وہ تبدیلیاں نہیں تھیں جو خود ان کے قرآن میں موجود تھیں۔ جبکہ مختلف فرقوں کی تفسیریں بہت زیادہ فرق تھیں جو ان کے اسلام کا اقلی مطالعہ کر رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر تفسیر میں آخری نبی خاتمہ اسلام ﷺ کی ظہیر آیا کیا تھا۔ کہیں بھی کسی ظنی یا مستحبی کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اشارہ بھی موجود نہیں تھا۔ صحیح موعود کی حقیقت بھی اس کے سامنے آگئی تھی۔ اپنے مذہبی رہنما کی بھوئی گویوں میں اور حقیقت میں ہونے والے واقعات کا تقابلاً اسے اور بھی زیادہ حیرت لگا تھا۔ اس کے مذہبی رہنما نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے جن ظہیر کے بارے میں سب سے زیادہ غیر مذہب زبان استعمال کی تھی وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور بعد میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے سے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا حلول اس کے اندر ہو گیا ہے اور اگر اس دعوے کی سچائی کو مان بھی لیا جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زندہ رہتے اور پھر وہ ان کا انتقال ہو اتو، اسلام پوری دنیا پر غلبہ پانچا ہوتا مگر ان رہنما کی وفات کے وقت دنیا میں اسلام کا غلبہ تو ایک طرف، خود ہندوستان میں مسلمان آزادی جیسی نعمت کے لئے ترس رہے تھے۔ امام کو اپنے مذہبی رہنما کے گفتگو کے اس انداز پر بھی تعجب ہوتا جو اس نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنے مخالفین یا دوسرے انبیائے کرام کے لئے اختیار کیا تھا۔ کیا کوئی نبی اس طرح کی زبان استعمال کر سکتا تھا جس طرح کی اس نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے کی تھی۔

بہت غیر محسوس انداز میں اس کا دل اپنے مذہبی لٹریچر اور مقدس کتابوں سے اجاڑ ہونے لگا تھا۔ پہلے جیسا اعتقاد اور یقین تو ایک طرف اسے سرے سے ان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اس نے بار بار یہ کہنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ساری کتابوں کو پڑھنے لگی تھی۔ اس کے گھر میں بھی کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس قسم کی کتابیں گھمرا کر پڑھ رہی تھی۔ اس نے انہیں اپنے

کمرے میں بہت حفاظت سے چھپا رکھا ہوا تھا۔ صرف ایک دن ایسا ہوا کہ دسیم اس کے کمرے میں آکر اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ڈسٹوٹ نے لگا۔ دسیم کے ہاتھ سب سے پہلے قرآن پاک کی وحی تفسیر گئی تھی اور وہ جیسے دم بخود ہو گیا تھا۔

"یہ کیا ہے امام؟" اس نے مرکزِ تعجب سے پوچھا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دھجک سے رہ گئی۔

"یہ... یہ... یہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔" اس نے ایک دم اپنا زبان میں ہونے والی خراکڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ کیا تم اسے خرید کر لائی ہو؟" دسیم نے بڑی حیرتگی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، میں اسے خرید کر لائی ہوں، مگر تم انتظار بیان کیوں ہو رہے ہو؟"

"بابا کو پتہ چلے گا تو وہ کتاب خرید کر لے گے، تمہیں اندازہ ہے؟"

"ہاں، مجھے اندازہ ہے، مگر مجھے یہ کوئی اتنی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں اس کتاب کی ضرورت کیوں پڑی؟" دسیم نے کتاب ویز رکھ دی۔

"کیونکہ میں جانتا چاہتی ہوں کہ دوسرے عقائد کے لوگ آخر قرآن پاک کی کیا تفسیر کر رہے ہیں۔"

امام نے بارے میں، قرآن کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔" امام نے سنجیدگی سے کہا۔

دسیم جلیں چپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا سامنا ٹھیک ہے؟"

"میرا سامنا بالکل ٹھیک ہے۔" امام نے پرسکون انداز میں کہا۔ "کیا برائی ہے، اگر میں دوسرے مذاہب کے بارے میں جانوں اور ان کے قرآن پاک کی تفسیر پڑھوں۔"

"میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" دسیم نے ناراضی سے کہا۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہوگی، مجھے ضرورت ہے۔" امام نے دو فک انداز میں کہا۔ "میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی چیز پر یقین کی قائل نہیں ہوں۔" اس نے واضح الفاظ میں کہا۔

"تو یہ تفسیر پڑھ کر تمہارے شبہات دور ہو گئے ہیں؟" دسیم نے طنز پر لکھ میں پوچھا۔

امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "پہلے مجھے اپنے اعتقاد کے بارے میں شبہ نہیں تھا وہ اب ہے۔"

دسیم اس کی بات پر ہلکا آٹھا۔ "دیکھا، اس طرح کی کتابیں پڑھنے سے کبھی ہو جاتا ہے۔" میں اسی لئے

تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اس طرح کی کتابیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے ہماری

اپنی کتابیں کافی ہیں۔"

"میں نے اتنی تقاسیر دیکھی ہیں، قرآن پاک کے اتنے ترجمے دیکھے ہیں، حیرانی کی بات ہے دسیم! کہیں بھی ہمارے نبی کا ذکر نہیں ہے، ہر تفسیر میں احمد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی لیا جاتا ہے، ہمارے نبی کو نہیں اور اگر کہیں ہمارے نبی کا ذکر ہے بھی تو نبوت کے ایک جھوٹے دعوے والے کے طور پر۔" امام نے اٹھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہمارے نبی کی نبوت کو مان لیں گے تو ہمارا اور ان کا تو اختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ کبھی بھی اپنی تقاسیر میں کچ نہیں شائع کریں گے۔" دسیم نے تلخی سے کہا۔

"اور جو ہماری تفسیر ہے، کیا ہم نے کچ لکھا ہے اس میں۔"

"کیا مطلب؟" دسیم طنز کیا۔

"ہمارے نبی وہ سرے وغیرہوں کے بارے میں ملا زبان کیوں استعمال کرتے ہیں؟"

"وہ ان لوگوں کے بارے میں اپنی بات کرتے ہیں جو ان پر ایمان نہیں لاتے۔" دسیم نے کہا۔

"جو ایمان نہ لائے کیا اسے گالیاں دینی چاہئیں؟"

"ہاں، طعنے کا اظہار تو کسی نہ کسی صورت میں ہوتا ہے۔" دسیم نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کتنا اظہار پائے ہو؟" امام کے ہاتھ پر وہ بخود اسے دیکھنے لگا۔

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لوگ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے لوگوں کو گالیاں تو نہیں

دیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوگ ایمان نہیں لائے تھے تو انہوں نے بھی کسی کو گالیاں

نہیں دیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان لوگوں کے لئے بھی دعا کی جنہوں نے انہیں پھر مارے،

جو وحی قرآن پاک کی صورت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس میں کوئی گالی

نہیں ملتی اور جس مجموعے کو ہمارے نبی اپنے اوپر نازل شدہ صحیفہ کہتے ہیں وہ گالیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"امام! ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ہر انسان الگ طرح سے ری ایکٹ کرتا

ہے۔" دسیم نے تیزی سے کہا۔ امام نے قائل نہ ہونے والے انداز میں سر ہلایا۔

"میں ہر انسان کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں نبی کی بات کر رہی ہوں جو شخص اپنے غصے پر قابو

نہیں رکھ سکا وہ نبوت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔ جس شخص کی زبان سے گالیاں نکلتی ہوں اس کی زبان سے

حق و صداقت کی بات نکل سکتی ہے؟ دسیم اچھے اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں الجھن سی ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔ "میں نے اتنی تقاسیر میں اگر کسی انتہائی کا ذکر پایا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مسیح موعود ہیں۔

نہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں، جن کے آنے کے بارے میں قرآن پاک میں ذکر ہے۔" اس بار اس



نے اپنے الفاظ کی خود ہی پر زور تردید کی۔

"تم اب اپنی جگہ اس بند کو تو بہتر ہے۔" وسم نے فرش لچھے میں کہا۔ "کافی فضول باتیں کر رہی ہو تم۔"

"فضول باتیں؟" امام نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تم کہہ رہے ہو میں فضول باتیں کر رہی ہوں۔ مسجد اقصیٰ اگر ہمارے شہر میں ہے تو پھر جو اتنے سنگڑوں سالوں سے فلسطین میں مسجد اقصیٰ ہے وہ کیا ہے۔ ایک نام کی دو مقدس جگہیں دنیا میں باکر خدا تو مسلمانوں کو کئی تو نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چھوڑو، یہودی، عیسائی ساری دنیا ہی مسجد کو قبلہ اول تسلیم کرتی ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو ہم نہیں کرتے۔ یہ عجیب بات نہیں؟"

"امام! اس ان معاملات پر تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے تم اس مسئلے کو بابا سے دسکس کرو۔" وسم نے اکتا کر کہا۔ "دیے تم غلطی کر رہی ہو، اس طرح کی فضول بحث شروع کر کے۔ میں بابا کو تمہاری یہ ساری باتیں بتا دوں گا اور یہ بھی کہ تم آج کل کیا پڑھ رہی ہو۔" وسم نے جاتے جاتے دھمکانے والے انداز میں کہا۔ وہ کچھ سوچ کر اٹھکے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ وسم کچھ دیر ناراضی کا اظہار کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگی۔ وہ ہاشم بنین سے ذرا تکی اور جانتی تھی کہ وسم ان سے اس بات کا ذکر ضرور کرے گا۔ وہ ان کے درمحل سے خوفزدہ تھی۔

۱۲.....۱۳.....۱۴

وسم نے ہاشم بنین کو امام کے ساتھ ہونے والی بحث کے بارے میں بتا دیا تھا مگر اس نے بہت سی ایسی باتوں کو سن کر دیا تھا جس پر ہاشم بنین کے بھڑک اٹھنے کا امکان تھا۔ اس کے باوجود ہاشم بنین دم بخود رہ گئے تھے، یوں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

یہ سب تم سے امام نے کہا؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد انہوں نے وسم سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"اے بلا کر لاؤ۔" وسم کچھ جھپٹکے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گیا۔ امام کو خود بلا کر لانے کے بجائے اس نے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوایا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ امام اور ہاشم بنین کی گفتگو کے دوران موجود رہتا نہیں چاہتا تھا۔

ہاشم بنین کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو اس وقت ہاشم اور ان کی نیکم بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم بنین نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا اس نے اس کے جسم کی لرزش میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

"بابا..... آپ نے..... مجھے..... بلوایا تھا۔" کوشش کے باوجود وہ روانی سے بات نہیں کہہ سکی۔

"ہاں۔ میں نے بلوایا تھا۔ وسم سے کیا کہو اس کی ہے تم نے؟" ہاشم بنین نے بلا تشہید بلند آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان بکیر کر رہ گئی۔ "کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟" وہ ایک بار پھر دھاڑے۔ "شرم سے ڈوب مرنا چاہئے تمہیں، خود گناہ کرتی ہو اور اپنے ساتھ ہمیں بھی گناہ گار بناتی ہو۔" امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔ کون سی کتابیں لائی ہو تم؟" وہ مشتعل ہو گئے تھے۔ "جہاں سے یہ کتابیں لے کر آئی ہو، کل تک وہیں دے آؤ، ورنہ میں انہیں اٹھا کر پینک دوں گا باہر۔"

"جی بابا!" اس نے اپنے آنسو پونچھے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔

"اور آج کے بعد اگر تم نے جو یہیہ کے ساتھ میل جول رکھا تو میں تمہارا کایچا ہانا ہی بند کر دوں گا۔"

"بابا..... جو یہیہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اس کو کچھ چٹائی نہیں ہے۔" اس بار امام نے قدرے مضبوط آواز میں احتجاج کیا۔

"تو پھر اور کون ہے جو تمہارے دماغ میں یہ غناس بھر رہا ہے؟" وہ بری طرح چلائے۔

"میں..... خود..... جی....." امام نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ہو گیا تم، اپنی عروہ بھو اور چلی ہو تم عقیدے جانچنے، اپنے ہی کی نبوت کو پرکھنے۔" ہاشم بنین کا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔ "اپنے باپ کی شکل دیکھو جس نے ساری عمر تبلیغ میں گزار دی۔ کیا میں عقل کا اعتدال ہوں یا پھر تم بھٹ سے زیادہ عقل رکھتی ہو۔ جو جمعہ چار دن ہوئے میں تمہیں پیدا ہوئے اور تم بچ پڑی ہو اپنے ہی کی نبوت کو ثابت کرنے۔" ہاشم بنین اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "تم مدت میں سونے کا بیج لے کر اسی گھا کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، جس کی نبوت کو آج تم جانچنے بیٹھ گئی ہو۔ وہ تو نا تو سڑک پر دھکے کھا رہا ہو چار سالہ اسرار خاندان اور تم اس قدر احسان فراموش اور بے ضمیر ہو چکی ہو کہ جس تھالی میں کھائی ہو اس میں چھید کر رہی ہو۔"

ہاشم بنین کی آواز چٹ رہی تھی۔ امام کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ ہو گیا۔

"بند کرو یہ لکھتہ پڑھنا اور مگر منہجو تم اپنی تعلیم حاصل کر رہی ہو جو تمہیں گمراہی کی طرف لے جا رہی ہے۔"

ان کے اگلے جھپٹے پر امام کی سنی گم ہو گئی۔ اس کے دیم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے گمراہانے کی بات کریں گے۔

"بابا..... آئی ایم سوری۔" ان کے ایک جھپٹے نے اسے گھٹنے جھکے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مجھے تمہارے کسی ایک سکینور کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کہہ دیا ہے کہ گمراہ ہو، تو گمراہ بنو۔"

”بابا..... میں..... میرا..... میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ ہاں نہیں، وسیم..... اس نے آپ سے کس طرح بات کی ہے۔“ اس کے آنسو اور جھڑپ سے بہنے لگے۔ ”بھڑکی میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آئندہ دایا کچھ نہیں پڑھوں گی، نہ ہی انہی کوئی بات کروں گی۔ پلیز بابا“ اس نے سخت کی۔

ان معذرتوں کا سلسلہ وہیں ختم نہیں ہوا تھا، اگلے کئی دن تک وہ ہاشم عین سے معافی مانگتی رہی اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ نرم پڑ گئے تھے اور انہوں نے اسے کالج جانے کی اجازت دے دی تھی مگر اس ایک ہفتے میں وہ اپنے پورے گھر کی لعنت ملامت کا شکار رہی تھی۔ ہاشم عین نے اسے سخت قسم کی تحریہ کے بعد کالج جانے کی اجازت دی تھی مگر اس ایک ہفتے کے دوران ان لوگوں کے رویے نے اسے اپنے عقیدے سے مزید متاثر کیا تھا۔ اس نے ان کتابوں کو پڑھنے کا سلسلہ وہاں تک نہیں تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ پہلے وہ انہیں گھر لے آتی تھی اور اب وہ انہیں کالج کی لائبریری میں ہی پڑھ لیا کرتی تھی۔

ایف ایس سی میں حیرت سٹ پر آنے کے بعد اس نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ جویریہ کو بھی اسی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن مل گیا تھا، ان کی دوستی میں اب پہلے سے زیادہ مضبوطی آگئی تھی اور اس کی بنیادی وجہ امام کے ذہن میں آنے والی تبدیلی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبیحہ سے امام کی پہلی ملاقات اتفاقاً ہوئی تھی۔ جویریہ کی ایک کزن صبیحہ کی کا اس فیلو تھی اور اسی کے توسط سے امام کی اس سے شناسائی ہوئی۔ وہ ایک مذہبی جماعت کے اسٹوڈنٹ انک سے منسلک تھی اور ہفتے میں ایک بار وہ کلاس روم میں اسلام سے متعلق کسی نہ کسی ایک موضوع پر لکچر دیا کرتی تھی۔ چالیس چپاس کے لگ بھگ لڑکیاں اس لکچر کو اٹینڈ کیا کرتی تھیں۔

صبیحہ نے اس دن ان سے متعارف ہونے کے بعد انہیں بھی اس لکچر کے لئے انوائٹ کیا تھا۔ وہ چاروں ہی وہاں موجود تھیں۔

”میں تو ضرور آؤں گی، کم از کم میری شرکت کے بارے میں آپ قہقہے نہ لیں۔“ جویریہ نے صبیحہ کی دعوت کے جواب میں کہا۔

”میں کو شش کروں گی، وعدہ نہیں کر سکتی۔“ راہد نے کچھ چھپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میرا آنا ذرا مشکل ہے کیونکہ میں اس دن کچھ معروف رہوں گی۔“ ٹیڈی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ مسکراتے ہوئے امام کو دیکھنے لگی جو اب تک خاموش تھی۔ امام کا رنگ کچھ فنی ہو گیا۔

”اور آپ؟ آپ آئیں گی؟“ امام کی نظر جویریہ سے ملی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”ویسے اس بار کس موضوع پر بات کریں گی آپ؟“ اس سے پہلے کہ امام کچھ کہتی، جویریہ نے

صبیحہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ شاید ایسا اس نے دانش طور پر کیا تھا۔

”اس بار اسراف کے بارے میں بات ہوگی۔ اس ایک حادثہ کی وجہ سے ہمارا معاشرہ کتنی تیزی سے زوال پذیر ہو رہا ہے اور اس کے سدباب کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔“ صبیحہ نے جویریہ کو تفصیل سے بتایا۔

”آپ نے بتایا نہیں امام! آپ آرہی ہیں؟“ جویریہ سے بات کرتے کرتے صبیحہ ایک بار پھر امام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ امام کا لگ ایک بار پھر بدلا۔ ”میں..... میں..... دیکھوں گی۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”مجھے بہت خوشی ہوگی اگر جویریہ کے ساتھ آپ تینوں بھی آئیں۔ اپنے دین کی بنیاد کی تعلیمات کے بارے میں ہمیں روز نہیں کوئی کبھار کچھ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ صرف میں ہی لکچر نہیں دیتا ہوں ہم چتے لوگ بھی اٹھتے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے جسے ہم نے منتخب کیا ہوتا ہے اور اگر آپ میں سے بھی کوئی کسی خاص موضوع کے حوالے سے بات کرنا کچھ بتانا چاہے تو ہم لوگ اسے بھی اور بٹا کر سکتے ہیں۔“ صبیحہ بڑی سہولت سے بات کرتی تھی پھر کچھ دیر بعد جویریہ اور اس کی کزن کے ہمراہ ان کے کمرے سے باہر چلی گئی۔

کوہیلہ اور میں صبیحہ نے جویریہ سے کہا: ”آپ کم از کم امام کو تو ساتھ لے آئیں۔ مجھے لگا ہے کہ وہ آنا چاہ رہی ہیں۔“

”اس کا عقیدہ بالکل الگ ہے، وہ کبھی بھی ایسی محفلوں میں شرکت نہیں کرے گی۔“ جویریہ نے صبیحہ کی سے اسے بتایا۔ صبیحہ کچھ حیران ہوئی۔

”آپ کو چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ صحیح اور غلط کا فرق کر سکیں۔“ صبیحہ نے چلتے ہوئے کہا۔

”میں ایک بار ایسی کوشش کر چکی ہوں۔ وہ بہت ناراض ہو گئی تھی اور میں نہیں چاہتی کہ ہم دونوں کی اتنی لمبی دوستی اس طرح ختم ہو۔“ جویریہ نے کہا۔

”ابھیہ دو سٹ دی ہوئے ہیں جو ایک دوسرے کو گمراہی سے بچائیں اور آپ پر بھی فرض ہے کہ آپ ایسا ہی کریں۔“ صبیحہ نے کہا۔

”وہ ٹھیک ہے مگر کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہو تو؟“

”تب بھی صحیح بات کہتے رہنا فرض ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی دوسرا آپ کی بات پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔“ صبیحہ اپنی جگہ دوسرے تھی۔ اس لئے وہ صرف مسکرا کر رہی گئی۔

☆.....☆.....☆



اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ پوری دنیا اس آواز کی قید میں گئے۔ امام نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ حیرے بیکر کا نہ تھا

میں کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ حیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساتھیوں سے ملتی ہیں۔ شب قدر کی رات میں آنے والی اس سعد ساعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، صرف چند اس ساعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھاتے اور جموں پھیلاتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس ساعت کے انتظار میں جو پہلے پالی کو روک دے اور رُکے ہوئے پانی کو رواں کر دے، جو دل سے نکلے والی دعا کو لبوں تک آنے سے پہلے مقدر بٹا دے۔

امام ہاشم کی زندگی میں وہ سعد ساعت شب قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سعد ساعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جموں پھیلائی تھی پھر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے تھمتے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گتیبہ بے در میں بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری خجائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو سر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا حیرا

وہ اندھروں سے بھی دُعا گزر جاتے ہیں

جن کے ماتھے پہ چمکا ہے ستارا حیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امام رست کی طرح ریسہ پور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

”بیٹا امام!“ دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز گم ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے زمین کی لڑکی ہوئی گردش و بار و حال ہو گئی۔

”بھولو امام، آواز سن رہی ہو میری؟“ وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

”ہاں، میں سن رہی ہوں۔“

”میں نے سوچا لائے کت گئی۔“ دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امام

انکے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل وہاں نہیں تھا۔

.....

جلال العصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امام کا تباہ طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس نیو تھی اور اس سے امام کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف انجلی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ دو لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور

باؤس چاہ کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپس آئیں انجینئر تھے اور ان کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نصرت پڑھنے والے اس قصص کے بارے میں پوچھا تھا۔

”زینب اس رات میں نے تمہیں فون کیا تو کوئی نصرت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟“ اس نے پوچھے

کو حتی الامکان تار ل رکھتے ہوئے کہا۔

”وو..... وو..... جلال بھائی تھے۔ ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے دو نصرت پڑھ رہے تھے۔

فون گور پڑو میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔“ زینب نے تفصیل سے بتایا۔

”بہت اچھی آواز ہے ان کی۔“

”ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرأت تو نصرت سے بھی زیادہ خوب صورت کرتے ہیں۔

بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ انجلی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں انہیں منبٹا۔“

زینب جب یہ نہیں جانتی تھی کہ امام کس غصہ کی تھی، وہ جس طرح پوئے کا خیال رکھتی تھی

زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی غاصے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھا کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امام، جلال العصر کی نصرت سننے کے لئے اپنی فریڈز کو بتائے بغیر کلاسز ہٹ کر کے نعتوں کے اس مقابلے میں جلی گئی تھی۔

جلال العصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کہیں نے جلال العصر کا نام پکارا اور امام نے تیز

ہوئی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی حلق و صورت اور ڈرامی والے

ایک چہرے میں بیکس سا لڑکے کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ اسٹیج پر بیڑھیوں چڑھنے سے لے کر دوسرے

پہچے آکر کھڑے ہونے تک امام نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال العصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس

نے اسے سینے پر ہاتھ باندھتے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا حیرا

اس کی دولت ہے فقط بخش کتب پا حیرا

امام کو اپنے پورے وجود میں ایک لہری دوزخ موسیٰ ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف

اس کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے

کب نصرت ختم کی، کب وہ اسٹیج سے اتر کر واپس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نصرت

پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ، ہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا، امام کو پتا نہیں چلا۔

”تم جاؤ کی اس کا لپکھنے“ صبیحہ کے نکلنے کے بعد زینب نے رابعہ سے پوچھا۔  
 ”نہیں، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنے لپکھنے نہیں کر سکتی۔“ رابعہ نے اپنی کتابیں اٹھاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ امامہ، زینب اور جوہرہ کے برعکس وہ قدرے آزاد خیال تھی اور زیادہ مذہبی رجحان بھی نہیں رکھتی تھی۔

”وہیے میں نے صبیحہ کی خاصی تعریف سنی ہے۔“ زینب نے رابعہ کی بات کے جواب میں کہا۔  
 ”ضرور سنی ہوگی، بولتی تو واقعی اچھا ہے اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اس کے والد بھی کسی مذہبی جماعت سے منسلک ہیں۔ ظاہر ہے پھر اثر تو ہو گا۔“ رابعہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔  
 امامہ ان سے کچھ دور ایک کونے میں اپنی کتابیں لئے بیٹھی بظاہر ان کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھی مگر ان دونوں کی گفتگو بھی ان تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے شکر کیا تھا کہ ان دونوں نے اسے اس گفتگو میں گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی۔

تین دن کے بعد امامہ مقررہ وقت پر ان لوگوں سے کوئی بہانہ بنا کر صبیحہ کا لپکھنا منع کرنے میں مل گئی تھی۔ رابعہ، جوہرہ اور زینب تینوں ہی اس لپکھنے میں نہیں تھیں پھر اس کا ارادہ بدل گیا۔ امامہ نے ان لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ وہ صبیحہ کا لپکھنا منع کرنے جا رہی تھی۔  
 صبیحہ، امامہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔

”مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔ مجھے آپ کے آنے کی توقع نہیں تھی۔“ صبیحہ نے اس سے گرم جوشی سے ملتے ہوئے کہا۔

یہ پہلا قدم تھا اسلام کی جانب جو امامہ نے اٹھایا تھا۔ اس سارے عرصے میں اسلام کے بارے میں اتنی کتابیں نظائیر اور تراجم بڑھ چکی تھی کہ کم از کم وہ کسی بھی چیز سے ناواقف اور انجان نہیں تھی۔ اسراف کے بارے میں اسلامی اور قرآنی تعلیمات اور احکامات سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھی مگر اس کے باوجود صبیحہ کی دھمکت کو رد کرنے کے بجائے قبول کر لینے میں اس کے خوش نظر صرف ایک ہی چیز تھی۔ وہ اپنے مذہب سے اسلام تک کا وہ فاصلہ طے کرنا چاہتی تھی، جو اسے بہت مشکل لگتا تھا۔

اور پھر وہ صرف پہلا اور آخری لپکھنے نہیں تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کا ہر لپکھنا منع کرتی رہی۔ وہی چیزیں جنہیں وہ کتابوں میں پڑھتی رہی تھی اس کے منہ سے سن کر برا اثر ہو جاتی تھیں۔ اس کی صبیحہ سے عقیدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ صبیحہ نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے عقیدے کے بارے میں جانتی تھی مگر امامہ کو اس کے پاس آنے ہوئے دو ماہ ہوئے تھے جب صبیحہ نے قسم نبوت پر ایک لپکھ دیا۔  
 ”قرآن پاک وہ کتاب ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔“ صبیحہ نے اپنے لپکھ کا آغاز کیا۔ ”اور قرآن پاک میں ہی اللہ نبوت کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر

دیتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے نبی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتے۔ اگر کسی نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا ذکر ہے بھی تو وہ بھی ایک نئے نبی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی کا دوبارہ نزول ہے جن پر نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پہلے نازل کر دی گئی تھی اور جن کا دوبارہ نزول ان کی اپنی امت کے لئے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے ہی ہو گا اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی رہیں گے۔ کسی بھی آنے والے دور میں یا کسی بھی گزر جانے والے دور میں یہ ترتیب اور فضیلت کسی اور کو نہیں دی گئی تھی۔ لیکن ہے کہ اللہ ایک پیغمبر کو یہ ترتیب اور درجہ عطا کرتا اور پھر اسے اس سے چھین کر کسی دوسرے شخص کو دے دیتا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے۔“

”تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بات کو خود ہی رد کر دیتا اور پھر اگر اللہ کی اس بات کی گواہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دیتے ہیں کہ ہاں وہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ان کے بعد دوبارہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو پھر کیا ہمارے لئے کسی بھی طور پر یہ جائز اور مناسب ہے کہ ہم کسی دوسرے شخص کے نبوت کے دعوے پر غور تک کریں؟ انسان اللہ کی مخلوقات میں سے وہ واحد مخلوق ہے جسے عقل جیسی نعمت سے نوازا گیا اور یہ ایسی مخلوق ہے جو اسی عقل کو استعمال کر کے سوچنے پر آئے تو خود اللہ کے وجود کے لئے ثبوت کی تلاش شروع کر دیتی ہے پھر اس سلسلے کو ہمیں پر محدود نہیں رکھتی، بلکہ اسے پیغمبروں کی ذات تک دور لا کر دیتی ہے۔ پہلے سے موجود پیغمبروں کی نبوت کے بارے میں سوال کرتی ہے پھر انہیں پیغمبر مان لیتی ہے اور اس کے بعد قرآن کے واضح احکامات کے باوجود زمین پر مزید پیغمبروں کی تلاش شروع کر دیتی ہے اور اس تلاش میں یہ بات فراموش کر دیتی ہے کہ نبی مٹا نہیں تھا، بنایا جاتا تھا، اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور ہم انسانی evolution کی ان آخری رہائیوں میں کھڑے ہیں جہاں مزید نبیوں کی آمد کا سلسلہ اس لئے ختم کر دیا گیا کیونکہ انسان کے لئے ایک دین اور ایک نبی کا انتخاب کر لیا گیا۔

اب کسی نئے عقیدے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تقلید کی ہے، صرف تقلید یعنی پرنسپل..... اس ایک، آخری اور مکمل دین کی جسے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ اب ہر وہ شخص خسارے میں رہے گا جو دین کی رستی کو مضبوطی سے تھامنے کے بجائے تفرقے کی راہ اختیار کرے گا۔ اگر ہماری اعلیٰ تعلیم اور ہمارا شعور ہمیں دین کے بارے میں صحیح اور غلط کی تیز تک نہیں دے سکتے تو پھر ہم میں اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں، جو سبز چاند گھاس کے ایک گھٹے کے پیچھے کہیں بھی جاسکتا ہے۔ اس بات کی پروا کئے بغیر کہ اس کا رویہ کونسا ہے۔“



چالیس منٹ کے اس لچکر میں صبیحہ نے کسی اور غلط عقیدے یا فرقے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا تھا بالواسطہ کہا تھا۔ صرف ایک چیز بالواسطہ کہی تھی اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا اقرار تھا۔ "اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جنہوں نے چودہ سو سال پہلے مدینہ میں وفات پائی۔ چودہ سو سال سے پہلے مسلمان ایک امت کے طور پر اسی ایک شخص کے سامنے منکسر ہوئے ہیں۔ چودہ سو سال بعد بھی ہمارے لئے وہ ایک آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیجا گیا نہ بھیجا جائے گا اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص میں کسی دوسرے نبی کا عکس تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اسے ایک بار اپنے ایمان کا زور سرفراز ہو کر لے لیا جائے۔ شاید یہ کوشش اسے اس عذاب سے بچا دے جس میں وہ اپنے آپ کو جلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

امامؒ ہر لچکر کے بعد صبیحہ سے ٹل کر جلیا کرتی تھی۔ اس لچکر کے بعد وہ صبیحہ سے نہیں ٹلی۔ ایک لمحہ بھی وہاں زکے بغیر وہاں سے چلی آئی۔ عجیب سے ذہنی اختصار میں جتنا کہ وہ کالج سے باہر نکل کر بیٹل چلتی رہی۔ کتنی دیر نہٹ پاتھ پر چلتی رہی اور اس نے کتنی سڑکیں عبور کیں، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ کسی معمول کی طرح چلتے ہوئے وہ نہٹ پاتھ سے نیچے نہر کے کنارے بنی ہوئی ایک سیڑھی پر جا کر بیٹھ گئی۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور پر سڑک پر گاڑیوں کے شور میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ نہر کے بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی رہی۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے پوچھا۔

"آخر میں کر کیا رہی ہوں اپنے ساتھ۔ کیوں اپنے آپ کو الجھا رہی ہوں، آخر کس یقین کی کمون میں سرگرداں ہوں اور کیوں؟ میں اس سب کے لئے تو یہاں لاہور نہیں آئی۔ میں تو یہاں ڈاکٹر بننے آئی ہوں۔ مجھے آئی اسپیشلسٹ بننا ہے۔ عظیم..... عظیم..... عظیم..... میرے لئے ہر چیز وہاں کیوں ختم ہو جاتی ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"مجھے اس سب سے نجات حاصل کرنی ہے، میں اس طرح اپنی اسٹریٹ پر کبھی توجہ نہیں دے سکتی۔ مذہب اور عقیدہ میرا مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ سچ یا غلط جو میرے بڑوں نے دیا وہی ٹھیک ہے۔ میں اب صبیحہ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ میں مذہب یا پیغمبر کے بارے میں کبھی سوچوں گی ابھی نہیں۔" وہاں بیٹھ بیٹھ اس نے طے کیا تھا۔

رات کو آٹھ بجے وہ واپس آئی تو جویریہ اور رابعہ کچھ غلڑ مندی تھیں۔

"بس ایسے ہی مارکیٹ چلی گئی تھی۔" اس نے سنے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں بتایا۔

☆.....☆.....☆

"کوئے امام اتم تو بہت عرصے بعد آئی ہو، آخر آتا کیوں چھوڑ دیا تم نے۔" بہت دنوں کے بعد

ایک بار پھر صبیحہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ صبیحہ کا لچکر شروع ہونے ہی والا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ آپ اپنا لچکر ختم کر لیں، میں باہر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" امامؒ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

ٹھیک بیٹھائیں منٹ کے بعد جب صبیحہ اپنا لچکر ختم کر کے باہر نکلی تو اس نے امامؒ کو باہر کوریڈور میں چلتے ہوئے پایا۔ وہ صبیحہ کے ساتھ دوبارہ ای کمرے میں آن پہنچی جو اب خالی تھا۔ صبیحہ خاموشی سے اس کی طرف سے بات شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔

امامؒ چند لمبے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے صبیحہ سے کہا۔

"آپ کو پتا ہے میں کس مذہب سے ہوں؟"

"ہاں، میں جانتی ہوں۔ جویریہ نے مجھے بتایا تھا۔" صبیحہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ میں کس حد تک فرسٹرڈ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں دنیا چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" اس نے کچھ دیر کے بعد صبیحہ سے کہنا شروع کیا۔ "میں..... میں....." اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ "مجھے پتا ہے کہ....." اس نے ایک بار پھر اپنی بات اور صوری چھوڑ دی پھر خاموشی۔ "مگر میں اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تیار ہو جاؤں گی، میرے ماں باپ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرا کیریئر، میرے خواب، اب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میں نے تو میرے سے عہد کرنا تک چھوڑ دی ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔ آپ میری صورت حال کو سمجھیں۔ مجھے لگ رہا ہے یہ سب کچھ غلط ہے اور صحیح کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔"

"امامؒ اتم اسلام قبول کر لو۔" صبیحہ نے اس کی بات کے جواب میں صرف ایک جملہ کہا۔

"یہ میں نہیں کر سکتی، میں آپ کو بتا رہی ہوں، میں کتنے مسائل کا شکار ہو جاؤں گی۔"

"تو پھر تم میرے پاس کس لئے آئی ہو؟" صبیحہ نے اس پر سکون انداز میں کہا۔ وہ اس کا منہ دیکھنے لگی پھر اس نے بے یقینی سے کہا۔

"پتا نہیں میں آپ کے پاس کس لئے آئی ہوں؟"

"تم صرف یہی ایک جملہ سننے کے لئے آئی ہو جو میں نے تم سے کہا ہے۔ میں تمہیں کوئی دلیل نہیں دے سکتی، کیونکہ تمہیں کئی سوال کے جواب کی تلاش نہیں ہے۔ ہر سوال کا جواب تمہارے اندر موجود ہے۔ تم سب جانتی ہو، بس تمہیں اقرار کرنا ہے۔ ایسا ہی ہے نا۔"

امامؒ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "مجھے لگ رہا ہے میرے پاؤں زمین سے اُٹھ چکے ہیں۔"

میں جیسے غلام میں سفر کر رہی ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

صبیحہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ بسم اللہ پڑھ رہی تھی۔ امامؒ جلی آنکھوں کے ساتھ

اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا صبر! کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"لا الہ الا اللہ۔" صبر کے لب آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ امام دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر ہنوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دہراتے ہوئے صبر کے پیچھے کلمے کے الفاظ دہرائی تھی۔ "حمد رسول اللہ۔" امام نے اگلے الفاظ دہرائے۔ اس کی آواز بھڑائی۔

امام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے اتار دیا کیوں آ رہا تھا۔ اسے کوئی پہچانتا تو کوئی افسوس نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک روتے رہنے کے بعد اس نے جب سر اٹھایا تھا تو صبر اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ امام کیلے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

☆.....☆.....☆

راجہ اور جویریہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں اور امام اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ فرش کو دگڑتے ہوئے کسی سوچ میں لاپٹی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہ سب کچھ ہمیں پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔" جویریہ نے ایک طویل وقفے کے بعد اس خاموشی کو توڑا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پرسکون انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہوگا؟"

"کم از کم ہم تمہارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے اور تمہاری مدد کر سکتے تھے ہم دونوں۔"

امام سر جھٹکتے ہوئے جیب سے انداز میں مسکرائی۔ "اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو بہت خوشی ہے امام! کہ تم نے ایک صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ دیر سے سبکی مگر تم غلط راستے سے ہٹ گئی ہو۔" جویریہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس وقت تمہارے لئے اپنے دل میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔" امام چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اگر ہم دونوں کی طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو ہلکا پھلکا نامت، تمہاری مدد کر کے ہمیں غرضی ہوگی۔"

"مجھے واقعی تم لوگوں کی مدد کی بہت ضرورت ہے، بہت زیادہ ضرورت ہے۔" امام نے کہا۔

"تمہاری وجہ سے؟" اس نے جویریہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس

کا ذکر اس سے کہیں اور لے جا رہا تھا۔

خاندان میں اب ایک اور چہرہ ابھر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، وہ چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہو رہا تھا۔ زہر آب ابھرنے والے کسی نقش کی طرح۔ چہرہ اب واضح ہو گیا تھا۔ امام مسکرائی، وہ اس چہرے کا پہچان کر چکی تھی۔ اس نے اس چہرے کے ہونٹوں کو ہلکے دیکھا۔ آہستہ آہستہ وہ آواز سن سکتی تھی۔ وہ آواز سن رہی تھی۔

قطرہ مانگے جو تو اُسے دریا دے دے

مجھ کو کچھ اور نہ دے اپنی تمنا دے دے

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم لوگ کسی کو کچھ نہ بتاؤ، نہ شب کو بھی نہیں۔" اپنے سر کو جھٹکتے

ہوئے اس نے جویریہ اور راہب سے کہا تھا۔ ان دونوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

کچھ نہیں مانگنا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کتب پا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم

مجھ کو جھٹکے نہیں دینا ہے سہارا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے ہیکر کا نہ تھا

میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ جلال انصاری کی آواز تھی۔

☆.....☆.....☆

امام کو میڈیکل کالج میں چند روز ہوئے تھے جب ایک ایک ایڈر اسلام آباد آنے کے بعد اس

نے رات کو نشیب کے گھر لاہور فون کیا۔

"بیٹا! میں نشیب کو بلائی ہوں، تم بولڈ رکھو۔" نشیب کی امی فون رکھ کر چلی گئیں۔ دور سیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگی۔

کچھ نہیں مانگنا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کتب پا تیرا

مردانہ آواز میں فون پر سنائی دینے والی وہ نعت امام نے پہلے ہی سنی تھی مگر اس وقت جو کوئی بھی

اسے پڑھ رہا تھا وہ کمال جذب سے اسے پڑھ رہا تھا۔

پورے قد سے کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم

مجھ کو جھٹکے نہیں دینا ہے سہارا تیرا



اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ پوری دنیا اس آواز کی قید میں لگے۔ امام نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ حیرے بیکر کا نہ تھا

میں کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ حیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساتھیوں سے ملتی ہیں۔ شب قدر کی رات میں آنے والی اس سعد ساعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، صرف چند اس ساعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھاتے اور جموں پھیلاتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس ساعت کے انتظار میں جو پہلے پالی کو روک دے اور رُکے ہوئے پانی کو رواں کر دے، جو دل سے نکلے والی دعا کو لبوں تک آنے سے پہلے مقدر بٹا دے۔

امام ہاشم کی زندگی میں وہ سعد ساعت شب قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سعد ساعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جموں پھیلائی تھی پھر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے تھمتے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گتیبہ بے در میں بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری خجائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو سر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا حیرا

وہ اندھروں سے بھی دُعا گزر جاتے ہیں

جن کے ماتھے پہ چمکا ہے ستارا حیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امام رست کی طرح ریسہ پور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

”بیٹا امام!“ دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز گم ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے زمین کی لڑکی ہوئی گردش وہ بارہ حال ہو گئی۔

”بھولو امام، آواز سن رہی ہو میری؟“ وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

”ہاں، میں سن رہی ہوں۔“

”میں نے سوچا لائے کت گئی۔“ دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امام

انکے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل وہاں نہیں تھا۔

.....

جلال العصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امام کا تباہ طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس نیو تھی اور اس سے امام کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف انجلی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ دو لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور

باؤس چاہ کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپس آئیں انجینئر تھے اور ان کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نصرت پڑھنے والے اس قصے کے بارے میں پوچھا تھا۔

”زینب اس رات میں نے تمہیں فون کیا تو کوئی نصرت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟“ اس نے پوچھے

کو حتی الامکان تارل رکھتے ہوئے کہا۔

”وو..... وو..... جلال بھائی تھے۔ ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے دو نصرت پڑھ رہے تھے۔

فون گور پڑو میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔“ زینب نے تفصیل سے بتایا۔

”بہت اچھی آواز ہے ان کی۔“

”ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرأت تو نصرت سے بھی زیادہ خوب صورت کرتے ہیں۔

بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ انجلی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں انہیں منبٹا۔“

زینب جب یہ نہیں جانتی تھی کہ امام کس غصہ کی تھی، وہ جس طرح پوئے کا خیال رکھتی تھی

زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی غاصے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھا کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امام، جلال العصر کی نصرت سننے کے لئے اپنی فریڈز کو بتائے بغیر کلاسز ہٹ کر کے نعتوں کے اس مقابلے میں جلی گئی تھی۔

جلال العصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کہیں نے جلال العصر کا نام پکارا اور امام نے تیز

ہوئی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی حلق و صورت اور ڈرامی والے

ایک چہرے میں بکسیر سا لڑکے کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ اسٹیج پر بیڑھیوں چڑھنے سے لے کر رومزم کے

بیچے آکر کھڑے ہونے تک امام نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال العصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس

نے اسے سینے پر ہاتھ باندھتے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا حیرا

اس کی دولت ہے فقط بخش کتب پا حیرا

امام کو اپنے پورے وجود میں ایک لہری دوزخ موسیٰ ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف

اس کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے

کب نصرت ختم کی، کب وہ اسٹیج سے اتر کر واپس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نصرت

پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ، ہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا، امام کو پتا نہیں چلا۔

بہت دیر کے بعد اسے ایک دم ہوش آیا تھا۔ اس وقت اپنے ارد گرد دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ بال میں اکیلی بیٹھی تھی۔

"میں نے کل تمہارے بھائی کو نعت پڑھتے سنا۔" امام نے اگلے دن زینب کو بتایا۔

"اچھا..... انہیں پہلا انعام ملا ہے۔" زینب نے اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بہت خوب صورت نعت پڑھی تھی انہوں نے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امام نے پھر اس کو معنوع پر آگئی۔

"ہاں! وہ بچپن سے لغتیں پڑھتے آرہے ہیں۔ اسنے قرأت اور نعت کے مقابلے جیت چکے ہیں کہ اب تو انہیں خود بھی ان کی تعداد یاد نہیں ہوگی۔" زینب نے تاخیر سے کہا۔

"ان کی آواز بہت خوب صورت ہے۔" امام نے پھر کہا۔ "ہاں خوب صورت تو ہے مگر ساری بات اس محبت اور عقیدت کی ہے، جس کے ساتھ وہ نعت پڑھتے ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ہے۔ اتنی محبت کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ قرأت اور نعت کے علاوہ انہوں نے کبھی کوئی اور چیز نہیں پڑھی، حالانکہ اسکول اور کالج میں انہیں بہت مجبور کیا جا رہا مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ میں جس زبان سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصیدہ پڑھتا ہوں اس زبان سے کسی اور شخص کا قصیدہ نہیں پڑھ سکتا۔ محبت تو ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے ہیں مگر یہی محبت بھائی کرتے ہیں دسکی محبت تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پچھلے دس سالوں میں ایک بار بھی انہوں نے غلو فضا نہیں کی۔ ہر ماہ ایک قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ تم تو نعت کی تعریف کر رہی ہو مگر ان سے تلاوت سن لو تو۔"

وہ بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔ امام چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زینب سے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے لئے تیار ہونے کے بجائے اپنے بستر میں گھسی رہی۔ جویریہ نے خاموشی دیر کے بعد بھی اسے بستر سے برآمد ہونے دیکھ کر جھجھورا۔

"اٹھ جاؤ امام! کالج نہیں جانا کیا۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں، آج مجھے کالج نہیں جانا۔" امام نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"کیوں؟" جویریہ کچھ حیران ہوئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" امام نے کہا۔

"آنکھیں تو بہت سرخ ہو رہی ہیں تمہاری، کیا رات کو سوئیں نہیں تم؟"

"نہیں، نیند نہیں آئی اور پلجیز اب مجھے سونے دو۔" امام نے اس کے کسی اور سوال سے بچنے کے

لئے کہا۔ جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اپنا بیگ اور فونڈر اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد امام نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی اور اس کی وجہ حال انصر کی آواز تھی۔ وہ اپنے ذہن کو اس آواز کے علاوہ اور کچھ بھی ٹوکس نہیں کر پا رہی تھی۔

"جلال انصر!" اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔ "آخر اس کی آواز کیوں مجھے اس قدر اچھی لگ رہی ہے کہ میں..... میں اسے اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی؟" اس نے اُلجھے ہوئے ذہن کے ساتھ بستر سے نکلے ہوئے سوچا۔ وہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی۔

"میرے بھائی کی آواز میں ساری تاثیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے ہے۔" اس کے کانوں میں زینب کی آواز گونجی۔

"آواز میں تاثیر..... اور عشق؟" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "سوز، گداز، لوج، و مخلص..... آخر تھا کیا اس آواز میں؟" وہ اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "تو دنیا عشق اللہ سے شروع ہوتی ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو جاتی ہے۔" اسے ایک اور جملہ یاد آیا۔

"عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟" اس نے حیرانی سے سوچا۔ "عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟" یکدم اسے اپنے اندر ایک عجیب سا ساکنا اترتا محسوس ہوا۔ اس نے اس سانسے اور چارکی کو کھوجنا شروع کیا، اپنے اندر سیرجی و سیرجی اترتا شروع کیا۔ اسے کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ "آخر وہ کیا چیز ہوتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر درو لے آتی ہے۔ حقیقت، عشق، محبت..... ان میں سے کیا ہے؟ مجھے کچھ کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ میری آنکھوں میں آنسو کیوں نہیں آتے؟ میرے ہونٹوں پر درو کیوں نہیں آتا؟ میری آواز میں تاثیر....." وہ لٹھ بھر کے لئے نرکی، اس نے زیر لب پڑھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط لقص کف پا تیرا

اسے اپنی آواز بھڑکی ہوئی لگی۔ "شاید ابھی جاگی ہوں، اس لئے آواز ایسی ہے۔" اس نے اٹھانکا صاف کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے ایک بار پھر پڑھنا شروع کیا۔

"کچھ نہیں مانگتا....." وہ ایک بار پھر روک گئی۔ اس بار اس کی آواز میں لرزش تھی۔ اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ "کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا" کھڑکی سے باہر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے اس نے لرزاتی، بھڑائی آواز اور کانپتے ہونٹوں کے ساتھ پہلا مصرع پڑھا پھر دوسرا مصرع پڑھنا شروع کیا اور رک گئی۔ کھڑکی سے باہر خلا میں ٹھوہرتے ہوئے وہ ایک بار پھر جلال انصر کی آواز اپنے کانوں میں اترتی



بلند، صاف، واضح اور دل میں اتر جانے والی مقدس آواز..... اسے اپنے گالوں پر  
نی محسوس ہوئی۔

ایک دم وہ اپنے ہوش و حواس میں آئی اور چاہا کہ وہ وہی تھی۔ کچھ دیر بیٹھے بے چینی کے عالم  
میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں آنکھوں پر رکھے دم بخود کھڑی رہی۔ اس نے اپنے آپ کو  
بے بسی کی انتہا پر پایا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ آنکھوں کے ملے دھندلے زمین پر بیٹھ گئی اور اس  
نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

انسان کے لئے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس کا دل کسی چیز کی گواہی دے رہا ہو مگر  
اس کی زبان خاموش ہو جب اس کا دماغ چاہتا ہو کہ کسی چیز کی صداقت کا اقرار کر رہا ہو مگر اس کے ہونٹ  
ساکت ہوں۔ امام ہاشم کی بھی اپنی زندگی اسی مرحلے پر آن پہنچی تھی، جو فیصلہ وہ دیکھتے، دیکھتے سالوں سے  
نہیں کر پا رہی تھی وہ فیصلہ ایک آواز نے چند دلوں میں کروا دیا تھا۔ یہ جاننے، یہ سمجھنے، یہ پرکھنے بغیر کہ  
آخر لوگ کیوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں۔ آخر کیوں عشق رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کی بات کی جاتی ہے۔ اس نے اسے سال اپنے نبی کے تصدیق سے سنے تھے، اس پر کبھی رشتے  
طاری نہیں ہوئی تھی، کبھی اس کا وجود موم بن کر نہیں بکھلا تھا، کبھی اسے کسی پرورش نہیں آیا تھا مگر ہر بار  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پڑھتے، دیکھتے اور سنتے ہوئے وہ عجیب کی کیفیات کا شکار ہوتی تھی۔  
بر بار، ہر دفعہ اس کا دل اس نام کی طرف کھینچ چلا جاتا تھا اور مصیبت کے پاس نہ جانے کے اس کے سوا سے  
ارادے بھاپ بن کر ڈھکے گئے تھے۔ جلال انصاری کی آواز تاریکی میں نظر آنے والے جنگو کی طرح تھی جس  
کے آواز میں وہ غما سے سجھے جاں بڑی تھی۔

میں تجھے عالم اشیا میں بھی پا لیتا ہوں

لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالم بالا تیرا

☆.....☆

امام کے لئے وہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا۔ وہ پہلے کی طرح باقاعدگی سے مسجد کے پاس جاتے گی۔  
ان اجتماعات میں شرکت نے اسے اگر ایک طرف اپنے فیصلے پر استقامت بخشی تو دوسری طرف اس کے  
باقی ماندہ شبہات کو بھی دور کر دیا۔

ذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ امام کے لئے کوئی چھوٹا سا معمولی فیصلہ نہیں تھا، اس ایک فیصلے نے اس  
کی زندگی کے ہر معاملے کو متاثر کیا تھا۔ وہ اب احمد سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ غیر مسلم تھا۔ اسے  
جلد باید ہر اپنے گھر والوں سے علیحدگی بھی اختیار کرنی تھی کیونکہ وہ اب ایسے کسی ماحول میں رہنا نہیں چاہتی

تھی جہاں اسلامی شعائر اور عقائد میں اسے دھڑلے سے تحریکات کی جاتی تھیں۔ وہ اس پیچھے کے بارے  
میں بھی شکوک کا شکار ہوئے تھی تھی جو اسے اپنی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ہاشم بنی کی طرف  
سے ملتے تھے۔ چند سال پہلے تک ہریوں کی کہانی نظر آنے والی زندگی ایک دم ہی ایک ڈارو نے خواب  
میں تبدیل ہو گئی تھی اور زندگی کے اس مشکل راستے کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت  
ہوتی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کس طرح کر لیا۔ اس نے اللہ سے استقامت ہی مانگی تھی اور اسے استقامت  
سے نوازا گیا تھا مگر وہ اب بھی اتنی کم عمر تھی کہ خدشات اور اندیشوں سے مکمل طور پر بچھا چھڑا لینا اس کے  
لئے ممکن نہیں تھا۔

"امام! تم فی الحال اپنے والدین کو ذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہ بتاؤ۔ اپنے حیروں پر کھڑی ہو  
جاؤ۔ اس وقت نہ صرف تم آسانی سے احمد سے شادی سے انکار کر سکتی ہو بلکہ تم انہیں اپنے ذہب کی  
تبدیلی کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو۔"

مصیبت نے ایک بار اس کے خدشات سننے کے بعد اسے مشورہ دیا تھا۔

"میں اس پیسے کو اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں چاہتی جو میرے بابا مجھے دیتے ہیں، اب جبکہ میں جاتی  
ہوں کہ میرے والد ایک جھوٹے ذہب کی تخلیق کر رہے ہیں یہ جاننا تو شک ہے کہ میں ایسے شخص سے  
اپنے اخراجات کے لئے رقم لوں؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر شہادے پاس فی الحال کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اپنی تعلیم مکمل کر  
لو اس کے بعد تمہیں اپنے والد سے کچھ بھی نہیں لینا پڑے گا۔" مصیبت نے اسے سمجھایا۔ مصیبت اگر اسے یہ راہ  
نہ دکھاتی تب بھی امام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس میں فی الحال اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ  
اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش چھوڑ دیتے۔

☆.....☆

اس وقت رات کے دس بجے تھے جب وہ تنہا سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی  
پاپ کارن کا پکٹ تھا اور وہ کبھی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پاپ کارن کھاتے ہوئے سڑک پر چل رہا تھا۔  
آدھ گھنٹہ تک سڑک میں اپنے رہنے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے پنگے کی گھنٹی بجائی تھی۔

"صاحب کھانا کھاؤ؟" لاڈلے میں داخل ہونے پر ملازم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے لہجے میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دودھ؟"

"نہیں۔" وہ زور کے بغیر وہاں سے گزر چلا گیا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند  
کر لیا۔ کمرے کی لائٹ آن کر کے وہ کچھ دیر بے مقصد ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر ہاتھ دھو کر اس کی طرف بڑھ

گیا۔ شیونگ کٹ نکال کر اس کے اندر سے ایک ریڈر بلنڈ نکال لیا اور اسے لے کر بیڈروم میں آگیا۔ اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائینڈ ٹیبل پر پڑا جو ایلپ جلا لیا اور بیڈروم کی جنوب لائٹ بند کر دی۔ ریڈر بلنڈ کے اوپر موجود چر کو اتار کر وہ کچھ دیر لپ کی روشنی میں اس کی تیز دھار کو دیکھتا رہا پھر اس نے بلنڈ کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی کی مارگ کو ایک میز جھلکے سے کاٹ دیا۔ اس کے منہ سے ایک سسکی سی نکلی اور پھر اس نے ہونٹ سمجھنے لگے۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی کلائی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور خوں کی دھار اب سیدھا کارپٹ پر گر رہی تھی۔

اس کا ذہن جیسے کسی گہری کھائی میں چار ہاتھ پھر اس نے کچھ دھماکے سے۔ تاریکی میں چاہتا تو اکبر ایک بار پھر بھماکے کے ساتھ روشنی میں آگیا۔ شہزاد اور بڑھتا چار ہاتھ۔ وہ فوری طور پر شور کی وجہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھول دیں مگر وہ کبھی جڑ کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔

☆ — ☆ … ☆

۱۰ سورہی تھی جب ہڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کوئی اس کا زور وار نہ بھارتھا۔

”امامہ اہل امامہ! کہ جس دور و زمانہ پہنچاتے ہوئے ہمارے آواز میں اس کا نام نکال رہا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ کیوں چلا رہے ہو؟“ دروازہ کھولتے ہی اس نے کچھ حواس باختگی کے عالم میں دہیم سے پوچھا جس کا رنگہ اُڑا ہوا تھا۔

”فرسٹ ایڈ یا کسی بے تمہاد سے پاس؟“ وہیم نے اسے دیکھتے ہی نور ابو پھار

”ہاں، کیوں؟“ وہ مزید پریشان ہوئی۔

”بس اسے لے کر میرے ساتھ آ جاؤ۔“ وسم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا اس کا کہی کے سروں کے نیچے سے جیسے زمین ٹھکنے لگی۔“

”جو چہ نے پھر خود بخود کی کوشش کی ہے۔ اپنی کلا کی کلاٹ لی ہے اس نے۔ ملازم آیا ہوا ہے نیچے اس کا، تم میرے ساتھ چلو۔“ امام نے بے اختیار ایک اطمینان بھرا مس لیا۔

”تمہارے اس دوست کو میٹفل ہاسٹل میں ہونا چاہئے جس طرح کی حرکتیں یہ کرتا پھر رہا ہے۔“  
ہمارے ناگواری سے اپنے جڈ پر ہڑا ہوا دوشہ اوڑھتے ہوئے کہا۔

”میں تو اسے دیکھتے ہی بھاگ آیا ہوں، اب بھی وہ ہوش میں تھا۔“ اس نے سڑک کنارے کو بیٹھا دیو دلوں  
اب آگے پیچھے غڑیاں اُتر رہے تھے۔

”تم اسے ہاسٹل لے جاتے۔“ امام نے آخری میز بھی پر ہینچ کر کہا۔

"دو بھئی لے جاؤں گا، پہلے تم اس کی کھائی وغیرہ تو ہاندھو، خون تو بند ہو۔"

”وسیم! میں اسے کوئی بہت اچھی قسم کی فرسٹ ایئر نہیں دے سکتی۔ چنانچہ اس نے کسی چیز سے کٹائی

کافی ہے اور زخم کھتا گہرا ہے۔ اس کے اپنے گھروالے کہاں ہیں؟“ بات کرتے کرتے امامہ کو خیال آیا۔  
 ”اس کے گھر میں کوئی بھی نہیں ہے، صرف ملازم ہیں۔ وہ تو کوئی فون کال آئی تھی جس پر ملازم  
 اسے بلانے کے لئے گیا اور جب اندر سے کوئی جواب نہیں دیا تو پریشان ہو کر دوسرے ملازموں کے ساتھ  
 مل کر اس نے دروازہ توڑ دیا۔“ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب اپنے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔  
 ”تمہارا یہ دوست جو ہے تا.....“ امامہ نے کچھ ناراضی کے عالم میں دیکھ کے ساتھ چلتے ہوئے  
 سالار کے بارے میں کچھ کہتا چاہا مگر دیکھنے میں پلٹ کر اس کو جھڑک دیا۔

”فار کاڈ سیک۔ اپنی اعلیٰ طاقت بند نہیں کر سکتیں تم۔ اس کی حالت سیریس ہے اور تم اس کی برائیوں میں مصروف ہو۔“

”اُمی حرکتیں کرنے والوں کے لئے میرے پاس کوئی اچھ روٹی نہیں ہے۔“ دو دنوں اب سالار کے لاکھ میں پہنچ چکے تھے۔

چند قدم چلنے کے بعد دسٹم ایک سوڑ مڑا اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ امام اس کے پیچھے ہی تھی مگر پھر جیسے گرنٹ کھا کر ڈگ گئی۔ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قد آدم کمرہ کیوں پر کچھ ملا کر اور ایکٹر میو کی بڑی بڑی عریاں تصویریں اس طرح لٹائی گئی تھیں کہ ایک لمبے کے لئے امام کو یوں لگا جیسے وہ تمام لڑکیاں حقیقی طور پر اس کمرے میں موجود ہوں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک طرف بیٹھ پر پڑے ہوئے رفیق کے بارے میں اس کی رائے کچھ اور خراب ہو گئی۔ وہ تصویریں اس کے کردار کی ہستی کا ایک اور ثبوت تھیں اور کمرے میں تین چار لوگوں کی موجودگی میں اس کے لئے وہ تصویریں خاصی غفلت اور شرمندگی کا باعث بن رہی تھیں۔ ان تصویروں سے نظریں ہٹاتے ہوئے وہ تیز رفتاری سے ذہل بیٹھ کی طرف اٹھئی جہاں سالار سکندر لیٹا ہوا تھا۔ دسٹم اس کے پاس بیٹھ پر بیٹھا فرسٹ ایئر باکس کھول رہا تھا جبکہ امام کا بڑا بھائی سالار کی اس کٹائی کو بیٹھ ٹیٹ کے ایک ٹکٹے سے کوٹنے کے ساتھ دبا کر ٹون روکنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ خود سالار فٹے میں ڈوبے ہوئے کسی انسان کی طرح اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دسٹم اور وہاں موجود ملازموں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

امام کے آگے بڑھتے ہی اس کے بڑے بھائی نے اس کرسی کو چھوڑ دیا، جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔

”اس کے زخم کو دیکھو، میں نے چادر سے خون روکنے کی کوشش کی ہے مگر میں کامیاب نہیں ہوا۔“

سالار نے پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر امامہ مضبوطی سے کھائی کے کچھ لپٹے سے اس کا بازو پکڑے رہی۔



"دیکھ! اسی بیڑے کا کھل دہ یہ زخم بہت گہرا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ بیڑے جڑ کرنے سے خون رک جائے گا پھر تم لوگ اسے ہاسٹل لے جاؤ۔" اس نے ایک نظریے کی پادبٹ پر جذب ہوئے خون پر ڈالی۔ دیکھ بیڑی سے فرسٹ اینڈ باکس میں سے بیڑے نکال لئے گئے۔

سالار نے بیڑے پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو ہچکچایا اور آنکھیں کھلنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب وحند لاسٹ کی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بیڑے سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی اور اس کے ہاتھ میں موجود اپنے بازو کو دیکھا تھا۔

کچھ مشتعل ہو کر اس نے ایک اور جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ ہاتھ آزاد نہیں ہو سکا اور وہ لڑکی ایک جھڑپ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اسے چند لمحوں کے لئے یہ ہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم لوگ دفع ہو..... جاؤ..... کہاں سے..... آگئے..... ہو؟" اس نے کچھ مشتعل ہو کر لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ "یہ میرا..... کرو..... ہے..... تم..... لوگوں..... کو اندر..... آنے کی جرأت کیسے..... ہوئی..... تم..... تم..... دیکھ..... دفع..... ہو جاؤ..... گیٹ لاسٹ..... جسٹ..... گیٹ لاسٹ..... بلیڈ باسٹرنڈ۔"

اس نے بلند آواز میں مگر لڑکھڑاتی زبان سے کہا۔ امام نے اس کے منہ سے نکلنے والی گالی کو سنا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی۔ اس نے دیکھتے سے کاٹھن لے کر کہا ہے جوئے سالار کی کھائی کے زخم پر رکھ دی جو ہاتھ کو کھینچنے اور ہلانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ دیکھ کے ہاتھ سے بیڑے لے کر لینا شروع کر دیا۔ سالار نے وحند لائی آنکھوں کے ساتھ اپنی کھائی کے گرد کسی چیز کی نرمی کو محسوس کیا۔

کچھ بے بسی اور بیجا لاسٹ کے عالم میں سالار نے اپنے ہاتھوں کو زور سے اپنے دائیں ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ وحند لائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا آگے بڑھنے والا بائیں ہاتھ لڑکی کے سر سے مگر ایسا تھا۔ اس کے سر سے نہ صرف وہ بڑا ہاتھ تھا کہ اس کے ہاتھ بھی کھل گئے تھے۔

امام نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا جو ایک بار پھر اپنا بائیں ہاتھ آگے اڑا رہا تھا۔ امام نے اپنے ہاتھوں کو ہاتھ سے اس کی کھائی کو پکڑے رکھا جبکہ دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی بیڑے چھوڑ کر اپنی پوری قوت سے اپنا بائیں ہاتھ اس کے ہاتھ میں گال پر دے مارا۔ پھینکنا اٹھانے دار تھا کہ ایک لمحہ کے لئے سالار کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی وحند جسٹ گئی۔ کھلے منہ اور آنکھوں کے ساتھ دم بخود اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"اب اگر تم نے تو میں تمہارا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دوں گی۔ سنا تم نے۔"

سالار نے اس لڑکی کے عقب میں دیکھ کر بلند آواز میں کچھ کہتے سنا مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب رہا تھا مگر اس نے پھر ایک آواز سنی تھی، رسوائی تو اور۔ "اس کا بلڈ پریشر چیک کرو۔" سالار کو بے اختیار چند لمحے پہلے اپنے کال پر پڑنے والا ٹھنڈا یاد آیا۔ وہ جاننے کے باوجود آنکھیں نہیں کھول سکا۔ وہی رسوائی آواز ایک بار پھر گونجی تھی مگر اس بار وہ اس آواز کو کوئی مفہوم نہیں پڑا سکا۔ اس کا ذہن مکمل طور تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اچھی بار جب اسے یوش آیا تو وہ ایک پرائیویٹ کھینک میں موجود تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے ایک بار اپنے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے میں اس وقت ایک ٹرس موجود تھی جو اس کے پاس کھڑی اور پ کو کھینک کرنے میں مصروف تھی۔ سالار نے اسے مسکراتے دیکھا تھا وہ اس سے کچھ کہتا تھا اور ہاتھ مگر اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوسری بار اسے کب یوش آیا تو اسے اندازہ نہیں ہوا مگر دوسری بار آنکھیں کھولنے پر اس نے اس کمرے میں کچھ شامسا چہرے دیکھے تھے۔ اسے آنکھیں کھولنے دیکھ کر مٹی اس کی طرف بڑھ آئیں۔

"کیا تمہیں کمرے پر تم؟" انہوں نے اس پر جھپٹتے ہوئے بے تاباں سے کہا۔

"جسٹ فائن۔" سالار نے دور کھڑے سکندر عثمان کو دیکھتے ہوئے دیکھے لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ اس کی مٹی کچھ اور گتیش کرے میں موجود ایک ڈاکٹر آگے آیا تھا۔ وہ اس کی نالی چیک کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے انگشت لگانے کے بعد ایک بار پھر اسے ڈرپ لگائی۔ سالار نے کچھ جیاری کے ساتھ یہ کارروائیاں دیکھیں۔ ڈرپ لگانے کے بعد وہ سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ہاتھیں کرنے لگا۔ سالار اس گفتگو کے دوران چھت کو کھوہ تار باہر کچھ دیر بعد ڈاکٹر کمرے سے نکل گیا۔

کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔ سکندر عثمان اور ان کی حکیم اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ان کی تمام کوششوں اور احتیاط کے باوجود یہ سالار سکندر کی خودکشی کی جو کھی کوشش تھی اور اس بار وہ واقعی مرتے مرتے بچا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اگر چند منٹوں کی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسے نہیں بچا سکتے تھے۔

سکندر اور ان کی بیوی کو رات کے دو بجے ڈاکٹر نے سالار کی خودکشی کی اس کوشش کے بارے میں بتایا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی پوری رات سو نہیں سکے تھے۔ سکندر عثمان نے صبح لاسٹ ملنے تک تقریباً بیڑے سو سگرت چھوٹ ڈالے تھے، مگر اس کے باوجود ان کی بے چینی اور اضطراب میں کمی نہیں ہو پا رہی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا ہے آخر اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتا ہے، آخر اس پر بھاری پینکشنوں اور





کارخ نہیں کیا۔" امام نے تبصرہ کیا۔

"تم ان بے چاروں کی کنڈیشی کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ کس منہ سے وہ شکر یہ ادا کر نے آئیں اور پھر اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ آپ کے بیٹے نے ایسی حرکت کیوں کی ہے تو وہ دونوں کیا جواب دیں گے۔ کیا یہ کہیں گے کہ شوق کے ہاتھوں... وہ بے چارے عجیب مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

دیسم نے قدرے افسوس کرنے والے انداز میں کہا۔ "ویسے اس کے جرنلس نے میرا بہت شکر یہ ادا کیا ہے اور امی اور بابا جب پرسوں ہسپتال میں اس کی فحشیت دریافت کرنے گئے تھے تو انہوں نے وہاں بھی ان دونوں کا بہت شکر یہ ادا کیا ہے۔ یہ تو امی اور بابا کی سبکدوشی تھی کہ انہوں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا سالار کے بارے میں، ورنہ تو اس طرحی خاصی فحشیت کا سامنا کرنا پڑ جاتا تھا۔" دیسم نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

"مگر آخر تمہارے اس دوست کا مسئلہ کیا ہے، کیوں بیٹھے بھائے اس طرح کی اعتقاد کر رہے ہیں؟" امام نے پوچھا۔

"تم مجھ سے اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے وہ مجھے سب کچھ بتا کر یہ سب کرنا ہو گا۔ مجھے کیا پتا، وہ کسی لئے یہ سب کرتا ہے یا کیوں کرتا ہے۔"

"تمہارا انا گنہگار دوست ہے، تم پوچھتے کیوں نہیں اس سے؟"

"انا گنہگار دوست بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں بھی مجھے بتانے لگے اور ویسے بھی میں کیوں انا کر یہوں، وہ تو گاؤں کی مسئلہ اس کا۔"

"تو پھر ہنر نہیں ہے کہ تم ایسے دوستوں سے کچھ فاصلہ پر رہو۔ ایسے لوگوں سے دوستی ابھی نہیں ہوتی۔ اگر کل کہ تم نے بھی اسی طرح کی حرکتیں شروع کر دیں تو...؟"

"ویسے تم نے اس دن جو حرکت کی تھی وہ اگر اسے یاد رہی تو ہماری دوستی میں خودی خاصا فرق آ جائے گا۔" دیسم نے کچھ جھانسنے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ اسے وہ چھپڑ یاد ہو گا۔ وہ صحیح طور پر ہوش میں تو نہیں تھا۔ تم سے ذکر کیا اس نے اس بارے میں؟" امام نے پوچھا۔

"نہیں، مجھ سے کہا تو نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ اسے یاد ہو۔ تم نے اچھا نہیں کیا تھا۔"

"اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ ایک تو اپنا ہاتھ چھپڑا دیا تو دوسرے گالیاں دے رہا تھا اور اوپر سے میرا وپٹ بھی کھینچ لیا۔"

"اس نے وپٹ نہیں کھینچا تھا، اس کا ہاتھ لگا تھا۔" دیسم نے سالار کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"جو بھی تھا، اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا تھا مگر بعد میں مجھے بھی افسوس ہوا تھا اور میں نے تو اپنے

کا بہت شکر ادا کیا کہ دوپٹ چھپڑ گیا۔ اگر کہیں دوسرا جاتا تو مجھے تو بہت ہی بچھتا دیتا ہے اسے اس چھپڑ کا۔" امام نے قدرے معذرت خواہ انداز میں کہا۔

"چلو تم آج جا رہی ہو تو معذرت کر لیتا۔" دیسم نے منظور دیا۔

"کیوں دیکھ کر ذکر دیں، جو سنا ہے اسے کچھ یاد ہی نہ ہو پھر میں خود غواہ گزارے مرے اگھاؤں۔ اسے یاد دلاؤں کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیا تھا۔" امام نے فوراً کہا۔

"اور فرض کرو اسے سب کچھ یاد ہو تو...؟"

"تو... تو کیا ہو گا۔" وہ گون سا اٹھارہ دھتے دار ہے کہ اس سے تعلقات خراب ہو جائیں گے یا میل جول میں غرق پڑے گا۔" امام نے لاپرواہی سے کہا۔

شانچاک کرنے کے بعد دیسم اسے کچھک لے آیا جہاں سالار ڈیم علاج تھا۔

وہاں وہ اس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوئے اس وقت دو سوپ پینے میں مصروف تھا۔

سالار نے دیسم کے ساتھ آنے والی لڑکی کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا تھا۔ اگرچہ اس رات اس حالت میں وہ اسے شانت نہیں کر سکا تھا مگر اس وقت اسے دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گیا تھا۔ اپنی مٹی سے یہ ہات وہ پہلے ہی جان چکا تھا کہ دیسم کی سکن نے اسے فرسٹ ایڈوی تھی مگر اسے وہ فرسٹ ایڈی یاد نہیں تھی،

اسی روز نالے دار چھپڑا تھا اس رات اسے پڑا تھا، اس لئے امام کو دیکھتے ہی وہ سوپ پینے پیتے دک گیا۔

اس کی جھپٹی ہوئی نظروں سے امام کو اندازہ ہو گیا کہ اسے یقیناً اس رات ہونے والے واقعات کسی نہ کسی حد تک یاد تھے۔

دیسی ٹیک سٹیک کے بعد اس کی مٹی امام کا شکر یہ ادا کرنے لگیں، جبکہ سالار نے سوپ پیتے ہوئے

مکیری نظروں سے اسے دیکھا۔ دیسم سے اس کی دوستی کو کئی سال گزر چکے تھے اور اس نے دیسم کے کمر میں امام کو بھی کئی بار دیکھا تھا مگر اس نے پہلے کبھی تو پوچھ نہیں دی تھی۔ اس دن پہلی بار وہ اس پر قدرے تنقیدی

انداز میں غور کر رہا تھا۔ اس کے دل میں امام کے لئے تشکر یا احسان مندی کے کوئی جذبہ بات نہیں تھے۔

اس کی وجہ سے اس کے سارے پلان کا بیڑا غرق ہو گیا تھا۔

امام اس کی مٹی سے گفتگو میں مصروف تھی مگر وہ قفا تو تباہ اپنے اوپر پڑنے والی اس کی نظروں سے بھی واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کی نظریں اٹھائی گئی تھیں۔

ایک لمحہ کے لئے اس کا دل چاہا تھا وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ سالار کے بارے میں اس کی رائے اور بھی خراب ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس چھپڑ کے لئے معذرت کے ارادے کے ساتھ وہاں آئی تھی مگر اس وقت اس کا دل چاہا تھا اسے دو چار اور چھپڑ لگا دے۔

تصویری دہر وہاں بیٹھنے کے بعد فوراً ہی وہ واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور واپس جاتے

ہوئے اس نے سالار کے ساتھ ایک سلیک کا ٹکڑا بھی نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس کی مٹی کے ساتھ سلام دعا کے بعد سالار کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی تھی اور باہر آکر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"اس طرح کے دوست ملنے ہوئے ہیں تم نے؟" اس نے باہر نکلتے ہی ہم سے کہا جس نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں اب کیا ہوا ہے؟"

"اسے دیکھنے تک کی قیصر نہیں ہے۔ اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ میں اس کے دوست کی بہن ہوں اور اس کے دوست کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود ہوں۔"

ہم اس کی بات پر کچھ حقیقت سناہو گیا۔

"یہ آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کی غیامت کے لئے جلیا جائے اور ہم اس کے ساتھ بیل بول بد کرو۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں یہ خطار ہوں گا۔ اب تم باہر اس بات کو نہ بھراؤ۔" ہم نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ امامہ دانستہ طور پر خاموش ہو گئی مگر سالار کے اس ناپسندیدہ افراد کی نشست میں شامل ہو چکا تھا۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہاں دونوں کچھ چھٹیاں گزرنے کے بعد سلام آباد آئی ہوئی تھی اور وہ شاید سالار سے اس کا اتفاق قریبی اور اتنا پسندیدہ عقائد اور تعلقات بھی پیدا نہ ہوتا۔

☆...☆...☆

اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے پہلی بار جلال انصر کو حب قریب سے دیکھا جب ایک دن وہ چاروں کالج کے لائن میں بیٹھی گفتگو میں مصروف تھیں۔ وہ وہاں کسی کام سے آیا تھا۔ رکھی سی سلیک کے بعد وہ درخت کے ساتھ چند قدم دور جا کھڑا ہوا تھا۔ امامہ اس کے پھر سے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ ایک عجیب سی مسرت اور سرخوشی کا احساس اسے گھیرے میں لے رہا تھا۔

وہ چند منٹ درخت سے بات کرنے کے بعد وہیں سے چلا گیا۔ امامہ اس کی پشت پر انھیں دھماکے اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کے ارد گرد بیٹھی اس کی فریڈز کیا باتیں کر رہی تھیں۔ اسے اس وقت اس کا کوئی احساس نہیں تھا جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو تو یکدم جیسے وہ بارہا اپنے ماحول میں داخل ہو گئی۔

جلال انصر سے اس کی وہ مری ملاقات درخت کے گھر پر ہوئی تھی۔ اس دن وہ کالج سے واپسی پر درخت کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ درخت کچھ دنوں سے ان سب کو اپنے ہاں آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ باقی سب نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا تھا۔ مگر امامہ اس دن اس کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی تھی۔

اس نے گھر آکر اسے درخت سے سکون کا احساس ہوا تھا۔ شاید اس احساس کی وجہ جلال انصر کی اس گھر سے بہت قریبی تھی۔

وہ درخت پر دم میں بیٹھی ہوئی تھی اور درخت چائے تیار کرنے کے لئے کچن میں گئی تھی۔ جب جلال اور انھیں دم میں داخل ہوا۔ امامہ کو وہاں دیکھ کر کچھ چونک گیا۔ شاید اسے امامہ کو وہاں دیکھنے کی توقع تھی۔

"السلام علیکم۔ کیا حال ہے آپ کا؟" جلال نے شاید اس طرح بے وعیزانہ انداز میں بولنے پر اپنی بیوی سے ملنے کے لئے کہا۔ امامہ نے رنگ بدلے چہرے کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

"کسب کے ساتھ آئی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔"

"درخت کہاں ہے۔ میں وہاں اصل اس کو نہ موصول ہونے یہاں آ گیا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کی کوئی اور سٹ یہاں موجود ہے۔" کچھ عذر سے خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا۔

"آپ بہت اچھی نصرت پڑھتے ہیں۔" امامہ نے بے ساختہ کہا۔ وہ ٹھٹھک گیا۔

"شکریہ۔" وہ کچھ حیران نظر آئی۔ "آپ نے کہاں سنی ہے؟"

"ایک دن میں نے درخت کو فون کیا تھا جب تک فون ہونے پر مجھے آپ کی آواز آئی وہی۔ پھر جب اسے آپ کے بارے میں پتہ چلا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچے میں ابھی گئی تھی جہاں آپ نے وہ نصرت پڑھی تھی۔" وہ بے اختیار کہتی چلی گئی۔ جلال انصر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ حیران ہو یا غور۔

"بہت اچھی تو نہیں۔ بس پڑھ لیتا ہوں۔ اللہ کا کرم ہے۔" اس نے حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے سفید چادر میں لپیٹی اس دلچسپی دراز حاست لڑکی کو دیکھا جس کی گہری سیاہ آنکھیں کوئی بہت عجیب سا تاثر لے ہوئے تھیں۔ اپنی آواز کی تعریف وہ بہت سوں سے سن چکا تھا مگر اس وقت اس لڑکی کی تعریف اس کے لئے قدرے غیر معمولی تھی اور جس انداز میں اس نے یہ کہا تھا اس سے بھی زیادہ عجیب۔ وہ پلٹ کر ذرا نگاہ روم سے باہر نکل گیا۔ وہ ایسے بھی لڑکیوں سے گفتگو میں مہارت نہیں رکھتا تھا اور پھر ایک ایسی لڑکی سے گفتگو جس سے وہ صرف چہرے کی مدد تک واقف تھا۔

امامہ ایک عجیب سی مسرت کے عالم میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے جلال انصر سے بات کی تھی۔ اپنے سامنے۔۔۔ خود سے اسے قریب۔۔۔ وہ درخت روم کے دروازے سے کچھ آگے کھڑی ہے اس جگہ کو دیکھتی رہی جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔ تصور کی آنکھ سے وہ اسے ابھی بھی دیکھ رہی تھی۔

☆...☆...☆



ان کی انگی ملاقات باہر میں ہوئی۔ تجلی دقتہ اگر امام دانتہ طور پر نہ بے کے گھر گئی تھی تو اس بار یہ ایک اتفاق تھا۔ امام دانتہ کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ وہاں اپنی کسی دوست سے ملنا تھا۔ باہر میں کے ایک کو پڑو میں غافل اخیر کے اسٹوڈنٹس کے ایک گروپ میں اس نے جلال اللہ کو دیکھا۔ اس کی ایک بار تہہ سے مس ہوئی۔ کو پڑو میں اشارش تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں جاسکتی تھی اور اس وقت پہلی بار امام کو احساس ہوا کہ اسے سامنے دیکھ کر اس کے لئے رک جانا کتنا مشکل کام تھا۔ دانتہ کی دوست کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی اس کا دھیان مکمل طور پر باہر ہی تھا۔

ایک ڈیڑھ بجے کے بعد وہ دانتہ کے ساتھ اس کی دوست کے کمرے سے باہر آئی تھی۔ اب وہاں غافل اخیر کے اسٹوڈنٹس کا گروپ نہیں تھا۔ امام کو بے اختیار مایوسی ہوئی۔ دانتہ اس کے ساتھ بائیں کرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔ جب بیڑیوں پر ان دونوں کا سامنا جلال سے ہو گیا۔ امام کے جسم سے جیسے ایک کرنٹ سا گزرا گیا تھا۔

"السلام علیکم۔ جلال بھائی ایسے ہیں آپ دانتہ نے پہلی کی تھی۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

اس نے سلام کا جواب دینے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ یہاں کیسے آ گئے؟" اس بار جلال نے امام کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی ایک فریڈ سے ملنے آئی تھی اور امام میرے ساتھ آئی تھی۔" دانتہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ امام خاموشی سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

دیکھ کر میری تنہائی کہ تو نے ہی تو کی میں تو مر جاؤں اگر ساتھ نہ ہو تو میرا

اس کی آواز سننے ہوئے وہ ایک بار پھر کسی ٹرانس میں آ رہی تھی۔ اس نے بہت کم لوگوں کو اسے شہت لکھے میں اور دیکھتے ہوئے سنا تھا۔ جس لکھے میں وہ بات کر رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں ہر بار اس کی آواز سننے ہی اس کے کانوں میں اس کی پڑھنی ہوئی وہ نعت گو بننے لگی تھی۔ اسے عجیب سا دلچسپ آ رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے۔

جلال نے دانتہ سے بات کرتے ہوئے شاید اس کی محویت کو محسوس کیا تھا۔ اسی لئے بات کرتے کرتے اس نے امام کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ امام نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ بے اختیار اس کا دل چاہتا تھا وہ اس شخص کے اور قریب چلی جائے۔ جلال سے نظریں ہٹا کر ارد گرد گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تین بار لا حول پڑھی۔ "شاید اس وقت شیطان میرے دل میں آکر بیٹھے اس کی طرف مائل ہو رہا ہے۔" اس نے سوچا مگر لا حول پڑھنے کے بعد بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں

آئی۔ وہ اب بھی جلال کے لئے وہی ہی کشش محسوس کر رہی تھی۔

امجد سے اسے سالوں کی منگنی کے بعد بھی کبھی اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے اس طرح بے اختیار ہوتے نہیں دیکھا تھا جس طرح وہ اس وقت ہو رہی تھی۔ وہاں مکرے اسے پہلی بار جلال سے بہت زیادہ خوف آیا۔ میں کیا کروں گی اگر میرا دل اس آدمی کو دیکھ کر اسی طرح بے اختیار ہوتا رہا، آخر اسے دیکھ کر مجھے۔ اس نے جیسے بے بسی کے عالم میں سوچا۔ میں انہی گزرو تو بھی بھی نہیں تھی کہ اس جیسے آدمی کو دیکھ کر اس طرح۔ اس نے اپنے وجود کو سوچ لیا۔

☆.....☆.....☆

"بھائی آپ قانع ہیں۔" اس رات نذیب دروازے پر دستک دے کر جلال کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہاں، آج۔" اس نے اسٹیڈی نچل پر بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر نذیب کو دیکھا۔

"آپ سے ایک کام ہے۔" نذیب اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

"کیا کام ہے؟"

"آپ ایک کیمپ میں اپنی آواز میں کچھ تغیریں دیکھ کر دیں۔" نذیب نے کہا۔ جلال نے حیرت سے اس کی فرمائش سنی۔

"کس لئے؟"

"وہ میری دوست ہے امام اس کو آپ کی آواز بہت پسند ہے۔ اس لئے..... اس نے مجھ سے فرمائش کی اور میں نے ہی بھری۔" نذیب نے تفصیل بتائی۔

جلال اس فرمائش پر مسکرایا۔ امام سے کچھ دن پہلے ہونے والی ملاقات اسے یاد آگئی۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو اس دن یہاں آئی تھی؟" جلال نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہاں، وہی لڑکی ہے۔" امام آواز سے یہاں آئی ہے۔"

"امام آواز سے؟" جلال نے کچھ دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں میں رورہی ہے۔" کافی اچھا غامد ان ہے اس کا، بہت بڑے انداز میں اس کے خاور۔ مگر امام سے مل کر رادہ محسوس نہیں ہوتا۔" نذیب نے بے اختیار امام کی تعریف کی۔

"کافی تہہ بھی لگتی ہے۔ میں نے اسے ایک دو بار تمہارے ساتھ کالج میں بھی دیکھا ہے۔ کالج میں بھی چادر اوڑھی ہوتی ہے اس نے۔ یہاں کالج کی "آپ دہو" کا بھی تک اغراض ہوا اس پر۔" جلال نے کہا۔

"بھائی اس کی پہلی بھی خاصی مذہبی ہے کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی ہے اسی طرح ہی ہے۔ میرا

خیال ہے کہ خدائے کز رویت لوگ ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی فعلی غاصی تعلیم یافتہ ہے۔ نہ صرف بھائی بلکہ ننکھیں بھی۔ یہ گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔ "ننکھ نے تحصیل بناتے ہوئے کہا۔" تو پھر آپ کب دیکھا ذکر کے دیں گے؟" ننکھ نے پوچھا۔

"تم کل لے لینا میں دیکھا ذکر دوں گا۔" جلال نے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جلال کچھ دیر کسی سوچ میں ڈوبا ہوا پھر وہ دہار جاس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا جسے وہ پہلے چھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان کی اگلی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔ اس بار امام اسے وہاں موجود کچھ کر کے اختیار اس کی طرف چلی گئی۔ دینی ملک سلیک کے بعد امام نے کہا۔

"میں آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

جلال نے خیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے؟"

"اس کیسٹ کے لئے جو آپ نے دیکھا ذکر کے بھجوائی تھی۔" جلال مسکرایا۔

"ننکھ اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کبھی کوئی مجھ سے ایسی فرمائش کر سکتا ہے۔"

"آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" امام نے دم آواز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔ کس حوالے سے؟" جلال نے ایک بار پھر خیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہر حوالے سے۔۔۔ آپ کے پاس سب کچھ ہے۔"

"آپ کے پاس بھی تو بہت کچھ ہے۔"

وہ جلال کی بات پر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ جلال کو شبہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں ہنسی نمودار ہوئی تھی مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اب نگرہیں بھلائے ہوئے تھی۔

"پہلے کچھ بھی نہیں تھا، اب واقعی سب کچھ ہے۔" جلال نے دم آواز میں اسے کہتے خادوت سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اتنی محبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ۔۔۔" اس نے اپنی بات ادھور ہی چھوڑ دی۔ جلال خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

"مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔" چند لمحوں بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"سب لوگوں کو اس طرح کی محبت نہیں ہوتی جیسی محبت آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ یہ بھی جانے تو ہر کوئی اس طرح اس محبت کا اظہار نہیں کر سکتا کہ دوسرے بھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں گرفتار ہونے لگیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپ سے بڑی محبت ہوگی۔" اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں کوئی نمی نہیں تھی۔

"شاید مجھے وہم ہو ا تھا۔" جلال نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"یہ میں نہیں جانتا، اگر ایسا ہو تو میں واقعی بہت خوش قسمت انسان ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت ہے۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے اتنی کائی ہے۔ ہر ایک کو اللہ اس محبت سے نہیں نوازتا۔"

وہ بڑی رمانیت سے کہہ رہا تھا۔ امام اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ اسے کبھی کسی شخص کے سامنے اس طرح کا احساس کتہری نہیں ہوا تھا۔ جس طرح کا احساس کتہری وہ جلال انصر کے سامنے محسوس کرتی تھی۔

"شاید میں بھی نعمت چھ لوں۔ شاید میں بھی بہت اچھی طرح اسے پڑھ لوں مگر میں۔۔۔ میں جلال انصر تبھی نہیں جو سکتی، تبھی میں ہی نہیں سکتی، کبھی میری آواز سن کر کسی کا وہ حال نہیں ہو سکتا جو جلال انصر کی آواز سن کر ہو چاہے۔" وہ لاہور میں سے اٹھتے ہوئے مسلسل مایوسی کے عالم میں سوچ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جلال انصر کے ساتھ ہونے والی چند ملاقاتوں کے بعد امام نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا سامنا نہ کرے ورنہ اس کے بارے میں سوچے نہ نہ لیب کے گھر جائے۔ حتیٰ کہ اس نے نینکھ کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی اپنی طرف سے بہت محدود کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ہر حفاظتی تدبیر جیسے طریقے سے ناکام ہوتی گئی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ امام کی بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس نے کھلے فک کے دیے تھے۔

"اس آدمی میں کوئی چیز ایسا ہے، جس کے سامنے میری ہر محنت دم توڑ جاتی ہے۔" اور شاید اس کا یہ اعتراف ہی تھا جس نے اسے ایک بار پھر جلال کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ پہلے اس کے لئے اس کی بے اختیار مایوسی اور پھر اس نے شعوری طور پر جلال کو اس کا جگہ دے دی۔

"آخر کیا برائی ہے اگر میں اس شخص کا ساتھ چاہوں جس کی آواز مجھے بار بار اپنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گونے پر مجبور کرتی رہی۔ میں کیوں اس شخص کے حصول کی خواہش نہ کروں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کیا مضائقہ ہے اگر میں اس شخص کو اپنا مقدر بنا دے تو جانے کی دعا کروں، جس کے لئے میں اُس کی رخصتی ہوں اور جس کے کردار سے میں واقف ہوں۔ کیا برا ہے اگر میں یہ چاہوں کہ میں جلال انصر کے نام سے شناخت پاؤں۔ اس واحد آدمی کے نام سے جسے سنتے، جیسے دیکھتے مجھے اس پر رشک آتا ہے۔" اس کے پاس ہر دلیل، ہر توجیہ موجود تھی۔

بہت فخر محسوس طور پر وہ ہر اس جگہ جانے لگی جہاں جلال کے پائے جانے کا امکان ہوتا اور وہ اکثر



ہاں پایا جائے وہ نہیب کو اس وقت خون کرتی، جب جلال گھر پر ہوتا تو کہ گھر پر موجود ہوتے ہوئے خون ہمیشہ وہی ریسیو کا تھا۔ دونوں کے درمیان چھوٹی موٹی مشکور ذوق طویل ہونے لگی پھر وہ نکلے گئے۔ جو یہ، رابع یا نہیب تینوں کو امام اور جلال کے درمیان بڑھتے ہوئے ان تعلقات کے بارے میں چاہے نہیں تھا۔ جلال اب باؤس جاب کر رہا تھا اور امام اکثر اس کے ہاسٹل جانے لگی۔ باقاعدہ انگلہار محبت نہ کرنے کے باوجود دونوں اپنے لئے ایک دوسرے کے جذبات سے واقف تھے۔ جلال جانتا تھا کہ امام اسے پسند کرتی تھی اور یہ پسند کی عام نوعیت کی نہیں تھی۔ خود امام بھی یہ جان چکی تھی کہ جلال اس کے لئے کچھ خاص قسم کے جذبات محسوس کرتے لگے۔

جلال اس قدر ذہنی تھا کہ اس نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ صرف یہ کہ وہ محبت کرے گا بلکہ اس طرح اس سے ملا کرے گا۔ مگر یہ سب کچھ بہت غیر محسوس انداز میں ہوتا گیا تھا۔ اس نے نہیب سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کے اور امام کے درمیان کسی خاص نوعیت کا تعلق تھا۔ اگر وہ یہ انکشاف کر دیتا تو نہیب اسے یقیناً امام کی اسجور کے ساتھ ملے شدہ نسبت سے آگاہ کر دیتا۔ بہت شروع میں ہی وہ امام کی لڑکی کی نسبت کے بارے میں جان لیتا تو وہ امام کے بارے میں بہت محتاط ہو جاتا پھر کم از کم امام کے لئے اس حد تک احوال پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس حد تک وہ چاہتا تھا۔

ان کے درمیان ہونے والی ایسی ہی ایک ملاقات میں امام نے اسے پرچہ لکھا تھا۔ اسے امام کی جرأت پر کچھ حیرانی ہوئی تھی کیونکہ کم از کم وہ خود بہت چاہنے کے باوجود ابھی یہ بات نہیں کہہ چکا تھا۔ "آپ کا باؤس جاب کچھ عرصے میں مکمل ہو جائے گا، اس کے بعد آپ کیا کریں گے؟" امام نے اس دن اس سے پوچھا تھا۔

"اس کے بعد میں اسٹوڈنٹس کے لئے باہر جاؤں گا۔" جلال نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد اب میں آؤں گا اور اپنا ہاسٹل بناؤں گا۔"

"آپ نے اپنی شادی کے بارے میں سوچا ہے؟" اس نے اگلا سوال کیا تھا۔ جلال نے حیران مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"امام! شادی کے بارے میں ہر ایک ہی سوچتا ہے۔"

"آپ کس سے کریں گے؟"

"یہ طے کرنا ابھی باقی ہے۔"

امام چند لمبے خاموش رہی۔ "مجھ سے شادی کریں گے؟"

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امام سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امام سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

امام نے اسے گم سم دیکھ کر پوچھا۔ وہ ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔

"جی نہیں، ایسا نہیں ہے۔" اس نے بے اختیار کہا۔ "یہ سوال مجھے تم سے کرنا چاہئے تھا۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"ہاں۔" امام نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اور آپ؟"

"میں..... میں..... ہاں، آف کورس۔ تمہارے علاوہ میں اور کس سے شادی کر سکتا ہوں۔" اس نے اپنے جملے پر امام کے چہرے پر ایک چمک آتے دیکھی۔

"میں باؤس جاب ختم ہونے کے بعد اپنے والدین کو تمہارے ہاں چھوڑوں گا۔"

وہ اس بار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چیپ سی ہو گئی۔ "جلال! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کر لوں؟"

جلال اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا مطلب؟"

"جو سکتا ہے میرے پیڑھس اس شادی پر چارہ ہوں۔"

"کیا تم نے اپنے پیڑھس سے بات کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں اس لیے پیڑھس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" اس نے رسوائیت سے کہا۔

جلال یک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ "امام! میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ تمہارے پیڑھس کو ہم دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"مگر ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ اس صورت میں مجھ سے شادی کر لیں گے؟"

جلال کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ امام اخطراب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد جلال نے اپنی خاموشی کو توڑا۔

"ہاں، میں تب بھی تم ہی سے شادی کر دوں گا۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اب کسی دوسری

لڑکی سے شادی کر سکوں۔ میں کو شش کروں گا کہ تمہارے جوش اس شادی پر راضی ہو جائیں لیکن اگر وہ نہیں ہوتے تو پھر میں ان کی مرضی کے بغیر شادی کر فی ہو گی۔"

"کیا آپ کے جوش اس بات پر راضی ہو جائیں گے؟"

"ہاں، میں انہیں منالوں گا۔ وہ میری بات نہیں لائے۔" جمال نے فخریہ انداز سے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ چلو کی آواز پر بٹھی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سالار کھڑا تھا۔ وہ اپنے اسی بے ڈھنگے طبع میں تھوڑی شرت کے سارے بدن کھلے ہوئے تھے اور وہ خود بخود کی بیویوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھا۔ ایک لمحہ کے لئے امام کی آنکھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کے رویے کا اظہار کرے۔

سالار کے ساتھ تیمور بھی تھا۔

"آؤ، اس لڑکی سے ملنا تاہوں تمہیں۔" سالار نے امام کو کتابوں کی دکان پر دیکھا تو قریب چلا آیا۔ تیمور نے گردن موڑ کر دیکھا اور تیرائی سے کہا۔ "اس چادر والی سے؟"

"ہاں۔" سالار نے قدم بڑھا دیے۔

"یہ کون ہے؟" تیمور نے پوچھا۔

"یہ وہیم کی بہن ہے۔" سالار نے کہا۔

"وہیم کی؟ مگر تم اس سے کیوں مل رہے ہو؟ وہیم اور اس کی فیملی تو خاصی کمزور ہے۔ اس سے مل کر کیا کرو گے؟" تیمور نے امام پر دہرے سے ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جیکل پار نہیں مل رہا ہوں، پہلے بھی مل چکا ہوں۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" سالار نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

امام نے میگزین ہاتھ میں پکڑے پکڑے ایک نظر سالار اور ایک نظر اس کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا جو تقریباً سالار جیسے ہی طبع میں تھا۔

"ہاؤ آریو؟" سالار نے اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا۔

"فائن۔" امام نے میگزین بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ تیمور ہے وہیم سے اس کی بھی نامی دوستی ہے۔" سالار نے تعارف کر لیا۔

امام نے ایک نظر تیمور کو دیکھا پھر ہاتھ کے اشارے سے شاہنگ سینٹر کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہیم وہاں ہے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر کہا۔

"تمہارے وہیم سے ملنے تو نہیں آئے۔"

"تو؟" امام نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ سے بات کرنے آتے ہیں۔"

"مگر میں تو آپ کو نہیں جانتی پھر آپ مجھ سے کیا بات کرنے آتے ہیں؟"

امام نے سرد مہری سے کہا۔ اسے سالار کی آنکھوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔ کاش یہ کسی نے نظر چمکا کر بات کرنا نہ لیتا، خاص طور پر کسی لڑکی سے۔ اس نے میگزین دوبارہ کھول لیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں؟" سالار مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "آپ کے گھر کے ساتھ ہی میرا گھر ہے۔"

"یقیناً ہے مگر میں آپ کو "ذاتی" طور پر نہیں جانتی۔" اس نے اسی رکھائی کے ساتھ میگزین پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"چند لمبے آپ نے ایک رات میری جان چھائی تھی۔" سالار نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے یاد دلایا۔

"میڈیکل کے اسٹوڈنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا۔ میرے سامنے کوئی بھی سر رہا ہوتا، میں سبکی کرتی رہا۔ اب مجھے ایک کالج ڈکریں، میں کچھ مصروف ہوں۔"

سالار اس کے کہنے کے باوجود کس سے کس نہیں ہوں تیمور نے اس کے بازو کو ہلے سے کھینچ کر اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ اسے شاید اس کے حوالے سے امام کا لچکا تھا مگر سالار نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"میں اس رات آپ کی مدد کے لئے آپ کا شکر یہ لیا کرتا چاہتا تھا، حالانکہ آپ نے مجھے پرفیشنل طریقے سے لڑائی نہیں دیا تھا۔"

اس بار سالار نے سنجیدگی سے کہا۔ امام نے اس کی بات پر میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آپ کا اشارہ اگر اس تھپڑ کی طرف ہے تو ہاں وہ بالکل پرفیشنل نہیں تھا اور میں اس کے لئے معذرت کرتی ہوں۔"

"میں نے اسے ہانکنا نہیں کیا۔ میرا اشارہ اس طرف نہیں تھا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے توقع تھی کہ آپ تھپڑ کو ہانکنا نہیں کریں گے۔" (کیونکہ اسی کے متعلق تھے اور ایک نہیں اس کا) اس نے خط کا آدھا حصہ مٹھا کر لیا۔

"دیسے آپ کا اشارہ کس طرف تھا؟"

"بے حد تعجب کا اس طریقے سے بیٹھنا کی تھی آپ نے میری اور آپ کو ہر طرف سے بلڈ پریشر ٹک چیک کرنا نہیں آتا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے چوڑی گم کی ایک اسٹیک اپنے منہ میں ڈالی۔

امام کے کان کی اوتھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ ٹانگیں جھپکاتے بغیر اسے دیکھتی رہی۔



"اٹموس ناک بات ہے کہ ایک ڈاکٹر کو ایسے معمولی کام نہ آتے ہوں جو کسی بھی عام آدمی کو آتے ہیں۔"

اس بار اس کا انداز پھر ملتی اڑانے والا تھا۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں، میڈیکل کے ابتدائی سالوں میں ہوں، پہلی بات اور جہاں تک unprofessional ہونے کا تعلق ہے تو انکی بار سنا، آپ نے تو ابھی اس طرح کی کئی کوششیں کرتی ہیں۔ میں آہستہ آہستہ آپ پر پریکٹس کر کے اپنا اتھ صاف کر لوں گی۔"

ایک لمحے کے لئے وہ کچھ نہیں بول سکا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آجھری۔ یوں جیسے وہ اس کی بات پر ٹھوٹا ہوا تھا مگر شرمندہ نہیں اور اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔  
"اگر آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش....."

"کوشش کر رہی ہیں تو آپ اس میں ناکام ہوں گی۔ میں جانتی ہوں، آپ شرمندہ نہیں ہوتے، یہ صفت صرف انسانوں میں ہوتی ہے۔" امام نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کے خیال میں، میں کیا ہوں؟" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"پتا نہیں، ایک vet اس بارے میں آپ کو زیادہ بہتر جاننے کے لئے کہہ گا۔" وہ اس بار اس کی بات پر ہنسا۔  
"دو چیزوں پر پہنچنے والے جانور کو ہر میڈیکل یا شستری انسان کہتی ہے اور میں دو چیزوں پر چلتا ہوں۔"  
"تو بچے سے لے کر کتے تک ہر چار چیزوں والا چاروں دو چیزوں پر چل سکتا ہے۔ اگر اسے ضرورت پڑے یا اس کا دل چاہے تو۔"

"مگر میرے چار چیز نہیں ہیں اور میں صرف ضرورت کے وقت نہیں، ہر وقت ہی دو چیزوں پر چلتا ہوں۔" سالار نے عجیب سے انداز میں اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے چار چیز نہیں ہیں، اسی لئے میں نے آپ کو vet سے ملنے کو کہا ہے۔ وہ آپ کو آپ کی خصوصیات کے بارے میں صحیح طرح بتا سکے گا۔"

امام نے سر اڑا دیا اور اس نے دھج کرنے میں واقعی کامیاب ہو چکا تھا۔

"وہیسنے، اچھی طرح سے آپ جانوروں کے بارے میں جانتی ہیں، آپ ایک بہت اچھی vet ثابت ہو سکتی ہیں۔ آپ کے علم سے خاصا متاثر ہوا ہوں میں۔" امام کے چہرے کی سرفی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "اگر آپ میری vet بن جاتی ہیں تو میں آپ کے بتائے ہوئے مشورے کے مطابق آپ ہی کے پاس آپنا کروں گا تاکہ آپ میرے بارے میں دیرینہ کر کے مجھے بتا سکیں۔"

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی، صرف اتنے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ تھا اور ایسے غصے کے ساتھ لمبی ٹھٹھکو کرنا آہل مجھے بار

کے مزاحیہ تھا اور وہ یہ حماقت کر چکی تھی۔

"وہیسنے آپ کیا نہیں چارچ کر رہی گی؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ دسیم آپ کو بتا دے گا۔" امام نے اس بار اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"تجلیس ٹھیک ہے، یہ میں دسیم سے پوچھ لوں گا۔ اس طرح تو خاص آسانی ہو جائے گی۔"

وہ اس کی دھمکی کو سمجھنے کے باوجود مرغوب نہیں ہوا اور اس نے امام کو یہ جتنا بھی دیا۔ تیمور نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"آؤ سالار اچلتے ہیں، مجھے ایک ضروری کام یاد آ رہا ہے۔" اس نے نکلت کے عالم میں سالار کو اپنے ساتھ تقریباً گھیننے کی کوشش کی مگر سالار نے توجہ نہیں دی۔

"پلتے ہیں یا اس طرح کھینچو تو مت۔" وہ اس سے کہتے ہوئے ایک بار پھر امام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہر حال یہ سب مذاق تھا۔ میں واقعی آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ آپ نے اور دسیم نے کافی مدد کی میری، گڈ بائے۔"

وہ کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ امام نے بے اختیار ایک سکون کا سانس لیا۔ وہ شخص واقعی ٹریک تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ دسیم جیسا شخص کیسے اس آدمی کے ساتھ دوستی رکھ سکتا ہے۔

وہ ایک بار پھر میگزین کے ورق اٹھنے لگی۔ "سالار آیا تھا تمہارے پاس؟" دسیم نے اس کے پاس آکر پوچھا۔ دور سے سالار اور تیمور کو دیکھ لیا تھا۔

"ہاں۔" امام نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک بار پھر میگزین دیکھنے لگی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" دسیم نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم نے اس جیسے شخص کے ساتھ دوستی کس طرح کر لی ہے۔ میں نے زندگی میں اس سے زیادہ بے یار و اور بد فیئر لڑکا نہیں دیکھا۔" امام نے اکثرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا شکریہ ادا کر دو تمہارا ساتھ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ مجھے جینڈنگ ٹیک ٹھیک طرح سے کرنی نہیں آتی، میں ہلکے پیر چپک کر کھتی ہوں۔"

دسیم کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "اس کو دھج کر دینا عقل سے پہل ہے۔"

"میرا دل تو چاہا رہا تھا کہ میں اسے دو ہاتھ اور لگاؤں، اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ منہ اٹھا کر اپنے دوست کو ملے کر تنگی لیا ہے یہاں۔" سچی اکس نے کہا ہے تم سے شکریہ ادا کرنے کو اور مجھے تو وہ

دوسرا لڑکا بھی خاصا برا لگا اور وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری اس کے ساتھ بھی دوستی ہے۔" امام کو اچانک یاد آیا۔ "دوستی تو نہیں، بس جان پہچان ہے۔" دسیم نے وضاحت پیش کی۔ "تمہیں ایسے لڑکوں کے

ساتھ جان پہچان رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ طیارہ دیکھا تم نے ان دونوں کارندائیں بات کرنے کی قیڑ تھی نہ لباس پہننے کا سلیقہ اور نہ اٹھا کر شکریہ ادا کرنے آگئے ہیں۔ بہر حال تم اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لو، کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح کے لڑکوں سے جان پہچان کی بھی چیزیں۔"

امام نے میزکین رکھتے ہوئے ایک بار پھر اسے سچپہ کی اور پھر باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ وہ سیم بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔

مگر میں ایک بات پر حیران ہوں یہ جس حالت میں تھا اسے یہ کیسے یاد ہے کہ میں نے اس کی ہیڈسٹج اٹھی نہیں کی تھی یا بلڈ پریشر لینے میں مجھے دقت ہو رہی تھی۔" امام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ ایسے ہی ہاتھ پاؤں جھٹک رہا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ارد گرد ہونے والی چیزوں کو بھی observe کر رہا ہے۔"

"ویسے ہیڈسٹج واقعی خراب کی تھی تم نے اور اگر میں تمہاری مدد نہ کرتا تو۔۔۔ بلڈ پریشر کی ریلنگ بھی تمہیں لہا نہیں آتی۔ کم از کم اس بار سے میں آج بھی کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔" وہ سیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مجھے پتا ہے۔" امام نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ "مگر میں اس وقت بہت نرم رہی تھی۔ میں پہلی بار اس طرح کی صورت حال کا شکار ہوئی تھی پھر اس کے ہاتھ سے نچکے والا خون مجھے اور خوف زدہ کر رہا تھا اور اوپر سے اس کا رویہ۔۔۔ کسی خود کشی کرنے والے انسان کو اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا تھا میں نے۔"

"اور تم ڈاکٹر بننے چاہتی ہو، وہ بھی ایک قابل اور نامور ڈاکٹر، ناقابل یقین۔" وہ سیم نے تبصرہ کیا۔

"اب کم از کم تم اس طرح کی باتیں مت کرو۔" امام نے احتجاج کیا۔ "میں نے اس لئے تمہیں یہ سب نہیں بتایا کہ تم مذاقی اذات وہ لوگ پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے۔"

۲۰ ..... ۲۰ ..... ۲۰

کچھ دنوں سے وہ جلال اور زینب کے روپے میں عجیب سی جبرئی دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس سے بہت اکٹھے آکٹھے رہتے لگے تھے۔ ایک عجیب سا تناؤ تھا، جو وہ اپنے اور ان کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

اس نے ایک دو بار جلال کو ہاسٹل فون کیا، مگر ہر بار اسے یہی جواب ملا کہ وہ مصروف ہے۔ وہ زینب کو اگر کال سے پہلے بھی آتا تو پہلے کی طرح اس سے نہیں ملتا تھا اور اگر ملتا بھی تو صرف دسی سی علیک سلیک کے بعد واپس چلا جاتا۔ وہ شروع میں اس تبدیلی کو اپنا وہم سمجھتی رہی مگر پھر زیادہ پریشان ہونے پر وہ ایک دن جلال کے ہاسٹل پہنچ آئی۔

جلال کا رویہ بے حد سرد تھا۔ امام کو کچھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آئی تھی۔

"کھانی دن ہو گئے تھے ہمیں ملے ہوئے، اس لئے میں خود چلی آئی۔" امام نے اپنے سارے اندیشوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میری خوشگفت شروع ہو رہی ہے۔"

امام نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "نہ جب بتا رہی تھی کہ اس وقت آپ کی شفٹ ختم ہوتی ہے، میں اسی لئے اس وقت آئی ہوں۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ہاں صحیح ہے مگر آج میری کوئی اور مصروفیت ہے۔" وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ "جلال! آپ کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں؟" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"نہیں، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔" جلال نے اسی دکھائی سے کہا۔

"کیا آپ دس منٹ باہر آکر میری بات سن سکتے ہیں؟"

جلال کچھ دیر اسے دیکھا، پھر اس نے اپنے اوپر آل اپنے بازو پر ڈال لیا اور کچھ کبے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی جلال نے اپنی دست و پاؤں پر ایک نظروں ڈالی۔ یہ شاید اس کے لئے بات شروع کرنے کا اشارہ تھا۔ "آپ میرے ساتھ اس طرح کس بی بی کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیا میں بی بی ہو کر رہا ہوں؟" جلال نے اکٹھا انداز میں کہا۔

"آپ بہت دنوں سے مجھے اگنور کر رہے ہیں۔"

"ہاں، کر رہا ہوں۔"

امام کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سفاکی سے اس بات کا اعتراف کر لے گا۔

"کیونکہ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔" وہ کچھ لمحوں کے لئے کچھ نہیں بول سکی۔ "کیوں؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح اکٹھا انداز میں کہا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کا رویہ یک دم کیوں تبدیل ہو گیا ہے۔" کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی اس کی۔ "امام نے کہا۔

"ہاں وجہ ہے مگر میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم بہت سی باتیں مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"میں؟" وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ "میں نے کون سی باتیں آپ کو نہیں بتائی؟"

"یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔" جلال نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ امام سانس تک نہیں لے سکی۔



”کیا تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی نہیں؟“

”جلال! میں بتانا چاہتی تھی۔“ امامہ نے ٹھٹھکتے خورہ انداز میں کہا۔

”چاہتی تھیں۔۔۔ مگر تم نے بتایا تو نہیں۔۔۔ دھوکا دینے کی کوشش کی تم نے۔“

”جلال! میں نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔“ امامہ نے جیسے احتجاج کیا۔ ”میں آپ کو

کیوں دھوکا دوں گی؟“

”مگر تم نے کیا بھی ہے۔“ جلال نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

”جلال! میں۔۔۔“ جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم نے جان بوجھ کر مجھے شریپ کیا۔“ امامہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”شریپ کیا؟“ اس نے زیر لب جلال کے لفظوں کو دہرایا۔

”تم چاہتی تھیں کہ میں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کرتا ہوں۔“

وہ ٹھٹھکتے خورہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

”شادی تو دور کی بات ہے۔ اب جب میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں تو میں تم سے

کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ تم دوبارہ مجھ سے مجھے کی کوشش مت کرنا۔“ جلال نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”جلال! میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔“ امامہ نے مذموم آواز میں کہا۔

”اودو کم آن“ جلال نے حقیر آمیز انداز میں اپنا ہاتھ جھٹکا۔ ”یہاں کھڑے کھڑے تم نے میرے

لئے اسلام قبول کر لیا۔“ اس بار وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

”جلال! میں آپ کے لئے مسلم نہیں ہوئی۔ آپ میرے لئے ایک ذریعہ ضرور بنے ہیں، مجھے کئی

ماہ ہو گئے ہیں اسلام قبول کے اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے تو میں آپ کو ثبوت دے سکتی

ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔“

اس بار جلال کچھ اچھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”میں مانتی ہوں میں نے آپ کی طرف پیش قدمی خود کی۔ آپ کے قبول میں نے آپ کو شریپ

کیا۔ میں نے شریپ نہیں کیا۔ میں صرف بے بس تھی۔ آپ کے معاملے میں مجھے خود پر قابو نہیں رہتا

تھا۔ آپ کی آواز کی وجہ سے، آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا میں نے پہلی بار آپ کو نصرت دیتے

ہو تو میں نے کیا محسوس کیا تھا۔ آپ کو اگر میرے بارے میں پہلے ہی سب کچھ پتہ چل جاتا تو آپ

میرے ساتھ یہی سلوک کرتے جو اب کر رہے ہیں۔۔۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ تھا جس کی وجہ

سے میں نے آپ سے بہت کچھ چھپائے رکھا۔ بعض باتوں میں انسان کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہوتا۔ مجھے

بھی آپ کے معاملے میں خود پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔“

اس نے رنجیدگی سے کہا۔

”تمہارے گھر والوں کو اس بات کا پتا ہے؟“

”نہیں۔ میں انہیں نہیں بتا سکتی۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کو اس بارے میں بھی نہیں

بتایا۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے ڈکی۔ ”مگر میں وہیں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی

ہوں۔ میں صرف اپنی تعلیم مکمل کرنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ تب میں اپنے بیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی

اور پھر میں آپ سے شادی کروں گی۔“

”چار پانچ سال بعد جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گی تو شاید میرے ہی تمہیں آپ سے میری شادی پر اس

طرح اعتراض نہ کریں جس طرح وہ اب کریں گے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میری تعلیم ختم کروا کر

میری شادی احمد سے کر دیں گے تو شاید میں انہیں ابھی اس بات کے بارے میں بتا دیتی کہ میں اسلام

قبول کر چکی ہوں مگر میں ابھی پوری طرح امن پر ڈچینڈت ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ آپ

وہ واحد راستہ تھے جو مجھے نظر آیا۔ مجھے واقعی آپ سے محبت ہے پھر میں آپ کو شادی کی پیشکش نہ کرتی تو

اور کیا کرتی آپ اس صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتے جس کا سامنا میں کر رہی ہوں۔۔۔ میری جگہ پر

ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ میں جھوٹ بولنے کے لئے کتنی مجبور ہو گئی تھی۔“

جلال کچھ کہے بغیر پاس موجود نگڑی کے بیچ پر بیٹھ گیا وہ اب پریشان نظر آ رہا تھا۔ امامہ نے اپنی

آنکھیں پونچھ لیں۔

”کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟ صرف اس لئے میرے ساتھ اٹھو تو ہیں،

کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟“

جلال نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

”امامہ! اپنے جہاں۔۔۔ پورا چینڈورا باکس مکمل گیا ہے میرے سامنے۔ اگر میں تمہاری صورت حال

کا اندازہ نہیں کر سکتا تو تم بھی میری پریشانی کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

امامہ اس سے کچھ غافلے پر دم کی بچ پر بیٹھ گئی۔

”میرے والدین کبھی غیر مسلم لڑکی سے میری شادی نہیں کریں گے۔ قطع نظر اس کے کہ میں

اس سے محبت کرتا ہوں یا نہیں۔“

”جلال! میں غیر مسلم نہیں ہوں۔“

”تم اب نہیں ہو مگر پہلے تو تھیں اور پھر تمہارا خاندان۔۔۔“

”میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔“ امامہ نے بے بسی سے کہا۔

جلال نے جواب میں کچھ نہیں کیا کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا آپ اپنے جراثیم کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟" کچھ دیر بعد امام نے کہا۔  
 "یہ بہت بڑا قدم ہو گا۔" جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور بالفرض میں یہ کام کرنے کا  
 سوچ لوں تو بھی نہیں ہو سکتا۔ تمہاری طرح میں بھی اپنے جراثیم پر فیلڈ ٹ ہوں۔" جلال نے اپنی  
 بھوری ہانکی۔

"مگر آپ ہاؤس چاہ کر رہے ہیں اور چند سالوں میں اسٹیکلش ہو جائیں گے۔" امام نے کہا۔  
 "میں ہاؤس چاہ کے بعد اسٹیکلش ٹریشن کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں اور یہ میرے جراثیم کی مالی  
 مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسٹیکلش ٹریشن کے بعد ہی میں وہاں آکر اپنی پیکلش اسٹیکلش کر سکتا ہوں اور  
 تین چار سال اپنی اسٹڈی فٹم کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔"

جلال نے اسے یاد دلایا۔

"پھر؟" امام نے اسے مایوسی سے دیکھا۔

"پھر یہ کہ مجھے سوچنے کا وقت دو۔ شاید میں کوئی درست نکال سکوں، میں جبین چھوڑنا نہیں چاہتا  
 مگر میں اپنا کیرئیر بھی خراب نہیں کر سکتا۔ میرا پر اہم صرف یہ ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ  
 ہے اس باپ کا ہے اور وہ اپنی ساری جمع پونجی مجھ پر خرچ کر رہے ہیں یہ سوچ کر کہ میں کل کو ان کے لئے  
 کچھ کروں گا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہارے والدین اپنی مرضی سے تمہاری شادی  
 مجھ سے کر دیں۔ اس صورت میں کم از کم میرے والدین کو یہ اعتراض تو نہیں ہو گا کہ تم نے اپنے والدین  
 کی مرضی کے خلاف انہیں تنائے بغیر مجھ سے شادی کی ہے؟"

وہ جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں نہیں چاہتی..... ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔  
 وہ میری بات مانیں گے یا نہیں۔ میں....." امام نے کچھ مایوسی کے عالم میں بات اور عروسی چھوڑ دی۔  
 جلال بات مکمل ہوئے کا انتظار کر رہا تھا۔

"میری فیملی میں آج تک کسی لڑکی نے اپنی مرضی سے باہر کسی لڑکے سے شادی نہیں کی۔ اس لئے  
 میں یہ نہیں بتا سکتی کہ ان کا رد عمل کیا ہو گا مگر میں یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ ان کا رد عمل بہت برا ہو گا۔  
 بہت برا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن مجھے یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ میں اتنا بڑا قدم اٹھاؤں۔  
 آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ میرے باپ کو کتنی شرمندگی اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صرف میرے  
 لئے تو وہ سب کچھ نہیں بدل دیں گے۔"

"مگر مجھے اپنی فیملی سے مدد کی توقع ہوتی تو میں گھر سے باہر سہاروں کی تلاش میں ہوتی۔ نہ ہی  
 آپ سے اس طرح مدد مانگ رہی ہوتی۔"

مجھے لگے میں اپنی آواز کی لرزش نہ قابو پاتے ہوئے اس نے جلال سے کہا۔  
 "امام! میں تمہاری مدد کروں گا..... میرے جراثیم میری بات نہیں مانیں گے۔ سمجھاتے ہیں  
 کچھ وقت لگے گا مگر میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں انہیں متاثر کروں گا۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ مجھے تمہاری مدد  
 کرنی چاہئے۔"

وہ پر سوچ مگر کچھ اٹکے ہوئے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ امام کو عجیب سی ڈھارس ہوتی۔ اسے  
 جلال سے کچھ توقع تھی۔

امام نے سوچا۔ "میرا اس کتاب غلط نہیں ہے۔"

☆ ☆ ☆



## باب ۳

"بیرہ امتحانہ تجویز اسجد کے علاوہ کسی دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے احساس نہیں ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔" امام نے اپنی بھابی سے کہا۔

"نہیں اسجد نے یا اس کے گھر والوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بابا خود تہناری شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" امام کی بھابی نے ر سائیت سے جواب دیا۔

"بابا نے کہا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ جب میں نے میڈیکل میں ایم ایٹیشن لیا تھا تب ان کا دور دور تک ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ تو اعلیٰ معلم سے بھی سبکی کہتے تھے کہ وہ میرے ہاؤس جاب کے بعد ہی میری شادی کریں گے۔ پھر اب اچانک کیا ہوا؟" امام نے بے یقینی سے کہا۔

"کوئی دباؤ ہو گا مگر مجھے نواہی نے سبکی بتایا تھا کہ یہ خود بابا کی خواہش ہے۔" بھابی نے کہا۔

"آپ انہیں بتادیں کہ مجھے ہاؤس جاب سے پہلے شادی نہیں کرنی۔"

"نہیک ہے میں تہناری بات ان تک پہنچا دوں گی مگر بہتر ہے تم اس سلسلے میں خود بابا سے بات کرو۔" بھابی نے اسے مشورہ دیا۔

بھابی کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ کچھ پریشان تھی۔ وہ چپ بیٹھی رہی۔ یہ اطلاع اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اس کے پیروں کے نیچے سے محاورے نا نہیں حقیقتاً زمین نکل گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ اس کی ہاؤس جاب تک اس کی شادی کا مسئلہ زیر بحث نہیں آئے گا اور ہاؤس جاب کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جائے گی کہ خود کو سپورٹ کر سکے یا اپنی جلال سے شادی کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔ جب تک جلال بھی اپنی ہاؤس جاب تکمیل کر کے بیٹھ ہو جاتا اور ان دونوں کے لئے کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہ اٹھیں تو تا مگر اب اچانک اس کے گھر والے اس کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟

"نہیں اسجد اور اس کے گھر والوں نے مجھ سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں نے خود ان سے بات کی ہے۔"

اس رات وہ ہاشم مبین کے کمرے میں موجود تھی۔ اس کے استفسار پر ہاشم مبین نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"بات بھی کر لی ہے؟ بابا! آپ مجھ سے پوچھے بغیر کس طرح میری شادی اور بیچ کر سکتے ہیں۔" امام نے بے یقینی سے کہا۔

ہاشم مبین نے کچھ ہچکچاہٹ سے اسے دیکھا۔ "یہ نسبت تہناری مرضی سے ہی ملے ہوئی تھی۔ تم سے پوچھا گیا تھا۔" انہوں نے جیسے اسے یاد رہائی کروائی۔

"معتفی کی بات اور تھی۔ شادی کی بات اور ہے۔۔۔۔۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ہاؤس جاب سے پہلے آپ میری شادی نہیں کریں گے۔" امام نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔

"تمہیں اس شادی پر اعتراض کیوں ہے۔ کیا تم اسجد کو پسند نہیں کرتیں؟"

"بات پسند یا نا پسند کی نہیں ہے۔ اپنی تعلیم کے دوران میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں آئی ایس سی ایلٹ بننا چاہتی ہوں۔ اس طرح آپ میری شادی کر دیں گے تو میرے تو سارے خواب ادھر سے رو جائیں گے۔"

"بہت سی لڑکیاں شادی کے بعد تعلیم تکمیل کرتی ہیں۔ تم اپنی تعلیم میں دیکھو۔ سختی۔" ہاشم مبین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

امام نے ان کی بات کاٹ لی۔ "وہ لڑکیاں بہت دیرین اور قابل ہوتی ہوں گی۔ میں نہیں ہوں۔ میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتی ہوں۔"

"میں اعظم بھائی سے بات کر چکا ہوں وہ تو تاریخ طے کرنے کے لئے آئے وائے ہیں۔" ہاشم

تجربہ کرنے والے اس سے کہا۔

”آپ میری ساری محنت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو میرے ساتھ بھی کرنا تھا تو آپ کو چاہئے تھا کہ آپ اس طرح کا کوئی وعدہ دینے کرتے۔“ ایسا نے ان کی بات پر براہِ راست کہا۔

"جب میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تب کی بات اور تھی.... تب حالات اور تھے اب۔"

ہمارے لئے ان کی بات کاٹنی۔ ”اوپ کیا بدل گیا ہے..... حالات میں کون سی تبدیلی آئی ہے جو آپ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟“

”میں تمہیں یقین دلانا چاہتی کہ مسجد تمہاری تعلیم میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کرے گا۔ وہ تمہیں کسی چیز سے منع نہیں کرے گا۔“ ہاشم عین نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”بابا مجھے احمد کے تعاون کی ضرورت ہے نہیں ہے مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے صبر کی تعلیم مکمل کر لے دیں۔“ امامؒ نے اس بار قدرے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

”امامہ تم فضول خد مت کرو۔ میں وہی کروں گا جو میں ملے کر چکا ہوں۔“ باہم مسکین نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”میں خد نہیں کر رہی در خواست کر رہی ہوں۔ بیڑ پاپا میں ابھی اسجد سے شادی کر رہی ہوں۔“ اس نے ایک بار پھر اسی معجزانہ انداز میں کہا۔

”تمہاری نسبت کو چار سال ہونے والے ہیں اور یہ ایک بہت لمبا عرصہ ہو جاتا ہے۔ اگر انہوں نے خود کچھ عرصے کے بعد کسی نئی وجہ سے ملگنی تو خودی تو ہے۔“

تو کوئی بات نہیں کوئی قیامت نہیں آئے گی وہ منجھی توڑنا چاہیں تو توڑ دیں جگہ ابھی توڑ دیں۔“

”تمہیں اس شرمندگی اور بے عزتی کا احساس نہیں ہے، جس کا سامنا ہمیں کرنا پڑے گا۔“

”مجھے شرمندگی پہنچا دیے ان لوگوں کا اپنا فیصلہ ہو گا۔ اس میں مجاری کو کوئی غلطی نہیں ہوگی۔“ اس نے انہیں حاکم کرنے کی کوشش کی۔

”تسہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر تم عقل سے بیہوش ہو۔“ باشم نہیں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

بابا! کچھ نہیں ہو گا لوگ دو چار دن باقی کریں گے پھر سب کچھ بھول جائیں گے۔ آپ اس

ما فوا کواہ پر پیمان ہو رہے ہیں۔" امام نے قدرے بے فکری اور لاپرواہی سے کہا۔

میں اس وقت بہت فصول پائیں کر رہی ہوں۔ فی الحال تم یہاں سے جا کر ہاشم

اس کا جواب ان کے لئے ہے کہ ان کے لئے ہے۔

ماشم ہمیں لے اس واقعہ کو ہمیں سے نہیں ٹکایا تھا، وہ ایک انتہائی محتاط شخصیت کے انسان تھے۔

اور امام کے بارے میں پہلی بار اس وقت تشویش میں مبتلا ہوئے تھے۔ جب اسکول میں تحریم کے سانحہ بھڑکے والا واقعہ پیش آیا تھا۔ اگرچہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس واقعے کے بعد انہوں نے احتیاطی تدابیر کے طور پر امام کی نسبت اسجد کے ساتھ طے کر دینی تھی۔ ان کا خیال تھا اس طرح اس کا ذہن ایک نئے رشتے کی جانب مبذول ہو جائے گا اور اگر اس کے ذہن میں کوئی شبہ یا سوال پیدا ہو ابھی تو اس سے تعلق کے بعد وہ اس بارے میں زیادہ تردد نہیں کرے گی۔ ان کا یہ خیال اور اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔

ایمان کا دھن وادھنی تحریم کی طرف سے بہت کیا تھا۔ اس بعد میں وہ پہلے بھی کچھ دھنی، لیکن تھی مگر اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد اس دھنی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ شام نے اسے بہت مطمئن اور ممکن دیکھا تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح تمام غنہ میوں میں دھنی لیکن تھی۔

مگر اس بار جو کچھ دہم نے انہیں بتایا تھا اس نے ان کے چہروں کے نیچے سے (میں نکال دی تھی)۔

وہ فوری طور پر یہ نہیں جان سکے مگر انہیں یہ ضرور علم ہو گیا کہ اباحہ کے عقائد اور نظریات میں خاصی

تبدیلی آج بھی اور یہ دھرم دین کے لئے جگہ ان کے پاس ہے۔ خدا ان کے لئے بڑی نعمتیں کا باعث تھا۔ وہ اپنی بڑی بیٹیوں کی طرح اسے بھی اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے اور یہ اس لئے بھی اہم تھا کہ اسے

شادی کے بعد خاتون ان ہی میں جانا تھا۔ وہ خاتون بہت اعلیٰ پایہ تھیں۔ خود ان کا ہونے والا امام احمد بھی

امام کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ہاشم بیمن کے لئے اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے اسے گھر بٹھالیا۔



ان کے دماغ میں جو واحد عمل آیا تھا وہ اس کی شادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی شادی کر دینے سے کم از کم وہ خود اہم کی ذمہ داری سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن وجہ غلطی کہ انہوں نے اس طرح اچانک اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جلال! میرے عزیز شمس! میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔" لاہور آنے کے بعد امام نے سب سے پہلے جلال سے ملاقات کی تھی۔

"مگر تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہاری پاؤں چاہے تک تمہاری شادی نہیں کریں گے۔" جلال نے کہا۔  
 "دو ایسا ہی کہتے تھے، مگر اب وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہوں۔" احمد لاہور میں گھر لے لے گا تو میں زیادہ آسانی سے اپنی تعلیم مکمل کر سکوں گی۔"

جلال اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جلال بھی ایک دم غم مند ہو گیا۔  
 "جلال! میں احمد سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی صورت احمد سے شادی نہیں کر سکتی۔" وہ بوڑوائی۔  
 "پھر تم اپنے عزیز شمس کو صاف صاف بتا دو۔" جلال نے ایک دم کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔  
 "کیا بتاؤں؟"

"کہی کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"  
 "آپ کا اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس طرح دیانیت کریں گے..... مجھے انہیں بھر سب کچھ ہی بتانا پڑے گا۔" وہ بات کرتے کرتے ہلکے سوچنے لگی۔

"جلال! آپ اپنے عزیز شمس سے میرے سلسلے میں بات کریں۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتائیں۔ اگر میرے عزیز شمس نے مجھ پر اور باؤ ڈالا تو پھر مجھے اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا، پھر مجھے آپ کی بددی ضرورت ہو گی۔"

"امام! میں اپنے عزیز شمس سے بات کر دوں گا۔ وہ ضرور یہ باتیں کہے۔ میں جانتا ہوں میں انہیں سنا سکتا ہوں۔" جلال نے اسے یقین دلایا پوری گفتگو کے دوران کھلی بار امام کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرنی لگی۔  
 اگلے چند ہفتے وہ اپنے پیچھے کے سلسلے میں معروف رہی، جلال سے بات نہ ہو سکی۔ آخری پیچھے والے دن وہ اسے لینے کے لئے لاہور آ گیا تھا۔ وہ اسے وہاں بول دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"وسیم! میں ابھی تو نہیں جا سکتی۔ آج تو میں پیچھے لے سے فارغ ہوئی ہوں مجھے ابھی یہاں کچھ کام ہیں۔"  
 "میں کل تک یہیں ہوں۔ اپنے دوست کے ہاں ٹھہر جانا ہوں جب تم تک اپنے کام ختم ہو جائیں۔"  
 اگلے چالیس گئے۔ "وسیم نے اس کے لئے معاہدے کا آخری راستہ بھی بند کر دیا۔

"میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" امام نے کچھ بے دلی سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ وسیم اسے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔

"تم اپنی چیزیں بیک کر لوں۔ اب تم ساری پھنیاں وہاں گزار کر ہی آنا۔" اسے واپس مڑتے دیکھ کر وسیم نے کہا۔

اس نے سر ہلادیا مگر اس کا اپنی تمام چیزیں بیک کرنے یا اسلام آباد میں ساری پھنیاں گزارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ وہ چند دن وہاں گزار کر کسی نہ کسی بجائے سے واپس لاہور آ جائے گی اور یہی اس کی غلط فہمی تھی۔

رات کے کھانے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور سب خوش چہرے میں مصروف تھے۔

"بھیرے کیسے ہوئے تمہارے؟" ہاشم مبین نے کھانا کھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔  
 "بہت اچھے ہوئے۔ ہمیشہ کی طرح۔" اس نے چاول کا پیچھا سے ڈالتے ہوئے کہا۔  
 "ویری گڈ۔ چلو کم از کم بھیرے کی ٹینشن ختم ہوئی۔ اب تم کل سے اپنی ٹائپنگ شروع کر دو۔"  
 امام نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "ٹائپنگ؟ کبھی ٹائپنگ؟"

"فرنیچر کی اور جیولری کے پاس پہلے چلے جانا تم لوگ۔ باقی چیزیں تو آہستہ آہستہ ہوتی رہیں گی۔"  
 ہاشم مبین نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس بار اپنی بیوی سے کہا۔  
 "بابا! مگر کس لئے؟" امام نے ایک بار بھر پوچھا۔ "تمہاری امی نے بتایا نہیں تھیں کہ ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔"

امام کے ساتھ سے پیچھے چھوٹ کر پیٹ میں جا کر ایک لمحہ میں اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔  
 "میری شادی کی تاریخ؟" اس نے بے یقینی سے باری باری سلی اور ہاشم کو دیکھا جو اس کے تاثرات پر حیران نظر آ رہے تھے۔

"ہاں تمہاری شادی کی تاریخ....." ہاشم مبین نے کہا۔  
 "یہ آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ مجھ سے پوچھتے بھیرے۔ مجھے بتائے بھیرے۔" ہوتی چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم سے کبھی اور بات ہوئی تھی، اس سلسلے میں۔" ہاشم مبین ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔  
 "اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں۔"

ہاشم مبین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ مجھے تمہارے انکار کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں احمد کے گھر والوں سے بات کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے حیران آواز میں کہا۔

ڈانٹنگہ نکیل پر ایک دم گہری خاموشی چھا گئی تھی کوئی بھی کھانا نہیں کھا رہا تھا۔  
 امام ایک دم اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "آئی ایم سوری بابا! مگر میں احمد سے ابھی شادی نہیں کر

کہیں۔ آپ نے یہ شادی طے کی ہے۔ آپ ان سے بات کر کے اسے ملتوی کر دیں۔ ورنہ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" ہاشم بینن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم اسجد سے شادی کر دینی اور اسی تاریخ کو جو میں نے طے کی ہے۔ تم نے سنا؟" وہ بے اختیار چلائے۔  
 "It's not fair" امامہ نے ہمزائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم آپ مجھے یہ بتاؤ گی کیا فیصلہ ہے اور کیا نہیں۔ تم بتاؤ گی مجھے؟" ہاشم بینن کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

"ایسا ادب میں نے آپ سے کیا تھا کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ۔" امامہ بے اختیار رونے لگی۔

"مگر رہا ہوں زبردستی پھر میں حق رکھتا ہوں۔" وہ چلائے۔ امامہ اس بار کچھ کہنے کے بجائے اپنے ہونٹ پیچھے ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ تیزی سے ڈانٹتے دم سے نکل گئی۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں، آپ پلیز کھانا کھا لیں۔ انا قصہ نہ کریں۔ دو جڈ باقی ہے اور کچھ نہیں۔" سہلی نے ہاشم بینن سے کہا اور خود وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے کمرے سے نکلنے ہی دم کو کچھ کر امامہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 "تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ نکل جاؤ۔" اس نے تیزی سے دہم کے پاس جا کر است دھکا دینے کی

کوشش کی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔  
 "کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"جھوٹے لال کر اور دھوکا دے کر تم مجھے یہاں لے کر آئے ہو۔ مجھے اگر لاہور میں پتہ چل جاتا کہ تم اس لئے مجھے اسلام آباد لا رہے ہو تو میں کبھی یہاں نہ آتی۔" وہ حارڑی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھ سے بابا نے کیا۔ بابا نے کہا تھا میں نہیں۔ بتاؤں۔" وہ دم نے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم یہاں میرے پاس کیوں آئے ہو۔ بابا کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس ٹیمو۔ بس یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ دم ہونٹ پیچھے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بنا کمرے سے نکل گیا۔

امامہ اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کے جیروں کے نیچے سے صبح ستوں میں زمین نکل چکی تھی۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ اس طرح

کر سکتے ہیں۔ وہ اس قدر است ہر ست با کمر نہیں تھے جتنے وہ اس وقت ہو گئے تھے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ مجھے اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے۔ مجھے ہمت نہیں ہارنی۔ مجھے کسی نہ کسی طرح فوری طور پر اس سے کٹنا پڑتا ہے۔ وہ یقیناً اب تک

اپنے فیئس سے بات کر چکا ہو گا۔ اس سے بات کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں بیٹھنے لگی۔ وہ سوچتی رہی۔ اس کے کمرے میں دو بارہ کوئی نہیں آیا۔

رات بارہ بیچے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر وہ جاتی تھی۔ اس وقت تک سب سونے کے لئے جا چکے ہوں گے۔ اس نے جلال کے گھر کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ فون کسی نے نہیں اٹھایا۔ اس نے

یکے بعد دیگرے کئی بار نمبر ملا دیا۔ آدھ گھنٹہ تک اسی طرح کال کرتے رہے کے بعد اس نے مایوسی کے ساتھ فون رکھ دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ فون نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دو دنوں اس وقت ہاسٹل میں تھیں۔ کچھ

دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے سمیٹہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے والد نے فون اٹھایا تھا۔  
 "بیٹا! سمیٹہ تو پشاور گئی ہے اپنی امی کے ساتھ۔" سمیٹہ کے والد نے امامہ کو بتایا۔

"پشاور؟" امامہ کے دل کی دھڑکن رک گئی۔

"اس کے کزن کی شادی ہے، وہ لوگ ذرا پہلے چلے گئے ہیں۔ میں بھی کل چلا جاؤں گا۔" اس کے والد نے بتایا۔ "کوئی پتہ ہم تو تو آپ مجھے دے دیں میں سمیٹہ کو پہنچا دوں گا۔"

"نہیں شکر یہ انگل!" وہ ان کے ساتھ اس سارے معاملے کے بارے میں کیا بات کر سکتی تھی۔  
 اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے ذہن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اگر میرا جلال سے کاتھک نہ ہو تو اس کا

دل ایک بار بھر ڈوبنے لگا۔  
 ایک بار پھر اس نے جلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا اور تب ہی کسی نے اس کے ہاتھ سے

ریسیور لے لیا۔ وہ سن ہو گئی ہاشم بینن اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

"کس کو فون کر رہی ہو؟" ان کے لہجے میں بے حد غصہ تھا۔

"دوست کو کر رہی تھی۔" امامہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ان سے نظریں ملا کر جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

"میں ملتا رہا ہوں۔" انہوں نے سرد آواز میں کہتے ہوئے ری ڈائل کا فون دبا دیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ امامہ زور چرے کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک اسی طریقہ ریسیور کان سے لگائے

کھڑے رہے پھر انہوں نے ریسیور گرڈل پر رکھ دیا۔ یقیناً دوسری طرف سے کال ریسیور نہیں کی گئی تھی۔  
 "کون سی دوست ہے یہ تمہاری جس کو تم اس وقت فون کر رہی ہو۔" انہوں نے درشت لہجے

میں امامہ سے پوچھا۔

"نائب۔" فون کی اسکرین پر نائب کا نمبر تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہاشم بینن کو نائب پر کسی قسم کا شک ہو اور وہ جلال تک جا پہنچیں، اس لئے اس نے ان کے استفسار پر جلدی سے اس کا نام بتا دیا۔

"کس لئے کر رہی ہو؟"



"میں اس کے ذریعے جو یہ تک ایک پیغام پہنچانا چاہتی ہوں۔" اس نے تھکنے سے کہا۔  
 "تم مجھے وہ پیغام دے دو اور میں جو یہ تک پہنچا دوں گا، بلکہ ذاتی طور پر خود لاہور دے کر آؤں گا۔  
 اماں! مجھے صاف صاف بتاؤ کسی اور لڑکے میں اعتراض ہو تم؟" انہوں نے کسی تمہید کے بغیر  
 اپنا تک اس سے پوچھا۔ وہ انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔  
 "ہاں!"

باشم نہیں دم بخود رہ گئے۔ "کسی اور لڑکے میں اعتراض ہوا؟" انہوں نے بے یقینی سے اپنا جملہ  
 دہرایا۔ اماں نے پھر اذیت میں سر ہلا دیا۔ باشم سینے نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ کھجی۔  
 "مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا تم سے، مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" وہ غصے میں تنکاتے گئے۔ اماں  
 کم صبر اپنے بچل پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا تھپڑ تھا جو باشم سینے نے اس کی زندگی میں اسے  
 مارا تھا اور اماں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تھپڑ اسے مارا گیا تھا۔ وہ باشم سینے کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی پھر  
 بھی انہوں نے۔ اس کے گالوں پر آنسو بہ نکلتے تھے۔

"اسجد کے علاوہ میں تمہاری شادی کہیں اور نہیں ہونے دوں گا۔ تم اگر کسی اور لڑکے میں اعتراض  
 ہو بھی تو اسے ابھی اور اسی وقت بھول جاؤ۔ میں کبھی..... کبھی..... کبھی تمہاری کہیں اور شادی نہیں ہونے  
 دوں گا۔ اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ اور دوبارہ اگر میں نے تمہیں فون کے پاس بھی دیکھا تو میں  
 تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

وہ اسی طرح گال پر ہاتھ رکھے میکانیکی انداز میں پچلتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ اپنے کمرے  
 میں آکر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "کیا بابا مجھے..... مجھے اس طرح مار سکتے ہیں؟"  
 اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہت دیر تک اسی طرح دوتے رہنے کے بعد اس کے آنسو خود بخود ٹپک ٹپک ہونے  
 لگے۔ وہ اٹھ کر احتیاط کے عالم میں اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف آگئی اور خال الفانی کے عالم میں بند  
 کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگی۔

بچے اس کے گھر کا لان نظر آ رہا تھا جو نیم تاریک تھا اور پھر لاشعوری طور پر اس کی نظر دوسرے  
 کمرے پر پڑی۔ وہ سالار کا گھر تھا۔ اس کا کمرہ چلی منزل پر تھا۔ دور سے کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے  
 باوجود وہ اس گھر میں ایک دن نہ جانے کے بعد اس کی لوکیشن اور کمرے میں بھرنے والے کے طبع اور  
 برسات سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ سالار کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک جھٹکا ہوا۔  
 "ہاں! یہ شخص میری مدد کر سکتا ہے۔ اگر میں اسے ساری صورت حال بتاؤں اور اس سے کہوں کہ  
 لاہور جا کر جلال سے رابطہ کرے تو..... تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر اس سے رابطہ کیسے.....؟"

اس کے ذہن میں ایک دم اس کی گاڑی کے پچھلے شیشے پر لکھا ہوا اس کا موبائل نمبر اور نام یاد آیا۔  
 اس نے ذہن میں موبائل نمبر کو دہرایا، اسے کوئی اذیت نہیں ہوئی۔ کالج کا ایک کھڑائے کر اس نے احتیاط  
 کے طور پر اسی نمبر کو کنگھ لیا۔ قین بیگ کے قریب وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر لاؤنچ میں آگئی اور اس نے  
 وہ نمبر داخل کرنا شروع کر دیا۔

☆.....☆.....☆

سالار نے نیند میں اپنے موبائل کی صیغہ سنی تھی۔ جب نگاہ موبائل پر پڑا تو اس نے آنکھیں  
 کھول دیں اور قد سے ناگواری کے عالم میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کو ٹٹولنے ہوئے موبائل اٹھایا۔  
 "ہیلو!" اماں نے سالار کی آواز پہچان لی تھی، وہ فوری طور پر کچھ نہیں بول سکی۔  
 "ہیلو!" اس کی تواریفہ آواز دوبارہ سنائی دی۔ "سالار!" اس نے اس کا نام لیا۔  
 "بول رہا ہوں۔" اس نے اسی خواہید آواز میں کہا۔

"میں اماں بول رہی ہوں۔" وہ کہنے لگا تھا۔ "کون اماں..... میں کسی اماں کو نہیں جانتا۔" مگر اس  
 کے دماغ نے کثرت کی طرح اسے شکل دیا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ وہ نام کے ساتھ  
 اس آواز کو بھی پہچان چکا تھا۔

"میں دسم کی بہن بول رہی ہوں۔" اس کی خاموشی پر اماں نے اپنا رخارف کر لیا۔  
 "میں پہچان چکا ہوں۔" سالار نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کو آن کر دیا۔ اس کی تھک غائب ہو  
 چکی تھی۔ ٹیبل پر پڑی ہوئی اپنی دست دانی اٹھا کر وقت دیکھا۔ گھڑی تین بج کر دس منٹ بجا رہی تھی۔  
 اس نے قد سے بے یقینی سے ہونٹ سکڑاتے ہوئے گھڑی کو دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف اب  
 خاموشی تھی۔  
 "ہیلو!" سالار نے اسے مخاطب کیا۔

"سالار! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" سالار کے ہاتھ پر کچھ مل آئے۔ "میں نے ایک بار  
 تمہاری زندگی بچائی تھی، اب میں چاہتی ہوں تم میری زندگی بچاؤ۔" وہ کچھ نہ سمجھے، والے انداز میں اس کی  
 بات سن رہا تھا۔ "میں لاہور میں کسی سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں مگر کر نہیں پاتا ہوں۔"  
 "کیوں؟"

"وہاں سے کوئی فون نہیں آتا رہا۔"  
 "تم رات کے اس وقت۔"

اماں نے اس کی بات کا تہ دی۔ "ہائیز اس وقت صرف میری بات سنو، میں دن کے وقت فون  
 نہیں کر سکتی اور شاید کل رات کو بھی نہ کر سکوں۔ میرے گھر والے مجھے فون نہیں کرنے دیں گے، میں

چاہتی ہوں کہ تم ایک ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کر لو اور اس پر ایک آدمی سے کاغذات کرو اس کا نام جلال انصر ہے، تم اس سے صرف یہ پوچھ کر بتا دو کہ کیا اس نے اپنے بیڑش سے بات کیا ہے اور اگر کی ہے تو ان کا کیا ریسائٹس ہے، اسے یہ بھی بتا دو کہ میرے بیڑش نے یہاں میری شادی طے کر دی ہے اور وہ مجھے اب شادی کے بغیر لاہور آئے نہیں دیں گے۔

سالار کو اچانک اس سارے معاملے سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ کھل کو اپنے گھٹنوں سے اوپر تک کھینچے ہوئے وہ امامہ کی بات سنتا رہا۔ وہ ایک ایڈریس اور فون نمبر ویرا رہی تھی۔ سالار نے اس نمبر اور ایڈریس کو نوٹ نہیں کیا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس نے پوچھا۔

”اور اگر میرے فون کرنے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا تو؟“ جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے پوچھا۔

دوسری طرف لمبی خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔ ”تم لاہور جا کر اس آدمی سے مل سکتے ہو۔“

پلیز یہ میرے لئے بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔ اس بار امامہ کی آواز ملتی تھی۔

”اور اگر اس نے پوچھا کہ میں کون ہوں تو؟“

”تم جو چاہے اسے بتا دینا۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اس مصیبت سے بچنا چاہتی ہوں۔“

”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اس آدمی سے خود بات کرو؟“ سالار نے کچھ سوچے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی ہوں کہ شاید مجھے دوبارہ فون کا موقع نہ ملے اور فی الحال تو آدمی فون ریسو نہیں کر رہا۔“

سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور اس نے ماہی کے عالم میں مزید تھکے بغیر فون رکھ دیا۔

سالار موبائل بند کرنے کے بعد کچھ دیر اسے ہاتھ میں لے کر بیٹا رہا۔ جلال انصر۔۔۔۔۔ امامہ باشم۔۔۔۔۔ بیڑش سے بات۔۔۔۔۔ زبردستی کی شادی۔۔۔۔۔ اس نے وہاں ٹیپے ٹیپے اس جیسا پزل کے ٹکڑوں کو جوڑنا شروع کر دیا۔ اس نے امامہ سے جلال کے بارے میں پوچھا نہیں تھا مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس سے امامہ کا تعلق کس طرح کا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی راتیں ٹانگ جاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے یہ صورت حال خاصی دلچسپ محسوس ہو رہی تھی کہ امامہ بھی لڑکی اس طرح کے کسی انفیئر میں الجھ رہی ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ وہ اپنے لئے اس کی پینڈیگی سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بات بھی حیران کر رہی تھی کہ اس کے باوجود وہ اس سے مدد مانگ رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہیں خاتون۔۔۔۔۔؟ مجھے استعمال کرنے کی کوشش۔۔۔۔۔ یا پھنسانے کی کوشش۔۔۔۔۔؟“

اس نے دلچسپی سے سوچا۔

کھل اپنے سینے تک کھینچے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کھل طور پر دور تھی۔ وہ کھیلنے کی سالوں سے وہم اور اس کے سارے گھروالوں کو جانتا تھا۔ وہ امامہ کو بھی سرسری طور پر دیکھ چکا تھا۔

مگر ان طاقتوں میں اس نے امامہ پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے اپنے گھروالوں کے برعکس وہیم کا گھرانہ خاصا روایت پرست تھا اور وہ کبھی بھی اس طرح کیلے عام ان کے گھر نہیں جاتا تھا۔ جس طرح وہ اپنے دوسرے دوستوں کے گھروں میں جاتا تھا۔

مگر اس نے اس بات پر بھی کبھی زیادہ غور و خوض نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ ہر خاندان کا اپنا ماحول اور روایات ہوتی ہیں، اسی طرح وہیم کے خاندان کی بھی اپنی روایات تھیں۔ اسے امامہ کے موڈ اور فہرست کا تصور اندازہ تھا۔

مگر اس طرح اچانک امامہ کی کال وصول کر کے وہ اس حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پا رہا تھا جو اسے لگا تھا۔

جب وہ کافی دیر تک سونے میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ کچھ بھٹکا گیا۔

To hell with Inanna and all the rest (بھٹاؤ میں جائے امامہ اور یہ سارا انصر) وہ جڑ بایا اور کروٹ لے کر اس نے تکیہ اپنے چہرے کے اوپر رکھ لیا۔

☆.....☆

امامہ اپنے کمرے میں آکر بھی اسی طرح بیٹھی رہی، اسے اپنے پیٹ میں گرجیں پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ صرف چند گھنٹوں میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں سکی۔ صبح وہ ناشتہ کے لئے باہر آئی، اس کی بھوک یک دم جیسے غائب ہو گئی تھی۔

دس ساڑھے دس بجے کے قریب اس نے پورے میں کچھ گاڑیوں کے اشارت ہونے اور جانے کی آوازیں سنیں۔ وہ جانتی تھی اس وقت ہاشم مین فور اس کے بیسے بھائی آفس چلے جاتے تھے اور اسے ان کے آفس جانے کا انتظار تھا۔ ان کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئی۔ لاؤنج میں اس کی اہلی اور بھابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے فون کے پاس چلی گئی۔ اس نے فون کا ریسو ر اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنی اہلی کی آواز مل گئی۔

”تمہارے بابا کہہ کر گئے ہیں کہ تم کہیں فون نہیں کرو گی۔“ اس نے کروٹ موڑ کر اپنی اہلی کو دیکھا۔

”میں اسے کو فون کر رہی ہوں۔“

”کس لئے؟“

”میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“



"وہی فضول باتیں جو تم رات کو کر رہی تھیں۔" سہیلی نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے سامنے بات کر رہی ہوں، آپ مجھے بات کرنے دیں۔ اگر میں نے کوئی غلط بات کی تو آپ فون بند کر سکتی ہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا اور شاید یہ اس کا انداز ہی تھا جس نے سہیلی کو کچھ مطمئن کر دیا۔

امامہ نے نمبر ڈائل کیا مگر وہ اسجد کو فون نہیں کر رہی تھی۔ چند بار تیل بچنے کے بعد دوسری طرف فون اٹھا لیا گیا۔ فون اٹھانے والا حلال ہی تھا۔ خوشی کی ایک لہر امامہ کے اندر سے گزر گئی۔

"ہیلو، میں امامہ بول رہی ہوں۔" اس نے حلال کا نام لئے بغیر اٹھا کر سے کہا۔

"تم بتائے بغیر اسلام آباد کیوں چلی گئیں میں کل تم سے ملنے باطل گیا تھا۔" حلال نے کہا۔

"میں کل اسلام آباد آئی ہوں اسجد! امامہ نے کہا۔

"اسجد! دوسری طرف سے حلال کی آواز آئی۔" تم کس سے کہہ رہی ہو؟"

"مجھے بابائے رات ہی بتایا کہ میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔"

"امامہ!؟ حلال کو جیسے ایک کرنٹ لگا۔ "شادی کی تاریخ؟" امامہ اس کی بات سے بغیر کسی پرسکون انداز میں بولتی رہی۔ "میں جانتا چاہتی ہوں کہ تم نے اپنے پیرئش سے بات کی ہے؟"

"امامہ! میں ابھی بات نہیں کر سکا۔"

"تو پھر تم بات کرو، میں تمہارے علاوہ کس دوسرے سے شادی نہیں کر سکتی یہ تم جانتے ہو۔ مگر میں اس طرح کی شادی نہیں کروں گی۔ تم اپنے پیرئش سے بات کرو اور پھر مجھے بتاؤ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"امامہ! کیا تمہارے پاس کوئی ہے؟" حلال کے ذہن میں اچانک ایک جھمکا ہوا۔

"ہاں۔"

"اس لئے تم مجھے اسجد کہہ رہی ہو؟"

"ہاں!"

"میں اپنے پیرئش سے بات کرتا ہوں، تم مجھے دوبارہ دیکھ کب کرو گی؟"

"تم مجھے بتاؤ کہ میں تمہیں کب دیکھ کر دوں؟"

"اکل فون کرو، تمہاری شادی کی تاریخ کب طے کی گئی ہے؟" حلال کی آواز میں پریشانی تھی۔

"یہ مجھے نہیں پتا۔" امامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے امامہ! میں آج ہی اپنے پیرئش سے بات کرتا ہوں۔ اور تم پریشان مت ہونا۔"

سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے امامہ کو تسلی دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

امامہ نے شکر ادا کیا تھا کہ اس کی بھابھی یا پائی کو یہ شک نہیں ہو سکا کہ وہ اسجد سے نہیں کسی اور سے

بات کر رہی تھی۔

"یہ شادی تمہارے بابا اور اعظم بھائی نے فی کر طے کی ہے۔ تمہارے یا اسجد کے کہنے پر وہ اس فتویٰ نہیں کریں گے۔" سہیلی نے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"امی! میں مارکیٹ تک جا رہی ہوں، مجھے کچھ ضروری چیزیں ملنی ہیں۔" امامہ نے لہجہ کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"فون کی بات دوسری ہے مگر میں تمہیں گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہارے بابائے صرف مجھے بلکہ چوکیدار کو بھی ہدایت کر گئے ہیں کہ تمہیں باہر جانے نہ دے۔"

"امی! آپ لوگ میرے ساتھ آخر اس طرح کیوں کر رہے ہیں؟" امامہ نے کچھ بے بسی کے عالم میں صوفے پر بیٹھے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کو اپنی شادی سے تو منع نہیں کیا۔ میری بازو اس جانب تک انتظار کر لیں، اس کے بعد میری شادی کر دیں۔"

"میری کچھ سنا یہ بات نہیں آئی کہ تم شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو، تمہاری شادی جلد ہی ہو رہی ہے مگر تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہی۔" اس بار اس کی بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خود بخود کل رات سے پورا گھر فیشن کا شکار ہے اور میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہوں تم تو کبھی بھی اس طرح ضد نہیں کرتی تھیں پھر اب کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ جب سے تم لاہور آئی ہو بہت قریب ہو گئی ہو تم۔"

"اور وہاں سے چاہتے سے ویسے بھی کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے، تمہارے بابائے طے کیا ہے یہ سب کچھ۔"

"آپ انہیں سمجھا تو سکتی تھیں۔" امامہ نے سہیلی کی بات پر احتجاج کیا۔

"کس بات پر؟ سمجھاتی تو تب اگر مجھے کوئی بات قابل اعتراض لگتی اور مجھے کوئی بات قابل اعتراض نہیں لگتی۔" سہیلی نے بڑے آرام سے کہا۔ امامہ ہنسنے کے عالم میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆.....☆.....☆

سالار صبح خلاف معمول دیر سے اٹھا۔ گھڑی دیکھتے ہوئے اس نے کانٹا نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ سکندر اور خدیجہ کو راجی گئے ہوئے تھے اور وہ گھر پر اکیلا ہی تھا۔ ملازم جس وقت ناشتہ لے کر آیا وہ فی دی آن کے بیٹھا تھا۔

"ڈرائیو اسکو روک دو پھر پتا۔" اسے ملازم کو دیکھ کر کچھ یاد آیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ناصر داندرو داخل ہوئی۔

"صاحب بی! آپ نے بلایا ہے؟" اور چڑھ کر ملازم نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔  
 "ہاں، میں نے بلایا ہے۔ تم سے ایک کام کرنا ہے۔" سالار نے بی بی کا تخیل بدلتے ہوئے کہا۔  
 "ناصرہ! تمہاری بیٹی وہیم کے گھر کام کرتی ہے؟" سالار اب دیکھوئے رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔  
 "ہاں صاحب کے گھر؟" ناصرہ نے کہا۔

"ہاں، ان ہی کے گھر۔"  
 "ہاں جی کرتی ہے۔" اور کچھ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔  
 "کس وقت جاتی ہے وہ ان کے گھر؟"

"اس وقت ان کے گھر پر ہی ہے۔" کیا ہوا ہے۔ سالار صاحب؟" ناصرہ اب کچھ پریشان نظر آنے لگی۔

"کچھ نہیں..... میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کے پاس جاؤ۔ یہ موبائل اس سے دو اور اس سے کہو کہ یہ امام کو دے دے۔" سالار نے بڑے لاپرواہ انداز میں اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بلا حیا۔

"ناصرہ بکا بکا رو گئی۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھتی۔"  
 "یہ موبائل اپنی بیٹی کو دو اور اس سے کہو کسی کو بتائے بغیر یہ امام تک پہنچا دے۔"  
 "نہیں کیوں؟"

"یہ جانتا تھا کہ اسے ضروری نہیں ہے، تمہیں جو کہا ہے وہی کرو۔" سالار نے ناگوار کی کے عالم میں اسے جھڑکا۔

"لیکن اگر کسی کو وہاں چاہل گیا تو....." ناصرہ کی بات کو اس نے درشتی سے کاٹ دیا۔  
 "کسی کو چاہت ہے؟ تم اپنا منہ کھولو گی۔ اور تم اپنا منہ کھولو گی تو صرف تمہیں اور تمہاری بیٹی کو نقصان ہو گا اور کسی کو نہیں۔ لیکن اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو صرف کسی کو پتا نہیں چلے گا بلکہ تمہیں بھی خاصا فائدہ ہو گا۔"

"ناصرہ نے اس بار کچھ کہے بغیر خاموشی سے وہ موبائل پکڑ لیا۔" میں پھر کہہ رہا ہوں۔ کسی کو اس موبائل کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے۔" وہ اپنا والٹ نکال رہا تھا۔

"ناصرہ سر ہلاتے ہوئے جانے لگی۔" ایک منٹ ٹھہرو۔" سالار نے اسے روکا۔ وہ اب اپنے والٹ سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔

"یہ لے لو۔" اس نے انہیں ناصرہ کی طرف بلا دئے۔ ناصرہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نوٹ پکڑ لئے۔ وہ جن گھروں میں کام کرتی رہی تھی وہاں کے بچوں کے ایسے بہت سے رازوں سے واقف تھی، اسے بھی پیسے کمائے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے فوری انداز میں نگاہ ڈالی کہ امام اور سالار

کا چکر چل رہا تھا اور یہ موبائل وہ خود تھا جو اسے امام کو دینا تھا۔ مگر اسے حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس سب کا اسے پہلے پتا کیوں نہیں چلا۔ اور پھر امام۔ اس کی خوشامدنی ہو رہی تھی..... پھر وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔  
 "اور دیکھو ڈرا مجھے، میں امام بی بی کو کشا سیدھا کھینچتی رہی۔" ناصرہ کو اب اپنی بے خبری پر افسوس ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

"ابو! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" جلال رات کو اپنے والد کے کمرے میں چلا آیا۔  
 اس کے والد اس وقت اپنی ایک خانگی دیکھنے میں مصروف تھے۔

"پاس آؤ، کیا بات ہے۔" انہوں نے جلال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر وہ اس طرح خاموش بیٹھا رہا، اس کے والد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ "کیا بات ہے جلال؟" انہیں یک دم تشویش ہوئے گئے۔

"ابو! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" جلال نے کسی تہیہ کے بغیر کہا۔  
 "کیا؟" ناصرہ جاوید کو اس کے منہ سے اس خبر کی توقع نہیں تھی۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"  
 "میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ فیصلہ تم نے یک دم کیسے کر لیا، کل تک تو تم باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اب آج تم شادی کا ذکر لے بیٹھے ہو۔" ناصرہ جاوید مسکرا رہے۔

"بس..... معاملہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔"  
 ناصرہ جاوید سمجیدہ ہو گئے۔

"آپ نے نہ صاحب کی دوست امام کو دیکھا ہے۔" اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔  
 "ہاں! تم اس میں اصرار ملو۔" ناصرہ جاوید نے فوراً اندازہ لگایا۔

جلال نے اذیت میں سر ہلادیا۔ "مگر وہ لوگ تو بہت امیر ہیں..... اس کا باب بڑا صنعت کار ہے اور وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔" ناصرہ جاوید کا لہجہ بدل چکا تھا۔

"ابو! وہ اسلام قبول کر چکی ہے، اس کی فیملی قادیانی ہے۔" جلال نے وضاحت کی۔  
 "اس کے گھر والوں کو پتا ہے؟"

"نہیں۔"

"تمہارا خیال ہے وہ یہ پروپوزل قبول کر لیں گے؟" ناصرہ جاوید نے چیختے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔  
 "ابو! اس کی فیملی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی اجازت کے بغیر ہم شادی کرنا



چاہتے ہیں۔"

"تہارادماناٹھک ہے؟" اس بار اصرار جوی نے بلند آواز میں کہا۔ "میں تمہیں کسی حالت میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

جلال کا چہرہ ڈر گیا۔ "ابو! میری اس کے ساتھ مکثت ہے۔" اس نے دم آواز میں کہا۔

"مجھ سے پوچھ کر مکثت نہیں کی تھی تم نے۔ اور اس عمر میں بہت ساری کمکثتس ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا کہ بندہ اپنی زندگی خراب کر لے۔" مجھے اس کے خاندان کے اثر و رسوخ کا پتا ہے۔ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہم سب برباد ہو جائیں گے۔"

"ابو! میں خفیہ طور پر شادی کر لیتا ہوں۔ کسی کو بتائیں گے نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"اور اگر بچہ چل گیا تو۔ میں ویسے بھی تمہاری تعلیم کے عملی ہونے تک تمہاری شادی کرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔"

ابو! پلیز۔ میں اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا۔ "جلال نے دم آواز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔۔۔ ایسا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنے والدین سے اس مسئلے میں بات کرے۔ اگر اس کے والدین مان جاتے ہیں تو میں تم دونوں کی شادی کروں گا۔" انہوں نے تھوڑے گھر چلے گئے۔ مگر میں تمہاری شادی کسی ایسی لڑکی سے قطعی نہیں کروں گا جو اپنے گھروالوں کی مرضی کے خلاف تم سے شادی کرنا چاہے۔"

"ابو! آپ اس کا مسئلہ سمجھیں، دودری لڑکی نہیں ہے۔۔۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بس وہ کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے جس پر اس کے گھروالے راضی نہیں ہوں گے۔" جلال نے دانستہ طور پر اسجد اور اس کی منگنی کا ذکر گول کر دیا۔

"مجھے کسی دوسرے کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تمہیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ اہلہ کا مسئلہ ہے وہ وہ جانے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔" اصرار جوی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"ابو! پلیز۔۔۔ میری بات سمجھیں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے۔"

"بہت سے لوگوں کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے تم کسی کس کی مدد کرو گے۔۔۔ اور ویسے بھی ہمارے اور ان کے اٹلٹس میں اتنا فرق ہے کہ ان سے کوئی دشمنی یا مخالفت مول لینا ہمارے بس کی بات نہیں، مجھے تم اور پھر میں ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر کے اپنے خاندان والوں کا سامنا کیسے کروں گا۔"

"ابو! وہ مسلمان ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے۔" جلال نے جھنجھلا کر کہا۔

"چار عا کا تو میں وہ تم سے اتنی متاثر ہو گئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔"

"ابو! اس نے مجھے ملے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

"تم نے اسلام قبول کر کے دیکھا تھا اسے؟"

"میں اس سے مذہب کے بارے میں تعلیمات بات کر چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔"

"بالفرض وہ ایسا کر بھی چکی ہے۔۔۔ تو پھر اسے اپنے مسائل سے خواہ مخواہ چاہئے۔ تمہیں سچ میں نہیں گھیننا چاہئے۔ اپنے والدین سے دو ٹوک بات کر سنا، انہیں بتائے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ پھر میں اور تمہاری امی دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دیکھو جلال! اگر اس کا خاندان اپنی مرضی اور خوشی سے اس کی شادی تمہارے ساتھ کرنے پر تیار ہو جائے تو میں اسے ہوشی قبول کر لوں گا۔ مگر کسی بے نام و نشان لڑکی سے میں تمہاری شادی نہیں کروں گا۔ مجھے اس کا اثر و رسوخ پتا ہے۔ لوگوں کو مدد کھانا ہے۔۔۔ بچہ کے خاندان کے بارے میں کیا کہوں گا میں کسی سے۔۔۔ یہ کہ وہ گھر چھوڑ کر آئی ہے اور اس نے اپنی مرضی سے میرے بیٹے سے شادی کر لی ہے۔"

"ابو! یہ دانا دانا فریضہ ہے کہ ہم اس کی مدد کریں اور۔۔۔ اصرار جوی نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"مذہب کو کچھ میں مت لے کر آؤ، ہر چیز میں مذہب کی شرکت ضروری نہیں ہوتی۔ صرف تم ہی یہ مذہبی فریضہ ادا کرنے والے رہ گئے ہو۔ باقی سارے مسلمان مر گئے ہیں۔"

"ابو! اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے، میں اس لئے کہہ رہا ہوں۔"

"جینا! یہاں بات مدد کی بات مذہب کی نہیں ہے، یہاں صرف ذہنی خفا کی کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت اچھی بات ہے کہ تم میں مدد کا جذبہ ہے اور تمہیں اپنے مذہبی فرائض کا احساس ہے مگر انسان پر کچھ حق اس کے والدین کا بھی ہوتا ہے اور یہ حق بھی مذہب نے ہی فرض کیا ہے اور اس حق کے تحت میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے خاندان کی مرضی کے بغیر اس سے شادی نہ کرو۔ فرض کرو تم اس سے شادی کر بھی لیتے ہو۔ تو کیا ہو گا۔ تم تو چند ماہ میں امریکہ ہو گے۔ اور وہ یہاں گھر بچھی ہوگی۔ میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ میں تم چاروں کی تعلیم پر بھی خرچ کروں اور اس کی تعلیم پر بھی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم پر میرا کتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہے۔۔۔ تو وہ کتنے تو نہیں جانتی۔ یہاں گھر میں کتنے سال تم اسے بٹھا سکتے ہو۔۔۔ اور اگر اس کے خاندان نے تم پر یا ہم پر کس کر دیا تو اس صورت میں تم بھی باندہ ہو کر رہ جاؤ گے اور میں بھی۔۔۔ تم کو اپنی بہن کا احساس ہونا چاہئے، تم یہ چاہتے ہو کہ اس عمر میں میں ذلیل چاہا جاؤں۔ اور شاید تم بھی۔۔۔"

جلال کچھ بولی نہیں سکا۔

"ان چیزوں کے بارے میں اتنا جذباتی ہو کر نہیں سوچنا چاہئے۔ میں نے تمہیں راست بتا دیا ہے۔ اس سے کیوں اپنے والدین سے بات کر کے انہیں رضامند کرے۔۔۔ ہو سکتا ہے دورِ شامد ہو جائیگا مگر مجھے کیا اعتراض ہو گا تم دونوں کی شادی پر لیکن اگر وہ یہ نہیں کرتی تو پھر اس سے کہو کہ وہ کسی اور سے شادی کر لے اور تم ٹھٹھکے دل سے سوچو۔ تمہیں خود چاہل جائے گا کہ تمہارا فیصلہ کتنا نقصان دہ ہے۔" انصر جاوید نے آخری کیسی ٹھونکی۔

☆ ☆ ☆

"بائی! میں آپ کا کمرہ صاف کر دوں؟" ملازمہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے امام سے پوچھا۔

"نہیں، تم جاؤ۔" امام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لئے کہا۔ ملازمہ باہر جانے کے بجائے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آگئی۔

"میں نے تم سے کہا ہے تاکہ تم۔۔۔" امام نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی بات حلق میں ہی روک لی۔ ملازمہ نے اپنی چادر کے اندر سے ایک موبائل نکالا تھا۔ امام حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ "بائی! یہ میری ماں نے دیا ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ ساتھ والے سالار صاحب نے آپ کے لئے دیا ہے۔" اس نے امام کی طرف جھانک کر کہا۔ امام نے موبائل پر دیکھا۔ امام نے تیزی سے موبائل کو بچھت لیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"دیکھو، تم کسی کو بتانا مت کہ تم نے مجھے کوئی موبائل لا کر دیا ہے۔" امام نے اسے تاکید کی۔ "نہیں بائی! آپ بے فکر رہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔ اگر آپ کو بھی کوئی چیز سالار صاحب کے لئے دینی ہو تو مجھے دے دیں۔"

"نہیں، مجھے کچھ نہیں دینا، تم جاؤ۔" اس نے اپنے حواس پر قابو پانے ہوئے کہا۔ ملازمہ کے کمرے سے نکلنے ہی اس نے کمرے کو لاک کر لیا۔ کاپیتا ہاتھوں اور دل کی بے گناہ ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دروازے پر موبائل نکالا اور اس پر جلال کا نمبر ڈال کر ناشروٹ کیا۔ وہ اسے تفصیل سے ساری بات بتاتا چلا آئی تھی۔ فون جلال کی آئی نے اٹھایا۔

"جینا! جلال تو باہر گیا ہوا ہے، وہ تو رات کو ہی آئے گا۔ تم زینب سے بات کر لو۔ اسے بلا دوں؟"

جلال کی امی نے کہا۔ "نہیں آنٹی! مجھے کچھ جلدی ہے، میں زینب سے پھر بات کر لوں گی۔ بس میں نے ان سے چند سناہوں کا کہا تھا، مجھے ان ہی کے بارے میں پوچھنا تھا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گی۔" امام نے فون بند

کرتے ہوئے کہا۔

امام نے اس دن دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ صرف رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ جلال گھر آجائے اور وہ اسی سے دوبارہ بات کر سکے۔ شام کے وقت ملازمہ نے اسے مسجد کے فون کی اطلاع دی۔

وہ جس وقت پہنچے آئی اس وقت لاؤنج میں صرف دو سیم بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے فون کی طرف مٹی گئی۔ فون کارسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف مسجد کی آواز سنائی دی تھی۔ بے اختیار امام کا خون کھلنے لگا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس شادی کو طے کرنے میں اسے زیادہ خود ہاشم حسین کا ہاتھ تھا۔ امام کو اس پر غم آ رہا تھا۔

وہ اس کا حال احوال دریافت کر رہا تھا۔

"اسجد اتم نے اس طرح میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا ہے؟"

"کیا دھوکا امام؟"

"شادی کی تاریخ طے کرنا۔ تم نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔" وہ کھولتے ہوئے ہوئی۔

"کیا انگل نے تم سے بات نہیں کی۔"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"بہر حال اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ شادی اب ہو یا کچھ سالوں کے بعد۔" اسجد نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"اسجد! تمہیں فرق پڑتا ہو یا نہیں، مجھے پڑتا ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے تک شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ اور یہ بات تم ابھی طرح جانتے تھے۔"

"ہاں وہیں جاتا ہوں مگر اس سارے معاملے میں، میں تو کہیں بھی الزام نہیں دوں۔ تمہیں بتا رہا ہوں، انگریز انگل کے اصرار پر ہو رہی ہے۔"

"تم اسے روکو دو۔"

"تم کہیں باتیں کر رہی ہو امام! میں اسے کیسے روک دوں۔" اسجد نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"اسجد! پلیز!"

"امام! میں ایسا نہیں کر سکتا، تم میری پوزیشن سمجھو۔ اب تو ویسے بھی کارڈ چھپ چکے ہیں، دونوں طرف سے تیار ہیں ہو رہی ہیں اور۔۔۔"

امام نے اس کی بات سے بغیر رسیور کو ڈال دیا۔ وہ سیم نے اس پر ریگھٹکوں کوئی مداخلت نہیں کی



تھی۔ وہ خاموشی سے امجد کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو سنتا رہا تھا جب امام نے فون بند کر دیا تو اس نے اس سے کہا۔

”تم خراخواہ ایک فضول بات پر اکتانگامہ کھڑا کر رہی ہو۔ کل بھی تمہیں شادی امجد کے ساتھ ہی کرنی ہے پھر اس طرح کر کے تم خود اپنے لئے مسابغہ پیدا کر رہی ہو۔ باپام سے بہت ناراض ہیں۔“

”میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی، تم اپنے کام سے کام نہ لکو۔ جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو وہ کافی ہے۔“

امام اس پر غورانی اور پھر ایسی اپنے کمرے میں آگئی۔

☆.....☆

دو رات کو بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی مگر ملازم کے کھانا لانے پر اس نے کھانا کھالیا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب اس نے جلال کو فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔ شاید وہ امام کے فون کی توقع کر رہا تھا۔ حضور ہی تمہید کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آگیا۔

”امام! میں نے اب سے کچھ دیر پہلے بات کی ہے۔“ اس نے امام سے کہا۔

”پھر؟“ وہ اس کے استفسار پر چند لمحوں خاموشی رہا پھر اس نے کہا۔

”ابو اس شادی پر وضاحت نہیں ہیں۔“

امام کا دل ڈھب گیا۔ ”مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“

”ہاں، میرا بھی خیال تھا کہ انہیں بہت ساری باتوں پر اعتراض ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمہارے اور تمہارے گھرانے کے انہیں میں بہت فرق ہے۔ اور وہ تمہارے خاندان کے بارے میں بھی جانتے ہیں اور انہیں سب سے بڑا اعتراض اس بات پر ہے کہ تم اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ انہیں یہ خوف ہے کہ اس صورت میں تمہارے گھر والے ہمیں تنگ کریں گے۔“

وہ سانس پھٹی ہوئی ہانک کا ن سے لگائے اس کی آواز سنتی رہی۔ ”آپ نے انہیں وضاحت کرنے کی کوشش نہیں کی۔“ ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

”میں نے بہت کوشش کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تمہارے گھر والے اس شادی پر تیار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بھی رضی ہو جائیں گے۔ اس بات کی پروا ان کے بغیر کہ تمہارا خاندان کیا ہے لیکن تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر وہ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم نہیں کریں گے۔“ جلال نے اس سے کہا۔

”اور آپ۔ آپ کیا کہتے ہیں؟“

”امام! میری کچھ باتیں نہیں آ رہی۔“ جلال نے کچھ بے بسی کے عالم میں کہا۔

”جلال! میرے جوش میں بھی آپ سے میری شادی پر تیار نہیں ہوں گے، یہ دوسرے دیگر تاری پور کی کمیوں میں ان کا بائیکاٹ کر دے گی اور وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے اور پھر آپ امجد سے میری گفتگو کو کیوں بھول رہے ہیں۔“

”امام! تم پھر بھی اپنے والدین سے بات تو کرو، ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔“

”میں کل باپا سے تمہیں کھانگی ہوں۔ صرف یہ بتا کر کہ میں کسی دوسرے میں اعتراض ہوں۔“ امام کی آواز بھڑانے لگی۔ ”اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں جسے پسند کرتی ہوں وہ ان کے مذہب کا نہیں ہے تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ پلیز آپ انکل سے بات کریں۔ آپ انہیں میرا پرالم بتائیں۔“ اس نے مصلیانہ لہجے میں کہا۔

”میں اب سے کل وہ بارہ بات کروں گا اور امی سے بھی۔ پھر میں تمہیں جلاؤں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔“ جلال پریشان تھا۔

امام نے جس وقت اس سے بات کرنے کے بعد فون بند کیا وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ اس کے دہم دھمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ جلال کے والدین کو اس شادی پر اعتراض ہو گا۔

”ہاں! کچھ میں نے وہ بہت دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہی۔“

☆.....☆

”تمہارے ابو مجھ سے پہلے ہی اس مسئلے میں بات کر چکے ہیں اور خود کہہ رہے ہیں وہ باطل نہیں ہے۔ تم کو اس طرح کے خطرہ میں کوہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ جلال کی امی نے قلعی لہجے میں اس سے کہا۔ وہ امام کے کہنے پر ان سے بات کر رہا تھا۔

”مگر امی! اس میں خطرے والی کیا بات ہے۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آپ خراخواہ غول زود ہو رہی ہیں۔“ جلال نے کچھ احتجاجی انداز میں کہا۔

”تم حماقت کی حد تک بےوقوف ہو۔“ اس کی امی نے اس کی بات پر اسے بھڑکایا۔ ”امام کے خاندان اور اس کے والد کو تمہارے ابو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ شادی ہونے کی صورت میں وہ تمہارا چچا چھوڑ دیں گے یا انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

”امی! ہم اس شادی کو خفیہ رکھیں گے، کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں اس کو خفیہ کرنے کے لئے باہر ہانسنے کے کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی وہاں لے جاؤں گا۔ سب کچھ خفیہ ہی رہے گا کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔“

”ہم آخر امام کے لئے کیوں اتنا بڑا خطرہ مول لیں اور انہیں ویسے بھی یہ پتا ہو چاہئے کہ تمہارے یہاں اپنی تعلیم میں آتی شادی ہوتی ہے۔ ہمیں امام یا کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔“ امی نے موضوع

دہانے دے کر کہا۔

"مجھے اگر یہ اندازہ ہوتا کہ تم اس طرح اس لڑکی میں دلچسپی لینا شروع کر دو گے تو میں اس سے پہلے ہی تمہاری کہیں نسبت لے کر دیتا۔" اس کی اماں نے قدرے ناراضی سے کہا۔  
 "ای ایس امام کو پسند کرنا ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس بارے میں، میں اور تمہارا ابو کیا سوچتے ہیں۔ اور ہم دونوں کو یہ تو وہ پسند ہے اور نہ ہی اس کا خاندان۔" اماں نے روناؤک انداز میں کہا۔

"ای اوہ بہت اچھی لڑکی ہے، آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں، وہ یہاں آتی رہی ہے اور تب تو آپ اس کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھیں۔" جلال نے انہیں یاد دلایا۔

"تعریف کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اسے اپنی بیوی بنالوں۔" وہ غلطی سے بولیں۔  
 "انی! کم از کم آپ تو ابو بھی باتیں نہ کریں۔ تھوڑا سا ہمدردی سے سمجھیں۔" اس بار جلال نے لپا جت آمیز انداز میں کہا۔

"جلال! تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ تمہاری اس ضد اور فیصلے سے ہمارے پورے خاندان پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ ہمارا بھی خواب ہے کہ ہم تمہاری شادی کسی اچھے اور اونچے خاندان میں کریں۔ تمہارے ابو اگر تمہیں اس شادی کی اجازت دے دے بھی دیں تو بھی میں کبھی نہیں دوس کی۔ نہ ہی میں امام کو اپنی بیوی کے طور پر قبول کروں گی۔"

"انی! آپ اس کی صورت حال کو سمجھیں، وہ کتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے۔ اس وقت اسے عد کی ضرورت ہے۔"

"اگر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے تو پھر اسے کم از کم دوسرے کے لئے کوئی پریشانی کٹری نہیں کرنی چاہئے۔ میں اسے برا نہیں کہہ رہی۔ وہ بہت اچھا فیصلہ کر رہی ہے مگر ہم لوگوں کی اپنی کچھ جھجھکیاں ہیں۔ تم کچھ مسئلے سے کام لو۔ تمہیں اسوجھو نیشن کے لئے باہر جانا ہے۔ اپنا بائیسٹل طائر ہے۔" اس کی اماں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! اچھے خاندان میں شادی ہو تو انسان کو آگے بڑھنے کے لئے بہت سے مواقع ملتے ہیں اور تمہارے لئے تو پہلے ہی بہت سے خاندانوں کی طرف سے پیغام آ رہے ہیں۔ جب اسوجھو نیشن کو لو گے تو کتنے اونچے خاندان میں تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ خود سوچو، صرف امام سے شادی کر کے تمہیں کیا ملے گا..... خاندان اس کا بایکٹ کر چکا ہو گا۔"

معاشرے میں جو بدنامی ہوئی، وہ الگ۔ اور تم سے شادی ہو بھی جائے تو کل کو تمہارے بچے تمہارے اور امام کے بارے میں کہا سوچیں گے..... یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں ہے ساری عمر کی بات ہے۔" اکی اسے سمجیدہ لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔ جلال کسی اعتراض یا احتجاج کے بغیر خاموشی سے ان کی باتیں

میں رہا تھا۔

اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کاکل ہو اسے یا نہیں۔

.....

امام نے اگلی رات جلال کو بھر فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔

"امام! میں نے اکی سے کبھی بات کی ہے۔ وہ اب سے زیادہ ناراض ہوئی ہیں میری بات پر۔"

امام کواکلی کو بکا مکمل ڈوب گیا۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے ایک فضول معاملے میں خود کو انوالو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

جلال نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "میں نے انہیں تمہارے براہم کے بارے میں بھی بتایا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ یہ تمہارا براہم ہے، ہمارا نہیں۔"

امام کو اس کے لفظوں سے شدید تکلیف ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ رشتہ مند نہیں ہیں اور میری دوس کی۔" جلال کی آواز بھی ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جلال! اس نے ذوقے دل کے ساتھ کسی مذہبی آدمی پر کہا۔

"میں جانتا ہوں امام اگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے والدین اس پر پل زل پر رشتہ مند نہیں ہیں۔"

"کیا تم ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں! یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ میں انہیں ناراض کر کے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"پلیز جلال! وہ گواہی کی۔" تمہارے علاوہ میرے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

"میں اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کر سکتا، تم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔"

"میں آپ کو نافرمانی کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں تو آپ سے اپنا زندگی کی بیک بک رہی ہوں۔"

اس کے اصحاب بچا رہے تھے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنے احتجاج اور مددت بھرے انداز میں بات کی ہو۔

"آپ مجھ سے صرف نکاح کر لیں، اپنے والدین کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ بے شک آپ بعد میں ان کی مرضی سے بھی شادی کر لیں، میں اعتراض نہیں کروں گی۔"

"تم اب پچھو چھپی باتیں کر رہی ہو۔ خود سوچو کہ اگر ایسے کسی نکاح کے بارے میں ابھی میرے والدین کو پتا چل جاتا ہے تو وہ کیا کریں گے۔ وہ تو مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ اور پھر تم اور میں کیا





ہوں میں جانتی ہوں آپ کے اس مذہب کی وجہ سے تارے خاندان پر بڑی برکات نازل کی گئی ہیں۔"

وہ بڑے مستحکم اور ہوا راندہ لڑکی تھیں۔ "تم..... تم..... تم..... بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔ تم....." ہاشم مبین غصے کے عالم میں انگلی اٹھا کر بولے گئے۔ امام کو ان پر ترس آئے لگا اُسے دوزخ میں کھڑے ہو کر دوزخ سے لڑانے والے شخص پر ترس آیا اسے آنکھوں پر پٹا باندھ کر پھرنے والے شخص پر ترس آیا اسے ہر شدہ دل والے آدمی پر ترس آیا اسے فلس زدہ آدمی پر ترس آیا اسے کمر اسی کی سب سے اوپر والی میز می پر کھڑے آدمی پر ترس آیا۔

"تم گمراہی کے رستے پر چل پڑی ہو..... چند کتابیں پڑھ کر تم....." امام نے ان کی بات کاٹ دی۔ "آپ اس بارے میں مجھ سے بحث نہیں کر سکیں گے، میں سب کچھ جانتی ہوں، حقیقت کر بھلی ہوں، تصدیق کر بھلی ہوں۔ آپ مجھے کیا بتائیں گے، کیا سمجھائیں گے۔ آپ نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا ہے میں نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا۔ آپ وہ کر رہے ہیں جو آپ صحیح سمجھتے ہیں میں وہ کر رہی ہوں جو میں صحیح سمجھتی ہوں۔" آپ کا عقیدہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میرا عقیدہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ کیا اب یہ بھڑ نہیں ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کو قبول کر لیں، جذباتی حماقت کے بجائے بہت سوچ سمجھ کر اذیتا جانے والا قدم سمجھ کر۔"

اس نے بڑی رومانیت اور شہید کی کے ساتھ کہا۔ ہاشم مبین کی ناراضی میں اور اضافہ ہوا۔ "میں..... میں اپنی بیٹی کو مذہب بدلنے والی بنا کر رہی کیونکہ میرا بیٹا نکات کر دے..... میں فٹ پاؤں پر آ جاؤں..... نہیں امام! یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا اگر دامغ بھی خراب ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا دامغ بھی خراب ہو جائے۔ کوئی بھی مذہب اختیار کرو مگر تمہاری شادی میں اسجد سے ہی کروں گا کہ تمہیں اسی کے گھر جانا ہو گا۔ اس کے گھر چلی جاؤ اور پھر وہاں جا کر ملے کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں غفل آجائے۔"

وہ غصے کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔ "مجھے چاہتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے ہمیں اتنی دولت کا سامنا کرنا پڑے گا تو میں یہاں بیٹا ہوتے ہی تمہارا گھر واپس آتی۔" ہاشم مبین کے چاہتے ہی سسلی نے کھڑے ہوتے ہوئے دانت چس کر کہا۔ "تم نے تمہاری عزت خاک میں ملانے کا نہیں کر لیا ہے۔"

امام کچھ کہنے کے جائے خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بولتی رہیں پھر کمرے سے چلی گئیں۔

انہیں اس کے کمرے سے گئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا جب دروازے پر دستک دے کر اسجد اندر

داخل ہوا۔ امام کو اس کے اس وقت وہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ اسجد کے چہرے پر ہریشانی بہت نمایاں تھی۔ لہذا اسے ہاشم مبین نے بولا تھا اور وہ اسے سب کچھ بتا چکے تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے امام؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ اپنے بیٹے پر غصی اسے دیکھتی رہی۔ "تم کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ۔"

"اسجد! تمہیں اگر یہ بتا دیا گیا ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں تو پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہو گا کہ میں کیوں کر رہی ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔" وہ گری سمجھ کر بیٹھ گیا۔ "مجھے اندازہ ہے۔"

"اس عمر میں جذبات میں اگر انسان بہت سے غلط فیصلے کر لیتا ہے۔"

امام نے تڑپ سے اس کی بات کاٹ دی۔ "جذبات میں آکر.....؟ کوئی جذبات میں آکر مذہب تبدیل کرتا ہے؟ کبھی نہیں..... میں چار سال سے اسلام کے بارے میں پڑھ رہی ہوں، چار سال کم نہیں ہوتے۔"

"تم لوگوں کی باتوں میں آگئی ہو۔ تم....."

"نہیں، میں کسی کی باتوں میں نہیں آئی۔ میں نے جس چیز کو غلط سمجھا اسے چھوڑ دیا اور نہیں۔"

وہ کچھ دیر بے چارگی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹکے ہوئے اس نے کہا۔

"فطرت ہے ان سب باتوں کو چھوڑ دو، شادی پر کیوں اعتراض ہے تمہیں..... تمہارے عقائد میں جو تبدیلی آئی ہے وہ ایک طرف۔ کم از کم شادی تو ہونے دو۔"

"میری اور تمہاری شادی جائز نہیں۔"

وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا میں غیر مسلم ہوں؟"

"ہاں، تم ہو۔"

"انگل فٹیک کہہ رہے تھے کسی نے واقعی تمہارا برہنہ واہل کر دیا ہے۔" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تم ایک ایسی لڑکی سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔ بھتر ہے تم کسی اور سے شادی کرو۔" اس نے ترکی بد ترکی کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی زندگی برباد کر لو۔" وہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"زندگی برباد..... کون سی زندگی..... یہ زندگی جو میں تم جیسے لوگوں کے ساتھ گزار رہی ہوں۔"

جنہوں نے پیسے کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا....."



"Believe yourself" تم بات کرنے کے تمام سبب بھول گئی ہو۔ کس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے اور کیا نہیں، تم نے سرے سے ہی فراموش کر دیا ہے۔ "اسجد است ڈانٹنے لگا۔

"میں ایسے کسی شخص کا احترام نہیں کر سکتی جو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو۔" امام نے دو لوگ اندر میں کہا۔

"جس عمر میں تم ہو..... اس عمر میں ہر کوئی اسی طرح کفیوز ہو جاتا ہے جس طرح تم کفیوز ہو رہی ہو۔ جب تم اس عمر سے لگھو گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ ہم لوگ سچے یا غلط۔ اسجد نے ایک بار پھر اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"اگر تم لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ میں غلط ہوں، جب بھی تم لوگ مجھے پھوڑکیوں نہیں دیتے۔ اس طرح مجھے گھر میں قید کر کے کیوں رکھا ہوا ہے اگر تم لوگوں کو اپنے بندہ کی صداقت پر اتنا یقین ہے تو مجھے اس گھر سے چلے جانے دو۔ حقیقت کو جانچتے دو....."

"اگر کوئی اپنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے پر عمل جائے تو اسے دیکھا نہیں چھوڑا جاسکتا اور وہ بھی ایک لڑکی کو۔۔۔ امام! تم اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھو، اپنی چٹلی کا خیال کرو، تمہاری وجہ سے سب کچھ داؤ پر لگ گیا ہے۔"

"میری وجہ سے کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا..... کچھ بھی نہیں..... اور اگر کچھ داؤ پر لگا بھی ہے تو میں اس کی پروا کیوں کروں۔ میں تم لوگوں کے لئے روزیہ میں کیوں جاؤں، صرف خاندان کے نام کی خاطر اپنا ایمان کیوں گمواؤں۔ نہیں اسجد! میں تم لوگوں کے ساتھ گمراہی کے اس راستے پر نہیں چلی سکتی۔ مجھے وہ کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"مجھ سے اگر تم نے زبردستی شادی کر لی تو بھی تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں تمہاری پیہی نہیں دوں گی، میں تم سے وفا نہیں کروں گی۔ مجھے جب بھی موقع ملے گا میں بھاگ جاؤں گی۔ تم آخر کتنے سال مجھے اس طرح قید کر کے رکھ سکو گے، کتنے سال مجھ پر پیرے بھاءو گے۔ مجھے صرف چند لمحوں چاہئے ہوں گے تمہارے گھر، تمہاری قید سے بھاگ جانے کے لئے..... اور میں..... میں تمہارے بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم ساری عمر انہیں دو بارہ دو کچھ نہیں سکو گے۔"

اواسے مستقل کاغذ دکھا کر خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتی تو میں بھی امام ہاشم بھی لڑکی سے شادی نہ کروں۔ یہ سراسر خدشہ ہے کا سودا ہو گا۔ منافقت اور بے وفائی کی انتہا ہو گی..... تم اب بھی سوچو۔۔۔ اب بھی چپکے ہٹ جاؤ..... تمہارے سامنے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے۔ تم کسی بھی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے پر سکون زندگی گزار سکتے ہو..... کسی پریشانی..... کسی بے سکونی کے بغیر گھر میرے ساتھ نہیں۔ میں تمہارے لئے بدترین بیوی ثابت ہوں گی، تم اس سارے معاملے سے الگ ہو جاؤ، شادی سے انکار کرو،"

اکھل اعظم سے کہہ دو کہ تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتے یا کچھ غرض کے لئے گھر سے غائب ہو جاؤ۔ جب تمام معاملہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔"

"تم مجھے اس طرح کے اوقات مشورے مت دو، میں کسی بھی قیمت پر تم سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی قیمت پر۔۔۔ میں انکار کروں گا، اس معاملے سے الگ ہوں گا، یہی گھر سے نہیں جاؤں گا۔ میں تم سے ہی شادی کروں گا امام! اب یہ ہمارے خاندان کی عزت اور ساکھ کا معاملہ ہے۔ یہ شادی نہ ہونے اور تمہارے گھر سے چلے جانے سے ہمارے پورے خاندان کو جتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اس کا تمہیں بالکل اندازہ نہیں دارن تم مجھے بھی یہ "مشورہ دیتیں۔ جہاں تک بری بیوی ثابت ہوئے یا گھر سے بھاگ جانے کا تعلق ہے۔ تو یہ سب بعد کا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، تم اس طرح کے شہر امت کی ہلک نہیں ہو کہ دوسروں کو بے جا پریشان کرتی رہو..... اور وہ بھی مجھے، جس سے تمہیں محبت ہے۔" اسجد بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہے، مجھے کبھی بھی تم سے محبت نہیں رہی..... کبھی بھی..... میں ذہنی طور پر تمہارے ساتھ اپنے تعلق اور رشتے کو اس وقت سے ذہن سے نکال چکی ہوں جب میں نے اپنا بندہ چھوڑا تھا۔ تم میری زندگی میں اب کہیں نہیں جا سکتیں، کبھی بھی نہیں..... مگر میں اپنے گھر والوں کے لئے مسائل کھڑے کر سکتی ہوں تو کلی تمہارے لئے کتنے مسائل کھڑے کروں گی تمہیں اس کا احساس ہونا چاہئے اور اس غلط فہمی سے باہر نکل آنا چاہئے۔ ہم دونوں کبھی بھی ایسے نہیں ہو سکتے۔ میں تم لوگوں کے خاندان کا حصہ نہیں بن سکتی۔"

نہیں اسجد! تمہارے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ کہ میں تمہیں دیکھ کر تک نہیں سکتی اور میں اس فاصلے کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی۔ میں کبھی بھی تم سے شادی کے لئے چار نہیں ہوں گی۔" اسجد ہلکی ہوئی دھمکت کے ساتھ اس کا پیرو دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اب تک میں اس کے علاوہ اور کیا کر رہا ہوں۔" امام نے پوچھا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اس نے کہا۔ "کیا تم لاہور جا کر جہاں سے مل سکتے ہو؟"

امام نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"کس لئے؟" اسے امام کی آواز بہت بڑی لگ رہی تھی۔ یوں جیسے اسے لگتا تھا پھر چانک اس کو خیال آیا کہ وہ بیچارہ دہلی رہی ہو گی۔ یہ اسی کا اثر تھا۔

"تم میری طرف سے اس سے دیکو پست کرو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔ بیچ کے لئے نہیں

تو کچھ دھوکے لئے ہی..... میں اس گھر سے نکلنا چاہتی ہوں اور میں کسی کی مدد کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتی۔ بس وہ مجھ سے نکاح کر لے۔"

"تمہارا تو فون پر اس سے رابطہ ہے پھر تم یہ سب خود اس سے فون پر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔"

سالار نے چہرے پر بڑے اطمینان سے اسے مشورہ دیا۔

"میں کہہ چکی ہوں۔" اسے امامہ کی آواز پہلے سے زیادہ بھڑائی ہوئی تھی۔

"پھر؟"

"اس نے انکار کر دیا ہے۔"

"اگر یہ سیدہ۔" سالار نے افسوس کا اظہار کیا۔

"تو یہ دن سائیڈ لوالو میئر تھا۔" اس نے کچھ تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس نے انکار کیوں کر دیا؟"

"تم یہ جان کر کیا کرو گے۔" وہ کچھ چڑ کر بولی۔ سالار نے ایک اور چہرے اپنے منہ میں ڈالا۔

"میرے وہاں جا کر اس سے بات کرنے سے کیا ہو گا، بہتر ہے تم ہی وہاں جا کر اس سے بات کر لو۔"

"وہ مجھ سے بات نہیں کر رہا، وہ فون نہیں اٹھاتا۔ ہاسٹل میں بھی کوئی اسے فون پر نہیں بلاتا۔ وہ جان بوجھ کر کٹھنہا ہے۔" امامہ نے کہا۔

"تو پھر تم اس کے پیچھے کیوں پڑی ہو، جانے دو اسے۔ وہ تم سے بہت نہیں کرنا۔"

"تم یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتے، تم صرف میری مدد کرو، ایک بار جا کر اسے میری صورت حال کے بارے میں بتاؤ، وہ مجھ سے اس طرح نہیں کر سکتا۔"

"اور اگر اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو۔"

"پھر بھی تم اس سے بات کرنا، شاید..... شاید کوئی صورت نکل آئے، میرا مسئلہ حل ہو جائے۔"

سالار کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اسے امامہ کے حال پر ہنسی آ رہی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد چہرے دکھاتے ہوئے بھی وہ اس سارے معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اس سارے معاملے میں زیادہ سے زیادہ آواز داتا جا رہا تھا۔ یہ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایذا پہنچا تھا۔ پہلے امامہ تک فون پہنچاتا اور اب جلال سے رابطہ..... امامہ کا بڑا بھائی فریڈ..... اس نے چہرے دکھاتے ہوئے زیر لب دہرایا، امامہ نے اسے اس کے ہاسٹل اور گھر کے قیم کو انک سے آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلال انصر سے مل کر کیا کہنا ہے۔

☆.....☆.....☆

سالار نے اس شخص کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور وہ خاصا مایوس ہوا۔ سامنے کھڑا لڑکا بدنی عام ہی شکل و صورت کا تھا۔ سالار کے لیے قد اور خوبصورت جسم نے اسے منفی خائف کے لئے کسی حد تک پرکشش بنادیا تھا مگر سامنے کھڑا ہوا وہ شخص ان دونوں چیزوں سے محروم تھا۔ وہ نازلی قد و قامت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہوتی تو وہ پھر بھی قد سے بہتر نظر آتا۔ سالار سکندر کو جلال انصر سے مل کر بڑی ہوئی تھی۔ امامہ اب اسے پہلے سے زیادہ بے وقوف لگتی۔

"میں جلال انصر ہوں، توپ ملنا چاہتے ہیں مجھ سے؟"

"میرا نام سالار سکندر ہے۔" سالار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"معاف کیجئے بھائی، میں نے آپ کو پہچاننا نہیں۔"

"کچھ ہر ہے آپ پہچان بھی کیسے سکتے ہیں۔ میں پہلی بار آپ سے مل رہا ہوں۔"

سالار اس وقت جلال کے ہاسٹل میں اسے ڈھونڈتے ہوئے آیا۔ چند لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر وہ اس کے پاس پہنچا گیا تھا۔ اس وقت وہ زینل روم کے باہر کھڑے تھے۔

"نہیں، چھو کر بات کر سکتے ہیں؟" جلال اب کچھ حیران نظر آیا۔

"بیٹے کر بات۔" مگر کس مسئلے میں۔"

"امامہ کے مسئلے میں۔"

جلال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں اس کا دوست ہوں۔" جلال کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔ اوچپ چاپ ایک طرف چلے آگیا۔ سالار اس کے ساتھ تھا۔

"پارکنگ میں میری گاڑی کھڑی ہے، وہاں چلتے ہیں۔" سالار نے کہا۔

گاڑی تک پہنچنے اور اس کے اندر بیٹھنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

"میں اسلام آباد سے آیا ہوں۔" سالار نے کہنا شروع کیا۔

"امامہ چاہتی تھی کہ میں آپ سے بات کر دوں۔"

"امامہ نے کبھی مجھ سے آپ کا ذکر نہیں کیا۔" جلال نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا۔

"آپ امامہ کو کب سے جانتے ہیں؟"

"قترباً پچیس سال سے..... ہم دونوں کے گھر ساتھ ساتھ ہیں۔ بڑی گہری دوستی ہے ہماری۔"

سالار نہیں جانتا اس نے آخری جملہ کیوں کہا، شاید یہ جلال کے چہرے کے بدلنے ہوئے رنگ نے جن سے وہ کچھ اور محسوس ہونا چاہتا تھا۔ وہ جلال کے چہرے پر نمودار ہوئے والے ناپسندیدگی کو دیکھ رہا تھا۔

"امامہ سے میری بہت قریبی بات ہو چکی ہے، اتنی قریبی بات کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"



جلال نے سہلے سہلے میں کہا۔

"امام چاہتی ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔" سالار نے جیسے بے وقوفی سے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا جواب اسے بنا چکا ہوں۔"

"وہ چاہتی ہے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"وہ اس گھر میں اپنے والدین اور گھر والوں کی قید میں ہے۔ وہ چاہتی ہے آپ اگر ہمیشہ کے لئے

نہیں تو واقعی طور پر اس سے نکاح کریں اور پھر اپنی کی مدت اسے چھڑا لیں۔"

"یہ ممکن ہی نہیں ہے، وہاں کی قید میں ہے تو نکاح ہی کیسے سکتا ہے۔"

"نہیں۔"

"نہیں، میں اتنا بڑا مسئلہ نہیں لے سکتا۔ میں ایسے معاملات میں انوالو ہوتا ہی نہیں چاہتا۔" جلال

نے کہا۔ "میرے والدین مجھے اس شادی کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر وہ امام کو قبول کرنے پر تیار

بھی نہیں ہیں۔"

جلال کی نظریں اب سالار کے بالوں کی پٹی پر جمی ہوئی تھیں۔ یقیناً سالار کی طرح اس نے بھی

اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہو گا۔

"اس نے کہا کہ آپ واقعی طور پر اس سے سرف نکاح کر لیں چاہے وہ اپنے گھر سے اٹھ سکے، بعد

میں آپ چاہیں تو اسے طلاق دے دیں۔"

"میں نے کہا تھا میں اس کی مدد نہیں کر سکتا اور پھر اس طرح کے معاملات..... آپ خود اس سے

شادی کیوں نہیں کر چیتے۔ اگر واقعی شادی کی بات ہے تو آپ کر لیں۔ آخر آپ اس کے دوست ہیں۔"

جلال نے کچھ چست ہوئے انداز میں سالار سے کہا۔ "آپ اسلام آباد سے لاہور اس کی مدد کے لئے آ

سکتے ہیں تو پھر یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔"

"اس نے مجھ سے شادی کا نہیں کہا اس لئے میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔" سالار نے

کندھے جھٹکتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے، مجھ سے نہیں۔"

"مگر عارضی شادی یا نکاح میں تو محبت کا ہونا ضروری نہیں۔ بعد میں آپ بھی اسے طلاق دے

دیں۔" جلال نے مسئلے کا حل نکال دیا تھا۔

"آپ کا مشورہ میں اسے پہنچا دوں گا۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر امام سے کہیں کہ وہ کوئی اور طریقہ اپنائے..... بلکہ آپ کسی

نزدیک کے آفس میں چلے جائیں اور انہیں امام کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح اس کے خاندان نے

اسے زبردستی قید کر رکھا ہے۔ جب میڈیا اس معاملے کو ہائی لائٹ کرے گا تو خود ہی وہ امام کو چھوڑنے پر

مجبور ہو جائیں گے یا پھر آپ پولیس کو اس معاملے کی اطلاع دیں۔"

سالار کو حیرانی ہوئی۔ جلال کی تجویز بری نہیں تھی۔ واقعی امام اس بارے میں کیوں نہیں سوچ رہی تھی۔

یہ راست زیادہ محفوظ تھا۔

"میں آپ کا یہ مشورہ بھی اسے پہنچا دوں گا۔"

"آپ دوبارہ میرے پاس نہ آئیں بلکہ امام سے بھی یہ کہہ دیں کہ وہ مجھ سے کسی بھی طریقے یا

ذریعے سے دوبارہ رابطہ نہ کرے۔ میرے والدین ایسے بھی میری منتفی کرنے والے ہیں۔" جلال نے

جیسے انکشاف کیا۔

"ٹھیک ہے، میں یہ ساری باتیں اس تک پہنچا دوں گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ جلال حریف

بنا کر کے بغیر گزری سے اتر گیا۔

اگر امام کو یہ توقع تھی کہ سالار جلال کو اس سے شادی کرنے کے لئے قادی کرے گا تو یہ اس کی

سب سے بڑی بھول تھی۔ وہ امام سے کوئی بددینی رکھتا تھا نہ ہی کسی خوف خدا کے تحت اس سادے

معاملے میں کودا تھا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ ایک ایڈجسٹ تھا اور ایڈجسٹ میں یقیناً جلال سے امام کی

شادی شامل نہیں تھی۔ اگر جلال سے اس کی شادی کے لئے دلائل دیتے بھی چاہتے تو وہ کہا جاتا۔ اس کے

پاس صرف ایک دلیل کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں تھی کہ جلال اور امام ایک دوسرے سے محبت کرتے

ہیں اور یہ وہ دلیل تھی جسے جلال پہلے ہی دکر چکا تھا۔ وہ مذہبی یا اخلاقی حوالوں سے جلال کو قاضی نہیں کر

سکتا تھا کیونکہ وہ خود ان دونوں چیزوں سے نااہل تھا۔ مذہب اور اخلاقیات سے اس کا دور دورے سے بھی کوئی

واسطہ نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخر وہ امام کے لئے ایک دوسرے آدمی سے اتنی لمبی بحث

کرتا کیوں۔ وہ بھی ایسا آدمی جسے دیکھتے ہی اس نے ناپسند کر دیا تھا۔

اور یہ تمام وہ باتیں تھیں جو وہ اسلام آباد سے لاہور آتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ آیا اس لئے تھا

کیونکہ وہ جلال سے ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ امام کے پیغام پر اس کا رد عمل کیا رہتا تھا۔ اس نے

امام کا پیغام اسی کے لفظوں میں کسی انسانے یا ترجم کے بغیر پہنچا دیا تھا اور اب وہ جلال کا جواب لے کر

واپس جا رہا تھا اور خاصا محسوس ہو رہا تھا۔ آخر اس پیغام کے جواب میں وہ کیا کرے گی، کہے گی، اسجد سے

شادی تو وہ نہیں کرے گی، جلال اس سے شادی کرنے پر تیار نہیں، گھر سے وہ اٹھ نہیں سکتی، کوئی اور ایسا

آدمی نہیں جو اس کی مدد کے لئے آئے پھر آخر وہ اب آگے کی کرے گی، عام طور پر لڑکیاں ان حالات

میں خود کشی کرتی ہیں۔ اور میں..... وہ یقیناً اب مجھ سے زہر یا دیو اور پہنچانے کی خواہش کرے گی۔

سالار متوقع صورت حال کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ "خودکشی..... میری ایکسٹنٹ۔"

آخر اس کے علاوہ دواور کر بھی کیا سکتی ہے۔"

☆.....☆.....☆

"تم مجھ سے شادی کرو گے؟" سالار کو جیسے شاک لگا۔ "فون پر انگلی؟" وہ ہنسنے کے لئے بول نہیں سکا۔

لابور سے واپس آنے کے بعد اس نے امامہ کو جلال کا جواب بالکل اسی طرح سے پہنچا دیا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ اب رونا سونا شروع کرے گی اور پھر اس سے کسی جھگڑا کی فرمائش کرے گی، مگر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش رہی پھر اس نے سالار سے جو کہا تھا اس نے چند ثانیوں کے لئے سالار کے دوش گم کر دیے تھے۔

"مجھے صرف کچھ دیر کے لئے تمہارا ساتھ چاہئے تاکہ میرے والدین امجد کے ساتھ میری شادی نہ کر سکیں اور پھر تم ہیلت کے ذریعے مجھے یہاں سے نکال لو۔ اس کے بعد مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی اور میں کبھی بھی اپنے والدین کو تمہارا نام نہیں بتاؤں گی۔" وہ اب کہہ رہی تھی۔

"او کے کر لیتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر یہ ہیلت والا کام تھوڑا مشکل ہے۔ اس میں بہت سی legalities لٹاؤ ہو جاتی ہیں۔" اکیل کو باز کرنا۔۔۔۔۔ "امامہ نے دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اپنے فریڈز سے اس سلسلے میں مدد لے سکتے ہو۔ تمہارے فریڈز تو اس طرح کے کاموں میں ماہر ہوں گے۔"

سالار کے ماتھے پر کچھ ہل خود ابر ہوئے۔ "کسی طرح کے کاموں میں۔"

"اسی طرح کے کاموں میں۔"

"تم کیسے جانتی ہو۔"

"اسم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری سبھی ابھی نہیں ہے۔"

امامہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ یہ جملہ مناسب نہیں تھا۔ "میری کتنی بہت اچھی ہے۔ تم از کم جلال انصاری کتنی سے بہتر ہے۔" سالار نے چمکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اس بار بھی خاموش رہی۔

"میرا حال میں دیکھتا ہوں، میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" سالار ہنسنے کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ "مگر جیسے یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ یہ کام بہت دنگی ہے۔"

"میں جانتی ہوں مگر یہ تو سکتا ہے میرے والدین صرف یہ بتا دیتے ہیں کہ تمہارے نکال دیں کہ میں شادی کر چکی ہوں اور مجھے ہیلت کی مدد نہیں دے دے یا ہو سکتا ہے وہ میری شادی کو قبول کر لیں اور پھر میں تم سے طلاق لے کر جلال سے شادی کر سکوں۔"

سالار نے سر کو قدرے افسوس کے عالم میں جھٹکا۔ "اس سنے دنیا میں اس طرح کا حق پہلے کبھی

نہیں دیکھا۔ وہ دھتور کی جنت کی ملک تھی یا شاید ہونے والی تھی۔

"چلو دیکھتا ہوں، کیا ہو تا ہے۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" حسن نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔

"یہ اس سال کا نیا لڑکا ہے یا آخری لڑکا؟"

"آخری لڑکا؟" سالار نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ تہرہ کیا۔ "یعنی تم شادی کر رہے ہو۔"

حسن نے ہرگز کھاتے ہوئے کہا۔

"شادی کا کونسا کہہ رہا ہے۔" سالار نے اسے دیکھا۔

"تو پھر؟"

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے، میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حسن اس کا چہرہ دیکھتے لگا۔

"آج تم مذاق کے موڈ میں ہو؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔" میں نے جیسے یہاں مذاق کرنے کے لئے تو نہیں بلوایا۔

"پھر کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔۔۔۔۔ نکاح۔۔۔۔۔ لڑکی کی مدد۔۔۔۔۔ دلیر و غیرہ۔" اس بار حسن نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "محبت و غیرہ ہو گئی ہے جیسے کسی سے؟"

"مالی فٹ۔۔۔۔۔ میرا دل خراب ہے کہ میں کسی سے محبت کروں گا اور وہ بھی اس عمر میں۔" سالار نے حقیر آمیز انداز میں کہا۔

"بیکم تو۔۔۔۔۔ میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ پھر تم کیا کر رہے ہو۔"

سالار نے اس بار اسے تفصیل سے امامہ اور اس کے مسئلہ کے بارے میں بتایا۔ اس نے حسن کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی دسہم کی بہن ہے کیونکہ حسن دسہم سے بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن اس سے حقیقت سننے کے بعد حسن نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" سالار نے بے اختیار دیکھ کر اسٹائٹ لیا۔

"دسہم کی بہن۔"

"دست۔" حسن بے اختیار اچھٹا۔ "دسہم کی بہن۔۔۔۔۔ وہ جو میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔"

"ہاں۔"

"تمہارا دل خراب ہو گیا، تم کیوں خواہ مخواہ اس طرح کی حماقت کر رہے ہو۔ دسہم کو بتا دو اس



سارے معاملے کے بارے میں۔

"میں تم سے مدد مانگتے آیا ہوں، مشورہ مانگتے نہیں۔" سالار نے نگواری سے کہا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" حسن نے کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم نکاح خواں اور کچھ گواہوں کا انتظام کرو، تاکہ میں اس سے فون پر نکاح کر سکوں۔" سالار نے فوراً ہی کام کی بات کی۔

"مگر تمہیں یہ نکاح کر کے فائدہ کیا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں، مگر میں کسی فائدہ سے کے بارے میں سوچ بھی کب رہا ہوں۔"

"ابھی کہ سالار اس سب کو تم کیوں کسی دوسرے کے معاملے میں کود رہے ہو اور وہ بھی دہم کی بجائے کے معاملے میں بہتر۔"

سالار نے اس بار ہر شئی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میری مدد کر کے کیا نہیں باقی چیزوں کے بارے میں پریشان ہو کر تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"نہیک ہے، میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ میں مدد کرنے سے انکار نہیں کر رہا ہوں، مگر تم یہ سوچ لو کہ یہ سب بہت خطرناک ہے۔" حسن نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"میں سوچ چکا ہوں، تم مجھے تحصیلات بتاؤ۔" سالار نے اس بار فریخ فرایز کھاتے ہوئے کچھ مطمئن انداز میں کہا۔

"اس ایک بات۔ اگر اگلے دور آئی کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا۔"

"اوپر نہیں پتا نہیں چلے گا، وہاں نہیں ہیں، کہ اپنی کچھ دے ہیں اور ابھی کچھ دن وہاں نہیں گئے۔ وہ یہاں ہوتے پھر میرے لئے یہ سب کچھ کرنا بہت مشکل ہوتا۔" سالار نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

دہا چار گز تقریباً فتح کر چکا تھا۔ حسن اب اپنا گھر کرکھاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں آیا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ سالار اس کے تاثرات کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ حسن اس وقت اپنا لالچ ملنے کے لئے میں معروض ہے۔ اسے حسن سے کسی قسم کا کوئی خوف یا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا۔

☆ — ☆ — ☆

حسن نے نکاح کے انتظامات بہت آسانی سے کر لئے تھے۔ سالار نے اسے کچھ رقم دی تھی جس سے اس نے تمنا گواہوں کا انتظام کر لیا تھا۔ جو تھے گواہ کے طور پر وہ خود ہو جو تھا۔ نکاح خواں کو اندازہ

تھا کہ اس نکاح میں کوئی غیر معمولی کہانی تھی۔ مگر اسے بھاری رقم کے ساتھ اچھی دھکیاں بھی ملے دی گئی تھیں کہ وہ خاموش ہو گیا۔

حسن سچے سچے کے دوست اس نکاح خواں اور تینوں گواہوں کو لے آیا تھا۔ وہ سب سالار کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہیں بیٹھ کر نکاح نامہ پھر لکھا گیا تھا۔ سالار امام کو پہلے ہی اس بارے میں اقرار کر چکا تھا۔ مقررہ وقت پر فون پر نکاح خواں نے ان دونوں کا نکاح چاہا یا تھا۔ سالار نے ملازمہ کے ذریعے

امام کو بچہ بھجوا دیے تھے۔ امام نے بیچہ ڈیلے ہی برقی رفتار سے ان پر سائیں کر کے ملازمہ کو واپس دے دیے تھے۔ ملازمہ ان بیچہ زکوہا میں سالار کے پاس لے آئی تھی، مگر وہ بری طرح خجش کا شکار تھی۔

آخر وہ لوگ کون تھے جو سالار کے کمرے میں تھے اور یہ بیچہ کیسے تھے جن پر امام نے سائیں کیا تھا۔ اس کا پتا لگ کر رہا تھا اور اسے شے ہو رہا تھا کہ ہونے والے دونوں آپس میں شادی کر رہے تھے۔

سالار کو بھی زواہیں دیتے ہوئے وہ پوچھے بغیر وہ نہیں سکی تھی۔

"نہیں جج کے کاغذ ہیں سالار صاحب؟" اس نے بظاہر بڑی سادگی اور معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کیا۔ جیسے بھی بیچہ زبوں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" سالار نے اسے دھکیا اسے بھڑکایا۔

"اور ایک بات تم کان کھول کر سن لو، اس سارے معاملے کے بارے میں اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا بلکہ بہت بہتر ہو گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جی کسی سے بھی اس بارے میں بات کرنے کی۔ میں نے تو پیسے ہی پوچھ لیا۔ آپ اطمینان رکھیں صاحب جی، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

ملازمہ فوراً گھبرا گئی تھی۔ سالار ویسے بھی اتنا اکڑ مزاج تھا کہ اسے اس سے بات کرتے ہوئے خوف آیا کرتا تھا۔ سالار نے کچھ نکتہ بھرے انداز میں سر کو ہٹکا۔ اسے اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ

ملازمہ یہ سب کسی کو بتا سکتی تھی۔ اگر بتا بھی دیتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆ — ☆ — ☆

"تم ایک بار پھر جلال سے ملو، ایک بار پھر پلیز۔" وہ اس دن فون پر اس سے کہہ رہی تھی۔

سالار اس کی بات پر چڑ گیا۔ "وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا امام، وہ کتنی بار کہہ چکا ہے۔ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ وہ بارہا بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ

اس کی کوئی منگنی وغیرہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" امام نے بے اختیار اس کی بات کاٹ دی۔ "صرف اس لئے کہ میں اس سے دوبارہ کالیکٹ کر دوں، ورنہ اس کے جراثیم اچھی چلنی اس کی منگنی کر ہی نہیں سکتے۔"

"تو جب وہ نہیں چاہتا تم سے شادی کرنا اور کالیکٹ کرنا۔ تو تم کیوں خوار ہو رہی ہو اس کے پیچھے۔"

"کیونکہ میری قسمت میں خوار ہے۔" اس نے دوسری طرف سے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔  
 "اس کا کیا مطلب ہے؟" وہ اُلجھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو۔۔۔ تم بس اس سے چاکر کیو کہ میری مدد کرے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے۔ اس سے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی مجھ سے شادی کر لے۔" وہ بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
 "یہ کیا بات ہوئی۔" وہ اس کے آنسوؤں سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔ "کیا یہ بات کہنے سے وہ تم سے شادی کر لے گا۔"

امامہ نے جواب نہیں دیا وہ لچھڑیوں سے رو رہی تھی۔ وہ بیزار ہو گیا۔  
 "تم بے آواز دو۔۔۔ یا پھر مجھ سے بات کر لو۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سالار نے فوراً کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔  
 چند دھنیں منٹ کے بعد امامہ نے اسے دوبارہ کال کی۔ "اگر تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ تم رونا کی نہیں تو مجھ سے بات کرو ورنہ فون بند کر دو۔" سالار نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"پھر تم لاہور جا رہے ہو۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے اس سے پوچھا۔  
 سالار کو اس کی مستقل حاضری پر حیرانی ہوئی۔ وہ واقعی ڈھٹ تھی۔ وہ اب بھی اپنی ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔  
 "اچھا میں چلا جاؤں گا۔ تم نے اپنے گھر والوں کو شادی کے بارے میں بتایا ہے۔" سالار نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ابھی نہیں بتایا۔" وہ اب خود پر قابو پا چکی تھی۔

"کب بتاؤ گی؟" سالار کو جیسے ڈراوے کے اگلے سین کا انتظار تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ کچھ اُلجھی۔ "تم کب لاہور جاؤ گے؟"

"بس جلد ہی چلا جاؤں گا۔ ابھی یہاں مجھے کچھ کام ہے ورنہ فوراً ہی چلا جاتا۔"

اس بار سالار نے جوابت بولا تھا۔ نہ تو اسے کوئی کام تھا اور نہ ہی وہ اس بار لاہور جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اب تم بھٹ کے ذریعے اپنے گھر سے نکل آؤ گی تو اس کے بعد تم کیا کرو گی۔۔۔ آئی میں کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر اسے اس موضوع سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں جب جلال بھی تمہاری مدد کر سنے پر تیار نہ ہو تو۔۔۔"

"میں ابھی ایسا کچھ فرض نہیں کر رہی، وہ ضرور میری مدد کرے گا۔" امامہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پروژہ راند میں کہا۔ سالار نے کندھے اچکائے۔

"تم کچھ بھی فرض کرنے پر تیار نہیں ہو اور نہ میں تم سے ضرور کہتا کہ شاید وہ تم جو تم چاہتی ہو پھر تم کیا کرو گی۔۔۔ تمہیں وہ بارہا اپنے بھروسے کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔۔۔ تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ تم ابھی یہاں سے نہ جانے کا سوچو۔ نہ ہی بیاب اور کورٹ کی مدد، بعد میں بھی تو تمہیں یہاں ہی آنا پڑے گا۔"

"میں دوبارہ کبھی یہاں نہیں آؤں گی، کسی صورت میں نہیں۔"

"یہ جنت بات ہے۔" سالار نے تھرا کیا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔" امامہ نے ہمیشہ کی طرح اپنا مخصوص جملہ دہرایا۔ سالار کچھ

بڑبڑایا۔

"اوکے۔۔۔ کروچ کر ناچا ہتی ہو۔" اس نے لاہور والی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"کل شام کو ہم لوگ اسجد کے ساتھ تمہارا نکاح کر رہے ہیں۔ تمہاری رخصتی بھی ساتھ ہی کر دیں گے۔"

پاشم بٹین نے رات کو اس کے کمرے میں آکر اکھڑے ہوئے لچھے میں کہا۔

"پاپا! میں نکاح کر دوں گی۔ آپ کے لئے بہتر ہے آپ اس طرح زبردستی میری شادی نہ کریں۔"

"تم نکاح کر دو گی تو میں تمہیں اسی وقت شوٹ کر دوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔" وہ سر اٹھائے انہیں

دیکھتی رہی۔

"پاپا! میں شادی کر چکی ہوں۔" پاشم بٹین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "میں اسی لئے اس شادی سے

انکار کر رہی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میں جیسے ماہ پہلے شادی کر چکی ہوں۔"

"کس کے ساتھ؟"

"میں۔۔۔ آپ کو نہیں بتا سکتی۔"

پاشم بٹین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس اولاد کے ہاتھوں کا خوار ہوں گے۔ آگ بگولہ ہو کر وہ امامہ

پر لپکے اور انہوں نے بچے کے بعد ہنگامے اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ وہ پیچھے کے

ساتھ دو ہاتھوں کا تھک کر ہونے خود کو پھانسی کی کوشش کرنے لگی مگر وہ اس میں بری طرح ناکام رہی۔

کمرے میں ہونے والا شرم سن کر، ہم سب سے پہلے وہاں آیا تھا اور اسی نے پاشم بٹین کو پکڑ کر زبردستی

امامہ سے دور کیا۔ وہ لاہور کے ساتھ پشٹ نکالے روٹی رہی۔



"بابا! آپ کیا کر رہے ہیں، سارا معاملہ آرام سے حل کیا جاسکتا ہے۔" وسیم کے چچے گھر کے باقی لوگ بھی اندر چلے آئے تھے۔

"اس نے... اس نے شادی کر لی ہے کسی سے۔" ہاشم تبین نے غم و غصہ کے عالم میں کہا۔

"بابا! جھوٹ بول رہی ہے، شادی کیسے کر سکتی ہے، ایک بار بھی گھر سے نہیں نکلی۔" یہ وسیم تھا۔

"جیسے ماہ پہلے شادی کر لی ہے اس نے۔" امام نے سر نہیں اٹھایا۔

"نہیں، میں نہیں مانتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا، یہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔" وسیم اس کی رنگ رنگ سے واقف تھا۔ انا۔ نے چند لمبی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور کہا۔

"ایسا ہو چکا ہے۔"

"کیا شیوہ ہے۔۔۔ نکاح نامہ ہے تمہارے پاس؟" وسیم نے انکڑ لچکے میں کہا۔

"یہاں نہیں ہے، لاہور میں ہے، میرے سامان میں۔"

"بابا! میں کئی بار پور سے اس کا سامان لے آتا ہوں۔ دیکھ لیتے ہیں۔" وسیم نے ہاشم تبین سے کہا۔

امام بے اختیار ہنسنے لگا۔ سامان سے کیا مل سکتا تھا۔

"شادی کی گھر بھی ملی ہے تو کوئی بات نہیں، طلاق دلو اور تمہاری شادی احمد سے کرواؤں گا اور اس آدمی نے طلاق نہ دی تو پھر اسے قتل کروا دوں گا۔" ہاشم تبین نے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ کمرہ آہستہ آہستہ خالی ہو گیا۔ وہ اپنے بند پر بیٹھ گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ جال میں پھنسنے کے بعد کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اسے کاپی سالار لے اس کو نہیں

بجھوائی تھی۔ اگر اس کے پاس ہوئی بھی تو تب بھی وہ اسے ہاشم تبین کو نہیں دے سکتی تھی ورنہ سالار سنگھ رک رک کر نام لگاتا ہے پر دیکھنے کے بعد ان کے لئے اس تک پہنچنا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا سنوں کا کام تھا اور

اس کے سامان سے نکاح نامہ نہیں ملے گا تو اس کے اس بیان پر کسی کو یقین نہ آ سکتا کہ وہ نکاح کر چکی تھی۔

اس نے کمرے کے دروازے کو لاک کر دیا اور سو یا کئی بے سالار کو کال کرنے لگی۔ اس نے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

"تم ایک بار پھر لاہور جاؤ اور جلال کو میرے بارے میں بتاؤ۔ میں اب اس گھر میں نہیں رہو

سکتی۔ مجھے یہاں سے اٹھنا ہے اور اس کے علاوہ میں کہیں نہیں جا سکتی۔ تم میرے لئے ایک وکیل کو باڑہ کرو

اور اس سے کہو کہ وہ میرے بیوی بچوں کو میرے شوہر کی طرف سے مجھے جس جے جاسم رکھنے کے خلاف

ایک کورٹ نوٹس بھجوائے۔"

"تمہارے شوہر، بیٹی میری طرف سے۔"

"تم وکیل کو اپنا نام مت بتانا بلکہ یہ بھتر ہے کہ اپنے کسی دوست کے ذریعے وکیل پاؤ کرو اور

میرے شوہر کا کوئی بھی فرضی نام دے سکتے ہو۔ تمہارا نام وکیل کے ذریعے انہیں پہنچے گا تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی۔"

امام نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اسے کیا خدشہ ہے اور نہ ہی سالار نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

اس سے بات کرنے کے بعد امام نے فون بند کر دیا۔ اگلے روز دس گیارہ بجے کے قریب کسی وکیل

نے فون کر کے ہاشم تبین سے امام کے سٹیٹ میں بات کی اور انہیں امام کو زبردستی اپنے گھر رکھنے کے

بارے میں اس کے شوہر کی طرف سے کئے جانے والے کہیں کے بارے میں بتایا۔ ہاشم تبین کو حیرت کسی

ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ غصے میں چھٹکارے ہوئے اس کے کمرے میں گئے اور اسے بری

طرح مارا۔

"تم دیکھنا امام! تم کس طرح بڑا ہو گئی۔۔۔ ایک ایک شے کے لئے ترسو کی تم۔ جو لڑکیاں

تمہاری طرح اپنے ماں باپ کی عزت کو بھلا کر دیتی ہیں ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تم نہیں کو رٹے تک

لے گئی ہو۔ تم نے وہ سارے احسان فراموش کر دیے، جو ہم نے تم پر کئے۔ تمہارے بیٹھی بیٹیوں کو

واقعی پیدائش دہشت کی زندگی دہشت کر دینا چاہیے۔"

وہ بڑی خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اپنے باپ کی کیفیات کو سمجھ سکتی تھی مگر وہ اپنی کیفیات اور اپنے

احساسات انہیں نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"تم نے ہمیں کسی کو مت دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑا، کسی کو نہیں۔ ہمیں زندہ و مرگ کر دیا ہے

تم نے۔"

سلیٹی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں مگر انہوں نے ہاشم تبین احمد کو روکنے کی کوشش

نہیں کی۔ وہ خود بھی بری طرح مشتعل تھیں، وہ جانتی تھیں کہ امام کا یہ قدم کس طرح ان کے بارے

خاندان کو متاثر کرنے والا تھا اور خاص طور پر ان کے شوہر کو۔

"تم نے مجھ سے اعتماد کا خولن کیا ہے۔ کاش تم میری اولاد نہ ہو تھیں۔ کبھی میرے خاندان میں پیدا نہ

ہوئی ہو تھیں۔ پیدا ہوئی تھی تو تب ہی مر جاتی۔۔۔ یا میں ہی تمہیں مار دیتا۔" امام آج ان کی باتوں اور

چلائی پر نہیں روکتی تھی۔ اس نے مداخلت کی کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ صرف خاموشی کے ساتھ جتنی

رہتی پھر ہاشم تبین احمد جیسے جھک سے گئے اور اسے مارنے مارنے رک گئے۔ ان کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ

بالکل خاموشی سے ان کے سامنے دیوار کے ساتھ گئی کھڑی تھی۔

"تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے، سب کچھ چھوڑ دو۔ اس لڑکے سے طلاق لے لو اور احمد سے

شادی کر لو۔ ہم دس سب کو معاف کر دیں گے، بھلا دیں گے۔" اس بار سلیٹی نے جوت لچکے میں اس سے کہا۔

"نہیں، وہاں آئے کے لئے اسلام قبول نہیں کیا مجھے وہاں نہیں آنا۔" امام نے مدہم مگر مستحکم

آواز میں کہا۔ "آپ مجھے اس گھر سے چلے جانے دیں، مجھے آزاد کروں۔"

"اس گھر سے نکل جاؤ گی تو دنیا تمہیں بہت ٹھوکرے مارے گی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں کیسے گھر گھر تمہیں ہڑپ کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ جس ٹوکے سے شادی کر کے تم نے ہمیں اکیلل کیا ہے وہ تمہیں بہت غور کرے گا۔ ہمارے خاندان کو دیکھ کر اس نے تمہارے ساتھ اس طرح جو دی پیچھے جو رشتہ جوڑا ہے۔ جب ہم تمہیں اپنے خاندان سے نکال دیں گے اور تم اپنی پائی کی محتاج ہو جاؤ گی تو وہ بھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی، کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔" سلسلی اب اسے ڈرا رہی تھی۔ "ابھی بھی وقت ہے امام! تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے۔"

"نہیں امی! میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے، میں سب کچھ ملے کر بچتی ہوں۔ میں اپنا فیصلہ آپ کو بتا چکی ہوں۔ مجھے یہ سب قبول نہیں۔ آپ مجھے جانے دیں، اپنے خاندان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، مگر میں۔ چاہتا ہوں کہ میری ساری زندگی میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی مگر میں کروں گی وہی جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں اپنی زندگی کے راستے کا انتخاب کر چکی ہوں۔ آپ یا کوئی بھی اسے بدل نہیں سکتا۔"

"اچھا بات ہے تو تم اس گھر سے نکل کر کھاناؤ میں تمہیں جان سے مار دوں گا لیکن اس گھر سے تمہیں جانے نہیں دیں گے۔ اور اس اکیل کو تو میں ابھی طرح دیکھ لوں گا۔ تمہیں اگر یہ خوش نمی ہے کہ کوئی کورٹ یا عدالت تمہیں میری غویں سے نکال سکتی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے، میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھیجے جاسے نہیں دوں گا۔ میں ایلیٹ کے آنے سے پہلے اس گھر سے نہیں اور منتقل کر دوں گا پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح اپنے فیصلے کو تبدیل نہیں کرتی اور مجھے اگر وہ لڑکانہ خاموشی سے تم نے شادی کی ہے تو پھر میں اس بات کی پروا کئے بغیر کہ تمہارا نکاح جو پکا ہے اسجد سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ میں اس شادی کو سر سے مٹانے سے انکار کرتا ہوں۔ تمہاری شادی صرف وہ ہوگی جو میری مرضی سے ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔" وہ مشتعل انداز میں کہتے ہوئے مٹھنی کے ساتھ باہر نکل گئے۔ وہ ہیں دیوار کے ساتھ کھڑی خود اور پریشان نظروں سے وہ اڑے کو بکھتی رہی۔ اس نے جس مقصد کے لئے شادی کی تھی اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا نہ گھر نہیں آ رہا تھا۔ باشم بہنیں احمد اپنی بات پر پہن کی طرح اڑے ہوئے تھے۔

\*\*\*.....\*\*\*

"بے چاری امام! بی بی! امام! ناصرو نے سالار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اچانک چند آواز میں انہوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ سالار نے سڑک سے دیکھا۔ وہ اپنی اسٹریٹ لیمپ پر پڑی ہوئی کتابوں کو سمیٹ رہا تھا۔ ناصرو اسے متوجہ دیکھ کر ہنسی سے بولی۔

"بڑی مار پڑی ہے جی کل رات کو۔"

"کس کو مار پڑی ہے؟" سالار نے کتابیں ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"امام! بی بی کوئی اور کسے۔" وہ کتابیں ایک طرف کرتے کرتے ڈک گیا اور ناصرو کو دیکھا جو کمرے میں موجود ایک شیف کی جھال پچھ کر رہی تھی۔

"باشم! تمہیں نے کل بہت مارا ہے۔"

سالار بے حد ٹھوٹا ہوا۔ "واقعی؟"

"ہاں جی، بہت زیادہ پٹائی کی ہے، میری بیٹی تارہی تھی۔" ناصرو نے کہا۔

"تو جی! کس؟" سالار نے بے اختیار تبصرہ کیا۔

"جی۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناصرو نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ مار کس لئے؟" سالار نے پوچھا۔

اس کے ہاتھوں پر موجود مسکراہٹ ناصرو کو عجیب لگی۔ اسے قطع نہیں تھی کہ وہ اس خبر پر مسکرا رہے۔ اس کے ذاتی "قیانوں" اور "امدادوں" کے مطابق ان دونوں کے درمیان جیسے تعلقات تھے اس پر سالار کو بہت زیادہ افسردہ ہونا چاہئے تھا مگر یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی۔

"بے چاری امام! بی بی کو پتا چل جائے کہ سالار صاحب اس خبر پر مسکرا رہے تھے تو وہ تو صدمہ سے تھک چکے۔" ناصرو نے دل میں سوچا۔

"کس بات پر مارا ہے جی؟" ناصرو اسجد صاحب سے شادی پر تیار نہیں ہیں کسی اور "لڑکے" سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ناصرو نے لڑکے پر زور دیتے ہوئے معنی خیز انداز میں سالار کو دیکھا۔

"بس اس بات پر۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"یہ کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے جی، ان کے پورے گھر میں طوفان مچا ہوا ہے۔ شادی کی تاریخ ملے ہو چکی ہے، کارڈ آچکے ہیں اور اب امام! بی بی بھد ہیں کہ وہ اسجد صاحب سے شادی نہیں کریں گی۔

بس اس بات پر باشم صاحب نے ان کی پٹائی کی۔"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کو مارا جائے۔" وہ اپنی کتابوں میں مصروف تھا۔

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا۔۔۔۔۔ ان لوگوں کے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔" ناصرو نے اسی طرح صفائی کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں تو بڑی ڈبھی ہوں امام! بی بی کے لئے۔ بڑی ایچ ہیں، ادب

لانا دانی۔ اور اب دیکھیں۔۔۔ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے ان پر۔ باشم صاحب نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دیا ہے۔ میری بیٹی روزانہ کمرہ صاف کرتی ہے۔ اور وہ بتاتی ہے کہ ان کا تو چہرہ ہی آخر کر رہا

گیا ہے۔"

ناصر وہی طرح بول رہی تھی۔ شاید وہ شعوری طور پر یہ کوشش کر رہی تھی کہ سالار اسے اچھا اور



امام کا مانتی اور طرفدار کیجئے ہوئے کوئی راز کہہ دے مگر سالار اہل حق نہیں تھا اور اسے نامزد کیا اس نام نہاد اور دوسری سے کوئی دلچسپی تھی بھی نہیں۔ اگر امام کی چٹائی ہو رہی تھی اور اسے کچھ تعلقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو اس سے اس کا کیا تعلق تھا مگر اسے اس صورت حال پر اپنی سرور آ رہی تھی۔ کیا اس دور میں بھی کوئی ایسی عمر کی اولاد پر قابض آٹھاسکتا ہے اور وہ بھی باشمعین احمد جیسے امیر طبع کا آدمی۔ حیرانی کی بات تھی۔

سوچا کی ایک ہی رو میں بہت سے مختلف خیالات چل رہے تھے۔

ناصر و سجاد ہر اس طرح ہوشیار اپنا کام کرتی رہی مگر پھر جب اس نے دیکھا کہ سالار اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا اور اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے تو وہ قہر سے مایوس ہو کر خاموش ہو گئی۔ "یہ پہلے محبت کرنے والے تھے، جن کا رویہ بے حد عجیب تھا۔ کوئی اضطراب۔ بے چینی اور پریشانی تو ان دونوں کے درمیان تقرری نہیں آ رہی تھی..... ایک دوسرے کی تکلیف کا بھی سن کر..... شاید ایسا درہنہ بھی ان کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات سن کر اسی طرح مستحکم نہیں، کوئی چاہتا ہے۔"

ماہر و لے شیاہ پر مبنی ایک قصہ پر اٹھا کر صاف کی۔

☆...☆...☆

گھر جیسوڑ دینے کا فیصلہ اس کی زندگی کے سب سے مشکل اور تکلیف دہ فیصلوں میں سے ایک تھا مگر اس کے علاوہ اس کے پاس اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہاشم حسین احمد اسے کہاں لے جاتے اور پھر اس طرح اسے طلاق دلو کر اس کی شادی مجدد سے کرتے وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ اسے چھوڑ دے جاتی تھی وہ یہ حقیقت تھی کہ ایک بار وہ اسے کہیں اور لے گئے تھے تو پھر اس کے پاس رہائی اور فرار کا کوئی راستہ نہیں بچے گا۔ وہ یہ بات ابھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے جان سے کبھی نہیں ماریں گے مگر زندہ رہ کر اس طرح کی زندگی گزارنا لازماً وہ مشکل ہو جاتا۔ ابھی زندگی کی وہ اس وقت توقع اور تصور کر رہی تھی۔

باہم نہیں دھم کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھ کر روتی رہی اور پھر اس نے ٹپکی بار اپنے حالات پر غور کر دیا۔ اسے گھر سے صبح ہونے سے پہلے اٹنا تھا اور اگل کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچنا تھا۔ محفوظ جگہ! اس کے ذہن میں ایک بار پھر جلال انصاری کا خیال آیا، اس وقت صرف وہی شخص تھا جو اسے صحیح موعوں میں محفوظ دے سکتا تھا، ہو سکتا ہے مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس کا فیصلہ اور رویہ بدل جائے وہ اپنے فیصلے پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ مجھے سہارا اور تحفظ دینے پر تیار ہو جائے اس کے والدین کو بھیج کر ترس آ جائے۔

ایک سو سو سو سی امید اس کے دل میں ابھر رہی تھی۔ وہ دودھ نہیں بھی کرتے جب بھی کہہ کر کہ میں آزاد تو ہوں گی۔ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارا تو سکون کی کھڑک سے سوال یہ پوچھا جاتا ہے کہ میں یہاں سے

کسے اگیوں کی اور چاؤں کا کہیں؟ —

۱۱ بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہی، اسے ایک بار پھر سہارا کا خیال آیا۔

”اگر میں کسی طرح اس سے گھر پہنچ جاؤں تو وہ میری مدد کر سکتا ہے۔“

اس نے سالار کے موہا کی پر اس کا نمبر لایا۔ سو ہا کی آف قدر کنی ہار کال ملائی لیکن اس سے رابطہ نہ ہو سکا۔ امانہ نے موہا کی بند کر دیا۔ اس نے ایک ٹیک میں اپنے چہرہ بوندے، کپڑے اور دوسری چیزیں رکھ لیں۔ اس کے پاس کچھ زیورات اور رقم بھی تھی، اس نے انہیں بھی اپنے ٹیک میں رکھ لیا پھر چلتی چلتی چیزیں اس کے پاس تھیں، جنہیں وہ آسانی سے ساتھ لے جا سکتی تھی اور بعد میں بیچ کر پیسے حاصل کر سکتی تھی وہ انہیں اپنے ٹیک میں رکھتی تھی۔ ٹیک بند کرنے کے بعد اس نے اپنے کپڑے تبدیل کئے اور پھر درختوں اور گھاس کے

اس کا دل بے حد زخمی تھا۔ یہ کوئی اور اضطراب نہ تھا جس کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لیا ہو تھا۔ اس پر بھی اس کے دل کا یہ جو کم نہیں ہوا تھا۔ نوازل ادا کرنے کے بعد تقاضا آیت اور سورتیں اسے لایا یا نہیں اس نے وہ ساری پڑھ لیں۔

ایک نے کرا اپنے کمرے کی اونت بند کر کے اوکا موٹی سے باہر نکل گئی۔ لاؤن کی ایک لائٹ کے طاق و سادگی لائٹیں آف تھیں۔ وہاں دیاور روشنی ٹھہک گئی۔ وہ قتلہ انداز میں چلتے ہوئے سڑکیاں آڑ کر پیچے آگئی اور پھر لیکن کی طرف چلی گئی۔ لیکن سڑکی میں نام وادو اتھا۔ وہ قتلہ انداز میں چیزوں کو ٹٹولتے ہوئے لیکن کے اس دوروازے کی طرف بڑھتی ہو باہر لان میں ٹھکتا تھا۔ قہقہے لان کے اس حصے میں کچھ سڑیاں لٹکی تھیں اور اس گھر میں لیکن کا دور دروازہ واحد دروازہ تھا جسے ایک ٹیکس کیا جاتا تھا، صرف چٹخی لگا دی جاتی تھی۔ دروازہ اس رات بھی لاک نہیں تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ کچھ فاصلے پر سردنک کو اڑا رہے تھے۔ وہ بے حد قتلہ انداز میں چلتے ہوئے لان عبور کر کے اپنے اور سالار کے گھر کی درمیانی دیوار تک پہنچ گئی۔ دیوار بہت زیادہ لمبہ نہیں تھی، اس نے آہستگی سے ایک دوسری طرف پھینک دیا اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد خود بھی دیوار پر اچھلا نکلے میں کامیاب ہوتی۔

☆ ☆ ☆

مہر کی نیند کے عالم میں سااار نے کھٹکے کی آواز سنی تھی پھر وہ آواز، کھٹک کی آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔ رُک رُک کر سُر مسلسل کی جانے والی کھٹک کی آواز دوا دھم سے منہ پیٹ کے بل سو رہا تھا۔ کھٹک کی اس آواز نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڑے بیٹھے بیٹھے اس نے تاریکی میں اپنے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

ان کھڑکیوں کو بھار ہاتھانگر بہت آہستہ آہستہ۔۔۔ یا پھر شاید کوئی ان کھڑکیوں کو ٹوٹتے ہوئے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار کے ذہن میں پہلا خیال کسی چور کا آیا تھا، وہ سلائیڈنگ دھڑ دھڑکیں اور بد قسمتی سے وہاں کوئی کرل نہیں تھی۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ وہ ایبورا ٹنگلاس کی بنی ہوئی قمیضیں آسانی سے توڑا یا کاٹ نہیں جاسکتا تھا اور انہیں صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ گھر کے چاروں طرف موجود لان میں ویسے بھی رات کو کتے کھلے ہوتے تھے اور ان کے ساتھ تین گارڈز بھی ہوتے تھے۔ مگر ان تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود اس وقت اس کھڑکی کے دوسری طرف موجود جھوٹے دروازے میں کوئی موجود تھا جو اس کھڑکی کو کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اپنے بیڈ سے اسی قدموں اٹھ کر وہ تاریکی میں ہی کھڑکی کی طرف آیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے بالکل مخالف سمت گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ اس نے پردے کے ایک سرے کو تھوڑا سا اٹھاتے ہوئے کھڑکی سے باہر بھاٹکا۔ لان میں کئی روشنیوں میں اس نے اپنی کھڑکی کے سامنے جسے کھڑا دیکھا تھا اس نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔

”یہ پاگل ہے۔“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اس وقت اگر لان میں بھرتے چار غیر ملکی نسل کے کتے اسے دیکھ جیتے تو سالار پاکی بھی دوسرے کے تھپتھپے سے پہلے وہاں سے چھڑ چکے ہوتے اور اگر کہیں گارڈز میں سے کسی نے اسے وہاں دیکھا ہو تو بھی وہ تحقیق یا تحقیق پر افسانہ خانی کرنے سے پہلے اسے شوت کر بیٹھے ہوتے مگر وہ اس وقت بالکل محفوظ وہاں کھڑی تھی اور یقیناً اپنے گھر کی دیوار پھانگ کر یہاں آئی تھی۔

ہوٹ بھینچے اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔ لائٹ آن ہوتے ہی دھٹک کی آواز رگ مٹی۔ کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ پردے کھینچتے ہی اس نے سلائیڈنگ دھڑ دھڑکیں کو بٹا دیا۔

”اندرا آؤ جلدی۔“ سالار نے تیزی سے اہلکار سے کہا۔ وہ کچھ ٹراں ہو کر کھڑکی سے اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ بھی تھا۔

پردے پر اندر کرتے ہی سالار نے مڑ کر اس سے کہا۔

”گارڈ کھا ایک اہلکار! تم پاگل ہو۔“ اہلکار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنا بیگ اپنے پیروں میں رکھ رہی تھی۔

”تم دیوار کراس کر کے آئی ہو؟“

”ہاں۔“

”تمہیں گارڈز یا توں میں سے کوئی دیکھ لیتا تو..... اس وقت باہر تہار دی لاش پڑی ہوتی۔“

”میں نے تمہیں بہت دھمک دیا تھا۔ تمہارا موہاگل آف تھا، کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا میرے پاس۔“

سالار نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوتی ہوئی اور چہرہ ہوا تھا۔ وہ بڑی سی سفید چادر لپیٹے ہوئے تھی مگر اس چادر اور اس کے پٹروں پر جگہ جگہ مٹی کے دانے تھے۔

”تم مجھے لاہور چھوڑ کر آ سکتے ہو؟“ وہ کمرے کے وسط میں کھڑکی اس سے ہاتھ دہی تھی۔

”اس وقت؟“ اس نے حیرانی سے کہا۔

”ہاں، ابھی اسی وقت۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

سالار نے تعجب کے عالم میں دال بھاگ پر ایک نظر ڈالی۔ ”دیکھو! تمہارے گھر فون کیا تھا؟“

تہارہ اسکا حل نہیں ہوا؟“

”ہمارے فون میں سر بلایا۔“ نہیں، وہ لوگ مجھے صبح کہیں بھوار ہے ہیں۔ میں تمہیں اسی لئے سارا دن فون کرتی رہی مگر تم نے جواب دل آن نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی تم دیکھ لو کہ وہ پلٹ کے ساتھ آ کر مجھے وہاں سے آزاد کروائے مگر تم سے کالیکٹ نہیں ہو اور کبھی اگر تم سے کالیکٹ ہو جائی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس سے پہلے ہی مجھے کہیں شفت کر دیتے اور یہ ضروری فون نہیں کہ مجھے یہ بتا دیتا کہ وہ مجھے کہاں شفت کر رہے ہیں۔“

سالار نے ہنسی لی۔ اسے شہد آ رہی تھی۔ ”تم بیٹھ جاؤ۔“ اس نے اہلکار سے کہا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

”تم اگر مجھے لاہور نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم بس اسٹیڈنگ پہنچا دو۔ میں وہاں سے خود لاہور چلی جاؤں گی۔“ اس نے سالار کو ہینڈ میں دیکھ کر کہا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تو کوئی گاڑی لاہور نہیں چار ہی ہوگی۔“

”میں تمہیں صبح.....“ اہلکار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”نہیں، صبح نہیں۔ میں صبح تک یہاں سے ٹھک جانا چاہتی ہوں۔ اگر لاہور کی گاڑی نہیں لی تو میں کسی اور شہر کی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گی پھر وہاں سے لاہور چلی جاؤں گی۔“

”تم بیٹھو تو سہی۔“ سالار نے اس سے ایک بار پھر کہا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے چٹکی پٹی پھر سو فٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ سالار خود بھی اسے بیٹھنے کی پانچوٹی پر بیٹھ گیا۔

”لاہور تم کہاں جاؤ گی؟“ اس نے پوچھا۔

”جلال کے پاس۔“

”مگر وہ تو تم سے شادی سے انکار کر چکا ہے۔“

”میں پھر بھی اس کے پاس جاؤں گی، اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ کو اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس سے اور اس کے گھر والوں سے دیکو سٹ کروں گی۔ میں جانتی ہوں وہ میری



بات مان لیں گے، وہ میری صورت حال کو سمجھ لیں گے۔"

"مگر تم تو مجھ سے شادی کر چکی ہو۔" امام چوک کر سالار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"بھئی میری ہے وہ۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں مجبوراً نکاح کر رہی ہوں، شادی تو نہیں ہے یہ۔"

وہ اسے چلیں چھپکا کے بغیر گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ "تم جانتی ہو، میں آج لاہور گیا تھا جلال

کے پاس۔"

امام کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ "تم نے اسے میری پریشانی اور صورت حال کے

بارے میں بتایا؟"

"نہیں۔" سالار نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"جلال نے شادی کر لی ہے۔" سالار نے لا پرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ سانس لینا

بھول گئی۔ چلیں چھپکا کے بغیر وہ کسی بات کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"تم دن ہو گئے ہیں اس کی شادی کو، کل پر سوں تک وہ سیر و تفریح کے لئے تاجران امیر آباد کی

طرف جا رہا ہے۔ اس نے میری کوئی بات سننے سے پہلے ہی مجھے یہ سب کچھ بتا کر شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ

چاہتا تھا کہ میں اب تمہارے بارے میں بات نہ کروں۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔" سالار بات کرتے

کرتے ڈک گیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں نے تمہارے سسٹم کی وجہ سے ہی اس کی اس طرح

اچانک شادی کی ہے۔" وہ کچے بعد بگڑے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" جیسے کسی مذاق سے آواز آئی تھی۔

"ہاں، مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ تمہیں بھی یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے۔ تم

فون کر کے اس سے بات کر سکتی ہو اس بارے میں۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے لا پرواہی سے کہا۔

امام کو لگا وہ پہلی بار سچے سچوں میں گھپ اندھیرے میں آکھڑی ہوئی ہے۔ وہ سختی کی دو کرن جس کے

تقابل میں وہ اتنا عرصہ چلتی آئی ہے، ایک دم گل ہو گئی ہے۔ راست تو ایک طرف، وہ اپنے وجود کو بھی

نہیں دیکھ پارتی تھی۔

"اب تم خود سوچو لو کہ لاہور جا کر تم کیا کر گئی۔ وہ تو اب تم سے شادی کر سکتا ہے، وہ اس کے گھر

والے تمہیں پناہ دے سکتے ہیں۔ بہتر ہے تم واپس چلی جاؤ، ابھی تمہارے گھر والوں کو پتا نہیں چلا ہو گا۔"

امام نے کہیں بہت دور سے سالار کی آواز آئی تھی۔ وہ کچھ نہ سمجھے والے انداز میں اس کا چہرہ

دیکھتی رہی۔

"مجھے لاہور چھوڑ آؤ۔" وہ بڑبڑاتی۔

"جلال کے پاس جاؤ گی؟"

"نہیں۔ اس کے پاس نہیں جاؤں گی مگر میں اپنے گھر نہیں رہ سکتی۔"

وہ ایک دم صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سالار نے ایک سانس لے کر اُنہیں گہری نظروں سے

استدیکھا۔

"یا پھر مجھے گیت تک چھوڑ آؤ، میں خود چلی جاتی ہوں۔ تم چوکیدار سے کہو، وہ مجھے باہر جانے

دے۔" اس نے بیک اٹھا لیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں سے بس اسٹینڈ کتنی دور ہے۔ اتنی دُھند اور سردی میں تم پیدل وہاں

تک جا سکو گی۔"

"جب اور کچھ نہیں رہا میرے پاس تو دُھند اور سردی سے مجھے کیا ہو گا۔" سالار نے اسے میلا

آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو دھڑک رہی تھی۔

سالار اس کے ساتھ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لاہور تو بہت دور کی بات تھی، اسے ابھی بھی

خینہ آ رہی تھی اور وہ سامنے کھڑی لڑکی کو نا پسند کرتا تھا۔

"ظہر، وہ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ نہیں جانتا اس کی زبان سے یہ جملہ کیوں اور کیسے نکلا۔

امام نے اسے ڈرینگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر بعد باہر نکلا تو شب خرابی کے لباس

کے بجائے ایک جینز اور سوئٹر میں لپوس تھا۔ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس نے کی جینز اور گھڑی کے

ساتھ ساتھ اپنا والٹ بھی اٹھایا۔ امام کے قریب آکر اس نے جیک لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں خود اٹھائوں گی۔"

"اٹھا لیتا ہوں۔" اس نے جیک لے کر کندھے پر ڈال لیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پانچ

میں آگئے۔ سالار نے اس کے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور جیک کو پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

گازٹی گیت کی طرف آتے دیکھ کر چوکیدار نے خود ہی گیت کھول دیا تھا مگر اس کے قریب سے

گزرتے ہوئے سالار نے اس کی آنکھوں میں اس حیرت کو دیکھ لیا تھا جو اس کی نظروں میں رات کے اس

وقت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی امام کو دیکھ کر آئی تھی۔ یقیناً وہ حیران ہو ا ہو گا کہ وہ لڑکی اس وقت اس گھر

میں کہاں سے آئی تھی۔

"تم مجھے بس اسٹینڈ پر چھوڑ دو گے؟" مین روڈ پر آتے ہی امام نے اس سے پوچھا۔ سالار نے ایک

نظر گردن موز کر اسے دیکھا۔

"نہیں، میں تمہیں لاہور لے جا رہا ہوں۔" اس کی نظروں میں ایک دم گہرا گہرا۔

گلاڑی اس بڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی جو تقریباً سنان تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

اسٹیزنگ پر دایاں ہاتھ رکھے اس نے بائیں ہاتھ کو منہ کے سامنے رکھ کر جمائی روکی اور نیند کے غلبے کو بھگانے کی کوشش کی۔ اس کے برابر کی سیٹ پر چلتی ہوئی امام بے آواز رو رہی تھی اور سالار اس بات سے باخبر تھا۔ وہ مٹاؤ تھا اپنے ہاتھ میں پکڑے رومال سے اپنی آنکھیں پونچھتی اور ناک دگر بلیغی اور پھر سامنے دنگا اسکرین سے باہر سڑک پر نظریں پتا کر رہا شروع کر دیتی۔

سالار دنگے دنگے سے اس پر اپنی نظریں اتار دیا۔ اس نے امام کو کوئی تسلی دینے یا چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود حق کچھ دیر آنسو بھرا کر خاموش ہو جائے گی، مگر جب آدھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہی رفتار سے رو رہی رہی تو وہ کچھ اُتارنے لگا۔

"اگر تمہیں گھر سے اس طرح بھاگ آنے پر اتنا بچھتا ہوں تو ہاتھ تو پھر تمہیں گھر سے بھاگنا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

سالار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ امام نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی تو شاید تمہارے گھر میں کسی کو تمہاری غیر موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا ہو گا۔" اس نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اسے مشورہ دیا۔

"مجھے کوئی بچھتا ہوا نہیں ہے۔" اس بار اس نے چند لمبے خاموش رہنے کے بعد قدرے ہمزائی ہوئی مگر مستحکم آواز میں کہا۔

"تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" سالار نے فوراً پوچھا۔

"تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ سالار نے

گردن موڑ کر اسے غور سے دیکھا اور پھر گردن سیدھی کر لی۔

"لاہور میں کس کے پاس جاؤ گی؟"

"پتا نہیں۔" امام کے جواب پر سالار نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔۔ تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"فی الحال تو نہیں۔"

"تو پھر تم آخر لاہور جا ہی کیوں رہی ہو؟"

"تو پھر اور کہاں جاؤ گی؟"

"تم اسلام آباد میں ہی رہ سکتی تھیں۔"

"کس کے پاس؟"

"لاہور میں بھی تو کوئی نہیں ہے جس کے پاس تم رہ سکو۔۔۔ اور وہ بھی مشغل۔۔۔ جلال کے

ملاوہ۔" سالار نے آخری تین لفظوں پر زور دیتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اس کے پاس جا رہی ہو تم۔" کچھ دیر بعد اس نے قدرے چستے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں، جلال میری زندگی سے نکل چکا ہے۔" سالار اندازہ نہیں کر سکا کہ اس کی آواز میں مایوسی زیادہ تھی یا افسردگی۔ "اس کے پاس کیسے جا سکتی ہوں میں۔"

"تو پھر اور کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"یہ تو میں لاہور جانے پر ہی طے کروں گی کہ مجھے کہاں جانا ہے، کس کے پاس جانا ہے۔" امام

نے کہا۔

سالار نے کچھ بے چینی کے عالم میں اسے دیکھا۔ کیا واقعی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے کہاں جانا تھا یا پھر وہ اسے پتا نہیں چاہتی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا فیلسی۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ ہاں اسجد۔۔۔ کافی اچھا، جلد سم آ رہی ہے۔" ایک بار پھر

سالار نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔ "اور یہ جو دوسرا آدمی تھا۔۔۔ جلال۔۔۔ اس کے مشابہے میں تو کچھ

بھی نہیں ہے۔۔۔ کچھ زیادتی نہیں کر دی تم نے اسجد کے ساتھ؟"

امام نے اس کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ سالار

کچھ دیر گردن موڑ کر اس کے جواب کے انتظار میں اس کا پیروہ دیکھتا رہا مگر پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ

جواب دینا نہیں چاہتی۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پایا۔۔۔ جو کچھ تم کر رہی ہو اسے بھی نہیں۔۔۔ تمہیں حرکتیں بہت

عجیب ہیں۔ اور تم اپنی حرکتوں سے زیادہ عجیب ہو۔" سالار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

اس بار امام نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تمہاری حرکتوں سے زیادہ عجیب ہیں میری حرکتیں۔ اور کیا میں تم سے زیادہ عجیب ہوں۔۔۔"

بڑے دھمے مگر مستحکم لہجے میں پوچھتے گئے اس سوال نے چند لمحوں کے لئے سالار کو لالچ جواب کر دیا تھا۔

"میری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔۔۔ اور میں کس طرح عجیب ہوں؟" چند لمبے خاموش رہنے

کے بعد سالار نے کہا۔

"تم جانتے ہو۔ تمہاری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔" امام نے وہاں دنگا اسکرین کی طرف گردن

موڑتے ہوئے کہا۔

"یقیناً میری خود کشی کی ہی بات کر رہی ہو تم۔" سالار نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے

کہا۔ "حالانکہ میں خود کشی نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ہی میں خود کشی کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں تو صرف ایک

تجربہ کرنا چاہتا تھا۔"



"کیا تجربہ ہے۔"

"میں ہمیشہ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں، مگر کوئی بھی مجھے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ اس لئے میں اس سوال کا جواب خود وضع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ بولتا رہا۔  
"کیا پوچھتے ہو تم لوگوں سے؟"

"بہت آسان سا سوال ہے مگر ہر ایک کو مشکل لگتا ہے۔" "What is next to ecstasy?" اس

نے گردن موڑ کر امام سے پوچھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے مدغم آواز میں کہا۔ "Pain"

"And what is next to pain?" سالار نے بازو خوف ایک اور سوال کیا۔

"Nothingness"

"What is next to nothingness?" سالار نے اسی انداز میں ایک اور سوال کیا۔

"Hell" امام نے کہا۔

"And what is next to hell?" اس بار امام خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"What is next to hell?" سالار نے پھر اپنا سوال ڈہرایا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا۔" سالار نے امام کو قدرے عجیب سے انداز میں پوچھتے دیکھا۔

"کس چیز سے۔" سالار بے زحمانہ ہوا۔

"Hell" سے۔۔۔ اس جگہ سے جس کے آگے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔۔۔ سب کچھ اس کے پیچھے ہی

رد ہوتا ہے۔۔۔ معتوب اور مفسوب ہو جانے کے بعد باقی بچتا کیا ہے جسے جاننے کا تمہیں شوق ہے۔"

امام نے قدرے انصاف سے کہا۔

"میں تمہاری بات کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ سب کچھ میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے۔" سالار نے

جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"شکر مت کرو۔۔۔ آجائے گی۔ ایک وقت آئے گا۔ جب تمہیں ہر چیز کی سمجھ آجائے گی

پھر تمہاری فہمی ختم ہو جائے گی۔ جب تمہیں خوف آئے گا۔ موت سے بھی اور دوزخ سے

بھی۔۔۔ اللہ تمہیں سب کچھ دکھائے گا۔ پھر تم کسی سے یہ کبھی نہیں پوچھا کرو گے۔"

"What is next to ecstasy?" امام نے بہت دسارہیت سے کہا۔

"یہ تمہاری بات کوئی ہے؟" سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ چپچپے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" امام نے اسی انداز میں کہا۔

"تجربہ؟" سالار نے گردن سیدھی کر لی۔

"ہاں، یہ تمہارا تجربہ ہی ہو سکتا ہے۔ کی تو تم نے بھی خود کشی ہی ہے۔ میرا مطلب ہے کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اپنے طریقے سے یہ کوشش کی تھی۔ تم نے اپنے طریقے سے کی ہے۔" سالار نے سرودھری سے کہا۔

امام کی آنکھوں میں ایک ہار پھر اُٹھ آگئے۔ گردن موڑ کر اس نے سالار کو دیکھا۔

"میں نے کوئی خود کشی نہیں کی ہے۔"

"کسی لڑکے کے لئے گھر سے بھاگنا ایک لڑکی کے لئے خود کشی ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی اس

صورت میں جب وہ لڑکا شادی پر تیار ہی ہو۔۔۔ دیکھو، میں خود ایک لڑکا ہوں۔۔۔ بہت بڑا لڑکا ڈاڈا

لیزل ہوں اور میں بالکل برا نہیں سمجھتا کہ ایک لڑکی گھر سے بھاگ کر کسی لڑکے کے ساتھ کورے بیرون

یا شادی کر لے۔۔۔ مگر وہ لڑکا اس کا ساتھ تو دے، ایک ایسے لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ جانا جو شادی

کر چکا ہو۔۔۔ میری کچھ نہیں آتا اور پھر تمہاری عمر میں بھاگتا۔ بالکل حماقت ہے۔

"میں کسی لڑکے کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔"

"چالان! تمہارا سالار نے اس کی بات کاٹ کر اسے یاد دلایا۔

"میں اس کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔" وہ بے اختیار بلند آواز میں چلائی۔ سالار کا پاس بے اختیار

بریک پر چا پڑا۔ اس نے حیرانی سے امام کو دیکھا۔

"تو مجھ پر کیوں چلا رہی ہو، مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سالار نے ناراضی سے کہا۔ وہ

کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"یہ جو تمہاری مذہب والی قبولی یا فکاسٹی یا پائیکٹ یا جو بھی ہے I don't get it کیا فرق پڑتا ہے۔

دگر کوئی کسی اور عقیدہ کو ماننا شروع ہو گیا ہے۔ زندگی ان فنون، فنون کے علاوہ بھی کچھ ہے۔

مذہب، عقیدے یا فرقے پر لڑنا۔" What rubbish۔۔۔

امام نے گردن موڑ کر ناراضی کے عالم میں اسے دیکھا۔ "جو چیزیں تمہارے لئے فنون ہیں،

ضروری نہیں وہ ہر ایک کے لئے فنون ہوں۔ میں اپنے مذہب پر قائم رہنا نہیں چاہتی اور نہ ہی اس

مذہب کے کسی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تو یہ میرا حق ہے کہ میں ایسا کروں، میں تم سے ایسی

چیزوں کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی جسے تم نہیں سمجھتے۔ اس لئے تم ان معاملات کے بارے

میں اس طرح کے تبصرے مت کرو۔"

"مجھے حق ہے کہ میں جو چاہے Freedom of expression (اختیار کی آزادی)" سالار

نے کلمہ چھپکاتے ہوئے کہا۔ امام نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کی۔ وہ کھڑکی سے باہر

دیکھنے لگی۔ سالار بھی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔





"شکار" سالار نے بھوس اچکاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ بھی ہو تمیں تو بھی وہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ میں اسے اسی ایک گوالئی کی خاطر کسی بھی دوسرے شخص پر ترجیح دیتی۔"

سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "what a lugh!" ایسی باتوں کو میں واقعی ہی نہیں سمجھ سکتا۔ اس نے گردن کو تھکی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی پسند سے شادی کرو گے یا اپنے جبر تمیں کی پسند سے؟" امام نے اچانک اس سے پوچھا۔ وہ حیران ہوا۔

"آف کو رس اپنی پسند سے۔۔۔۔۔ جبر تمیں کی پسند سے شادی والا زمانہ تو نہیں ہے یہ۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"تم بھی تو کسی گوالئی کی وجہ سے ہی کوئی لڑکی پسند کرو گے۔۔۔۔۔ شکل و صورت کی وجہ سے۔۔۔۔۔ یا پھر جس سے تمہاری اندراستیدگ ہو جائے گی اس سے۔ ایسا ہی ہو گا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یقیناً" سالار نے کہا۔

"میں بھی تو یہی کر رہی ہوں۔ اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہوتی ہے۔ تم ان چیزوں کی بنا پر کسی سے شادی کرو گے، میں بھی ایسی ہی ایک وجہ کی بنا پر شادی کرنا چاہتی تھی جلال انصر سے۔۔۔۔۔ وہ لڑکی۔" میری خواہش ہے، میری شادی اس سے ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ جلال انصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت کرتا تھا۔۔۔۔۔ مجھے لگا جیسے اسی شخص سے شادی کرنی چاہیے۔۔۔۔۔ میں نے تم سے کہا بعض چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ بعض خواہشات۔۔۔۔۔ بس ان سے بچنا کہنا ناممکن نہیں ہوتا۔" اس نے امر دہائی سے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور اب جب وہ شادی کر چکا ہے تو اب تم کیا کرو گی؟"

"پتا نہیں۔"

"تم ایسا کرو۔ کہ تم کسی اور نعمت پر ہنسنے والے کو ڈھونڈ لو، تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسنا۔

امام پلٹتے بھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ وہ سناٹائی کی حد تک بے حس تھا۔ "اس طرح کیوں نہ کچھ رہی ہو تم۔۔۔۔۔ میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پا چکا تھا۔ امام نے کچھ کہنے کے بجائے گردن موڑ لی۔

"جس میں تمہارے قادر نے مارا ہے۔" سالار نے پہلے کی طرح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولنے کا معمول جاری رکھا۔

"جس میں کس نے تپایا۔" امام نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

"ملازمہ نے۔" سالار نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بے چاری یہ کچھ دہی ہے کہ تم جو شادی سے انکار کر رہی ہو وہ میری وجہ سے کر رہی ہو۔ اس لئے اس نے مجھ تک تمہاری "حالت زار" بننے ورنہ ایک انداز میں پہنچائی تھی۔ مارا ہے تمہارے قادر نے؟"

"ہاں۔" اس نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے پوچھا نہیں۔۔۔۔۔ شاید وہ ناراض تھے اس لئے۔"

"تم نے کیوں مارنے دیا۔"

امام نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "وہ میرے بابا ہیں، انہیں حق ہے، وہ مار سکتے ہیں مجھے۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا، وہ اس صورت حال میں یہی کرتا مجھے یہ قابل اعتراض نہیں لگے۔" وہ جو بے ہودا لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر مارنے کا حق ہے انہیں تو پھر تمہاری شادی کرنے کا بھی حق ہے۔ اس پر اتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کر رہی ہو تم۔" سالار نے پچھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کسی مسلمان سے کرتے۔۔۔۔۔ اور چاہے چہاں مرضی کر دیتے۔۔۔۔۔ میں کروا لیتی۔"

"چاہے وہ جلال انصر ہوتا۔" استہزاء سے انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ اب بھی آخر کون سا ہو گئی ہے اس سے۔" اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی بھینٹا رہی تھی۔

"تو تم ان سے یہ کہہ دیتیں۔"

"کہا تھا۔ تم سمجھتے ہو میں نے نہیں کہا ہو گا۔"

"مجھے ایک بات پر بہت حیرانی ہے۔" سالار نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "آخر تم نے مجھ سے مدد لینے کا فیصلہ کیوں کیا۔ بلکہ کیسے کر لیا، تم مجھے خاصاً پسند کرتی تھیں۔" اس نے امام کے جواب کا انتظار کئے بغیر بات جاری رکھی۔

"میرے پاس تمہارے علاوہ دوسرا کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔" امام نے مدہم آواز میں کہا۔ "میری اپنی کوئی فریضہ اس طرح میری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جس طرح کوئی لاکا کر سکتا تھا۔ احمد کے علاوہ میں صرف جلال اور تم سے واقف تھی۔۔۔۔۔ اور سب سے قریب ترین صرف تم تھے جس سے میں فوری رابطہ کر سکتی تھی، اس لئے میں نے تم سے رابطہ کیا۔" وہ مدہم آواز میں رک رک کر بولتی رہی۔

"جس میں یقین تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا؟"

نہیں۔ میں نے صرف ایک رسک لیا تھا۔ یقین کیسے ہو سکتا تھا مجھے کہ تم میری مدد کرو گے۔ میں نے تمہیں بتایا! میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی آشنائی نہ تھی۔"

"یعنی تم نے ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنا لیا ہے۔" اس کے بے حد عجیب لہجے میں کچھ تھکے تھے۔ امام کو یک دم خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ بات منہ پر مارنے میں ماہر تھا مگر اس نے غلط بھی نہیں کیا تھا۔

"ذریٰ انتر سنگ۔" اس نے امام کے جواب کا انکار کئے بغیر کہا وہ جیسے اپنے تھکے پر خود ہی محظوظ ہوا تھا۔

☆.....☆

"میں گاڑی بکھڑا کر کے لئے یہاں دوکنا چادر باہوں۔ سالار نے سڑک کے کنارے بے بس ہوئے ایک سستے قسم کے ہوٹل اور سردی اسٹیشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا تاخر چیک کر دانا چادر باہوں۔" گاڑی میں دوسرا تاخر نہیں ہے، رستے میں اگر کہیں گاڑی خلیٹ ہو گیا تو بہت مسئلہ ہو گا۔"

امام نے صرف سر ہٹانے پر اکتفا کیا۔ دو گاڑی موڑ کر اندر لے گیا۔ اس وقت دور کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ ہوٹل میں کام کرنے والے دو چادر لوگوں کے علاوہ باہوں اور کوئی نہیں تھا۔ اسے گاڑی اندر لائے دیکھ کر ایک آدمی باہر نکلی آیا۔ شاید وہ گاڑی کی آواز سن کر آیا تھا۔ سالار گاڑی کا دروازہ کھول کر بچے اتر گیا۔

وہ کچھ دیر سیٹ کی پشت سے سر نکالے آنکھیں بند کئے غلطی رہی۔ اذان کی آواز کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ امام نے آنکھیں کھول دیں۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"یہاں کتنی دیر ڈکنا ہے۔" وہ سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"دس چندرہ صحت۔ میں انجمن بھی ایک دفعہ چیک کر دانا چاہتا ہوں۔"

"میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں، مجھے وضو کرنا ہے۔" اس نے سالار سے کہا۔ اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا۔

اس آدمی نے بلند آواز میں اسے پکارے ہوئے کہا۔

"باقی وضو کرنا ہے تو اس ڈرام سے پانی لے لیں۔"

"اور وہ نماز کہاں پڑھے گی؟" سالار نے اس آدمی سے پوچھا۔

"پر سائے والے کمرے میں۔ میں جائے نماز دے دیتا ہوں۔" وہ اب پاپ اتار رہا تھا۔

"پہلے جائے نماز دے دوں پھر انجمن آکر چیک کرتا ہوں۔" اس آدمی نے اس کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

سالار نے دور سے امام کو اس ڈرام کے پاس کچھ تذبذب کی حالت میں کھڑے دیکھا۔ وہ لاٹھوری طور پر آگے چلا آیا۔ وہ تار کو لکڑی کا ایک بہت بڑا خالی ڈرام تھا جسے ایک ڈھکن سے گور کیا گیا تھا۔

"اس میں سے پانی کیسے لوں؟" امام نے قدموں کی چاپ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سالار نے اصرار اور غلط روڑا دیا۔ کچھ غصے پر ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس بالٹی کو اٹھا لیا۔

"میرا خیال ہے یہ اس بالٹی کو پانی نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" اس نے امام سے کہتے ہوئے ڈرام کا ڈھکن اٹھا لیا اور اس میں سے پانی بالٹی میں بھر لیا۔

"میں کروڑ پتی ہوں وضو۔" سالار کو اس کے چہرے پر تذبذب نظر آیا مگر پھر کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنے سوئیٹر کی آستین اوپر کرنے لگی۔ اپنی گھڑی ہاتھ کر اس نے سالار کی طرف بڑھا دی اور بچوں کے ہلے زمین پر پڑھ گئی۔ سالار نے اس کے ہاتھ سے ہاتھوں پر کچھ پانی الا۔ امام کو بے اختیار جیسے کرناٹ لگا۔ اس نے یک دم اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"کیا ہوا؟" سالار نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"کچھ نہیں، بالٹی بہت گھٹا ہے۔" تم پانی ڈالو۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ پھیلا رہی تھی۔

سالار نے پانی ڈالا اور وضو کر دیا۔ وہ وضو کرنے لگی۔ پہلی بار سالار نے اس کے ہاتھوں کو کہیں تک دیکھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اس کی نگاہوں سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ پھر اس کی نظر اس کی کمانوں سے اس کے چہرے پر چلی گئی۔ وہ اپنی چادر کو ہٹائے بغیر بڑی احتیاط کے ساتھ سر، کانوں اور گردن کا مسح کر رہی تھی اور سالار کی نظریں اس کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ اس کی گردن میں موجود سونے کی چین اور اس میں لٹکے والے موتی کو بھی اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سالار نے اسے جتنی بار دیکھا تھا اسی طرح کی چادر میں دیکھا تھا۔ چادر کا رنگ مختلف ہوتا مگر وہ ہمیشہ اسے ایک ہی انداز میں لپیٹے ہوئی۔ وہ بھی اس کے غدد خال پر غور نہیں کر سکا۔

"پاؤں پر پانی میں خود ڈال لیتی ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سالار کے ہاتھ سے اس بالٹی کو بکڑ لیا جو اب تقریباً خالی ہونے والی تھی۔ سالار چند قدم پیچھے ہٹ کر خیریت سے دیکھنے لگا۔

وہ وضو کر چکی تو سالار کی گود سے قدم ہٹا دی۔ اس نے گھڑی اس کی طرف بڑھا دی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کمرے تک آئے جہاں وہ آدمی گیا تھا۔ وہ آدمی حیرت سے کہنے میں ایک طرف بیٹھ چکا تھا۔ امام خاموشی سے جائے نماز کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں چند کرسیاں اور ایک چھوٹی سی چابی بھی پڑی ہوئی تھی۔ سالار غوری طور پر اس کمرے



## باب ۴

لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی امامہ نے اس سے کہا۔ ”اب تم مجھے کسی بھی اسٹاپ پر اتار دو..... میں چلی جاؤں گی۔“

”تم جہاں جانا چاہتی ہو، میں تمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنی دھند میں کسی ٹرانسپورٹ کا انتظار کرتے تمہیں بہت وقت لگے گا۔“ سڑکیں اس وقت تقریباً ویران تھیں، حالانکہ صبح ہو چکی تھی مگر دھند نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

”مجھے نہیں پتا، مجھے کہاں جانا ہے پھر تمہیں میں کس جگہ کا پتا بتاؤں۔ ابھی تو شاید میں ہاسٹل جاؤں اور پھر وہاں.....“ سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تو پھر میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔“ کچھ فاصلہ اسی طرح خاموشی سے طے ہوا پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر امامہ نے اس سے کہا۔

"میں تم یہاں گاڑی روک دو، میں یہاں سے خود چلی جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ بائبل نہیں چاہتی۔" سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔

"بچھلے کچھ عقوس میں تم نے میری بہت مدد کی ہے، میں اس کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرتے تو آج میں یہاں نہ ہوتی۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔ "تمہارا سوا بکلی ابھی میرے پاس ہے، مگر مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے، میں کچھ عرصہ بعد است واپس آجگاؤں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں، تم اسے رکھ سکتی ہو۔"

"میں کچھ دنوں بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گی پھر تم مجھے طلاق کے چھڑ بھجوا دینا۔" وہ رکی۔ "میں امید کرتی ہوں کہ تم میرے پیش کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تھی؟" سالار نے جھنجھکیاں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ بتانا ہوتا تو میں بہت پہلے بتا چکا ہوتا۔" سالار نے قدرے سرد مہری سے کہا۔ "تم مجھے بہت برا لڑکا سمجھتی تھیں، کیا ابھی بھی تمہاری میرے بارے میں وہی رائے ہے یا تم نے اپنی رائے میں کچھ تبدیلی کی ہے۔" سالار نے اچانک تلخی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ میں دراصل بہت اچھا لڑکا ہوں۔"

"یہ کہتا ہے۔" امام نے دم آواز میں کہا۔ سالار کو اس کی بات پر جیسے شاک لگا۔

"یہ کہتا ہے۔" وہ بے یقینی سے مسکرایا۔ "ابھی بھی ہو سکتا ہے۔ تم بہت ناشگرم ہو، امام، میں نے تمہارے لئے اچانک کہا ہے جو اس زمانے میں کوئی لڑکا نہیں کرے گا اور تم باہر بھی مجھے اچھا ماننے پر تیار نہیں۔"

"میں ناشگرم نہیں ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور شاید تمہاری جگہ کوئی دوسرا سمجھ نہ سکتا۔"

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم میں اچھا ہونا۔"

وہ کچھ نہیں بولی، صرف است و بھٹکتی رہی۔

"نہیں، مجھے پتا ہے تم یہی کہنا چاہتی ہو، حالانکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی اس کا اقرار ہوتی ہے مگر تمہاری خاموشی تمہارا انکار ہوتی ہے۔ تم کب کہہ رہی ہو؟"

"ہم ایک اصول بحث کر رہے ہیں۔"

"یہ کہتا ہے۔" سالار نے کندھے اچکاتے۔ "مگر مجھے پتا ہے کہ تم۔"

اس بار امام نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے میرے لئے یقیناً بہت کچھ کیا ہے۔ اور اگر میں تمہیں چاہتی نہ ہوتی تو یقیناً میں تمہیں ایک بہت اچھا انسان سمجھتی اور کہہ بھی دیتی۔ مگر میں تمہیں اتنی

ابھی طرح چاہتی ہوں کہ میرے لئے یہ کچھ مشکل ہے کہ تم ایک ایسے انسان ہو۔"

وہ رکی۔ سالار پلٹیں چھپکائے بغیر است و دیکھ رہا تھا۔

"جو آدمی خود کشی کی کوشش کرتا ہو، شراب پیتا ہو جس نے اپنا کمرہ عورتوں کی بہت تصویریں سے بھر رکھا ہو۔" وہ اچھا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔ امام نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم کسی ایسے آدمی کے پاس جاتیں جو یہ قیوں کام نہ کر سکتا تمہاری مدد بھی نہ کرتا تو کیا تمہارے لئے وہ اچھا آدمی ہوتا؟" سالار نے تیز آواز میں کہا۔ "جیسے جلال العصر؟"

امام کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "ہاں، اس نے میری مدد نہیں کی، مجھ سے شادی نہیں کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ برا ہو گیا ہے۔ وہ اچھا آدمی ہے۔ ابھی بھی میرے نزدیک اچھا آدمی ہے۔"

"اور میں نے تمہاری مدد کی۔" تم سے شادی کی مگر یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اچھا ہو گیا ہوں، میں برا آدمی ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہارا خود اپنے بارے میں کیا خیال ہے امام۔ کیا تم ابھی لڑکی ہو؟"

اس نے اچانک جیسے ہوئے انداز میں پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا۔

"میرے نزدیک تم ابھی لڑکی نہیں ہو، تم ابھی ایک لڑکے کے لئے اپنے گھر سے بھاگی ہو۔"

اپنے منہ پر کدھوکہ دیا ہے تم نے۔ اپنی فطرت کی عزت کو خراب کیا ہے تم نے۔ سالار نے ہر لفظ بالائے طاقی رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

امام کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آگئی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، میں واقعی ابھی لڑکی نہیں ہوں۔ ابھی مجھے یہ جملہ بہت سے لوگوں سے سننا ہے۔"

"میں تمہیں بہت لمبی چوڑی وضاحت دے سکتی ہوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں، تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"قرض کرو، میں تمہیں لاہور لے کر آتا کہیں اور لے جاتا پھر۔۔۔۔۔ مگر میں تمہیں یہ طاقت یہاں لے آیا۔۔۔۔۔ یہ میرا تم پر کتا ہوا احسان ہے، تمہیں اندازہ ہے اس کا۔"

امام گردن سوز کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے یقین تھا تم مجھے کہیں اور نہیں لے جاؤ گے۔"

وہ اس کی بات پر ہنس۔ "مجھ پر یقین تھا۔۔۔۔۔ کیوں؟ میں تو ایک برا لڑکا ہوں۔"

"مجھے تم پر یقین نہیں تھا۔ اللہ پر یقین تھا۔" سالار کے ماتھے پر کچھ ٹپ پڑ گئے۔

"میں نے اللہ اور اپنے خیر مسلکی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سب کچھ بھروسہ کیا ہے، یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے تمہارے جیسے آدمی کے ہاتھوں زہر مارنے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔"



"قرض کرو دیا ہو جاتا۔" سالار مصر ہوا۔ "میں ایسی بات کیوں فرض کروں جو نہیں ہوئی۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"یعنی تم مجھے کسی قسم کا کوئی کرپٹے نہیں دو گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔  
"ایسا فرض کرو میں اب تمہیں جانے نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی۔ گاڑی کا دروازہ جب تک میں نہیں کھولوں گا، نہیں کھلے گا۔ یہ تم جانتی ہو۔ اب بلاؤ تم کیا کرو گی۔"

وہ ایک تک اسات و بکھتی رہی۔ "پامیں یہ کرتا ہوں۔" سالار نے ڈیلش یورڈ پر چڑھا اور اپنا موبائل اٹھایا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "تمہارے گھر قرن کر دیتا ہوں۔" اس نے موبائل کی اسکرین کو اس کی آنکھوں کے سامنے لے لیا۔ اس پر امام کے گھر کا نمبر تھا۔

"میں انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں کہ تم کہاں ہو، کس کے ساتھ ہو۔" پھر یہاں سے صبیح سیدھا پلین اسٹیشن لے چکا کہ ان کی تحویل میں دے دیتا ہوں۔ تو پھر تمہارے اعتقاد اور اعتبار کا کیا ہوا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

امام چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ سالار نے موبائل آف کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لے لیا۔

"تکنا بڑا اسٹریٹ کر رہا ہوں میں تم پر کہ ایسا نہیں کر رہا۔" اس نے موبائل کو دروازہ ڈیلش یورڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "خانا نکد تم بے بس ہو، کچھ بھی نہیں کر سکتیں، اسی طرح رات کو میں تمہیں نکلیں اور لے جاتا تو تم کیا کر لیتیں۔"

"میں تمہیں شوٹ کر۔ جی۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کیا کر دیتی۔ میں۔ تمہیں..... شوٹ..... کر۔۔۔ جی۔"

اس نے اسی انداز میں نیک نیک کر اس سے کہا۔ وہ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھٹکھٹا کر ہنسا۔

"کبھی زندگی میں باطل دیکھا بھی ہے تم نے۔" اس نے امام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

سالار نے اسے جھٹکے اور اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس نے سالار سے کہا۔ "شاید اسے کہتے ہیں۔"

سالار ہنسا بھول گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چھوٹے سائز کا ایک بہت خوب صورت اور قیمتی لینڈ فون تھا۔ سالار ہتھول پر اس کے ہاتھ کی گرفت دیکھ کر جان گیا تھا کہ وہ کسی انداز کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے بے چینی سے امام کو دیکھا۔

"تم مجھے شوٹ کر سکتی تھیں؟"

"ہاں، میں صبحیں شوٹ کر سکتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تم نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔"

اس نے سچم آواز میں کہا۔ اس نے ہتھول سالار کی طرف نہیں کیا تھا صرف اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔

"گاڑی کا لاک۔" اس نے بات و صورتی چھوڑتے ہوئے سالار سے کہا۔ سالار نے فیصلہ راندی خور پر اپنی طرف موجود ہلن واکر لاک کھول دیا۔ امام نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اب ہتھول اپنی گود میں موجود بیگ میں رکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ امام نے گاڑی سے باہر نکل کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ سالار نے اسے تیز قدموں کے ساتھ ایک قریب آتی ہوئی دین کی طرف چلتے اور پھر اس میں سوار ہوتے دیکھا۔

اس کی قوت سے مشاہدہ بہت تیز تھی۔ وہ کسی بھی شخص کے چہرے کو چاند سکتا تھا۔ اور اسے اس چیز پر براہِ دم تھا۔ مگر وہاں اس وحند آکوڈ سڑک پر گاڑی پر بیٹھے ہوئے اس نے اعتراف کیا۔ وہ امام باشم کو نہیں جانے کا تھا۔ وہ اگلے کئی منٹ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے بے چینی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا تھا۔ امام باشم کے لئے اس کی تاپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ ایسی پرہیزگار کی پروا کئے بغیر چوری رفتار سے گاڑی چلا کر آیا تھا۔ پورا اسٹ اس کا ذہن اسی آواز میں رہا تھا کہ اس نے ہتھول آخر کہاں سے نکالا تھا۔ وہ پورے ایشیائی سے کہہ سکتا تھا کہ جس وقت وہ وضو کے لئے پاؤں دھو رہی تھی اس وقت وہ ہتھول اس کی پینڈل کے ساتھ نہیں تھا۔ رت وہ ضرور اسے دیکھ لیتا۔ بعد میں غماز پڑھنے کے دوران بھی وہ بخود اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا تھا۔ ہتھول تب بھی اس کی پینڈل کے ساتھ بندھا ہوا نہیں تھا۔ وہ گر گھٹنے اور پائے پیچنے کے بعد گاڑی میں آکر بیٹھ گئی تھی اور وہ کچھ دیر بعد گاڑی میں آیا تھا۔ یہ یقیناً گاڑی میں موجود اس کے بیگ میں ہی ہو گا۔ وہ اندازے لگاتا رہا۔

وہ جس وقت اپنے گھر پہنچا اس کا موبل آف تھا۔ گیٹ سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس نے چوکیدار کو اپنی طرف بلایا۔ "رات کو میں جس لڑکی کے ساتھ یہاں سے گیا تھا تم اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے بلکہ میں رات کو کہیں نہیں گیا، مجھ میں آیا۔" اس نے تھکمانہ انداز میں کہا۔

"جی۔۔۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" چوکیدار نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ وہ افسوس نہیں تھا کہ انہی چیزوں کے بارے میں کسی کو بتانا پڑتا۔

اپنے کمرے میں آکر وہ اطمینان کے ساتھ سو گیا۔ اس کا اس دن کہیں جانے کا کاروبار نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت گہری نیند میں تھا جب اس نے اچانک کسی کو اپنے کمرے کے دروازے کو زور زور سے بجاتے سنا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ واقعی بج رہا تھا۔ اس نے مندی ہوئی نظروں سے وال کھاک کو دیکھا جو چار بج رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دروازہ

بہانے والے پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اسی غصے کے عالم میں اس نے بیوہ کو ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ باہر ٹانڈی کھڑ تھی۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں۔۔۔ کیوں اس طرح دروازہ بھار ہے جو تلواریں توڑنا چاہتے ہو؟“ وہ دروازہ کھولتے ہی ملامم پہنچا۔

”سالار صاحب باجو پولیس کھڑی ہے۔“ ملازم نے گھبرا کے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار کا غصہ اور خیند ایک منٹ میں غائب ہو گئے۔ ایک پینکٹ سے بھی کم عرصے میں وہ پولیس کے وہاں آنے کی وجہ جان گیا تھا اور اسے ان کی اور اہلکار کے گھر والوں کی اس مستعدی پر حیرت ہوئی تھی۔ آخر وہ چند گھنٹوں میں صبح سے اس تک کہیں پہنچ گئے تھے۔

”کس لئے آئی ہے پولیس؟“ اس نے اپنی آواز کو پرسکون رکھتے ہوئے بے ہوش چہرے کے ساتھ پوچھا۔

”یہ تو جی چاہتے ہیں۔۔۔ بس کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا ہے، مگر چاہتے ہیں کہ ان کے پاس آپ کے وارنٹ ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر انھیں اندر نہیں آنے دیا گیا تو وہ زبردستی اندر آ جائیں گے اور تمام لوگوں کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔“

سارا نے بے اختیار اطمینان بھر سانس لیا۔ چونکہ اس نے واقعی بڑی مشکل مسئلہ کا مقابلہ کیا تھا۔ اسے یقیناً یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پولیس رات والی لڑکی کے معاملے میں ہی تحقیق کے لئے وہاں آئی تھی اس لئے اس نے نہ تو پولیس کو آواز دینے کی کوشش کی تھی نہ ہی اسے بتایا کہ سارا گھر موجود تھا۔

”تم غرمت کرو۔ میں کچھ نہ کیجھ کر تاہوں۔“ سالار نے ملازم سے کہا اور واپس اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ کسی عام شہری کا گھر ہوتا تو پولیس شاید وہاں میں پھلانگ کر بھی اندر موجود ہوتی مگر اس وقت وارنٹ ہونے کے باوجود اس گھر کا ساز اور جس علاقے میں وہ واقع تھا انہیں خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔ اگر ایامہ کا خاندان بھی اثر و رسوخ والا نہیں ہوتا تو شاید اس وقت پولیس اس سیکٹر میں آنے اور خاص طور پر وارنٹ کے ساتھ آنے کی جرأت ہی نہ کرتی مگر اس وقت پولیس کے سامنے آگے کنواں پیچھے کسائی والی صورت تھی۔

سالار نے بیچر و م کے اندر آتے ہی فون اٹھا کر کراچی حکمدار عثمان کو فون کیا۔

”پاپا! ایک تھوڑا سا پالیم جو گیا ہے۔“ اس نے چھوٹے قہقہے کہا۔

”یہاں امانت گھر کے باہر پولیس کھڑی ہے اور اورالتا کے پاس میرے گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔“

سکندر عثمان کے ہاتھ سے موہا کل گرتے گرتے پھار

21. *Phragmites*

”یہ تو ہوتا نہیں پایا۔ میں سو رہا تھا، ملازم نے جگا کر مجھے بتایا، کیا میں جا کر پولیس والوں سے پوچھوں کہ وہ کس سلسلے میں مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟“ سارا نے بڑی فرمائندہ روی اور معصومیت کے ساتھ سکندر عثمان سے پوچھا۔

”اتھیں باہر نکلے یا پیسے کو انڈر بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں ہی رہو۔ میں  
تھوڑی دیر بعد تمہیں رہگے کرتا ہوں۔“ سکندر عثمان نے قلت کے عالم میں موہاکن بند کر دیا۔ سالار نے  
”میں تو کرفون رکھ رہا ہوں جانتا تھا کہ اب کچھ دیر بعد پولیس ہاں نہیں ہوگی اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔“ اس  
بند درمست کے بعد ملازم نے آکر اسے پولیس کے جانے کے بارے میں بتایا۔ ملازم ابھی اس سے بات  
کر رہا تھا کہ سکندر نے وہ بار کال کی تھی۔

”پولیس چلی گئی ہے!“ سمجھ رہے تھے اس کی آواز سننے ہی کہا۔

”ہاں جلی گئی ہے۔“ سالار نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

”اب تم میری بات ٹھیک طرح سنو۔ میں اور تمہاری ممانعت کو کراچی سے اسلام آباد منتقلی رہے ہیں۔ تم جب تک کھڑے کھینچ نہیں چلاؤ گے۔“ سنا تم نے۔ ”مرا لڑکوں کے بات کرنے کا انداز بہت شبہ سازگاہ انہوں نے بہت اکلڑا انداز اور مزاحیہ لہجے سے اس سے بات کی تھی۔“

”جی لیا۔“ دو دوسری طرف سے فون بند کر چکے تھے۔

سارا اور ابھی فوج بند کر رہا تھا جب اس کی نظر اپنے کمرے کے کنارے پر پڑی۔ وہاں ہوتے کے نشانات تھے اور اس نے دیکھا کہ ملازم بھی قدرے خیراتی کے عالم میں اس نشانات کو دیکھ رہا تھا جو کھڑکی سے اُٹار کی صورت میں بند رہے تھے۔

”مذہب کے ان نظریات کو صحائفِ کریمہ<sup>۱۲</sup> سے نکالنا اور ان کے حکامات اخذ نہیں کیا۔

مازم کر سب سے باہر چلا گیا، سالار اٹھ کر کھڑکی کی طرف آگیا اور اس نے وہ سلائی ٹکب دنگو پوری طرح کھول دی۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا، جو تھے کچے دھاتی والے ٹکانات باہر پر آدے میں بھی مہجرو تھے۔ امام اپنی کیا پیوں سے گزرا کر دینا اور جھانگ کر ان کی کیا پیوں میں کو دنی بھی اور بھی وجہ تھی کہ اس کے جوتے کے کتے مٹی سے بھر گئے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ کئی مٹی اور کچھ زیادہ تھی اور اس کے پر آدے کے مفید جریں پر وہ ٹکانات بالکل ایک قطار کی صورت میں آ رہے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لیتا اور اندر آگیا، مازم کر سب میں ان ٹکانات کو سانس کرنے میں مصروف تھا۔

”باہر آدے میں بھی پھروں کے کچھ ٹھکانے ہیں انہیں بھی صاف کر دینا“ سارا نے اس





"یہ کس کے مکان ہیں۔ ملازم زیادہ پر اپنے قسم پر قائم نہیں رکھ سکا۔"  
"میرے....." سالار نے آکھڑے لہجے میں کہا۔

☆.....☆

دو رات کو کھانا کھانے میں مصروف تھا جب سکندر عثمان اور طیب آگئے تھے۔ ان دونوں کے چہرے سے ہونے لگے تھے۔ سالار اطمینان سے کھانا کھاتا رہا۔ وہ دونوں اسے مخاطب کئے بغیر اس کے پاس سے گزر کر چلے گئے تھے۔

"کھانا ختم کر کے میرے کمرے میں آؤ۔" سکندر عثمان نے جاتے جاتے اس سے کہا تھا۔ سالار نے جواب دینے کے بجائے فروٹ ٹرانکسل اپنا پیٹ میں نکال لی۔

پندرہ منٹ بعد وہ جب ان کے کمرے میں گیا تو اس نے سکندر کو کمرے میں بیٹھتے ہوئے پایا جب کہ طیبہ کمرہ صوفی کے عام میں صوفی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟" سالار نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔  
"میں تو پھر تھیں جتنا ہوں کیوں بلایا ہے۔" سکندر عثمان نے اسے دیکھتے ہی جھلکا ہوا کر دیا۔ اوپر سے اطمینان سے طیبہ کے برابر بیٹھ گیا۔

"اما۔ کہاں ہے؟" سکندر نے لمحہ ضائع کئے بغیر پوچھا۔  
"کون اما ہے؟" اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے چہرے پر تھوڑی بہت تھیرا ہٹ ضرور ہوتی، مگر وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

سکندر کا چہرہ ضرور ہو گیا۔ "تہاری بہن۔" وہ غراے۔  
"میری بہن کا نام ایسا ہے پاپا۔" سالار کے اطمینان میں کوئی کی نہیں آئی۔  
"مجھے تم صرف ایک بات بتاؤ۔ آخر تم مجھے اور کتنی بار دہکتے طریقوں سے دہل کر دو گے۔"  
اس بار سکندر عثمان دوسرے صوفی پر بیٹھ گئے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پاپا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" سالار نے حیرانی سے کہا۔ "حالانکہ تہاری سمجھ میں سب کچھ آ رہا ہے۔" انہوں نے طنز آمیز انداز میں کہا۔ "دیکھو، مجھے آرام سے بتا دو کہ اما کہاں ہے۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"پاپا! آپ کس اما کی بات کر رہے ہیں۔ میں کسی اما کو نہیں جانتا۔"  
"میں وہیم کی بہن کی بات کر رہا ہوں۔" سکندر عثمان اس بار غراے۔

"وہیم کی بہن؟" وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا..... یاد آیا۔ وہ جس نے مجھے فریڈنٹ دیا تھا لاسٹ ایئر۔"

"ہاں وہی..... اب چونکہ تہاری یادداشت واپس آگئی ہے اس لئے مجھے یہ بھی بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔"

"پاپا! وہ اپنے کمرے میں ہوگی یا میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں۔ میرا اس سے کیا تعلق؟" اس نے حیرانی سے سکندر سے کہا۔ "اس کے باپ نے تہارے خلاف اپنی بیٹی کے انوکھا کیمس کر دیا ہے۔"  
"میرے خلاف....." سالار نے دہرایا۔ "اما سے کیا تعلق ہے؟" اس نے پرسکون لہجے اور بے چارہ چہرے کے ساتھ کہا۔

"جی تو میں جانتا چاہتا ہوں کہ تہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"  
"پاپا! میں اس کو جانتا تک نہیں ہوں۔ ایک دو بار کے علاوہ میں اس سے ملا تک نہیں۔ پھر اس کے اغوات میرا کیا تعلق اور مجھے تو یہ بھی نہیں چاک وہ اغوا ہو گئی ہے۔"  
"سالار! اب یہ ایکٹنگ بند کرو۔ مجھے بتا دو کہ وہ کئی کہاں ہے۔ میں نے باقلم سین سے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کی بیٹی کو ان تک پہنچاؤں گا۔"

"تو آپ اپنا وعدہ پورا کریں اگر ان کی بیٹی کو ان تک پہنچا سکتے ہیں تو ضرور پہنچائیں، مگر مجھے کیوں ڈھرب کر رہے ہیں۔" اس بار سالار نے ناگوار سی سے کہا۔

"دیکھو سالار! تہاری اور اما کے درمیان اگر کسی بھی قسم کی افراط پسینہ لگ ہے تو ہم اس معاملے کو حل کر لیں گے۔ میں خود تہاری اس کے ساتھ شادی کروادوں گا۔ تم فی الحال یہ بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔" سکندر عثمان نے اس بار اپنے لب لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

"قادر گارڈ سیک پاپا۔ اسٹاپ!..... کون سی افراط پسینہ لگ، کبھی شادی۔ میری کسی کے ساتھ افراط پسینہ لگ ہوتی تو میں اسے اغوا کروں گا اور میں افراط پسینہ لگ ڈھپ کر دوں گا اما نہ کسی لڑکی کے ساتھ۔ وہ میری نایب ہے؟" اس بار سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"تو میرا ختم پر اس کے اغوا کا الزام کیوں لگا رہے ہیں؟"  
"یہ آپ ان سے پوچھیں۔ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے اسی ناگوار سی سے جواب دیا۔

"آج باقلم سین کمرے میں ہیں کل کو کوئی اور آکر کبے گا اور آپ پھر مجھ پر چلنا شروع کر دیں گے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے میں سو رہا تھا جب پولیس آکر باہر کھڑی ہو گئی اور اب آپ آگئے ہیں اور آتے ہی مجھ پر..... مجھے تو یہ تک نہیں چاک وہیم کی بہن اغوا ہوئی ہے یا نہیں..... آخر وہ لوگ مجھ پر الزام کیوں لگا رہے ہیں۔ کیا ثبوت ہے ان کے پاس کہ میں نے ان کی بیٹی کو اغوا کیا ہے اور بالفرض میں نے اغوا کیا بھی ہے تو کیا میں یہاں اپنے کمرہ بیٹھا ہوں گا۔ مجھے اس وقت اس لڑکی کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

سالار غصے سے بول رہا تھا۔

"مجھے ایسی جلی سے تھپارے کیس کی تھیلیاں کا پنا چلا ہے، پھر میں نے کراچی سے ہاشم مبین کو فون کیا، وہ مجھ سے بات کرنے پر تیار نہیں تھا، مجھے اس سے بات کرنے کے لئے تئیس کرنی پڑیں۔ اس نے مجھے تھپارے بارے میں بتایا ہے..... اس کی بیٹی رات کو غائب ہوئی ہے اور تم بھی رات کو مجھے ہو اور صبح آئے ہو۔"

"تو پاپا! اس میں احمک کہاں سے آگیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں رات کو کہیں نہیں گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ احمک کرنے کے لئے کسی کے گھر جا کر لڑکی کو زبردستی لے جانا ضروری ہے اور میں کسی کے گھر نہیں گیا۔"

"ہاشم مبین کے چوکیدار نے رات کو جھپٹیں جاتے اور صبح آتے دیکھا ہے۔"

"اس کا چوکیدار جھوٹا ہے۔" سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"میرے چوکیدار نے جھپٹیں رات کو ایک لڑکی کو کار میں لے جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ سالار چند لمحوں کے بعد بولے۔ سالار سکندر یقیناً گھر آتے ہی چوکیدار سے بات کر چکے تھے۔

"وہ میری ایک فریڈ تھا جسے میں گھر چھوڑنے گیا تھا۔" اس نے طیبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"گوں ہے وہ فریڈ؟ اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔"

"میری بی بی! میں نہیں بتا سکتا۔ it's personal۔"

"یہاں اسلام آباد چھوڑنے گئے تھے؟"

"ہاں....."

"تم اسے لاہور چھوڑ کر آئے ہو۔ ایس جی نے مجھے خود بتایا ہے۔ تم چار ٹاکوں سے گزرے ہو۔ چاروں پر تھپارے لٹے ہوٹ کیا کیا ہے۔ رستے میں تم نے اس مرد اس اسٹیشن پر ڈک کر گاڑی چیک کروائی ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ وہاں کھانا کھایا ہے۔" سکندر نے اس مرد اس اسٹیشن اور پوئل کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ سالار دیکھ کر سکندر کو پختہ ہاں گھر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ "ایس جی نے مجھے یہ سب کچھ خود بتایا ہے۔ اس نے ابھی ہاشم مبین کو یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں اور خاموشی کے ساتھ لڑکی کو وہاں پہنچا دوں یا اس کے گھر والوں کو اس لڑکی کا پناہ دوں تاکہ یہ معاملہ خاموشی سے کسی مسئلے کے بغیر ختم ہو جائے مگر وہ کب تک ہاشم مبین کو نہیں بتائے گا۔ وہ دوسری کا خیال کرے سب کچھ چھپا بھی کیا تب بھی ہاشم مبین کے اور بہت سے ذرا لے ہیں۔ اسے وہاں سے چٹا چل جائے گا اور پھر تھپارے کی زبردستی میں گزرے گی۔"

سکندر نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ وہ مٹاڑ ہوئے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔

"اب جوتے بولنا چھوڑو اور مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکی کہاں ہے۔"

"وہ لڑکی ریڈ لائٹ ایریا میں ہے۔" سکندر کو اس کی بات پر کرفٹ لگا۔

"واٹ.....؟"

"میں اسے وہاں سے لایا تھا، وہاں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ عقیدہ چرے کے ساتھ سالار کو دیکھتے رہے۔

"مگر وہ اب اسے نہیں تھی، میں پرسوں لاہور گیا ہوا تھا وہاں سے میں رات گزرنے کے لئے اس لڑکی کو لایا تھا، آج میں اسے وہاں چھوڑ آیا۔ میرے پاس اس کا کوئی کالکٹ نمبر تو نہیں ہے، مگر آپ میرے ساتھ لاہور چلیں تو میں آپ کو اس لڑکی کے پاس لے جاتا ہوں یا پناہ دیتا ہوں آپ خود یا پولیس کو کہیں کہ وہ اس لڑکی سے تھپڑی کر لیں۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ طیبر اور سکندر بے چینی سے سالار کو دیکھ رہے تھے جب کہ وہ بڑے مطمئن انداز میں کھڑکیوں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم۔ تم اس طرح کی حرکت کر سکتے ہو۔ تم ایسی جگہ جاسکتے ہو؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد سکندر نے کہا۔

"آئی اہم سوری پاپا! مگر میں جانتا ہوں۔ اور اس بات کا اہم کے بھائی وسم کو بھی پتا ہے۔ میں کئی بار ویک اینڈ پر اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں جاتا رہا ہوں اور وسم یہ بات جانتا ہے، آپ اس سے پوچھ لیں۔"

"ایڈریس دو اس لڑکی کا۔" وہ کچھ دیر بعد غرائے۔

"میں اپنے کمرے سے لے کر آتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے موبائل اٹھایا اور لاہور میں رہنے والے اپنے ایک دوست کو فون کرنے لگا۔ اسے ساری صورت حال بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"اکمل! میں اپنے پاپا کو ریڈ لائٹ ایریا کے اس گھر کا پتہ دے رہا ہوں جہاں ہم جاتے رہے ہیں۔ تم وہاں کسی بھی ایسی لڑکی کو جو مجھے جانتی ہے اس کو اس بارے میں بتاؤ، میں ابھی کچھ دیر تک تمہیں وہ بارہ فون کر رہا ہوں۔"

وہ کہتے ہوئے تھوڑی سی چٹ پر ایک ایک ایڈریس لکھنے لگا اور پھر اسے لے کر سکندر کے کمرے میں آگیا۔ اس نے چٹ سکندر کے سامنے کر دی، جسے انہوں نے تقریباً چھین لیا۔ ایک نظر اس چٹ پر ڈال کر انہوں نے عشقیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"دش ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اطمینان سے انداز میں وہاں سے آگیا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے اکمل کو وہ بارہ فون کیا۔



"میں تمہیں وہاں پہنچ کر فون کر جاؤں۔" اکمل نے اس سے کیا وہ بندہ پریٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ چند روز منٹ کے بعد اکمل نے اسے فون کیا۔

"سالار! میں نے سعی کو تیار کیا ہے۔ اسے میں نے سارا معاملہ سمجھا دیا ہے۔" اکمل نے اسے بتایا وہ سعی کو چاہتا تھا۔

"اکمل! آپ تم ایک کانڈ اور فٹسل نواد میں کچھ چیزیں لکھو اور ہاؤس اسے لکھو۔" اس نے اکمل سے کہا اور پھر اسے اپنے گھر کے بیرونی منظر اور لوکیشن کی تفصیلات لکھوانے لگا۔

"یہ کیا میں نے دیکھا ہوا ہے تمہارا گھر۔" اکمل نے کچھ حیرانی سے اس سے پوچھا۔

"تم نے دیکھا ہے سعی نے تو نہیں دیکھا۔ یہ ساری تفصیلات میں سعی کے لئے لکھو اور ہاؤس اگر پولیس اس کے پاس آئی تو وہ یہ ساری چیزیں اس سے پوچھے گی صرف یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ کیا وہ واقعی میرے ساتھ یہاں اسلام آباد میں تھی۔ وہ گاڑی میں چھپ کر آئی تھی اور رات کے وقت آئی تھی اس لئے اسے زیادہ تفصیل کا نہیں پتا، مگر گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھیں اور ہمیں وہاںوں طرف لان ہے۔ میری گاڑی کا رنگ مشرق تھا۔ اسہورٹس کار اور نمبر....." وہ اسے لکھوا دیا گیا۔

"میں پولیس کے چار نمائندوں سے گزرتے تھے۔ اس نے سفید فلوئور ٹیس، سفید چادر اور سیاہ سوئٹر پہنا ہوا تھا اور سب میں ہم اس نام کے سروس انٹیشن پر بھیڑے تھے۔" سالار نے نام بتایا، سروس انٹیشن

اور ہوٹل، وہ وہاں کی وجہ سے صحیح طرح نہیں دیکھ سکی۔ "سالار! یکے بعد دیگرے ہر چیز کی تفصیل لکھو اور گیا۔ سروس انٹیشن پر گاڑی ٹھیک کرنے والے آدمی سے لے کر چائے بنانے والے لڑکے کے چلنے اور

اس کمرے کی تفصیلات۔ انہوں نے کیا کھایا تھا، سالار اور لڑکے کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹی چھوٹی تفصیلات اسے لکھوائی تھیں۔ اس نے اپنے گھر کے پورے سے لے کر اپنے کمرے تک

کے راتے اور اپنے کمرے کا تمام حلیہ بھی اسے نوٹ کر دیا تھا۔

"سعی سے کہو یہ سب یکورٹ لے۔" اس نے اکمل کو آخری ہدایت دی اور فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ بندہ پریشاں بھی کچھ سوچ رہا تھا اب سکندر جیٹن اچانک دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آئے۔

"اس لڑکی کا کیا نام ہے؟"

"سعی! سالار نے بے اختیار کہا۔ سکندر جیٹن مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے۔

☆ — ☆ — ☆

ان کے جانے کے بعد سالار کو اس دیکھنے کا خیال آیا جس کے ذریعے انہوں نے ہاشم بینین احمد سے رابطہ کیا تھا۔ اس دیکھنے کو باز کرنے والا بھی حسن ہی تھا اور سالار سکندر کے نام سے وہ دیکھنے بھی واقف

نہیں تھا۔ مگر سالار کے لئے قابل تشویش بات اس میں حسن کا انوکھا ہونا تھا، ہاشم بینین احمد اس دیکھنے سے حسن اور حسن سے اس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔

اس نے اگلا فون حسن کو کیا اور حسن کو سارے معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

"میں تمہیں پہلے ہی اس سب سے متح کر رہا تھا۔" اس نے چھوٹے ہی سالار سے کہا۔ "میں دیکھ اور اس کی جگہ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور ان کے اثر و رسوخ سے بھی بخوبی واقف ہوں۔" وہ بولا

جا رہا تھا۔

سالار نے کچھ اکتاہٹ بھرتے لکچے میں اسے ٹوکا۔ "میں نے تمہیں فون اپنے مستقبل کا حال جاننے کے لئے نہیں کیا۔ میں صرف ایک خطرے سے آگاہ کر چاہتا ہوں۔"

"کس خطرے سے؟" حسن پوچھا۔ "تم نے جو دیکھ پاؤ کیا تھا وہ اس کے بارے میں تم تک اور پھر مجھ تک ہا آسانی پہنچ سکتے ہیں۔" سالار نے اس سے کہا۔

"نہیں وہ کچھ تک نہیں پہنچ سکتے۔" حسن نے اس کی بات پر قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"کیوں؟"

"کیوں کہ میں نے سارا کام پہلے ہی بہت عرصہ ہو کر کیا ہے۔" وہ کیل بھی میرے اصلی نام اور پتے سے واقف نہیں ہے۔ اسے جو اپنے دیکھ اور فون نمبر میں سے دیا تھا وہ بخوبی تھا۔

سالار نے اقرار کر لیا کہ اسے حسن سے ایسی حلقہ بندی اور چالاک کی توقع رہتی چاہئے تھی۔ وہ ہر کام بڑی صفائی سے سرانجام دینے کا ماہر تھا۔

"میں صرف اس کے پاس ایک بار گیا تھا پھر فون پر ہی رابطہ کیا اور اس ماقات میں بھی میرا حلیہ بالکل مختلف تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ صرف شبہ سے ہاشم بینین احمد کچھ تک پہنچ سکتے ہیں؟"

"اور اگر وہ پہنچ گئے تو۔۔۔"

"تو۔۔۔ پتا نہیں۔ اس تو کے بارے میں ہمیں پتا چاہیے۔" حسن نے صاف کوئی سے کہا۔

"کیا یہ بغیر نہیں ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے کہیں جاؤ اور وہاں ظاہر کرو کہ جیسے تمہاری یہ غیر موجودگی کچھ ضروری کاموں کے لئے تھی۔" سالار نے اسے مشورہ دیا۔

"اس سے بہتر مشورہ بھی میرے پاس ہے۔ میں اس دیکھنے کو کچھ روپے پہنچ کر یہ ہدایت دے دیتا ہوں کہ ہاشم بینین احمد پولیس کے پہنچنے پر وہ انہیں میرا حلیہ بتائے۔ کم از کم اس طرح فوراً طور پر میں کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوں گا اور ان ہی دنوں میں ویسے بھی چند بھتوں کے لئے انگلی بند جا رہا ہوں۔"

حسن نے تاپا۔ "پولیس اگر پہنچ بھی جاتی تو تب بھی میں ان کی پہنچ سے بہت دور رہوں گا۔ مگر مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ وہ مجھ تک پہنچ سکیں گے۔ اس لئے تم اطمینان رکھو۔"

"اگر تم واقعی اسے فکر اور "طینت ہو تو ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے وہ تم تک نہ ہی آئیں، مگر میں نے پھر بھی سوچا کہ میں تمہیں بتا دوں۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"ویسے تم اس ٹرکی کو اب لاہور میں کیاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

"لاہور کی ایک سڑک پر چھوڑ آیا ہوں اس کے علاوہ اور کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنے عمل و قورق اور جدوجہد و ادب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ اس کی جلی گئی۔"

"جیسا کہ وہ قول ہے، کم از کم تم تو اس سے اس کا ٹکنا نہ چھنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔"

"ہاں! مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی۔" سالار نے دانستہ انداز سے آخری بار ہونے والی اپنی گفتگو کو ل کر دی۔

"میں حیران ہوں کہ تم اب کس طرح کے معاملات میں انوالو ہو رہے ہو۔ اپنی ٹامپ کی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہونا دوسری بات ہے مگر وہیم کی بہن بھی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہو جاتا۔ تمہارا فیٹ بھی دن بہ دن گرتا جا رہا ہے۔"

"میں "انوالو" ہوا ہوں۔۔۔۔۔ تم واقعی عقل سے پیدل ہو اور نہ کم از کم اس طرح کی بات مجھ سے نہ کرتے۔ ایڈیٹر اور انوالو فیٹ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے حسن صاحب! سالار نے طنز سے لہجے میں کہا۔

"اور آپ نے یہ حاصل ایک ہی چھانگ میں ملے کر کیا ہے سالار صاحب!" حسن نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا دامخ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"اور تمہارا دامخ مجھ سے زیادہ خراب ہے۔ ورنہ اس طرح کی حماقت کو اپنے دماغ پر بھی نہ کہتے۔" حسن بھی قدر سے چھلایا ہوا تھا۔

"اگر تم نے میری مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے من میں جو آئے تم مجھے کہہ دو۔" سالار کو اس کی بات پر اچانک غصہ آ گیا۔

"ابھی میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ تم کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ یہ فیٹ والی بات کی طرف یا دامخ خراب ہونے والی بات کی طرف؟" حسن نے اسی انداز میں اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

"اچھا اب منہ بند کر لو۔ فضول بحث مت کرو۔"

"اس وقت ان تمام باتوں کو کرنے کا مطلب گڑے مردے دکھانا ہے۔" حسن اب سنجیدہ تھا۔ "فرض کرو پولیس کسی صورت ہم تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ امام کا آٹا پٹا جانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم

کیا بتائیں گے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کبھی بھی اس بات پر یقین کریں گے کہ امام کے بارے میں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں کروں گا۔ میں ان سے بھی وہی کہوں گا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں اور سارا مسئلہ تمہارے اس بیان سے ہی شروع ہو گا۔ میں امام کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔" حسن نے اس کا جملہ ڈبرایا۔ "تمہیں ابھی طرح اندازہ ہونا چاہئے کہ ادھر قیمت پر امام تک پہنچنا چاہیں گے۔"

"یہ بہت بعد کی بات ہے، میں امکانات اور ممکنات پر غور کر کے پریشان نہیں ہوتا۔ جب وقت آئے گا، دیکھا جائے گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم سے مجھے صرف یہ مدد چاہئے کہ تم اس سارے معاملے کو درہی رکھو اور پولیس کے "تھوڑے گلو۔"

"تمہارے کچے بغیر بھی میں یہ ہی کرتا۔ ویسے بھی میں اگر پکڑا گیا تو وہیم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس بار تم نے مجھے واقعی بڑی embarrassing صورت حال سے دوچار کیا ہے۔"

"او کے میں فون بند کر رہا ہوں کیونکہ تم پر پھر وہی درد پڑنے والا ہے۔ وہی لکھتیں اور پچھتاوا۔"

"You are acting like my father."

"سالار نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن الجھلی راست کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے ماتھے کی تیرہاں اور گل بہت نمایاں تھے۔

.....

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس حد تک گر جائے گا۔"

"ریٹ لائٹ امیرامانی فٹ، کبھی میرے خاندان کی کچھلی سات سلوں سے بھی کوئی وہاں نہیں گیا اور یہ لڑکا۔ کیا ہے جو میں نے اسے نہیں دیا۔ کیا ہے جس کی کمر بٹے دی ہے اور اسے دیکھو کبھی یہ خود کشی کی کوشش کرتا پھر جاتا ہے اور کبھی ریٹ لائٹ امیرامانی میرے اللہ..... آخر کس حد تک جائے گا یہ؟"

سکندر عثمان نے اپنا سر تھام لیا۔

"مجھے تو گھر کے ملازموں پر بھی بہت زیادہ اعزاز مل رہا ہے۔ آخر کیوں اس لڑکی کو انہوں نے اندر آنے دیا۔ گھر کے معاملات پر نظر رکھنی چاہئے انہیں۔" علیہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"گھر کے معاملات اور مالک کے معاملات پر نظر رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ گھر کا نہیں تھا، مالک کا تھا۔" سکندر نے طنز سے لہجے میں کہا۔ "اور پھر اس میں سے کسی نے بھی کسی لڑکی کو یہاں آنے نہیں دیکھا۔ وہ کہتا ہے وہ اسے اسی دن لایا تھا، پوچھا کہ کیا کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا اس نے



اس کے ساتھ کسی لڑکی کو آتے نہیں دیکھا۔ ہاں! جاتے ضرور دیکھا ہے ملازموں کا بھی بچہ کہنا ہے۔

انہوں نے تو نہ کسی لڑکی کو آتے دیکھا ہے نہ ہی جاتے دیکھا ہے۔ "سکندر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً اس لڑکی کو ابھی طرح چھپا کر لاپا ہو گا۔"

"شیطان دماغ ہے اس کا۔ یہ تم جانتی ہو تم صرف یہ دعا کرو کہ یہ سارا معاملہ ختم ہو جائے۔

ہاشم مبین کی بیٹی مل جائے اور ہماری جان چھوٹ جائے تاکہ ہم اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔"

سکندر عثمان نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے سرائی

دی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟" وہ بے حد بے بسی نظر آ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

دو اگلے روز صبح معمول کے مطابق اٹھا اور کالے جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔ ناشتہ کرنے کے

لئے وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو اس نے غلاف معمول وہاں سکندر عثمان کو سو ہو پٹایا۔ وہ عام طور پر اس وقت

ناشتہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ذرا دیر سے فیکٹری جایا کرتے تھے۔ سالار کو اس وقت انہیں سو جو پا کر

کچھ حیرت ہوئی، مگر ان کے سنے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ ساری

رات نہیں سو سکے۔

سالار کو صبح صبح باہر نکلنے کے لئے تیار دیکھ کر انہوں نے غم دور مٹتی سے اس سے کہا۔ "تم کہاں جا

رہے ہو؟"

"کالج۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ میرے گلے میں یہ مصیبت ڈال کر تم خود کاٹا جا رہے ہو۔ جب تک

یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا تم نہیں جاؤ گے۔ تمہیں پتا ہے کہ تم کتنے خطرے میں ہو؟"

"کیا خطرہ؟" وہ ٹھٹکا۔

"میں نہیں چاہتا ہاشم مبین تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لئے فی الحال تمہارے لئے یہاں بہتر

ہے کہ تم گھر پر رہو۔" سکندر عثمان نے دو نوک لہجے میں کہا۔ "اس کی بیٹی مل جائے پھر تم دوبارہ کالے جانا

شرع کر دیتا۔"

"اس کی بیٹی اگر ایک سال نہیں ملے گی تو کیا میں ایک سال تک اندر بیٹھا رہوں گا۔ آپ نے اسے

میرے جان کے بارے میں بتا دیا تھا ہے۔" سالار نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں اسے بتا چکا ہوں۔ سچ ہے۔ لے بھی تمہاری بات کی تھوڑی سی گردی تھی۔" کتن کے لہجے میں معصوب

کا نام لیتے ہوئے چلی تھی۔ "مگر ہاشم مبین ابھی بھی مصر ہے کہ اس کی بیٹی کو تم نے ہی اغوا کیا ہوا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔۔۔ اسے یقین نہیں آتا تو آئے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ سالار نے لاپرواہی

سے کہتے ہوئے ناشتہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا، مجھے پڑتا ہے۔ تم ہاشم مبین اس کو نہیں جانتے۔ وہ کتنے اثر و رسوخ والا

آدمی ہے اور کس حد تک جاسکتا ہے اس کا اندازہ صرف مجھے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں کوئی نقصان

پہنچائے۔ اس لئے ابھی تم گھر پر ہی رہو۔"

سکندر عثمان نے اس بار کچھ نرم لہجے میں کہا۔ شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی خفیہ کار کوئی اثر

نہیں ہو گا۔ وہ ان کی بات نہیں مانے گا۔

"پاپا! میری اسٹڈی کا خرچ ہو گا۔ سو رہی امیں گھر پر نہیں بیٹھ سکتا۔" سالار سکندر عثمان کے لہجے کی

زبی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہارا خرچ ہوتا ہے یا نہیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں گھر پر چاہتا

ہوں۔ سمجھتے تم۔" اس بار انہوں نے اچانک بھڑک کر بلند آواز میں اس سے کہا۔

"کم از کم آج تو مجھے جانے دیں۔ آج مجھے بہت سے ضروری کام پٹانے ہیں۔" سالار ایک دم ان

کے صفحے پر کچھ پڑل ہوا۔

"تم وہ کام ذرا شیور کو بتا دو، وہ کر دے گا یا پھر کسی دوسرے سے فون پر بات کر لو۔" سکندر نے خفیہ

انداز میں کہا۔

"مگر پاپا۔۔۔ آپ مجھے اس طرح۔۔۔" سکندر عثمان نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ ڈائننگ ڈیم سے

نکل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بلند آواز میں بڑبڑاتا پھر ننگ آکر خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان

اسے باہر نکلنے نہیں دیں گے مگر اس بات کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سچے کو سامنے لانے پر

اس کی اپنی فیملی کے ساتھ ہاشم مبین بھی مطمئن ہو جائیں گے اور کم از کم یہ مصیبت اس کے کندھوں سے اتر

جائے گی، مگر اس کے لئے سکندر عثمان کا یہ انکشاف حیران کن تھا کہ ہاشم مبین نے ابھی بھی اس کے جان

پر یقین نہیں کیا تھا۔

سالار ابھی بیٹھنا ناشتہ کرتے ہوئے کچھ دیر ان تمام معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ کالے

جانے کا مطلب گھر میں بند ہو جانا تھا اور وہ گھر میں بند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

ناشتہ کرتے کرتے اس نے اسے اس حور اچھوڑ دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"سکندر صاحب! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی جب سالار

بہت جھنجھکتے ہوئے ان کے پاس آئی۔

"ہاں کہو..... جیوں کی ضرورت ہے؟" سکندر عثمان نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ اس معاملے میں خاصے غرض مند تھے۔

"نہیں صاحب بی بی! کسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"جولو....." وہ ہنوز اخبار میں مشغول تھے۔ ملازمہ کچھ پریشان ہونے لگی۔ نامہ نے بہت سوچا کچھ کر سارا اور امام کے بارے میں سکندر عثمان کو بتانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اسے یہ سب کچھ اب بہت پریشان کن لگ رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ جلد یا بدیر یہ ہتھمل چائے کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ دو تھی اور پھر اسے اور اس کے پورے خاندان کو پولیس کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی لئے اپنے شوہر سے مشورے کے بعد اس نے سکندر عثمان کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ کم از کم وہ دونوں گھر والوں میں سے کسی ایک کی ہمدردی اپنے ساتھ رکھے۔

"چپ کیوں ہو ابولو....." سکندر عثمان نے اسے خاموش پا کر ایک بار پھر اس سے کہا۔ ان کی نظریں ابھی ابھی اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔

"سکندر صاحب! میں آپ کو سارا صاحب کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" نامہ نے بااثر ایک طویل توقف کے بعد کہا۔

سکندر عثمان نے یہ اختیار اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"سارا کے بارے میں..... کیا کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے اخبار کو سامنے سینٹر ٹیبل پر بٹھکتے ہوئے بہت تنہید کی ہے کہا۔

"سارا صاحب اور امام بی بی کے بارے میں کچھ باتیں بتانا چاہتی ہوں۔" سکندر عثمان کا دل بے اختیار اچھل کر طاق میں آ گیا۔

"کیا.....؟"

"بہت دن پہلے ایک دن سارا صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کا سواگل اپنی بی بی کے ہاتھ امام بی بی کو پہنچا دوں۔" سکندر عثمان کو لگا وہ بارہ کبھی اس نہیں سیکھ گئے۔ تو ہاشم مبین احمد کا خیال اور اصرار ٹھیک تھا۔ ان کے بدترین قیاس اور اندازے درست تھے۔

"پھر.....؟" انہیں اپنی آواز کسی کھالی سے آتی تھی۔ "میں نے انکار کر دیا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتی مگر انہوں نے مجھے بہت دھمکایا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ جس پر مجبوراً میں وہ سواگل امام بی بی تک پہنچانے کے لئے تیار ہو گئی۔"

اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لئے نامہ نے اپنے بیان میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے کچھ دن بعد ایک دن سارا صاحب نے کہا کہ میں کچھ کاغذات امام بی بی تک پہنچاؤں اور

پھر اسی وقت ان کاغذات کو واپس لے آؤں۔ میں نے اپنی بی بی کے ذریعے وہ کاغذات بھی امام بی بی کے پاس پہنچا کر واپس منگوائے اور سارا صاحب کو سہ دے دیے۔ میں نے سارا صاحب سے ان کاغذات کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے نہیں بتایا مگر مجھے شک تھا کہ شاید وہ نکال نامہ تھا کیونکہ اس وقت سارا صاحب کے کمرے میں پانچ لوگ موجود تھے۔ ان میں سے ایک کوئی مولوی بھی تھا۔"

سکندر عثمان کو وہاں بیٹھے بیٹھے غلطی سے اپنے آنے لگے تھے۔ "اور یہ کب کی بات ہے؟"

"امام بی بی کے جانے سے چند دن پہلے۔" نامہ نے کہا۔

"تم نے مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" سکندر عثمان نے دوست لہجے میں کہا۔

"میں بہت خوفزدہ تھی صاحب بی..... سارا صاحب نے مجھے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر میں نے آپ کو یا کسی اور کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے یہاں سے باہر پھینکا دیں گے۔" نامہ نے کہا۔

"وہ کون لوگ تھے، انہیں پہچانتی ہو؟" سکندر عثمان نے بے حد اضطراب کے عالم میں کہا۔

"نہیں ایک کو..... حسن صاحب تھے۔" اس نے سارا کے ایک دوست کا نام لیا۔ "باقی اور کسی کو میں نہیں پہچانتی۔" نامہ نے کہا۔

"میں بہت پریشان تھی۔ آپ کو بتانا چاہتی تھی مگر ڈرتی تھی کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

"اور کون کون اس کے بارے میں جانتا ہے؟" سکندر عثمان نے کہا۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس میں، میری بی بی اور میرا شوہر۔" نامہ نے جلدی سے کہا۔

"ملازموں میں سے کسی اور کو کچھ پتا ہے؟"

"توبہ کریں بی بی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاتی..... میں نے کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"تم نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں تو میں بعد میں طے کروں گا مگر فی الحال تم ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم کسی کو بھی اس سارے معاملے کے بارے میں نہیں بتاؤ گی۔ اپنا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر لو۔ ورنہ اس بار میں نہ صرف تمہیں واقعی اس گھر سے نکال دوں گا بلکہ میں ہاشم مبین احمد پولیس سے کچھ دنوں کا کہ یہ سب کچھ تم نے کر دیا ہے۔ تم نے ہی ان دونوں کو گمراہ کیا تھا اور تم ہی ان دونوں کے بیانات ایک دوسرے تک پہنچاتی رہیں، پھر پولیس تمہارے ساتھ اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کرے گی تمہیں پاور کٹنا چاہئے۔ تمہاری ساری عمر جیل کے اندر ہی گزر جائے گی۔" وہ شخص کے عالم میں اسے دھمکا رہے تھے۔

"نہیں صاحب بی بی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاؤں گی۔ آپ میری زبان کٹا دیجئے گا۔ اگر میرے منہ



سے دو بار وہ اس کے بارے میں ذکر نہیں۔

ناصرہ گھبراہٹ مگر سکندر عثمان نے رکھائی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

”بس کافی ہے۔ اب تم چلاؤ یہاں سے۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔“ انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کیا۔

سکندر عثمان پریشانی کے عالم میں اور غمزدہ محسوس ہو گیا۔ اس وقت ان کے سر پر واقعی آسمان ٹوٹ پڑا تھا اور اس وقت انہیں پہلی بار سالار کے ہاتھوں بے وقوف بننے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کس احتیاجی مہارت اور بے ہودگی سے ان سے جھوٹ بولتا اور انہیں غمزدہ بناتا تھا اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور اگر غلام انہیں یہ سب کچھ نہ بتاتی تو وہ اب بھی ہنگامہ پر ٹانگ رکھے مطمئن بیٹھے ہوتے۔ یہی سوچ کر کہ سالار امامہ کے ساتھ انوالو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی گمشدگی میں اس کا کوئی حصہ تھا۔ وہ چند دن گھر پر رہ کر ایک بار پھر کالج جانے شروع کر چکا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ سالار کی نگرانی کروائی جا رہی تھی اور ہاشم حسین احمد کو سب کچھ بتا چکے تھے۔ یہ وہ ابھی طرح جانتے تھے۔ ان کا کچھ دیر پہلے کا طبعان یک دم ختم ہو گیا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کالعدم کیسے تھے۔ ان پانچ آدمیوں کی موجودگی کا مطلب کیا تھا۔ سالار امامہ کے درمیان تعلیق کی غیرت کیا تھی اور اس وقت ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیں یا پھر اسے ٹوٹ کر دیں مگر وہ جانتے تھے وہ یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تھے۔ سالار سکندر ان کا وہ بیٹا تھا جس سے وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اس طرح بے وقوف بننے کے بعد کوئی بار وہ سوچ رہے تھے کہ وہ اب سالار سکندر کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ وہ اسے مکمل طور پر ہر معاملے کے بارے میں اندھیرے میں رکھیں گے۔ ویسے ہی جیسے وہ کر رہا تھا۔

”اس کی امامہ سے جان بچان کیسے ہوئی؟“ سکندر عثمان نے اپنے کمرے میں بے چینی سے پوچھا۔

”مجھے کیا پتا کہ اس کی جان بچان امامہ سے کیسے ہوئی۔ کوئی بچہ تو ہے نہیں کہ میری اگلی جگہ کر چلا ہو۔“ طیبہ نے قدرے غصے سے جواب دیا۔

”میں نے تم سے بہت بار کہا تھا کہ اس پر غور رکھا کرو مگر تم..... تمہیں اپنی ایکونیز سے فرصت ملے تو تم کسی اور کے بارے میں سوچو۔“

”اس پر تو جہد و مصروف میرا ہی فرض کیوں ہے۔“ طیبہ یک دم بھڑک اٹھیں۔ ”آپ کو بھی تو اپنی ایکونیز چھوڑنی چاہئیں۔ سالار امامہ میرے ہی سر کیوں۔“

”میں تم کو کوئی الزام نہیں دے رہا اور اس بحث کو ختم کرو۔ امامہ کے ساتھ شادی تم اندازہ

کر سکتی ہو کہ ہاشم حسین کو جب اس تعلق کا پتا چلے گا تو وہ کیا شاکر کریں گے۔ مجھے یہ سوچ کر شاک ہو گیا۔ رہا ہے کہ اس نے ایسی حرکت کرنے کا سوچ کیسے لیا۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہو کہ ہماری اور ہماری فیملی کی سوسائٹی میں کتنی عزت ہے۔“ سکندر عثمان طیبہ کے قریب صوفے پر بیٹھے ہوئے بولے۔ ”ایک پرہیزگار ختم ہوتی ہے تو ہمارے لئے دوسری پرہیزگار شروع کر دیتا ہے۔ یہ سارا پتھر اسی وقت شروع ہوا تھا جب پچھلے سال اس نے خود گھٹی کی کوشش کے بعد اس کی جان بچائی تھی۔ ہم بے وقوف تھے کہ ہم نے اس معاملے پر نظر نہیں رکھی اور نہ شاید یہ سب بہت پہلے سامنے آ جاتا۔“ سکندر عثمان اپنی کھلی سسٹے ہوئے کہنے لگے۔

”اور پتہ نہیں لڑی بھی اس کے ساتھ اپنی مرضی سے انوالو ہوئی ہوگی ورنہ اس طرح کوئی کس کے ساتھ مرضی کے خلاف تو کھانچ نہیں کر سکتا اور ہاشم حسین احمد کو دیکھیں، دونوں شر مچا رہے ہیں اس کی بیٹی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کیا ہے سالار نے ہی کیا ہے۔ انہوں نے تو ایل آئی آر میں انوالو کی درج کروائی ہے۔“ طیبہ نے سرے سے نہ سنے لگیں۔

”جو بھی ہے، قصور تمہارے بیٹے کا ہے۔ نہ دو ایسے کاموں میں پڑنا کہ اس طرح پھٹتا۔ اب تو تم صرف یہ سوچ کر نہیں اس صورت حال سے کس طرح بچنا ہے۔“

”ابھی ہم اتنی ہی طرح سے نہیں سمجھتے، جس طرح آپ سوچ رہے ہیں۔ اس پر یہ نرم بات نہیں ہو۔“ طیبہ نے ہاشم حسین احمد کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

”اور جس دن ان تک کوئی ثبوت پہنچ گیا اس دن کیا ہو گا۔ تم نے یہ سوچا ہے۔“ سکندر عثمان نے کہا۔

”آپ پھر اندازہ کی بات کر رہے ہیں۔ ایسا ہوا تو نہیں ہے اور ہو سکتا ہے۔“ وہ بھی ڈانٹا۔

”اس نے نہیں اگر اتنا زیادہ حاکم سے راجہ تو ہو سکتا ہے ایک اور دھوکا یہ ہو کہ اس کا رابطہ اس لڑکی کے ساتھ نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ ابھی بھی اس لڑکی کے ساتھ رابطہ میں ہو۔“ سکندر عثمان کو خیال آیا۔

”ہاں ہو سکتا ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔“

”میں اس سے بات کروں گا تو کچھ جھگڑ کے ساتھ اپنا سر ہلوڑ دوں گا۔ وہ پھر جھوٹ بول دے گا۔ جھوٹ بولنے میں تو ہمارا ہر چہا ہے۔“ انہوں نے غصے سے کہنا۔

”بس چند ماہ میں اس کا لپا اے مکمل ہو جائے گا پھر میں اسے باہر بھیجا دوں گا۔ کم از کم ہر وقت ہاشم حسین احمد کی طرف سے جن اندیشوں کا شکار رہا ہوں وہ تو ختم ہوں گے۔“ انہوں نے سگریٹ کا ایک کش لیا۔

”مگر آپ ایک چیز بھول رہے ہیں سکندر!“ طیبہ نے بڑی سنجیدگی سے چند لمحوں کی خاموشی کے

بعد کیا۔

"کیا؟" سکندر نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"سالار کی امامہ کی ساتھ خفیہ شادی..... اس شادی کے بارے میں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ آپ کیا کریں گے اس شادی کے بارے میں۔"

"طلاق کے علاوہ اس شادی کا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔" سکندر مٹھن نے قطعی لہجے میں کہا۔

"وہ شادی ہمارے پر تیار نہیں ہے تو طلاق دینے پر رضامند ہو جائے گا۔"

"جسپ میں اسے ثبوت پیش کروں گا تو اسے اپنی شادی کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔"

"اور اگر شادی کا اعتراف کرنے کے بعد بھی اس نے امامہ کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو۔"

"کوئی ن کوئی راستہ نکالنا پڑے گا اور وہ میں نکال لوں گا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا پھر مجھے زبردستی کرنا پڑے۔ میں یہ معاملہ ختم کر دوں گا اس طرح کی شادی انسان کو سادی سرخوہ کرتی ہے۔ اس سے تو بچنا بچنا ہی پڑے گا ورنہ میں اسے اس بار مکمل طور پر اپنی جائیداد سے عاقی کر دینے کا ارادہ کرتا ہوں۔" سکندر مٹھن نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

☆.....☆.....☆

حسن کچھ دیر پہلے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تھا، جب اچانک اسے اپنے والد کی کال ملی، وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ان کا لہجہ بے حد عجیب تھا مگر حسن نے توجہ نہیں دی، لیکن جب چندر منٹ بعد اپنے گھر پہنچا تو پھر کچھ میں کڑی سکندر حسان کی گاڑی دیکھ کر چونکا ہو گیا۔ وہ سالار کے گھر کی تمام گاڑیوں اور ان کے نمبرز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"سکندر انکل کو میرے اس معاملے میں اٹوالو ہونے کے حوالے سے کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں اس لئے مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سالار کا دوست سمجھ کر بچہ بچہ گھم کے لئے آئے ہوں گے۔ میں بڑے اطمینان سے ان کی باتوں کا جواب دوں گا اور کسی بھی اصرار کی تردید کر دوں گا لیکن میری پریشانی پاپا کے سامنے میری پوزیشن منگھو کہ کر دے گی اس لئے انکل سکندر کو دیکھ کر مجھے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔" اس نے پہلے اپنا نمبر مل گئے کیا اور پھر بڑے اطمینان کے ساتھ اسٹری میں داخل ہو گیا۔ اس کے والد قاسم فاروقی اور سکندر حسان کافی لمبی رہے تھے، لیکن ان کے چہرے کی فیمر مومنٹی سنجیدگی اور اضطراب وہ ایک لمحے میں بھامپ گیا تھا۔

"کیسے ہیں انکل سکندر آپ اس بار بہت دنوں کے بعد آپ ہماری طرف آئے۔" باوجود اس کے کہ سکندر یا قاسم نے اس کی جھوٹا جواب نہیں دیا۔ حسن نے بہت بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ اسے اس بار بھی جواب نہیں ملا تھا۔ سکندر حسان اسے خود سے دیکھ رہے تھے۔

"بھئیو،" قاسم فاروقی نے قدرے درشتی سے کہا۔

"سکندر تم سے کچھ باتیں پوچھنے آیا ہے تمہیں ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے۔ اگر تم نے بھولے ہو لا تو میں سکندر سے کچھ پکا ہوں کہ وہ تمہیں پولیس کے پاس لے جائے۔ میری طرف سے تم جہاں میں جاؤ۔ میں تمہیں کسی بھی طرح بچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

قاسم فاروقی نے اس کے بیٹھنے ہی پر تنبیہ کیا۔

"پاپا! آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔" حسن نے حیرت کا مظاہرہ کیا مگر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

"اور اس بار بے پنے کی کوشش مت کرو۔ سکندر اچ بچو اس سے، کیا پوچھنا چاہتے ہو اور میں دیکھتا ہوں یہ کیسے جھوٹ بولتا ہے۔"

"امامہ کے ساتھ سالار کی شادی میں شرکت کی ہے تم نے؟"

"انکل..... آپ..... آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ کون سی شادی..... کسی شادی....." حسن نے مزید حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"نواہی شادی جو میری عدم موجودگی میں میرے گھر پر ہوئی جس کے لئے امامہ کو ہتیرا بھجوانے گئے تھے۔"

"پلیز انکل! آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ آپ کے گھر میں ضرور آتا جاتا رہا ہوں مگر مجھے سالار کی کسی شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے اور نہ ہی میری معلومات کے مطابق اس نے شادی کی ہے۔ مجھے تو اس لڑکی کا بھی پتا نہیں ہے، جس کا آپ نام لے رہے ہیں..... ہو سکتا ہے سالار کی کسی لڑکی کے ساتھ انوکھ منٹ ہو، مگر میں اس کے بارے میں نہیں جانتا، وہ ہر بات مجھے نہیں بتاتا۔"

سکندر مٹھن اور قاسم فاروقی خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ وہ خاموش ہوا تو سکندر حسان نے اپنے سامنے لیبل پر بنا ہوا ایک لفاظی لکھا اور اس میں موجود چند کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔ حسن کا رنگ کچل چلا، بار آؤں، داماد، سالار کا نکاح نامہ تھا۔

"اس پر دیکھو۔" تیار دے ہی signatures ہیں نا۔" سکندر نے سر دلیچے میں پوچھا۔ اگر یہ سوال انہوں نے قاسم فاروقی کے سامنے نہ کیا ہو تا تو وہ ان کو حلقہ کو اپنے دھکا مارتے سے انکار کر دیتا مگر اس وقت وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ میرے signatures ہیں، مگر میں نے نہیں کئے۔" اس نے دکھاتے ہوئے کہا۔

"پھر کس نے کئے ہیں، تمہارے فرشتوں نے یا سالار نے۔" قاسم فاروقی نے طوی لہجے میں کہا۔ حسن کچھ بول نہیں سکا۔ وہ جو اس بات سے سہادی باری انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے دہم دہان میں بھی نہیں تھا



کہ سکندر عثمان اس طرح اس کے سامنے وہ نکاح ہار۔ نکاح کر رکھ دیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے وہ نکاح ہار۔ کہاں سے حاصل کیا تھا، سالار سے یا پھر..... اس کی ساری عقلندی اور چالاکی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"تم یہ نہیں مانو گے کہ سالار کا اہلہ کے ساتھ نکاح تمہاری موجودگی میں ہوا ہے۔" قاسم فاروقی نے اکڑتے ہوئے لہجہ میں اس سے کہا۔

"پاپا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب سالار کی طرف ہوا تھا، اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔" حسن نے یکدم سب کچھ بتائے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ بھی چھپانے کا یہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جیوت بونا تو اپنی پوزیشن اور خراب کرنا۔

"میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر۔"

قاسم فاروقی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس وقت یہاں تمہیں سنا بیس اور ۱۱ ساتیس پیش کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو اس نے کہاں رکھا ہوا ہے؟"

"پاپا! مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے بخوبی سے کہا۔

"تم پھر جیوت بول رہے ہو۔"

"آئی سوچنا پاپا! مجھے واقعی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ اسے لاہور چھوڑ آیا تھا۔"

"یہ جیوت تم کسی اور سے بولنا، مجھے صرف سچ بتاؤ۔" قاسم فاروقی نے ایک بار پھر اسی نکتہ و محیر لہجے میں کہا۔

"میں جیوت نہیں بول رہا پاپا! حسن نے احتجاج کیا۔

"اور کہاں چھوڑ آیا تھا؟"

"کسی سڑک پر۔ اس نے کہا تھا کہ وہ خود چلی جائے گی۔"

"تم مجھے یا سکندر کو بے وقوف سمجھ رہے ہو، اس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر اسے ایک سڑک پر چھوڑ دیا۔ بے وقوف مت بننا تمہیں۔" قاسم فاروقی ہلکے آہٹے۔

"میں کچھ کہہ رہا ہوں پاپا! اس نے کم از کم تمہ سے یہی کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ آیا تھا۔"

"تم نے اس سے پوچھا نہیں کہ پھر اس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کی کیوں؟ مگر اسے یہی

کہنا تھا۔"

"پاپا! اس نے یہ شادی اس لڑکی کی مدد کے لئے کی تھی۔ اس کے گھر والے زبردستی اس کی شادی کسی لڑکے سے کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سالار سے رابطہ کیا اور مدد مانگی اور سالار اس کی مدد پر تیار ہو گیا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ سالار واقعی طور پر اس سے نکاح کر لے تاکہ اگر اس کے

والدین زبردستی اس کی شادی کرنا چاہیں تو وہ اس نکاح کا انکار نہیں کر سکے۔"

حسن اب سچائی پر پردہ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے پوری بات بتائے کا فیصلہ کر لیا۔

"اور اگر ضرورت پڑے تو بیاب کے ذریعے اس کو رہائی دلائی جا سکے مگر یہ کوئی محبت وغیرہ کی شادی نہیں تھی۔ وہ لڑکی ویسے بھی کسی اور لڑکے کو پسند کرتی تھی۔ آپ اس نکاح کا سے کو بیکشیں تو اس میں بھی اس نے طلاق کا حق پہلے ہی لے لیا ہے، تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ سالار سے رابطہ کئے بغیر ہی طلاق حاصل کر لے۔"

"نہیں بابا کھ اور؟" قاسم فاروقی نے اس سے کہا۔ حسن کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ "میں قطعاً تمہاری کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم نے بہت اچھی کہانی سنائی ہے مگر میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ اس کہانی پر یقین کر لوں۔ تمہیں اب امام تک پہنچنے میں سکندر کی مدد کرنی ہے۔" قاسم فاروقی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"پاپا! میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے احتجاج کیا۔

"تم یہ کیسے کہہ گے۔ یہ تم خود جان سکتے ہو۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ تمہیں کیا پتا ہے۔"

"پاپا! جیڑ، آپ مجھ پر یقین کریں، میں امام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ نکاح کروانے کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کیا۔" حسن نے کہا۔

"تم اس کے اسٹے قریب ہو کہ اپنا فقیہ شادی میں وہ تمہیں گواہ کے طور پر لے رہا ہے مگر تمہیں یہ نہیں پتا کہ اس کی بیوی گھر سے بھاگنے کے بعد اب کہاں ہے۔ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں سن اسکی صورت میں بھی نہیں۔" قاسم فاروقی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں اگر پتا نہیں ہے تو بھی تم اس کا پتا کرناؤ۔ کہ وہ کہاں ہے۔ سالار تم سے کچھ نہیں چھپائے گا۔"

"پاپا! وہ بہت سی باتیں مجھے بھی نہیں بتاؤ۔"

"وہ سب باتیں تمہیں بتانا ہے یا نہیں، میں فی الحال صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں اور وہ امام کے بارے میں معلومات ہیں۔ تم ہر طریقے سے اس سے امام کا پتا حاصل کرو اور سالار کو کسی بھی طرح سے پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ سکندر کو اس کی شادی کی اطلاع مل چکی ہے، یا اس نے اس سلسلے میں تم سے کوئی ملاقات کی ہے۔ اگر مجھے یہ پتا چلا کہ سالار یہ بات جان گیا ہے تو میں تمہارا کیا مشر کروں گا یہ تمہیں یاد رکھنا چاہئے۔ میں سکندر کو تو پہلے ہی اجازت دے چکا ہوں کہ وہ باہم بنیں کو تمہارا نام دے دے، اس کے بعد باہم مبین تمہارے ساتھ پولیس کے ذریعے بننے لگی اور طریقے سے، میں بالکل پورا نہیں کروں گا۔ اب تم یہ سنے کہ لو کہ تم نے سالار کے ساتھ دوستی بھائی ہے یا پھر اس گھر میں رہتا ہے۔" قاسم

نارہاتی نے تعلیمیت سے کہا۔

”پاپا! میں کو شش کرنا ہوں کہ کسی طرح امامہ کے بارے میں کچھ معلومات مل جائیں۔ میں سالار سے اس کے بارے میں بات کروں گا۔ میں اسے یہ نہیں بتاؤں گا کہ سکندر اکل کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا رہا ہے۔“ وہ نیکی انداز میں دہراتا جا رہا تھا۔

وہ اس بار واقعی بری طرح اور خلاف توقع پھنسا تھا۔

☆.....☆.....☆

سالار چند دن گھر بیٹھا رہا تھا مگر پھر خدا کر کے اس نے کال چاہا شروع کر دیا۔ ہاشم حسین اور اس کے گھر والے امامہ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ یہ سب کچھ بڑی رازداری کے ساتھ کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ملازمین اور پولیس کے ذریعے سکندر کو ان کی کوششوں کی خبر مل رہی تھی۔ وہ لاہور میں بھی امامہ کی ہر اس تکلی سے رابطہ کر رہے تھے جسے وہ جانتے تھے۔

سالار نے ایک دن اخبار میں بار بار چاہیے والی ایک شخص کا خاکہ دیکھا۔ اس کے بارے میں معلومات دینے والے کے لئے انعام کا اعلان تھا۔ وہ اس نام سے ایسی طرح واقف تھا۔ کبھی دو فرضی نام تھا جو حسن نے وکیل کو امامہ کے شوہر کا پتہ اور وہ اختیار یقیناً امامہ کے گھر دانوں کی طرف سے تھا حالانکہ بیٹھے دیا گیا فون نمبر امامہ کے گھر کا نہیں تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ پولیس اس وکیل کے پاس پہنچ گئی ہوگی اور اس کے بعد اس وکیل نے اس آدمی کے کوائف انٹرنیٹ پر جانے دیے ہوں گے۔ اب یہ حقیقت صرف وہ وکیل، حسن اور خود وہ جانتا تھا کہ بار چاہیے سرے سے کوئی وجود نہیں رکھتا مگر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ہاشم حسین کے گھر والوں کو کسی حد تک ہلکانے میں کامیاب رہا تھا۔

اس پورے عرصہ کے دوران سالار امامہ کی کال کا منتظر رہا۔ اس نے کئی بار امامہ کو اس کے موبائل پر کال بھی کیا مگر ہر بار اسے موبائل آف ملا۔ اسے یہ تجسس دور ہوا تھا کہ وہ کہاں تھی۔ اس تجسس کو وہ اپنے میں کچھ کاٹھ حسن کا بھی تھا جو بار بار اس سے امامہ کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ بعض دفعہ وہ چہچاہتا۔

”مجھے کیا پتا کہ وہ کہاں ہے اور مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے اسے مجھ سے زیادہ جھمبیں دلچسپی ہے۔“

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ حسن کا یہ تجسس دور دلچسپی کسی مجبور کی وجہ سے تھی۔ وہ بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ سالار کا خیال تھا کہ امامہ اب تک جلال کے پاس جا چکی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے شادی بھی کر چکی ہو اگرچہ اس نے امامہ سے جلال کی شادی کے بارے میں جھوٹے واقعات مگر اسے یقین تھا کہ امامہ نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا ہوگا۔ وہ اس کے پاس دوبارہ ضرور گئی ہوگی۔ خود سالار

بھی چاہتا تھا کہ وہ خود جلال سے رابطہ قائم کرے یا پھر ذاتی طور پر جا کر ایک بار اس سے ملے۔ وہ جانا چاہتا تھا کہ امامہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے یا نہیں۔ مگر فی الحال یہ دونوں کام اس کے لئے ناممکن تھے۔ سکندر عثمان مسلسل اس کی گھرائی کر رہے تھے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ وہ یہ گھرائی کر دینے والے واحد شخص ہیں۔ ہاشم حسین احمد بھی یہی کام کر رہے تھے اور اگر وہ لاہور جاتے کارا وہ کرنا توڑ دیتے تھے۔ سکندر عثمان اسے جانے ہی نہ دیتے اور بالقرض جانے کی اجازت دے بھی دیتے تو شاید خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سارے معاملے میں اس کی دلچسپی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اب یہ سب کچھ ایک حافضت لگ رہا تھا۔ ایسی حافضت جو اسے کافی جھنجکی پڑ رہی تھی۔ سکندر اور طحیر اب بعد وقت گھر پر رہتے تھے اور اسے کہیں بھی جانے کے لئے ان سے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی تھی حسن اس سے اب کم کم ملنے لگا تھا۔ وہ اس کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت پرہیز کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس رات کیپور پر بیٹھا تھا جب اس کے موبائل پر ایک کال آئی۔ اس نے کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے لاپرواہی سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے ایک جھکا دکھا تھا۔ اسکرین پر موجود نمبر اس کے اپنے موبائل کا تھا۔ امامہ اسے کال کر رہی تھی۔

”تو باقا خراپ نے نہیں پا کر لی ایسا۔“ اس نے بے اختیار بیٹی بھائی۔ اس کا موبائلک دم فرائش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی ہوت ہو کر خاموش ہو گئی تھی۔

”میں تو سمجھ بیٹھا تھا کہ اب تم مجھے کبھی کال نہیں کرو گی۔ اتنا لمبا عرصہ لگا دیا تم نے۔“ ریکی ملک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

”میں بہت دنوں سے تمہیں فون کرتا چاہ رہی تھی مگر کر نہیں پا رہی تھی۔“ دوسری طرف سے امامہ نے کہا۔

”کیوں، ایسی کیا چیز ہوئی آگئی تھی۔ فون تو تمہارے پاس موجود تھا۔“ سالار نے کہا۔

”میں کوئی مجبور دی تھی۔“ اس نے مختصر کہا۔

”تم اس وقت کہاں ہو؟“ سالار نے کچھ تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

”پچھلے سوال سے کہ سالار اجب تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گی تو پھر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”مجھے تمہارے کیسے ہیں؟“

سالار کچھ بھراں ہوا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔



"بالکل ٹھیکہ ہیں، خوش و خرم ہیں، پیش کر رہے ہیں۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم واقعی بہت اچھی بنی ہو، مگر سچے چاکر بھی تمہیں مگر اور گمراہوں کا لٹکا نہیں ہے۔ ہاؤ کس۔"

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔ "تو سب کیا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا مگر میرا خیال ہے ٹھیک ہی ہو گا۔ وہ خراب کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کے انداز اور لہجے میں اب بھی کوئی جدلی نہیں آئی تھی۔

"انہیں یہ تو پتا نہیں چلا کہ تم نے میری مدد کی تھی؟" سالار کو امامہ کا لہجہ کچھ عجیب لگا۔

"پتا کا۔" امامی ذخیرہ امامہ! پاپس اسی دن میرے گھر پہنچ گئی تھی جس دن میں تمہیں لاہور چھوڑ کر آیا تھا۔" سالار نے کچھ استغرائے انداز میں کہا۔ "تمہارے غادر نے میرے خلاف ایف آئی آر کرا دی تھی تمہیں انکار کرنے کے سلسلے میں۔" وہ ہنسا۔ "ڈراما پوچھو میرے بیسایا بندہ کسی کو افواہ کر سکتا ہے اور وہ بھی تمہیں۔ جو کسی بھی وقت کسی کو شوت کر سکتی ہے۔"

اس کے لہجے میں اس بار طنز تھا۔ "تمہارے غادر نے چارمی کو شیش کی ہے کہ میں نیل پہنچ جاؤں اور باقی کی زندگی وہیں گزاردوں مگر میں میں کچھ خوش قسمت واقع ہو جاؤں کہ بچا گیا ہوں۔ مگر سچے کاٹنگ تک میری مگرانی کی جاتی ہے۔ ڈامب کاڑ ملتی ہیں اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اب تمہیں کیا کیا بتاؤں۔

میرا حال تمہاری پہلی بیس خاصا سچ کر رہی ہے۔" اس نے ہنسنے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔" اس بار امامہ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "میرا خیال تھا کہ انہیں کسی بھی طرح تم پر شک نہیں ہو گا۔ مجھے المیہ ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اسے براہ راست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"واقعی تمہاری وجہ سے مجھے بہت سے براہ راست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میری کوشش تھی کہ میں پہلے خود کو محفوظ کر لوں پھر ہی تمہیں فون کروں اور اب میں واقعی محفوظ ہوں۔"

سالار نے کچھ تھیں آمیز دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سنی۔ "تمہارا موبائل میں اب استعمال نہیں کروں گی اور میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں، مگر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ اسے براہ راست تھی۔ "میں تمہیں کچھ پیسے بھی بھجواؤں گی۔ ان تمام اخراجات کے لئے جو تم نے میرے لئے کئے۔"

سالار نے اس بار اس کی بات کاٹی۔ "نہیں، پیسے رہتے اور مجھے ضرورت نہیں ہے۔ موبائل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس دوسرا ہے۔ تم چاہو تو اسے استعمال کر دیتی ہو۔"

"نہیں، میں اب اسے استعمال نہیں کروں گی۔ میری ضرورت تم ہو چکی ہے۔"

اس نے کہا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے طلاق کے

بیچو نہ بھجواؤ اور طلاق کے بیچ لڑ کے ساتھ نکاح نامہ کی ایک کاپی بھی جو میں پہلے تم سے نہیں لے سکی۔"

"کب کب بھجواؤں؟" سالار نے اس کے مطالبے کے جواب میں کہا۔ اس کے ذہن میں ایک دم ایک جھٹکا ہوا تھا۔ وہ اگر اب طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ابھی تک کسی سے شادی نہیں کی تھی نہ ہی طلاق کے اس حق کو استعمال کیا تھا۔ جو نکاح نامہ میں وہ اس کی خواہش پر اسے تسلیم کر چکا تھا۔

"تم ایسی وکیل کے پاس دو بیچو نہ بھجواؤ جس کو تم نے ہار کیا تھا اور مجھے اس کا نام اور پتا بتاؤ اور میں وہ بیچو نہ اس سے لے لوں گی۔"

سالار مسکرایا۔ وہ بے حد قہار تھی۔ "مگر میرا تو اس وکیل کے ساتھ ڈائریکٹ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں پھر بیچو نہ اس تک کیسے پہنچاؤں۔"

"جس دوست کے ذریعے تم نے اس وکیل سے رابطہ کیا تھا اسی دوست کے ذریعے وہ بیچو نہ اس تک پہنچاؤ۔" یہ تو طے تھا کہ وہ اسے کسی بھی طرح ہارنا کوئی امکان دینے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس پر پوری طرح قائم تھی۔

"تم طلاق لینا کیس چاہتی ہو؟" وہ اس وقت بہت سزا میں تھا۔

دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ اس سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"طلاق کیوں لینا چاہتی ہو؟ تم کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔ یہ تو پہلے ہی طے تھا کہ میں تم سے طلاق لوں گی پھر اس سوال کی کیا تکلف تھی ہے۔" امامہ کے لہجے میں جبرانی تھی۔

"وہ سب کی تھی، اب تو خاصا لمبا وقت گزر گیا ہے اور میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ دوسری طرف اس وقت امامہ کے غروں کے نیچے سے حقیقت زمین اگل گئی ہو گی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں امامہ! ذخیرہ کہ میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔ یہی وہی گا۔" اس نے ایک اور دھماکہ کیا۔

"تم۔" تم طلاق کا حق پہلے ہی مجھے دے چکے ہو۔" امامہ نے بے اختیار کہا۔

"سب کہاں۔ کس وقت۔ کس صدی میں؟" سالار نے اصرار سے کہا۔

"تمہیں پتا ہے، میں نے نکاح سے پہلے تمہیں کہا تھا کہ نکاح نامے میں طلاق کا حق چاہتی ہوں میں۔ اب اگر تم طلاق نہیں بھی دیتے تو میں خود ہی وہ حق استعمال کر سکتی ہوں۔ تمہیں یہ یاد ہونا چاہئے۔"

وہ ہنسا رہی تھی۔

"مگر میں نہیں یہ حق دیتا تو تم یہ حق استعمال کر سکتی تھی مگر میں نے تو تمہیں ایسا کوئی حق دیا ہی نہیں۔ تم نے نکاح نامہ دیکھا وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ خیر تم نے دیکھا ہی ہو گا ورنہ آج طلاق کی بات کیوں کر رہی ہو تھی۔"

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ سالار نے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر وہ نکالنے پر بیٹھا تھا۔ امام نے یقیناً پیچھے نہ سانس کر رہے ہوئے انہیں دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سالار بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔

"تم نے مجھے دعو کا دیا۔" بہت دیر بعد اس نے امام کو کہتے سنا۔

"ہاں، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے پہلے دیکھا کر مجھے دعو کا دیا۔" وہ برصغیر سے ہوا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم اور میں بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم دونوں میں اتنی برائیاں اور اتنی خاموشیاں ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو مکمل طور پر complement کرتے ہیں۔" وہ اب ایک بار پھر پیچیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"زندگی۔۔۔ سالار زندگی اور تمہارے ساتھ۔۔۔ یہ ممکن ہے۔" امام نے تھوڑے لمحے میں کہا۔

"مجھے یوں نہیں کی بات ذہنی چاہئے کہ میری دشمنی میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے بلکہ مجھے تم سے یہ ریکورسٹ کرنی چاہئے کہ تو اس ناممکن کو مل کر ممکن بنا سکیں۔" وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔

"تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے طلاق دے دو۔۔۔"

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب اور نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان۔"

یہ تو ناممکن ہے۔" سالار ایک بار پھر پیچیدہ ہو گیا تھا۔

"میں تمہاری غلطی کی لڑکی نہیں ہوں سالار! تمہارا اور میرا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے، ورنہ شاید میں تمہاری پیشکش پر غور کرتی مگر اب اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم پلیز مجھے طلاق دے دو۔"

وہ اب نرم سمجھتا تھا کہ وہی تھی۔ سالار کا دل بے اختیار ہٹنے کو چاہا۔

"تم اگر میری پیشکش پر غور کرنے کا وعدہ کرو تو میں اپنا لائف اسٹائل بدل لیتا ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"تم مجھ سے کی کوشش کرو، تمہاری اور میری ہر چیز مختلف ہے۔ زندگی کی فلاحی ہی مختلف ہے۔ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" اس بار وہ جھنجھالی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں میری اور تمہاری فلاحی آف لائف بہت ملتی ہے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ ملتی نہ تھی تو بھی آج اسے ایڈجسٹمنٹ کے بعد ملنے لگے گی۔"

وہ اس طرح بولا جیسے اپنے بہترین دوست سے گفتگو کر رہا ہو۔

"ایسے بھی مجھ میں کی کیا ہے۔ میں تمہارے پرانے منکبیر احمد جیسا خوب صورت نہ سکی مگر

جلال الصبر جیسا۔" جونی شکل، صورت کا بھی نہیں ہوں۔ میری فٹیلی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ کیرئیر میرا کتنا برائے ہو گا، اس کا نہیں انداز ہے۔ میں ہر لحاظ سے جلال سے بہتر ہوں۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے ہوا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ باقی رہی تھی۔ وہ امام کو بری طرح لڑچ کر رہا تھا اور وہ ہورہی تھی۔

"میرے لئے کوئی بھی شخص جلال جیسا نہیں ہو سکتا اور تم۔ تم تو کسی صورت بھی نہیں۔" اس کی آواز میں چلی ہوا نمایاں تنگی تھی۔

"کیوں؟" سالار نے بے حد مصومیت سے پوچھا۔

"تم مجھے دیکھتے نہیں دیکھتے ہو۔ آخر تم یہ بات کیوں نہیں دیکھتے۔ دیکھو، تم نے اگر مجھے طلاق نہ دی تو میں کورٹ میں چلی جاؤں گی۔" وہ اب اسے دھمکا رہی تھی۔ سالار اس کی بات پر بے اختیار ہنسنا۔

"ایک آر موست دنگم۔ جب چاہیں جاؤں گی۔ کورٹ سے اچھی جگہ ٹیل ملاقات کے لئے اور کون سی ہو گی۔ آئیے سامنے کھڑے ہو کر بات کرنے کا مزہ دی اور ہو گا۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"ویسے تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ کورٹ میں صرف میں نہیں پہنچوں گا، بلکہ تمہارے ہمیشہ بھی پہنچیں گے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہوا۔

"سالار! میرے لئے پہلے ہی بہت سے پرائیویٹ ہیں تم ان میں اضافہ نہ کرو۔ میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہرگز روتے دن کے ساتھ مزید مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ تم اگر کم تو میری مشکلات کو مت بڑھاؤ۔" اس بار امام کے سمجھنے میں رنجیدگی اور بے چارگی تھی۔ وہ کچھ اور محظوظ ہوا۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔؟ مائی ڈیئر! میں تو تمہاری بعد روی میں مکمل رہا ہوں، تمہارے مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ رو کر تم تنہا اچھی اور محظوظ زندگی گزار سکتی ہو۔" وہ بظاہر بڑی پیچیدگی سے ہوا۔

"تم جانتے ہو یا نہیں نے اتنی مشکلات کس لئے سکھا ہیں۔ تم سمجھتے ہو، میں ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جاؤں گی جو ہر دو کبیر و گنہگار کرتا ہے جسے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند کرتے ہیں۔ ایک عورتیں ایک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور بری عورتیں بے مردوں کے لئے۔ میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بری نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا برآمد میری زندگی میں آئے۔ جلال مجھے نہیں مالا مگر میں تمہارے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔" اس نے بے حد سچی انداز میں تمام لحاظ لائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لئے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی، کیونکہ ایک مردوں کے لئے ایک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔"



سالار نے اسی نکل اٹھو انداز میں جواب دیا۔

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اتنی لمبی خاموشی کہ سالار کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔ "بیلا — تم سن رہی ہو؟"

"سالار! مجھے حلاق دے دو۔" اسے امام کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ سالار کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"تم کورٹ میں جا کر لے لو، جیسے تم مجھ سے کہہ چکی ہو۔" سالار نے ترکی پر ترکی کہا اور دوسری طرف سے فون پکڑ دیا گیا۔

حسن نے ان چند ماہ میں سالار سے امام کے بارے میں جاننے کی بے حد کوشش کی تھی (حسن کے اپنے بیان کے مطابق) مگر وہ کام رہا تھا۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ سالار اور امام کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سالار کی طرف خود انہوں نے موبائل پر بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

سکندر نے سالار کو امریکہ میں مختلف پونے دسٹیز میں اپلائی کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا ایڈریسکد دیکھ کر ایسا تھا کہ کوئی بھی پتہ دہی اسے پلے میں ترشی محسوس کرتے گی۔

امام نے سالار کو وہ بارہ فون نہیں کیا تھا حالانکہ سالار کا خیال تھا کہ وہ اسے وہ بارہ فون کرتے گی اور جب وہ اسے تارے گا کہ وہ اسے نکالے اسے میں پہلے ہی حلاق کا حق دے چکا ہے اور وہ نکالے اسے گی کوئی بھی اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ اس سے یہ بھی کہہ دے گا کہ اس نے اس کے ساتھ صرف ایک حلاق کیا تھا مگر امام نے وہ بارہ اس سے رابطہ قائم نہیں کیا نہ ہی سالار نے اپنے پیچے زمین اس کا تارے کو وہ بارہ دیکھنے کی راستہ کی اور نہ اور بہت پہلے وہاں اس کی عدم موجودگی سے واقف ہو جاتا۔

میں دن وہ آخری ہیچ دے کر وہاں گھر آیا۔ سکندر عثمان کو اس نے اپنا خطر پایا۔

"تم اپنا سامان پیک کر لو، آج رات ہی فلائٹ سے تم امریکہ جا رہے ہو، کامران کے پاس۔"

"نہیں! میں اس طرح اپنا پیک سب کچھ ٹھیک تو ہے؟"

"تمہارے علاوہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" سکندر نے جی سے کہا۔

"مگر پھر آپ مجھے اس طرح اپنا پیک کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"یہ میں تمہیں رات کو انٹر پورٹ چھوڑنے کے لئے جاتے ہوئے تاروں گا۔ فی الحال تم جا کر اپنا سامان پیک کرو۔"

"پاپا جانے! آپ مجھے بتائیں آپ اس طرح مجھے کیوں جھوٹے ہیں؟" سالار نے کمزور احتجاج کیا۔

"میں نے کہا تھا میں تمہیں تاروں گا۔ تم جا کر اپنا سامان پیک کرو، ورنہ میں تمہیں سامان کے بغیر ہی

انٹر پورٹ چھوڑ آؤں گا۔"

سکندر نے اسے دھمکایا۔ وہ کچھ دیر نہیں دیکھا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اپنا سامان پیک کرتے ہوئے اچھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ سکندر عثمان کے اس اپنا پیک فیصلے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اپنا پیک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے اپنی دروازہ کھول کر اپنے پیچے نکالنا شروع کر دیے۔ وہاں نکال نامہ نہیں تھا۔ اسے ان کے اس فیصلے کی کچھ تاگئی تھی اور اسے بچھتا ہوا کہ اس نے نکال نامہ کو نکالی لاپرواہی سے وہاں کیوں رکھا تھا۔ وہ نکال نامہ سکندر عثمان کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کے کمرے میں آئے اور اس کی دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں اب کوئی الجھن نہیں تھی۔ اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا سامان پیک کیا۔ وہ اب صرف یہ سوچ رہا تھا سکندر عثمان سے انٹر پورٹ جاتے ہوئے کیا بات کرے گا۔

رات کو انٹر پورٹ چھوڑنے کے لئے صرف سکندر اس کے ساتھ آئے تھے۔ طبعاً نہیں۔ ان کا لہجہ اور انداز بے حد روکھا اور خشک تھا۔ سالار نے بھی اس بار کوئی سوال نہیں کیا۔ انٹر پورٹ جاتے ہوئے سکندر عثمان نے اپنا ہر ایک کھول کر ایک ساوا کاغذ اور قلم نکالا اور ہر ایک کیس کے اوپر دیکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر سائن کرو۔"

"یہ کیا ہے؟" سالار نے حیرانی سے اس ساوا کاغذ کو دیکھا۔

"تم صرف سائن کرو، سوال مت کرو۔" انہوں نے بے حد روکھے انداز میں کہا۔ سالار نے مزید کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ میں بکرا ہوا قلم لے کر ان کاغذ پر سائن کر دیے۔ سکندر نے اس کاغذ کو تہہ کر کے ہر ایک کیس میں رکھا اور ہر ایک کیس کو وہ بارہ بند کر دیا۔

"جو کچھ تم کر چکے ہو، اس کے بعد تم سے کچھ کہنا کوئی بات کرنا ہے گا۔ تم مجھ سے ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا جھوٹ بولتے رہے۔ یہ سمجھنے ہوئے کہ مجھے تو کبھی حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں امریکہ بھیجے کے یہاں سے بائیں سین احمد کے حوالے کر دوں تاکہ تمہیں اندازہ ہو اپنی حافقت کا۔ مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہارا باپ ہوں، مجھے تمہیں بچانا ہے۔ تم میری اس بیجوری کا آج تک فائدہ اٹھاتے رہے ہو مگر آئندہ نہیں اٹھا سکو گے۔ میں تمہارا نکال نامہ امام کے حوالے کر دوں گا اور اگر مجھے وہ بارہ بھی یہ پتا چلا کہ تم نے اس سے رابطہ کیا ہے یا رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں اس بارہ کر دوں گا تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ تم میرے لئے کافی مجھ پریشانی مخری کر چکے ہو، اب ان کا سلسلہ بند ہو جانا چاہئے سمجھے تم۔"

انہوں نے اکڑے ہوئے لہجہ میں کہا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں عجیب طرح کی لاپرواہی اور اطمینان تھا۔ سکندر عجیب بے اختیار سگے۔ یہ ان کا وہ دینا تھا جو ۱۵۰۰ کا آئی کیور تھا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ دوسرے سے کوئی آئی کیور دیکھتا بھی تھا نہیں۔

☆.....☆.....☆

اچھے چند ماہ بعد اس نے امریکہ میں گزارے تھے وہ اس کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار سیر، تفریح کے لئے اپنی فیملی کے ساتھ اور ان کے بغیر امریکہ اور یورپ جا چکا تھا مگر اس بار جس طریقے سے سکندر نے اسے امریکہ بھیجا تھا اس نے جہاں ایک طرف اسے مشتعل کیا تھا تو دوسری طرف اس کے لئے بہت سے دوسرے پرائیویٹ پیدا کر دیے تھے۔ اس کے جوہر دست اسے ایوارڈ کے بعد امریکہ آگئے تھے۔ وہ امریکہ کی مختلف ریڈیو سٹیشنوں پر بڑھ رہے تھے۔ وہ کسی ایک اسٹیشن میں نہیں تھے۔ کچھ ایسی حال اس کے رشتہ داروں اور کزنز کا تھا۔ خود اس کے اپنے لیکن بھائی بھی ایک جگہ پر نہیں تھے۔ وہ اپنی فیملی سے اتنا بچھڑ گیا تھا کہ ان کی کئی محسوس کرتا یا عوام سٹیشن کا دکھار ہوتا تھا۔ یہ صرف اس طرح اچانک وہاں بھجوائے جانے کا نتیجہ تھا کہ وہ اس طرح اضطراب کا دکھار ہو رہا تھا۔

کامران سارا دن یونیورسٹی میں ہوتا اور اگر وہ گھر آتا بھی تو اپنی احتیاط میں معروف ہو جاتا۔ اس کے ایکڑ ازم قریب تھے، جبکہ سالار سارا دن باوقار نشست میں بیٹھا غائب دیکھا جاتا تھا مگر جو کچھ سمجھانے میں مصروف رہتا اور شب وہاں دونوں کاموں سے بیزار ہو جاتا تو آوارہ گردی کے لئے نکل جاتا۔ اس نے وہاں اپنے قیام کے دوران نو بارک میں اس علاقے کا چھپ چھپا چھان مارا تھا جہاں کامران رہ رہا تھا۔ وہاں کا کوئی نائٹ کلب، ڈانسنگ ہال، کھینچ، سنیما یا میوزیم اور آرٹ گیلری ایسی نہیں تھی جہاں وہ نہ گیا ہو۔

اس کا ایک ریلنگ ریکارڈ ایسا تھا کہ جس میں Ivy League کی یونیورسٹیوں میں اس نے لپٹائی کیا تھا ان چیزوں میں رزلٹ آنے سے پہلے ہی اس کی ایڈمیشن کی درخواستیں قبول کی جا چکی تھیں۔ وہ تینوں یونیورسٹیوں کی تھیں جن میں اس کے دور یا قریب کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا اور یہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر جہاں اپنی پوری کوشش کریں گے کہ اسے کسی ایسی ہی یونیورسٹی میں ایڈمٹ کروائیں جہاں اس کے لیکن بھائیوں میں سے نہیں تو کم از کم اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی ضرور موجود ہو تاکہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں۔ سالار کی جگہ ان کا کوئی دوسرا بیٹا Ivy League کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو تو سکندر جہاں قہر میں مبتلا ہوئے اور اس چیز کو اپنے اور اپنی پوری فیملی کے لئے اعزاز سمجھتے مگر یہاں وہ اس خوف میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ سالار پر نظر کیسے رکھ سکیں گے۔ سالار نے ان یونیورسٹیوں میں سے Yale کو چنا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف Yale میں ان کا کوئی شہسوار اور واقف کار نہیں تھا، بلکہ New Haven میں بھی سکندر جہاں کا کوئی رشتہ دار

اور دوست نہیں تھا۔

رزلٹ آنے کے بعد اسے یونیورسٹی سے میرٹ اسکالرشپ بھی مل گیا تھا۔ اپنے باقی بھائیوں کے برعکس اس نے خد کر کے ہوٹل میں رہنے کے بجائے ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ سکندر جہاں اسے اپارٹمنٹ میں رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر اسکالرشپ ملنے کی وجہ سے اس کے پاس اتنی رقم آگئی تھی کہ وہ خود ہی کوئی اپارٹمنٹ لے لیتا کیونکہ یونیورسٹی کے اخراجات کے لئے سکندر اس کے اکاؤنٹ میں پہلے ہی ایک ایسی پیوڑی رقم جمع کر دیا تھا جسے جتنا کنگ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اسکالرشپ لے رہا تھا مگر سالار سکندر کو ایڈمیشن دینے کے خاص طور پر ان سے ہر وہ "کام" اور "مطالبہ" کرنے کے لئے بتایا تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ وہ زمین پر خاص طور پر انہیں تنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا جس چیز کو ان کے دوسرے بچے مشرق کہتے وہ اسے مغرب کہتا۔ نئے دوسرے زمین قرار دیتے وہ اس کے آسمان ہونے پر دلائل دیتا شروع کر دیتا۔ اس کی باتوں، حرکتوں اور خد پر زیادہ سے زیادہ پانیلڈ پر ہنر اور کوئٹسزول لہولہائی کر سکتے تھے اور کچھ نہیں۔

New Haven جانے سے پہلے سکندر اور طیبہ اس کے لئے خاص طور پر پاکستان سے امریکہ آنے تھے۔ وہ کئی دن تک اسے سمجھاتے رہے تھے، جنہیں وہ اطمینان سے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہا تھا۔ وہ کئی سالوں سے نصیحتیں سننے کا عادی تھا اور عملی طور پر وہ نصیحتیں اب اس پر قطعاً کوئی اثر نہیں کرتی تھیں۔ دوسری طرف سکندر اور طیبہ انہیں پاکستان جاتے ہوئے بے حد فکر مند بلکہ کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے۔

Yale سے فائنل میں ایم بی اے کرنے آیا تھا اور اس نے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے اندر ہی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔

پاکستان میں جن اداروں میں وہ پڑھتا رہا تھا اگرچہ وہ بھی بہت اچھے تھے، مگر وہاں تعلیم اس کے لئے ایک داک تھی۔ Yale میں مقابلہ بہت مشکل تھا وہاں بے حد قابل لوگ اور اپنی اسٹوڈنٹ مونیور تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت جلد انھوں میں آنے لگا تھا۔

اس میں اگر ایک طرف اس کی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا دخل تھا تو دوسری طرف اس کے رویے کا بھی۔ انہیں اسٹوڈنٹس والی روایتی شہساری اور خوش اخلاقی اس میں مفقود تھی۔ اس میں لحاظ اور حرمت بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ احساس کمتری اور معریت تھی جو انہیں اسٹوڈنٹس امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں فطری طور پر ملے کرتے ہیں۔ اس نے بچپن سے ہی بہترین اداروں میں پڑھا تھا۔ ایسے ادارے جہاں پڑھانے والے زیادہ تر غیر ملکی تھے اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کبھی کوئی علم کے پیچھے نہ رہے مگر شے نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ Yale نے اسے اسکالرشپ دے کر اس پر کوئی احساس نہیں کیا وہ



اگر باقی اداواروں پر نذر سیز میں سے کسی کا انتخاب کرتا تو اسکا کر شپ اسے اپنا سے بھی مل جاتا اور اگر ایسا نہ بھی ہو تا جب بھی اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ جہاں چاہتا اپنے پیشینے لے سکتا تھا۔ اگر اپنے فیملی بیکہ کر اڈوٹیشن اور قابلیت کا ذمہ نہ ہوتا جب بھی سالار سکندر اس قدر تلخ اور الگ تھلک قسم کی نیچر رکھتا تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوش اخلاقی کے چھوٹے مظاہرہ سے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ یہی سبھی کسر اس کے آئی کیو لیول نے پوری کر دی تھی۔

شروع کے چند ہفتوں میں ہی اس نے اپنے چار فیصد اور کلاس فیلوز کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی اور یہ بھی پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ بچپن سے تعلیمی اداروں میں اسی قسم کی توجہ حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ ایسا اسٹوڈنٹ نہیں تھا جو فضولی باتوں پر بھٹ بڑاے بھٹ کر پڑے۔ اس کے سوال ہی اس طرح کے ہوتے تھے کہ اس کے اکثر پرو فیسرز کو فوری طور پر ان کا جواب دینے میں دشواری ہوتی۔ جواب غیر تعلق نہیں ہوتا، تب بھی وہ یہ جانتا نہیں تھا صرف خاموش ہو جاتا تھا، مگر وہ یہ تاثر بھی نہیں دیتا تھا کہ وہ مطمئن ہو گیا تھا یا اس جواب کو تسلیم کر رہا تھا۔ وہ بھٹ صرف ان پرو فیسر کے ساتھ کرتا تھا جن کے بارے میں اسے یہ یقین ہو چکا کہ وہ ان سے واقعی کچھ نہ کچھ سیکھے گا یا جن کے پاس صرف دوایتی یا کتابی علم نہیں تھا۔ پڑھائی وہاں بھی اس کے لئے بہت مشکل نہیں تھی۔ نہ ہی اس کا سارا وقت پڑھائی میں گزرتا تھا۔ پہلے کی نسبت اسے کچھ زیادہ وقت دینا پڑتا تھا مگر اس کے بارہ دو دواپنے لئے اور اپنی سرگرمیوں کے لئے وقت نکال لیا کرتا تھا۔

وہاں کسی ہوم سکلپس کا بھلا نہیں تھا کہ پچھلے پاکستان کو یاد کرتا رہتا یا پاکستان کے ساتھ اس طرح کے شقی میں جلا دوتا کہ پروقت اس کے گھر کی ضرورت اور بصیرت کو غور سے کرتے ہی امریکہ اس کے لئے کوئی نئی اور اچھی جگہ تھی اس لئے اس نے وہاں موجود پاکستانیوں کو تلاش کرنے اور ان کے ساتھ رابطہ برعائے کی دہشت طور پر کوئی کوشش نہیں کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود وہاں موجود کچھ پاکستانیوں سے اس کی شناسائی ہو گئی۔

یونورٹنی کی دوسری بہت سی سوسائٹیز، ایسوسی ایشنز اور کلبز میں اس کی دلچسپی تھی اور اس کے پاس ان کی ممبر شپ بھی تھی۔

پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنا زیادہ تر وقت بے کار پھرنے میں ضائع کرتا تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈز، سینما، کلبز، اسکو، ٹھیٹر۔ اس کی ذمہ داری انہیں چاروں کے درمیان تقسیم شدہ تھی۔ برقی فلم ہر تیار کیجئے، ہر نیا کمرے اور کوئی بھی نئی انسٹرکشنل پر فارمس، وہ نہیں چھوڑتا تھا یا پھر ہر تیار ہوتا، ہوا، ہینڈلڈ، میٹھے سے مہکا اور سستے سے سستا۔ اسے ہر ایک کے بارے میں مکمل معلومات تھیں۔

اور اس سب کے درمیان دواپنے دچکر اس کے ذہن میں اب تک تھا جس کی وجہ سے وہ امریکہ میں موجود تھا۔ سکندر کو اس کے نکاح کا پتا کب چلا تھا، کیسے چلا تھا، سالار نے جاننے کی کوشش نہیں کی مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سکندر عثمان کو اس کے بارے میں کیسے پتا چلا ہو گا۔ یہ حسن یا دہش نہیں تھے جنہوں نے سکندر عثمان کو سالار اور امام کے بارے میں بتایا ہو گا۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن تھا یہ خود امام ہی ہو گی، جس نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد یہ سوچا ہو گا کہ اس کے بجائے سکندر عثمان سے ساری بات کی جائے اور اس نے یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا۔ اسی لئے اس نے دو بار وہ سالار سے رابطہ نہیں کیا۔ سکندر نے اس سے رابطہ کرنے کے بعد ہی اس کے کمرے کی تلاش لے کر وہ افواج نامہ برآمد کر لیا تھا۔

مگر یہ سب کب ہوا تھا۔۔۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بھی تھا امام کے لئے اس کی پانچ سو کی میں پاکستان سے امریکہ آتے ہوئے کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بیکہ بعد دیگرے وہ اس کے باقیوں تک اٹھانے پر مجبور ہوا تھا اور اب وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے اس تمام معاملے میں امام کی مدد کیسے کی۔ بعض دفعہ اسے حیرانی ہوتی تھی کہ آخر وہ امامہ بھی لڑکی کی مدد کرنے پر تیار کیسے ہو گیا تھا اور اس حد تک مدد کہ۔

دو اب ان تمام واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی کوئی غور نہیں کرتا تھا۔ آخر میں نے اس کی مدد کیوں کی جبکہ مجھے جو کرنا چاہئے تھا وہ یہ تھا کہ اس کے رابطہ کرنے پر میں دہم کو، اس کے والدین کو یا خود اپنے والدین کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا دیتا یا پھر چالی کے بارے میں انہیں بتا دیتا یا پھر اس کے کہنے پر اس کے ساتھ سرے سے نکاح کر دیتی نہ یا اسے گھر سے فرار ہونے میں تو سبھی اس طرح مدد کرتا۔

بعض دفعہ اسے لگتا کہ جیسے وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کے ہاتھوں میں استعمال ہوا تھا۔ اتنی فراہم داری، اتنی تالی داری آخر کیوں۔۔۔ جبکہ وہ اس کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی طرح سے بھی اس کی مدد کرنے پر مجبور نہیں تھا۔

اب اسے وہ سب کچھ ایک ایسے دچکر سے زیادہ محافض لگتا۔ وہ کسی سائیکالوجسٹ کی طرح امام کے بارے میں اپنے رویے کا تجزیہ کرتا اور مطمئن ہو جاتا۔

”ہوں ہوں وقت گزرتا جائے گا وہ عمل طور پر میرے ذہن سے نکل جائے گی نہ بھی لگتی تب بھی مجھے کیا فرق پڑے گا۔“ وہ سوچتا۔

☆.....☆.....☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں اس کے حلقہ احباب میں اضافہ ہونے لگا اور اسی حلقہ احباب میں ایک نام۔۔۔ مد کا تھا۔ اس کا تعلق کراچی سے تھا۔ سالار کی طرح وہ بھی امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھتا

تھا مگر سالار کے برعکس اس کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔ یہ سالار کا اندازہ تھا۔ سعد کی جس منزل بہت اچھی تھی اور وہ بہت پیڑم بھی تھا۔ یو جیون میں ایک امریکی دوست کے توسط سے اس کی ملاقات سعد سے ہوئی تھی اور اس کی طرف دوستی میں پہلی کرنے والا سعد ہی تھا۔ سالار نے اس دوستی کو قبول کرنے میں قدرے تامل کیا کیونکہ اسے یوں لگتا تھا جیسے سعد اور اس کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ سعد وہاں سے اٹھ کر رہا تھا۔ سالار کے برعکس وہ پڑھائی کے ساتھ چاب بھی کرتا تھا۔ اس کا حلیہ اس کی مذہب سے جذباتی و انگلی بتانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی اور مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ سالار نے زندگی میں پہلی بار کسی ایسے شخص سے دوستی کی تھی جو مذہبی تھا۔

سعد پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور وہ سروں کو بھی اس کے لئے کھتا رہتا۔ وہ مختلف آرکائزیشنز اور تھکن میں بھی بہت آگاہ تھا۔ سالار کے برعکس امریکہ میں اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا۔ صرف ایک دور کے چچا تھے، جو کسی دوسری اسٹیٹ میں رہتے تھے۔ شاید اسی لئے اپنی نہائی کو دور کرنے کے لئے وہ بہت زیادہ سوشل تھا۔ سالار کے برعکس وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور شاید یہ لاف زیادہ ہی تھا۔ اس نے اس کے والدین کو اسے اچھی دور تعلیم کے لئے بھیج دیا تھا اور نہ اس کے باقی دونوں بھائی سعد کے والد کے ساتھ گریجویٹوں کے بعد بزنس میں شریک ہو گئے تھے۔

وہ بھی ایک اپارٹمنٹ کو اسے پر لے کر رہتا تھا مگر اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں چار اور لوگ بھی رہتے تھے۔ ان چار میں سے دو عرب اور ایک بنگلہ دہی کے علاوہ ایک اور پاکستانی تھا۔ وہ تمام انڈیانس تھے۔

سعد پہلی ہی ملاقات میں سالار سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ سالار کے امریکی دوست چیف نے جب سعد کو سالار کی اکیڈمک کامیابیوں کے بارے میں بتایا تو: ایک کی طرح سعد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

سالار کو سعد کا چہرہ دیکھ کر اور خاص طور پر اس کی ڈاڑھی دیکھ کر ہمیشہ جمال کا خیال آتا۔ ڈاڑھی کی وجہ سے دونوں میں شبہ ہی مماثلت اور مشابہت نظر آتی۔ کئی بار دوسرے دوستوں کے علاوہ سعد بھی ویک اینڈ پر اس کے ساتھ جاتا۔

”تم مسلمان ہو لیکن مذہب کی سرے سے پابندی نہیں کرتے۔“ سعد نے ایک دفعہ سالار سے کہا تھا۔

”اور تم ضرور سے زیادہ مذہبی ہو۔“ سالار نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ جس طرح تم پانچ وقت کی نماز پڑھتے رہتے ہو اور ہر وقت اسلام کی بات کرتے

رہتے ہو یہ کچھ اور ریٹنگ ٹاپ چیز ہو جاتی ہے۔“ سالار نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کہا۔ ”تم جتنے نہیں ہو ہر وقت نمازیں پڑھ کر۔“

”یہ فرض ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں، اسے ہر وقت یاد رکھیں۔“ سعد نے درود دیتے ہوئے کہا۔ سالار نے ایک ہنسی لی۔

”تم بھی عبادت کیا کرو۔ آخر تم بھی مسلمان ہو۔“ سعد نے اس سے کہا۔

”میں جانتا ہوں اور عبادت نہ کرنے سے کیا میں مسلمان نہیں رہوں گا۔“ اس نے کچھ چٹکے لپے

میں سعد سے کہا۔

”صرف نام کا مسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تم؟“

”سعد! پہلے اس قسم کے خیال ٹاپک پر بات مت کرو۔ میں جانتا ہوں تمہیں مذہب میں دلچسپی ہے مگر مجھے نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم ایک دوسرے کی رائے اور جذبات کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے پر کچھ ٹھونسے کی کوشش نہ کریں۔ جیسے میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نماز چھوڑ دو، اس طرح تم بھی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں نماز پڑھوں۔“ سالار نے احتجاجی صاف گوئی سے کہا تو سعد خاموش ہو گیا۔

مگر کچھ دنوں بعد ایک دن وہ اس کے اپارٹمنٹ پر آیا۔ سالار اس کی توجہ کے لئے کچھ لانے کے لئے کچن میں گیا تو سعد بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا۔ اس نے باتوں کے دوران فریج کھلی لیا اور اس میں موجود کھانے کی چیزوں پر نظر دوڑانے لگا۔ سالار پچھلی رات ایک قاسٹ فوڈ outlet سے اپنا پیئدہ ویرگر لے کر آیا تھا۔ وہ فریج میں رکھا تھا۔ سعد نے اسے نکال لیا۔

”اسے رکھ دو یہ تمہارے کھانا۔“ سالار نے جلدی سے کہا۔

”کیوں؟“ سعد نے مانگ کر دوپہ کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

”اس میں پورک (سوار کا گوشت) ہے۔“ سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

”خفاق مت کرو۔“ سعد ٹھٹک گیا۔

”اس میں خفاق والی کون سی بات ہے۔“ سالار نے خیرالی سے اسے دیکھا۔ سعد نے جیسے چپکے

والے انداز میں پلیٹ شیٹ پر رکھ دی۔

”تم پورک کھاتے ہو؟“

”میں پورک نہیں کھاتا۔ میں صرف یہ ہرگز کھاتا ہوں کیونکہ یہ مجھے پسند ہے۔“ سالار نے برز

بلاتے ہوئے کہا۔

”تم جانتے ہو یہ حرام ہے۔“

”اسلام میں؟“



"ہاں!"

"اور پھر بھی؟"

"اب تم پھر وہی تپائی و عطا شروع مت کرنا میں صرف پورک ہی نہیں کھا تا ہر قسم کا گوشت کھا لیتا ہوں۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ اب فریج کی طرف جا رہا تھا۔  
"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"خیر اس میں اسکا بے یقینی والی کیا بات ہے۔ یہ کھانے کے لئے ہی ہوتا ہے۔" وہ اب فریج میں پڑے دو دوس کے بیکٹ کو نکال رہا تھا۔

"ہر چیز کھانے کے لئے نہیں ہوتی۔" سعد کچھ تھکایا۔ "ٹھیک ہے تم زیادہ مذہبی نہ بنو مگر مسلمان تو ہو اور اتنا تو تم جانتے ہی ہو گے کہ پورک اسلام میں حرام ہے، کم از کم ایک مسلمان کے لئے۔" سالار خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"میرے لئے کچھ مت دے، میں نہیں کھاؤں گا۔" سعد ایک ام بکری سے نکل گیا۔

"کیوں؟" سالار نے مڑ کر اسے دیکھا۔ سعد واش سین کے سامنے کھڑا اساتین سے ہاتھ دھو رہا تھا۔

"کیا ہو؟" سالار نے اس سے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

سعد نے جواب میں کچھ نہیں کیا وہ اسی طرح کھڑے پڑتے ہوئے ہاتھ دھو رہا تھا۔ سالار جھپٹی ہوئی نظروں سے ہونٹ پیچھے اسے دیکھتا رہا۔ ہاتھ دھو کر سالار نے سالار سے کہا۔

"میں تو اس فریج میں رکھی کوئی چیز نہیں کھا سکتا، بلکہ تہہ سے رہتوں میں بھی نہیں کھا سکتا۔ اگر تم یہ برگر کھا لیتے تو تو اور بھی کیا کچھ نہیں کھا لیتے ہو گے۔ چلو باہر چلے ہیں دو چائے جا کر کچھ کھاتے ہیں۔"

"یہ بہت افسوسگ ہے۔" سالار نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"نہیں۔ افسوس والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں یہ حرام گوشت نہیں کھانا چاہتا اور تم اس معاملے میں پرہیز کے عادی نہیں ہو۔" سعد نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ گوشت کھانے کی کوشش نہیں کی۔ تم نہیں کھاتے اس لئے میں نے وہ برگر کھاتے ہی تمہیں منع کر دیا۔" سالار نے کہا۔ "مگر تم کو تو شاید کوئی نوپا ہو گیا ہے۔ تم اس طرف نہ رہی ایکٹ کر رہے ہو جیسے میں نے اپنے پاؤں سے ٹھیکہ مل اس جانور کو پالا ہو اسے اور ذات دان ان ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔" سالار ناراض سا ہو گیا۔

"چلو باہر چلے ہیں۔" سعد نے اس کی ناراضی کو فہم کرنے کے لئے کہا۔

"باہر چل کر کچھ کھائیں گے تو میں مل پے نہیں کروں گا، تم کرو گے۔" سالار نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں کروں گا، نو پراہم۔ تم چلو۔" سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور اچھی دھڑم میرے پارکسٹ پر آتے ہوئے گھر سے کچھ کھانے کے لئے لے کر آنا۔" سالار نے قدرے طنز سے کہہ دیا۔  
"اچھا لے آؤں گا۔" سعد نے کہا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس ایک اینڈ پر جمیل کے کھارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرح بہت سے لوگ وہاں پھر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اور اوجھڑ پھرنے کے بعد ایک بیچ پر آکر بیٹھ گیا۔ بہت لاپرواہی سے ایک آئین کریم اسٹیک کھاتے ہوئے وہ اوجھڑ اور نظریں دوڑانے میں مصروف تھا جب اس کی توجہ تین سال کے ایک بچے نے اپنے طرف مبذول کر لی۔ وہ بچہ ایک فٹ بال کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ حجاب اوڑھے ایک لڑکی کھڑی تھی جو مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں موجود بہت سے ایشین میں سے ایک تھی مگر حجاب میں ملیں واحد لڑکی تھی۔ وہ لاشعور کی طور پر اسے دیکھ گیا۔ وہ بچہ فٹ بال کو پاؤں سے ٹھک کر کھاتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی بیچ کی طرف دیکھا تھا۔ ایک اور ٹھکرانے والی کو سیدھا سالار کی طرف بھیج دیا۔ کسی غیر وادائی ٹیس کے تحت سالار نے اسی طرح پیٹھے پیٹھے اپنے دائیں پاؤں میں پیٹنے ہوئے جاگری کی ہاتھ اس بال کو روکا اور پھر پاؤں بٹایا نہیں بلکہ اسی طرح فٹ بال پر تھک کر اس بار اس کی نظروں اس لڑکی کے بجائے اس بچے پر تھیں جو تیز رفتاری سے بال کے پیچھے اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے بالکل پاس آنے کے بجائے وہ کچھ دور ٹک گیا۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا کہ سالار بال کو اس کی طرف لڑکھائے گا مگر سالار اسی طرح فٹ بال پر ایک پاؤں رکھے بائیں ہاتھ سے آئین کریم کھاتے ہوئے دور کھڑی اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شاید اسے توقع تھی کہ اب وہ قریب آئے گی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اسے بال نہ چھوڑتے دیکھ کر وہ لڑکی کچھ حیرانی سے آگے اس کی طرف آئی تھی۔

"یہ فٹ بال چھوڑ دو۔"

اس نے قریب آکر بڑی شائستگی سے کہا۔ سالار چند لمحے اسے دیکھا۔ ہاتھ اس نے فٹ بال سے اپنا پاؤں اٹھایا اور وہیں بیٹھے بیٹھے فٹ بال کو ایک زوردار ٹک لگائی۔

فٹ بال اڑنے ہوئے بہت دور جاگری۔ ٹک لگانے کے بعد اس نے اطمینان سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ اب سرخ ہو رہا تھا جبکہ وہ بچہ ایک بار پھر اس فٹ بال کی طرف بھاگتا جا رہا تھا اب کہیں آخر نہیں آ رہی تھی۔ اس لڑکی نے ذرا لب اس سے کچھ کہا اور پھر واپس مڑ گئی۔ سالار اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سن پا چھ نہیں سکا مگر اس کے سرخ چہرے اور بیٹھنا سے وہ یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی خوشگوار الفاظ نہیں تھے۔ اسے اپنی حرکت پر شرمندگی بھی ہوئی مگر جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی وہ لڑکی امامہ سے مشابہت رکھتی تھی۔

وہ لمبے سے سیاہ کوٹ میں سیاہ چھاپ اڑھے ہوئے تھی۔ دروازہ اور بہت ڈبلی بگلی تھی۔ بالکل امام کی طرح۔ اس کی سفید رنگت اور سیاہ آنکھیں بھی اسے امام جیسی ہی محسوس ہوتی تھیں۔ امام بہت لمبی پوڑی چادر میں خود کو چھپائے رکھتی تھی۔ وہ کھاب نہیں لگتی تھی مگر اس کے باوجود اس وقت اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا اور لاشعوری طور پر اس نے وہ نہیں کیا جو وہ لڑکی چاہتی تھی۔ شاید اسے کسی حد تک یہ تسکین ہوتی تھی کہ اس نے امام کی بات نہیں مانی مگر..... وہ امام نہیں تھی۔

”آخر کیا ہو رہا ہے مجھے، اس طرح تو.....“ اس نے حیران ہوتے ہوئے سوچا۔ وہ غیب میں سے ایک سکریت نکال کر سٹاپ لگا لگا۔ سکریت کے کش لپٹے ہوئے وہ ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اپنے بچے کو فٹ بال کے ساتھ کھیلنے والی تھی۔ سکریت اس کی طرف سے دیکھ رہا تھا اور اس کے علاوہ ہر شے سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس رات وہ کافی دیر تک امام کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے اور حال انصر کے بارے میں اسے یقین تھا اب تک وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے، کیونکہ اچھا نکاح نامہ سدھ سے حاصل کر لے کے بعد وہ یہ جان چکی ہوگی کہ طلاق کا حق پہلے ہی اس کے پاس تھا۔ اسے اس سلسلے میں سالار کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ جانتے کے باوجود کہ حال انصر اس کے کہنے پر بھی امام سے شادی پر تیار نہیں ہوا تھا اسے پھر بھی ات جانے کیوں یہ یقین تھا کہ حال انصر ایک بار امام کے اپنے پاس پہنچ جانے پر اسے انکار نہیں کر سکا ہوگا۔ اس کی منت مانت پر وہ مان گیا ہوگا۔

امام اس کے مقابلے میں بہت خوب صورت تھی اور امام کا خاندان ملک کے طاقت ور ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔ کوئی احمق ہی ہو گا جو حال انصر جیسی حیثیت رکھتے ہوئے امام کو سونے کی چڑیا نہ سمجھتا ہو یا پھر ہو سکتا ہے وہ واقعی امام کی صحبت میں مبتلا ہو جو بھی تھا اسے یقین تھا کہ وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے اور پتا نہیں کس طرح یا شرم بہن کی آنکھوں میں دھول چھوٹ کر کیچھنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ باشم بہن نے اب تک انہیں زحمت نہ لایا ہو۔

”مجھے پتا تو کرنا چاہیے اس بارے میں۔“ اس نے سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے خود کو جھڑکا۔ ”قادر کا میک سالار ڈونگ کر دے۔ جانے دو کیوں خواہوا اس کے پیچھے نہ گئے ہو۔ یہ جان کر آخر کیا لیا جائے گا کہ باشم بہن اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔“ اس نے بے اختیار خود کو جھڑکا مگر اس کا تجسس ختم نہیں ہوا۔ ”واقعی میں نے یہی اسے بعد یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ باشم بہن اب تک اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔“ اسے حیرانی ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میرا نام دیش اچھا ہے۔“

وہ لڑکی اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے ہوئے تھی۔ وہ اس وقت لائبریری کی بک شیلٹ سے ایک کتاب نکال رہا تھا۔ وہاں وہ اس کے قریب آئی تھی۔

”سالار سنگھ را!“ اس نے دیش سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

”میں جانتی ہوں، تمہیں تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔“

دیش نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔ سالار نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اسے بھی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی نگاہ کے پچاس کے پچاس لوگوں کو ان کے نام سے پاتا اور پہچانتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ان کا بریف یا بیوفا بھی بغیر ان کے کسی غلطی کے بنا سکتا تھا۔ بیٹے وہ اس وقت دیش کو یہ بتا کر حیران کر سکتا تھا کہ وہ بیو جی سے آئی تھی۔ وہاں وہ سال ایک ویو میٹنگ میں کام کرتی رہی تھی۔ اس کے پاس مارکیٹنگ میں ایک ڈگری تھی اور وہ اب دوسری ڈگری کے لئے وہاں آئی تھی اور وہ اس سے کم از کم تیس سال بڑی تھی۔ اگرچہ اپنے قد و قامت سے سالار اس سے بہت بڑا لگتا تھا مگر وہ چاہتا تھا کہ وہ اس وقت اپنے بچے میں سب سے کم فرقہ اپنے بچے میں صرف وہی تھا جو کسی قسم کی چاب کے بغیر سیدھا ایجنسی اس کے لئے آیا تھا۔ باقی سب کے پاس نہیں تھیں کچھ سال کام کرنے کا تجربہ تھا مگر اس وقت دیش کو یہ سب کچھ بتانا اسے خوش فہمی کا شکار کرنے کے مترادف تھا۔

”مگر میں آپ کو کافی کی دعوت دوں تو؟“ دیش نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا۔

”آج میں اسے قبول کر لوں گا۔“

وہ اس کی بات پر ہنسی۔ ”تو پھر چلتے ہیں کافی پیتے ہیں۔“ سالار نے کدھے اچکائے اور کتاب کو دوبارہ شیلٹ میں رکھ دیا۔

کپٹے پھر بائیں بیٹھ کر وہ دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ تک ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ یہ دیش کے ساتھ اس کی شامانی کا آغاز تھا۔ سالار کے لئے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات بنانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ یہ کام بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔ اس بار مزید آسانی یہ تھی کہ پہلے دیش کی طرف سے ہوئی تھی۔

تین چار ملاقاتوں کے بعد اس نے ایک رات دیش کو اپنے قہقہے پر رات گزارنے کے لئے انوائٹ کر لیا تھا اور دیش نے کسی تاہل کے بغیر اس کی دعوت قبول کر لی۔ وہ دونوں بے فائدہ دیش کے بعد اگلے بہت سی جگہوں پر پھرتے رہے۔ سالار کے قہقہے پر ان کی والہانہ لیت ثابت ہوئی تھی۔

وہ جگہ میں اپنے اور اس کے لئے گلاس تیار کرنے لگا جبکہ دیش بے تکلفی سے ادھر سے ادھر پھرتے ہوئے اس کے ہارنٹ کا جائزہ لے رہی تھی پھر وہ اس کے قریب آکر گاؤنٹر کے سامنے کھڑی



ہو گئی۔ "بہت اچھا پارٹمنٹ ہے تمہارا۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم کیسے رہتے ہو تو پارٹمنٹ کا مینہ خاصا خراب ہو گا مگر تم نے تو ہر چیز بڑے سلیقے سے دیکھی ہوئی ہے۔ تم ایسے ہی رہتے ہو یا یہ اہتمام خاص ہے۔ لے کیا گیا ہے؟"

سارا نے ایک گلاس اس کے آگے رکھ دیا۔ "میں ایسے ہی رہتا ہوں، قریب اور غریب سے۔" اس نے گھومٹ بھرا اور گلاس دوبارہ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے وہ دھن کے قریب چلا آیا اس نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ دھن مسکرا دی۔ سارا نے اسے اپنے کچھ اور قریب کیا اور پھر ایک دم سادگت ہو گیا۔ اس کی نظریں دھن کی گردن کی ذخیر میں جھلنے اس موتی پر پڑی تھیں۔ بسے آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سردی کے موسم کی وجہ سے دھن بھاری بھر کم سویر اور ٹیکس پرنا کرتی تھی۔ اس نے ایک دو بار اس کے کھلے کار سے نظر آنے والی اس ذخیر کو دیکھا تھا مگر اس ذخیر میں رکھا ہوا وہ موتی آج پہلی بار اس کی نظروں میں آیا تھا کیونکہ آج پہلی بار دھن ایک کمرے سے نکلنے کی شرت میں ملبوس تھی۔ وہ اس شرت کے اوپر ایک سویر پہنے ہوئے تھی، بسے اس نے سارا کے پارٹمنٹ میں آکر اتار دیا تھا۔

اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ ایک جھماکے کے ساتھ وہ موتی اسے کہیں اور۔ کہیں بہت پیچھے کسی اور کے پاس لے گیا تھا۔ سچ کرے ہاتھ اور انگلیاں۔ ہاتھ اور کلائی۔ کلائی سے کتنی تک کا سفر کرتی انگلیاں۔ آنکھوں سے پوٹالی۔ پوٹالی سے سفید چادر کے نیچے سیاہ بالوں پر گھسے ہوئے ہاتھ۔۔۔

اماں کی گردن کے گرد سویر و ذخیر جھک تھی۔ اس میں لگے والا موتی اس کی منہ کی ہڈی کے بالکل ساتھ جھونکا تھا۔ ذخیر توڑی سی بھی لمبی ہوتی تو وہ اسے کچھ نہ پاتا۔ اس رات وہ بہت لگ لگے کی شرت اور سویر میں ملبوس تھی۔ اس موتی کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے مفلوج ہو گیا۔

وہ اسے کس وقت یاد آئی تھی۔ اس نے موتی سے انکریں پڑانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی رات خراب نہیں کرتا چاہتا تھا۔ اس نے دھن کو دیکھ کر دوبارہ مسکراتے کی کوشش کی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری آنکھیں بہت خوب صورت لگتی ہیں۔"

"مجھے تمہاری آنکھوں سے گھن آتی ہے۔"

کسی آواز نے اسے ایک چاک مارا اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔ دھن کے وجود سے اپنے بازو جاتے ہوئے وہ چند قدم پیچھے مڑا اور کاؤنٹر پر پڑا ہوا گلاس اٹھا لیا۔ دھن ہلکا سا سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ چند قدم آگے بڑھ آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ جھٹکائی سے پوچھا۔

سارا نے کچھ کہے بغیر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کیا۔ دھن اس کے جواب نہ دیتے پر اب کچھ اچھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

دھن میں اس کی دلچسپی ختم ہونے میں صرف چند منٹ لگے تھے۔ وہ نہیں چاہتا اسے کیوں اس کے وجود سے انکریں ہونے لگی تھی۔ وہ پچھلے دو تھکے ایک ماٹ کلب میں اس کے ساتھ ڈانس کرتا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ بے حد خوش تھا اور اب چند منٹوں میں۔

سارا نے اپنے کندھے سے جھٹکے اور سٹک کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنا گلاس دھونے لگا۔ دھن دوسرا گلاس لے کر اس کے پاس چلی آئی۔ سارا نے اس سے گلاس لے لیا۔ وہ اپنے سینے پر دو ٹون پاتو لپیٹے اس کے بالکل پاس کمری اسے دیکھتی رہی۔ سارا کو اس کی نظروں سے جھٹکا ہلے ہو رہی تھی۔

"میں۔۔۔ میری طبیعت کچھ عجیب نہیں ہے۔"

گلاس کو خشیت پر رکھتے ہوئے اس نے دھن سے کہا۔ وہ تیرائی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بالواسطہ طور پر اسے وہاں سے جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ دھن کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سارا کا رویہ بے حد توہین آمیز تھا۔ وہ چند لمبے اسے گھورتی رہی پھر تیزی کے ساتھ اپنا سویر اور ہنگ اٹھا کر پارٹمنٹ کا دروازہ دھماکے سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر بکڑ کر صوفی پر بیٹھ گیا۔

دھن اور اماں میں کہیں کسی قسم کی کوئی مشابہت نہیں تھی۔ دونوں کی گردنوں میں سویر و موتی بھی بالکل ایک جیسے نہیں تھا اس کے باوجود اس وقت اس کی گردن اور گردن میں جھلنے اس موتی کو دیکھ کر اسے بے اختیار دو بار آئی تھی۔ کیوں؟ اب پھر کیوں؟ آخر اس وقت کیوں؟ وہ بے حد مشغول ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی رات خراب ہو گئی تھی، اس نے سینٹر فیل پر پڑا ہوا ایک کمرشل کا گلے دان اٹھا اور پوری قوت سے اسے دھار پر دے مارا۔

ایک اینڈ کے بعد دھن سے اس کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ اس سے بڑے روکے اور اکڑے ہوئے انداز میں ملا۔ یہ اس سے تعلقات شروع کرنے سے پہلے ہی ختم کرنے کا اہم راستہ تھا۔ اسے ہر اس عورت سے بھٹکنا سب سے پہلی شرط تھی جو اسے کسی بھی طرح سے اماں کی یاد دلاتی اور دھن ان عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔ دھن جو اس کی طرف سے کسی معذرت اور اچھی دعوت کا انتظار کر رہی تھی وہ اس کے اس رویے سے بری طرح دلبرداشتہ ہوئی تھی۔ وہ اسے اس کا پہلا انکری تھا۔

۶۶..... ۶۷

انگلے چند ماہ وہ بڑھائی میں بے حد مصروف رہا، اتنا مصروف کہ اماں کو یاد رکھنے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کو کل پر تالیاں رہا اور شاید یہ سلسلہ ابھی چلتا رہتا مگر اس شام چاک کی ملاقات جلال انصر سے ہو جاتی۔

دو ایک اینڈ پر لے لی گئی تھی وہاں اس کے بچہ اپنے کزن کی شادی کیلئے  
کرنے آیا تھا۔

اس شام سالار اپنے کزن کے ہمراہ تھا جو ایک ریٹائرڈ چار ہاتھ وہاں کھانا کھانے آیا ہوا  
تھا۔ اس کا کزن آدھ روپے کے بعد کسی کام سے اٹھ کر گیا تھا۔ سالار کھانے کا انتظار کر رہا تھا جب کسی نے  
اس کا نام لے کر پکارا۔

”ہیلو...“ سالار نے بے اختیار سر کرنا دیکھا۔

”آپ سالار ہیں؟“ اس آدمی نے پوچھا۔

وہ جلال العصر تھا۔ اسے پہچانتے میں ٹکڑے بھر کے لئے وقت اس لئے ہوئی تھی کیونکہ اس کے چہرے  
سے اب ڈالچمی کا صبغہ تھی۔

سالار نے کمرے پر گراں سے ہاتھ ملایا۔ ایک سال پہلے کا ایڈیٹر ایک بار پھر اس کی آنکھوں  
کے سامنے گھوم گیا۔ یہ کسی ٹیکہ ٹیک کے بعد اس نے جلال کو دیکھا تھا۔

”نہیں مجھے ڈر اچھل رہا ہے۔ اس آپ پر اتفاقاً نظر پڑ گیا تو آگیا۔“ جلال نے اپنی گھڑی پر نظر  
ڈالتے ہوئے کہا۔

”امام کیسی ہے؟“ جلال نے بات کرتے کرتے اچانک کہا۔ سالار کو لگا وہ اس کا سوال ٹھیک سے سن  
نہیں سکا۔

”سوری...“ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں افسوس کیا۔ جلال نے اپنا سوال دہرایا۔

”میں امام کا پوچھ رہا تھا وہ کیسی ہے؟“

سالار جلیں ہچکاتے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ امام کے بارے میں اس سے کچھ نہیں پوچھ رہا تھا۔  
”مجھے نہیں پتا یہ تو آپ کو پتا ہونا چاہئے۔“ اس نے کچھ اٹکھے ہوئے انداز میں کدھے سے

نوسے کہا۔

اس بار جلال حیران ہوا۔ ”مجھے کس لئے؟“

”کیونکہ وہ آپ کی بیوی ہے۔“

”میری بیوی؟“ جلال کو جیسے کرنا لگا۔

”آپ کیا کر رہے ہیں۔ میری بیوی کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ۔ میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا  
تھا۔ آپ اب بھی طرح جانتے ہیں۔ ایک سال پہلے آپ ہی تو آئے تھے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے

کے لئے۔“ جلال نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ ”میں نے تو آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ خود اس سے  
شادی کر لیں۔“

سالار نے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

”میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا کہ شاید آپ نے اس سے شادی کر لی ہوگی۔“ وہ اب  
وضاحت کر رہا تھا۔

”آپ نے اس سے شادی نہیں کی؟“ سالار نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ آپ سے تو ساری بات ہوئی تھی میں نے انکار کر دیا پھر اس سے میری شادی کیسے ہو  
سکتی تھی؟ پھر میں نے سنا کہ وہ گھر سے نکلتی چلی گئی۔ میں نے سوچا آپ کے ساتھ کہیں چلی گئی ہوگی۔ اسی

لئے تو آپ کو کچھ کر آپ کی طرف آیا تھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں تو پچھلے سات آٹھ ماہ سے نہیں ہوں۔“ سالار نے کہا۔

”اور مجھے یہاں آئے وہاں سے ہیں۔“ جلال نے بتایا۔

”مجھ سے ملاقات کے بعد کیا اس نے دوبارہ آپ سے رابطہ ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی؟“

سالار نے کچھ اٹکھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ وہ مجھ سے نہیں ملی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لاہور جا کر اس نے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔“ سالار کو  
اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

”مجھ سے رابطہ کرنے سے کیا ہوا؟“

”آپ کے لئے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اسے آپ کے پاس جانا چاہئے تھا۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ وہ میرے لئے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ آپ تو ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے اسے بتا  
دیا تھا کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ یہ مت کہیں کہ وہ میرے لئے گھر سے نکلی تھی۔“ جلال

کے لہجے میں اچانک کچھ تبدیلی آگئی۔ ”میری بات آپ ہی سے تو ہوئی تھی۔“

”کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس نہیں گئی؟“

”میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ ہوئی تو میں آپ کے پاس اس کے  
بارے میں پوچھنے کیوں آتا۔ مجھے دہرہ دہرہ ہے۔“ جلال کے لہجے میں اب بے یار واری تھی۔

”آپ مجھے اچانک ٹیکٹ خبر دے سکتے ہیں؟“ سالار نے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے دوبارہ رابطے کی ضرورت ہے۔ سکتی  
ہے۔“ جلال نے بڑی صاف گوئی سے کہا اور واپس مڑ گیا۔

سالار کچھ اٹکھے ہوئے انداز میں اس کی پشت پر نظریں جمائے رہا۔ یہ قابل یقین بات تھی کہ وہ  
جال سے نکلتی چلی۔ کیوں۔۔۔۔۔ کیا اس نے میری اس بات پر واقعی یقین کر لیا تھا کہ جلال نے شادی کر لی



پر غور کئے بغیر کیا۔

"کیا وہ تمہیں فون کیا کرتی تھی؟"

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "گھر سے پہلے جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار فون کیا تھا پھر میں یہاں آگیا۔ ہو سکتا ہے اس نے وہ بار وہ بھی فون کیا ہو جس کے بارے میں آپ مجھے نہیں بتا رہے۔"

"اس نے تمہیں فون نہیں کیا۔ اگر کرتی تو میں تمہاری اور اس کی شکایت کے بارے میں بہت سے حقائق کو ختم کر دیتا۔ میں تمہاری طرف سے اسے طلاق دے دیتا۔"

"یہ سب آپ کیسے کر سکتے ہیں؟"

سالار نے بہت پرسکون انداز میں کہا۔

"یہاں تمہیں کچھ اٹھانے سے پہلے میں نے ایک بیچر پر تمہارے signatures لئے تھے، میں خلاق نامہ تیار کروا چکا ہوں۔" سکندر نے جانتے ہوئے کہا۔

"(fake document) (جعلی ڈاکومنٹ)۔" سالار نے اسی انداز میں تہرہ کیا۔ "میں تو نہیں جانتا تھا کہ آپ طلاق نامہ تیار کروانے کے لئے مجھ سے سائن کروا رہے ہیں۔"

"تم پھر اس مصیبت کو میرے سر پر لانا چاہتے ہو؟" سکندر کو ایک دم غصہ آگیا۔

"میں نے یہ نہیں کیا کہ میں اس کے ساتھ رشتہ کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ اندری طرف سے یہ رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارا معاملہ ہے میں خود ہی اسے ختم کروں گا۔"

"تم صرف یہ شکر کرو کہ تم اس وقت یہاں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو ورنہ تم نے جس خاندان کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا وہ خاندان قبر تک بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑتا اور یہ بھی ممکن ہے وہ یہاں بھی تمہاری نگرانی کر رہا ہے ہوں۔ یہ انتظار کرو کہ تم "ملین" ہو کر دوبارہ امام کے ساتھ رابطہ کرو اور وہ تم دونوں کے لئے ایک نیا تیار کر دیں۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں۔ جیسا بات تو یہ ہے کہ میں یہ اسے پر تیار نہیں ہوں کہ یہاں امریکہ میں کوئی میری نگرانی کر رہا ہو گا اور وہ بھی اتنا غصہ گزند جانے کے بعد اور دوسری بات یہ کہ میں امام کے ساتھ تو کوئی رابطہ نہیں کر رہا کیونکہ میں راقی نہیں جانتا وہ کہاں ہے، پھر رابطے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر تمہیں اس کے بارے میں اس قدر کانٹفس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جہاں ہے جیسی ہے رہنے والا ہے۔" سکندر کو کچھ اطمینان ہوا۔

"آپ میرے موبائل کے بل چیک کریں۔ وہ موبائل اس کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے نہیں تو اب وہ اس سے کالز کرتی ہو۔"

"اے اس سے کالز نہیں کرتی۔ موبائل مستقل طور پر بند ہے۔ جو چند کالز اس نے کی تھیں وہ سب میڈیکل کال میں ساتھ چڑھنے والی لڑکیوں کو ہی کی تھیں اور پولیس پہلے ہی انہیں انویسٹی گیٹ کر چکی ہے۔ لاہور میں وہ ایک لڑکی کے گھر تھی مگر وہ لڑکی پشاور میں تھی اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ اس کے گھر سے چلی گئی، کہاں گئی یہ پولیس کو پتا نہیں چل سکا۔"

سالار جیسی ہوئی انکھروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ کو حسن نے میرے اور اس کے بارے میں بتایا تھا؟"

سکندر کچھ بول نہیں سکے۔ موبائل کے امام کے پاس ہونے کے بارے میں صرف حسن ہی جانتا تھا۔ کم از کم یہ ایسی بات تھی جو سکندر عثمان صرف اس کے کمرے کی خلائی لے کر نہیں جان سکتے تھے۔ اسے ان سے بات کرنے کو بے نیکی بار اچانک حسن پر شبہ ہوا تھا کیونکہ سکندر عثمان کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا پتا تھا جو صرف اسے پتا تھا یا پھر حسن کو۔ کوئی تیسرا ان سے واقف نہیں تھا۔ اس نے سکندر عثمان کو کچھ نہیں بتایا تھا تو یقینی طور پر یہ حسن ہی ہو سکتا تھا جس نے انہیں ہماری قلمبند سے آگاہ کیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ مجھے حسن نے بتایا ہے یا کسی اور نے۔ یہ تو وہ نہیں سکتا تھا کہ اس بات کے بارے میں مجھے پتا نہ چلا۔ یہ صرف میری حماقت تھی کہ میں نے ہاشم حسین کے الزامات کو انجیدگی سے نہیں لیا اور تمہارے جوت پر یقین کر لیا۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا، وہ صرف ماتھے پر تیریاں لئے انہیں دیکھتا اور ان کی بات سنتا رہا۔ "اب سب میں نے تمہیں اس سارے معاملے سے بچا لیا ہے تو تمہیں دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے۔"

سکندر عثمان نے قدرے غم لہجے میں گونا گونہ شروع کیا مگر اس سے پہلے کہ ان کی بات مکمل ہوتی سالار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆

سکندر عثمان کے ساتھ ہونے والی اس گفتگو کے بعد وہ ہماری رات اس تمام معاملے کے بارے میں سوچا رہا۔ پہلی بار اسے ہکا بکا مافوس اور بچے تار و اتار استہامہ ہاشم کو اس کے کہنے پر فوراً طلاق دے دینی چاہئے تھی پھر شاید وہ حلال کے پاس چلی جاتی اور وہ دونوں شادی کر لیتے۔ امام کے لئے بے حد ناپسندیدگی رکھنے کے باوجود اس نے پہلی بار اپنی غلطی تسلیم کی۔

"اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ وہ طلاق لینے کے لئے کورٹ نہیں گئی۔ اس کے خاندان والے بھی ابھی تک اسے دھمکا نہیں سکے۔ وہ حلال انصر کے پاس بھی نہیں گئی تو پھر آخر وہ گئی کہیں، کیا اس کے ساتھ کوئی حادثہ۔"

ہے؟ سالار کو اپنا جھوٹ بار آیا مگر یہ کیسے ممکن ہے وہ مزید اُلجھا۔ میری بات پر اسے یقین کیسے آسکتا ہے جبکہ وہ کہہ بھی رہی تھی کہ اسے میری بات پر یقین نہیں ہے۔  
وہ کمری کھینچ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اور اگر جلال کے پاس نہیں گئی تو پھر وہ کہاں گئی۔ کیا کسی اور شخص کے پاس؟ جس سے اس نے مجھے بے خبر رکھا مگر یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی اور ہو تا تو وہ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنے کے لئے کہتی۔ اگر وہ خورنی طور پر جلال کے پاس نہیں بھی گئی تھی تو سکندر سے نکاح نامہ لینے اور طلاق کے حق کے بارے میں جاننے کے بعد اسے اسی کے پاس جانا چاہئے تھا، وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے جلال کی اس خفیہ شادی کے بارے میں اسے کیوں بتایا۔ شاید وہ اسے پریشان کرنا چاہتا تھا یا پھر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اب کیا کرے گی یا پھر شاید وہ بار بار اس کے اس مطالبے سے تنگ آ گیا تھا کہ وہ پھر جلال کے پاس جائے، پھر جلال سے رابطہ کرے اور ایسا کرنے کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ جو بھی تھا بہر حال اسے یقین تھا امامہ جلال کے پاس چائے گی۔

مگر سالار کو اب یہ پتا تھا کہ اس کی توقع یا اندازے کے برعکس وہ وہاں بھی ہی نہیں۔

وہ پیر اب کھانا سرد کر رہا تھا، اس کا کزن آپکا تھا، وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے رہے مگر سالار کھانا کھاتے اور باتیں کرتے ہوئے بھی مسلسل امامہ اور جلال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی ماہ بعد ایک دم وہ اس کے ذہن میں پھر تازہ ہو گئی تھی۔

"نہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بار بار اپنے گھر واپس چلی گئی ہو؟" کھانا کھاتے کھاتے اسے اچانک خیال آیا۔  
"ہاں یہ ممکن ہے۔" اس کا ذہن متواتر ایک ہی جگہ الکا ہوا تھا۔ "مجھے پاپا سے بات کرنی چاہئے۔ انہیں پچھنے اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا ہو گا۔" سکندر چٹان بھی ان دنوں شادی میں شرکت کی غرض سے وہیں تھے۔

وہیں کھڑے ہونے کے بعد راست کے قریب جب اس نے سکندر کو دیکھا تو اس نے ان سے امامہ کے بارے میں پوچھا۔

"پاپا کیا امامہ واپس اپنے گھر آ گئی ہے؟" اس نے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا۔

اور اس کے سوال نے کچھ دیر کے لئے سکندر کو خاموش رکھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" چند لمحوں کے بعد انہوں نے روشنی سے کہا۔

"میں ایسے ہی۔"

"اس کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی اسلٹ پر اپنا دھیان رکھو تو بہتر ہے۔"

"پاپا بلیر! آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"کیوں جواب دیں۔ تمہارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟" سکندر کی باراشی میں اضافہ ہو گیا۔

"پاپا اس کا ایک بڑے فریڈ مجھے آج ملا ہے یہاں وہی جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر.....؟"

"تو پھر یہ کہ ان دونوں نے شادی نہیں کی۔ وہ بتا رہا تھا کہ امامہ اس کے پاس گئی ہی نہیں۔ جب کہ

میں سمجھ رہا تھا کہ وہاں چائے کے بعد وہ اسی کے پاس گئی ہوگی۔"

سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ اس کے پاس گئی یا نہیں۔ اس نے اس سے شادی کی یا نہیں۔

یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے، نہ ہی تمہیں اس میں انوکھا ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں یہ میرا مسئلہ نہیں ہے مگر میں جانتا چاہتا ہوں کیا امامہ آپ کے پاس آئی تھی؟" آپ نے

اسے شادی کے بچے رکھنے سے انکار کیا تھا۔ میرا مطلب کس کے ذریعے۔" سالار نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا؟"

وہ ان کے سوال پر حیران ہوا۔ "میں نے خود اندازہ لگایا۔"

"اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور رابطہ کرتی تو میں باشم بنیں تو اس کے بارے میں بتا دیتا۔"

سالار ان کا پیرو دیکھتا رہا۔ "میں نے تمہارے کمرے کی تلاش کی تھی اور میرے ہاتھ وہ نکالے تھے۔"

لگ گیا۔

"مجھے یہاں بھجواتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ آپ وہ بچے زامامہ تک بھجوا دیں گے۔"

"ہاں۔ یہ اسی سورت میں ہو گا اگر وہ مجھ سے رابطہ کرتی مگر اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔

نہیں یہ یقین کیوں ہے کہ اس نے مجھ سے ضرور رابطہ کیا ہو گا۔" اس بار سکندر نے سوال کر ڈالا۔

سالار کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔

"پاپا میں کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں، پاپا کو پتا چلا تو اب تک وہ باشم بنیں کے گھر واپس آچکی ہوتی مگر پاپا میں ابھی بھی اس

کی تلاش میں ہے۔" سکندر نے کہا۔

"ایک بات تو طے ہے سالار کہ اب تم دوبارہ امامہ کے بارے میں کوئی کٹاوا نہیں کرو گے۔ وہ

جہاں ہے جس حال میں ہے نہیں اپنا دماغ تھکانے کی ضرورت نہیں، تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق

نہیں ہے۔ پاپا میں جیتے ہی اسے دھوکا دے گی میں وہ بچہ زامامہ بنیں تک کا بچاؤں گا تاکہ تمہاری جان

بھیٹ کے لئے اس سے چھوٹ جائے۔"

"پاپا کیا اس نے واقعی بھی گھر واپس نہیں کیا مجھ سے بات کرنے کے لئے۔" سالار نے ان کی بات



وہ پہلی بار بہت عجیب کی ہے، کسی تاریخی یا نئی کے بغیر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔  
 "یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ مجھ سے اتنی شدت اور تپندہ دیکھ دیکھنے کے بعد میری بیوی کے  
 طور پر کہیں خاموشی کی زندگی گزار رہی ہو، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ امامہ کی کے ساتھ بھی دوبارہ رابطہ  
 نہیں کر رہی۔ اب تک جب ایک سال سے زیادہ گزر گیا ہے کیا وہ واقعی حادثے کا شکار ہو گئی ہے؟ کیا  
 حادثہ پیش آ سکتا ہے؟"

اس کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی ذہنی دایک بار بھر مٹنے لگی۔  
 "اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے تو میں کیا کروں۔ وہ اپنے رشتہ پر گھر سے نکلی تھی اور حادثہ تو کسی  
 کو کسی بھی وقت پیش آ سکتا ہے پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پاپا  
 ٹھیک کہتے ہیں جب میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا جتنی بھی  
 نہیں رکھنا چاہئے۔ خاص طور پر ایک ایسی لڑکی کے بارے میں جو اس حد تک احسان فراموش ہو جو اپنے  
 آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہو اور جو مجھے اتنا گھمایا سمجھتی ہو اس کے ساتھ جو بھی ہو اس کا ٹھیک ہی ہوا  
 ہو گا وہ اسی کا شقی۔"

اس نے اس کے بارے میں ہر خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔  
 کچھ دیر پہلے کی سانس آئیز بند ہو گئی وہ اب محسوس نہیں کر رہا تھا کہ یہ اتے اب کسی قسم کے  
 پہچانتا ہے کا احساس تھا۔ وہ دیرپے بھی جھوٹی موٹی باتوں پر بچھتا نے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے سکون کے  
 عالم میں آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن میں اب دور دور تک کہیں امامہ باشم کا تصور موجود نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھئی Vandana! گئے ہو؟" اس دن یونیورسٹی سے نکلے ہوئے مانیک نے سالار سے پوچھا۔

"ایک دفعہ۔"

"کیسی جگہ ہے؟" مانیک نے سوال کیا۔

"برہی نہیں ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا۔

"کس دیک اینڈ پر وہیں چلتے ہیں۔"

"کیوں.....؟" میری کرل فریڈ کو بہت دلچسپی ہے اس جگہ میں۔ وہ اکثر جاتی ہے۔" مانیک نے کہا۔

"تو تمہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی جانا چاہئے۔" سالار نے کہا۔

"میں سب لوگ چلتے ہیں، زیادہ مزہ آئے گا۔" مانیک نے کہا۔

"سب لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" اس بار وائٹس نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"چند دوست بھی ہیں۔ سب۔"

"میں، سالار، تم، سٹیلی اور سعد۔"

"سعد کو رہنے دو۔ وہ ڈسٹ کلب کے نام پر کانوں کو ہاتھ لگانے لگے گا یا پھر ایک لہجہ زوہر  
 دے گا۔" سالار نے مذاکرات کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم لوگ ہی چلتے ہیں۔" وائٹس نے کہا۔

"سینڈرہ کو بھی انوائسٹ کر لیتے ہیں۔" سالار نے اپنی کرل فریڈ کا نام لیا۔

اس دیک اینڈ پر سب وہیں گئے اور تین چار گھنٹوں تک انہوں نے وہاں خوب انجوائے کیا۔ اگلے  
 روز سالار منج پر سے اٹھا۔ وہ ابھی ٹیگ کی تیاری کر رہا تھا جب سعد نے اسے فون کیا۔

"ابھی آئے ہو؟" سعد نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں دس منٹ پہلے۔"

"رات کو دیر تک باہر رہے ہو گے۔" اس نے..... "سعد نے اندازہ لگا دیا۔

"ہاں..... ہم لوگ باہر گئے ہوئے تھے۔" سالار نے دانستہ طور پر ڈسٹ کلب کا نام نہیں لیا۔

"ہم لوگ کون.....؟" تم اور سینڈرہ؟"

"نہیں پورا گروپ ہی۔" سالار نے کہا۔

"پورا گروپ.....؟" مجھے لے کر نہیں لئے، میں مر گیا تھا؟" سعد نے پتہ کر کہا۔

"تمہارا ذہنیاتی نہیں تو اب نہیں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"بہت گھٹیا آوی ہو تم سالار، بہت ہی گھٹیا..... یہ وائٹس بھی گیا تھا؟"

"ہم سب بائی ڈیر ہم سب....." سالار نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"مجھے کیوں نہیں لے کر گئے تم لوگ؟" سعد کی فحش میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"تم ابھی پہنچے ہو..... جرجک بچوں کو لے کر نہیں جاسکتے۔" سالار نے شرارت سے کہا۔

"میں ابھی آکر تمہاری ناگہیں توڑتا ہوں، پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ یہ بچہ بڑا ہو گیا ہے۔"

"خدا ہی نہیں کر رہا..... ہم نے تمہیں ساتھ جانے کو اس لئے نہیں کہا کیونکہ تم جانتے ہی نہیں۔"

اس بار سالار واقعی سنجیدہ ہوا۔

"کیوں تم لوگ وائٹس میں جا رہے تھے کہ میں وہاں نہ جا۔" سعد کے غصے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"تم اذکم تم اسے وہ لڑکی کہتے۔ ہم لوگ ڈسٹ کلب گئے ہوئے تھے اور تم کو وہاں نہیں جانا تھا۔"

"کیوں مجھے وہاں گئے ہی نہیں جانا تھا۔" سعد کے جواب نے سالار کو کچھ حیران کیا۔

"تم ساتھ چلو؟"

"آف کورس....."

"مگر تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا تھا..... نہ تم ڈانٹ کر تے ہو نہ تم ڈانٹ کر تے ہو..... پھر وہاں جا کر تم کیا کرتے..... ہمیں نصیحتیں کرتے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ڈانٹ اور ڈانٹ نہیں کرتا، مگر آؤنگ تو ہو جاتی۔ میں انجوائے کرتا۔" سعد نے کہا۔

"مگر انہی بچیوں پر جانا اسلام میں جائز نہیں ہے؟" سالار نے پوچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ سعد چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"ہیں، وہاں کوئی غلط کام کرنے تو نہیں چاہا تھا، تم سے کہہ رہا ہوں صرف آؤنگ کی غرض سے جاتا۔" چند لمحوں بعد اس نے قدر سمجھتے ہوئے کہا۔

"او کے؟" اگلی بار ہمارا پروگرام بنے گا تو تمہیں بھی ساتھ لے لیں گے بلکہ مجھے پہلے چاہتا تو کل رات بھی تمہیں ساتھ لے لیتا، ہم سب نے واقعی بہت انجوائے کیا۔" سالار نے کہا۔

"بھلا اب میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ فجر آج کیا کر رہے ہو؟" سعد اب اس سے معمول کی باتیں کرنے لگا۔ دس چند رہے منت تک ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی رقی پھر سالار نے فون بند کر دیا۔

☆.....☆.....☆

"تم اس دیک ایجنڈ پر کیا کر رہے ہو؟" اس دن سعد نے سالار سے پوچھا۔ وہ بوجھ بوجھ کے کیفے ٹیریا میں موجود تھے۔

"میں اس ایک ایجنڈ پر بند پارک چاہا ہوں، چند راکے ساتھ۔" سالار نے اپنا پروگرام بتایا۔

"کیوں.....؟" سعد نے پوچھا۔

"اس کے بھائی کی شادی ہے۔ مجھے انوائٹ کیا ہے اس نے۔"

"واپس کب آؤ گے؟"

"اتوار کی رات کو۔"

"تم ایسا کر دو کہ اپنے پارٹنر کی چالی مجھے دے جاؤ۔ میں دو دن تمہارے پارٹنر کے گزاروں گا، کچھ اسٹیکس ہیں جو مجھے چاہ کر تے ہیں اور اس دیک ایجنڈ پر وہ چاروں ہی گھر ہوں گے۔ وہاں بڑا ورش ہو گا میں تمہارے پارٹنر میں اطمینان سے چڑھ لوں گا۔" سعد نے کہا۔

"او کے تم میرے پارٹنر میں رہ لیں۔" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

اسے سینڈ روکے ساتھ جمعہ کی رات کو نکلا تھا۔ سالار کا بچک اس کی گاڑی کی لڑکی میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سینڈ روکے کو بھی آخری وقت میں چند کام بنانے پڑ گئے اور وہ جو شام نکلے گا اور وہ کسے پیٹھے تھے ان کا پروگرام تھیں کی صبح تک ملتوی ہو گیا۔ سینڈ روکے اپنے ٹک ٹک ٹک کے طور پر کھینچ رہی تھی اور وہ اس

کے پاس رات نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے اپنے پارٹنر واپس آنا پڑا۔

رات کو تقریباً ایک دو بجے سینڈ روکے اس کی رہائش گاہ پر ڈراپ کرنے کے بعد وہ اپنے پارٹنر کے پاس آیا۔ اس نے سعد کو ایک چالی دی تھی۔ دوسری چالی اس کے پاس ہی تھی وہ جانتا تھا کہ سعد اس وقت بیٹھا پڑھ رہا ہو گا مگر اس نے اسے ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ پارٹنر کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، لنگ روم کی لائٹ آن تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا وہ اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا تھا مگر بیڈ روم کے دروازے پر ہی ٹک گیا۔

بیڈ روم کا دروازہ بند تھا مگر اس کے باوجود اندر سے ابھرنے والے قہقہے اور باتوں کی آواز اس میں سکنا تھا۔ سعد کے ساتھ اندر کوئی گھومتی تھی۔ وہ جاہد ہو گیا۔ اس کے گروپ میں صرف سعد تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ کسی لڑکی کے ساتھ اس کے تعلقات نہیں تھے۔ وہ جتنا بھی آدمی تھا اس سے یہ توقع کی ہی نہیں چاہتی تھی وہ اندر داخل نہیں ہوا۔ قدرے بے یقینی سے واپس مڑ گیا اور جب اس کی نظر لنگ روم کی ٹیبل پر رکھی تو گل لار گاڑی پر پڑی وہاں سے کچن کا ڈسٹر چہاں کھانے کے برتن ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔ وہ مزید وہاں بڑے بغیر اسی طرح خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔

اس کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ سعد وہاں کسی لڑکی کے ساتھ رہنے کے لئے آیا تھا۔ بالکل ناقابل یقین..... جو ٹھیک حرام کو شہ نہ کھاتا ہو۔ شراب نہ پیتا ہو، ہانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو، ہر وقت اسلام کی بات کرتا رہتا ہو، دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرتا ہو، وہ کسی لڑکی کے ساتھ..... پارٹنر کے دروازے کو باہر سے بند کرتے ہوئے وہ اسی طرح شک کے عالم میں تھا..... بوجھ اور گل لار گاڑی کو کھینچ کر رہے تھے کہ اس نے بی بھی ہو گی اور شاید کھانا وغیرہ بھی کھایا ہو گا۔ اسی فریج اور کچن میں جہاں کا وہ پانی تنگ پینے کے لئے نکال نہیں ہوتا تھا۔ اسے قہقہے آ رہی تھی، جو اپنے آپ کو جتنا اچھا اور سچا مسلمان ظاہر کرنے یا بننے کی کوشش کر جا رکھا تھا وہ اتنا بے افراتوہا ہے۔ ایک یہ شخص تھا جو یوں ظاہر کرتا تھا جیسے پورے امریکہ میں ایک ہی مسلمان ہے اور دیک وہ لڑکی تھی امام..... جو شیٹ بٹنی بی بی چادر اور مٹھی تھی اور کردار اس کا یہ تھا کہ ایک لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ گئی..... اور بیٹے بھرتے ہیں سچے مسلمان۔" مجھے اپنی گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے اس نے کچھ حشر سے سوچا۔ "مناقت اور جھوٹ کی حد ان پر ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہوئے بڑا بڑا تھا، اس وقت وہ سینڈ روکے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے دانش کے پاس جانے کا فیصلہ کیا وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔ سالار نے بیٹا ہار پاؤں کو دیر ہو رہا تھا اس لئے اس نے دانش کے پاس آنے اور رات وہاں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دانش مطمئن ہو گیا۔

☆.....☆.....☆



الزام کی رات کو جب وہ وہاں ٹھہریاں اپنے اپارٹمنٹ آیا تو سعد وہاں نہیں تھا، اس کے قہقہے میں کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے جس سے یہ پتا چلتا کہ وہاں کوئی عورت آئی تھی، واکن کی دیوہل بھی اسے کہیں نہیں ملی۔ وہ دربار مستکراتا ہوا چرے اپارٹمنٹ کا قہقہہ لگاتا رہا۔ وہاں موجود ہر چیز ویسے ہی قہقہہ لگتی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ سالار نے اپنا سامان رکھنے کے بعد سعد کو فون کیا۔ کچھ دیر بعد باقی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ موضوع پر آگیا۔

"پھر اچھی بات تمہاری اسٹریٹ۔ اسٹینٹس بن گئے؟"

"ہاں پار! میں تو دو دن اچھا خاصا پڑھتا رہا۔ اسٹینٹس تقریباً مکمل کر لی ہیں۔ تم بتاؤ تمہارا اثر یہ کیا رہا؟" سعد نے جواباً پوچھا۔

"بہت اچھا۔"

"تفصیلی میں پہنچ گئے تھے وہاں رات کو سفر کرتے ہوئے کوئی پرالم تو نہیں ہوئی؟"

سعد نے سرسری سے لیجے میں پوچھا۔

"نہیں رات کو سفر نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فریڈ سے کی رات کو نہیں سمجھائے کی صبح گئے تھے ہم لوگ وہاں۔" سالار نے بتایا۔

"تم پھر میڈر کی طرف رہے تھے؟"

"نہیں، واکن کے پاس۔"

"کیوں یہاں آجائے اپنے اپارٹمنٹ پر۔"

"آپا تھا۔" سالار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ سالار دل ہی دل میں ہنسا۔ سعد کے بیروں کے نیچے سے جینے کا وقت زمین ٹھک گئی تھی۔

"آئے تھے۔؟ کب؟" اس بار وہ بے اختیار کھلایا۔

"کیا رہے کے قریب۔ تم اس وقت کسی لڑکی کے ساتھ مصروف تھے۔ میں نے تم لوگوں کو

1 سڑپ کرنا سب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہاں سے واپس آگیا۔"

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سعد پر اس وقت طاری ہو چکا ہو گا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ

سکتا تھا کہ سالار اس طرح اس کا بھانڈا پھوڑے گا۔

"ویسے تم نے بھی اپنی گرل فرینڈ سے ملوایا نہیں۔" اس نے مزید کہا۔ سعد کو سانس لینے میں دشواری

وقت ہو رہی ہو گی وہ اندازہ کر سکتا تھا۔

"بس ویسے ہی۔ ملوایاں گا۔" اس نے دوسری طرف سے بے حد جھم اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"مگر تم کسی اور سے اس کا ذکر مت کرنا۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"میں کیوں ذکر کروں گا، جیسے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سالار اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ اسے اس وقت سعد پر کچھ ترس بھی آ رہا تھا۔

اس رات سعد نے چند منٹوں بعد ہی فون رکھ دیا۔ سالار کو اس کی شرمندگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

اس واقعے کے بعد سالار کا خیال تھا کہ سعد واپس بھی اس کے سامنے اپنی مذہبی عقیدت اور

الطافی کا ذکر نہیں کرے گا مگر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ سعد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب

بھی اسی شہود سے قریب پر بات کر رہا تھا۔ دوسروں کو ٹوک دیتا۔ شہیتیں کرتا۔ ہمارے بھائی کی ہدایت دیتا۔

صدق، خیرات دینے کے لئے کہتا۔ اللہ سے محبت کے بارے میں گفتگوں بولنے کے لئے تیار رہتا اور

مذہب کے بارے میں بات کر رہا ہوتا تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو

بھی آجاتے۔

اس کے گروپ کے لوگوں کے ساتھ اور بہت سے لوگ سعد سے بہت متاثر تھے اور اس کے

کردار سے بہت متروپ۔ اور اللہ سے اس کی محبت پر رشک کا شکار۔ ایک مثالی مسلم۔ جوانی کی

مصروف زندگی میں بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سعد بات کرنا چاہتا تھا اس کا انداز بیان بے حد

متاثر کن تھا۔ اور اس کے شاہد لوگوں میں صرف سالار تھا جس پر اس کی تعلیمات کوئی اثر نہیں کرتی تھی

جو اس سے فزہ پر اور بھی متاثر نہیں تھا اور نہ ہی کسی رشک کا شکار۔ جسے سعد کی ڈاڑھی اس کی دہن کے

لئے احتیاط کا یقین دلانے میں کامیاب ہوئی تھی نہ ہی دوسروں کے لئے اس کا ادب و احترام، اس کا

لزم اور اعتدال۔

امامہ سے مذہبی لوگوں کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا آغاز ہوا تھا۔ جہاں نے اسے آگے بڑھایا تھا

اور سعد نے اسے اچھا پر پھانپا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مذہبی لوگوں سے علاوہ کون سی دوسرا نہیں

ہو گا۔ ڈاڑھی رکھنے والا مرد اور پردہ کرنے والی عورت کسی بھی قسم کی، بلکہ ہر قسم کی برائی کو شکار ہوتے

ہیں اور ان لوگوں سے زیادہ جو خود کو مذہبی نہیں کہتے۔

اخلاق سے ملنے والے تینوں لوگوں نے اس یقین کو مستحکم کیا۔ امامہ، ہاشم، پردہ کرنے والی لڑکی اور

ایک لڑکے کے لئے اپنے منگیترا، اپنے خاندان، اپنے گھر کو چھوڑ کر رات میں فرار ہو جانے والی لڑکی۔

خیال انصر۔۔۔ ڈاڑھی والا مرد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر نعیش پڑھنے

والا اور ایک لڑکی سے انصر چلانے والا اور پھر اسے سچا راستے میں چھوڑ کر ایک طرف ہو جانے والا، پھر

وہیں الگ، دنیا الگ رکھ کر بات کرنے والا۔ سعد ظفر کے بارے میں اس کی رائے ایک اور واقعہ سے اور خراب ہوئی۔

وہ ایک دن اس کے اپارٹمنٹ پر آیا ہوا تھا۔ سالار اس وقت کمپیوٹر آن کئے اپنا کام کرتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا، پھر اسے کچھ چیزیں لانے کے لئے اپنے اپارٹمنٹ سے قریبی مارکیٹ جانا پڑا اور اسے پہل واپس آنے جانے اور ٹرانگ کرنے میں عرصہ لگ گئے تھے۔ سعد اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ جب سالار واپس آیا تو سعد کمپیوٹر پر چٹانگ میں مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر مزے اس کے پاس بیٹھا، گپ شپ کرتا رہا پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سالار نے لکچ کیا اور ایک بار پھر کمپیوٹر پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ بھی کچھ دیر چٹانگ کر رہا تھا اور یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ اس نے لاشعوری طور پر کمپیوٹر چلانے ہوئے اس کی بصری دیکھی۔ وہاں ان ویب سائٹس اور میگزین کی تفصیلات تھیں جو کچھ دیر پہلے اس نے یا سعد نے دیکھی تھیں۔

سعد نے جن چند ویب سائٹس کو دیکھا تھا وہ پورے لوگوں کی معلق تھیں۔ اسے اپنے کسی دوسرے دوست کے ان میگزین دیکھنے پر ان ویب سائٹس کو ڈسٹ کرنے پر حیرت ہوئی تھی اعتراض..... وہ خود ایسا ویب سائٹس کا ڈسٹ کر رہا تھا مگر سعد کے ان ویب سائٹس کو ڈسٹ کرنے پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کی نظروں میں وہ کچھ اور نیچے آ گیا تھا۔

ہذا... ہذا... ہذا

”پھر تمہاری کیا بات تھی؟ پاکستان آنے کا ارادہ ہے؟“

وہ اس دن فون پر سکندر سے بات کر رہا تھا۔ سکندر نے اسے بتایا تھا کہ وہ طیبہ کے ساتھ کچھ ہفتوں کے لئے آسٹریلیا جا رہے ہیں۔ انھیں وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ہونے والی شادی کی کچھ تقریبات میں شرکت کرنی تھی۔

”آپ دونوں وہاں نہیں ہوں گے تو میں پاکستان آکر کیا کروں گا؟“ اسے مایوسی ہوئی۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ تم بہن بھائیوں سے ملنا، اپنا تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔“ سکندر نے کہا۔

”پاپا! اس امر ہی چھٹیاں گزروں گا۔ پاکستان آنے کا کوئی غائدہ نہیں۔“

”تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھ آسٹریلیا چلو، معیض بھی جا رہا ہے۔“ انہوں نے اس کے بڑے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”میرا دام خراب نہیں ہے کہ میں اس طرح مت آؤں کہ آپ کے ساتھ آسٹریلیا چلوں۔ معیض کے ساتھ میری کون سی اذیت ہو سکتی ہے، جو آپ مجھے اس کے جانے کا قتا رہے ہیں۔“ اس نے خاصی جرات کے ساتھ کہا۔

”میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اگر تم وہیں رہنا چاہتے ہو تو ایسا ہی کسی نہیں اپنا خیال رکھنا اور دیکھو سالار کوئی غلط کام مت کرنا۔“

انہوں نے اسے صحیحی۔ وہ اس غلط کام کی نوعیت کے بارے میں ابھی طرح جانتا تھا اور وہ یہ جملہ سنے کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ اب اگر سکندر ہر بار فون بند کرنے سے پہلے اس سے یہ جملہ نہ کہتے تو اسے حیرت ہوتی۔

سکندر سے بات کرنے کے بعد اس نے فون کر کے اپنی سین کیسل کر دئی۔ فون کا ریسیور رکھنے کے بعد مہونے پر چٹ بیٹھا جھٹ کو گھورتے ہوئے وہ اپنے اندر مٹی بند ہونے کے بعد اگلے کچھ ہفتوں کی مصروفیات کے بارے میں سوچتا رہا۔

”مجھے چند دن سکیٹنگ (skiing) کے لئے کہیں جانا چاہئے یا پھر کسی دوسری اشیاء کو ڈسٹ کرنا چاہئے۔“ وہ منصوبہ بنانے لگا۔ ”ٹھیک ہے میں کل پلانڈر سٹی سے واپسی کسی نور آپر سے ملوں گا۔ باقی کا پروگرام وہیں ملے کروں گا۔“ اس نے فیصلہ کیا۔

اگلے دن اس نے ایک دوست کے ساتھ مل کر سکیٹنگ کے لئے جانے کا پروگرام طے کر لیا۔ اس نے سکندر اور اپنے بڑے بھائی کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتا دیا۔

چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن پہلے اس نے ایک ایئر ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، وہ کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ ایک قریبی صوبہ میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے دوران اس نے وہاں چند ٹیک پیچے۔

رات دس بجے کے قریب اسے ایک ٹیک ملنے لگی۔ گاڑی روک کر وہ کچھ دیر کے لئے سڑک کے گرد پھیلے ہوئے بڑے پر چلے لگا۔ سرد ہوا اور خشکی نے کچھ دیر کے لئے اسے جھل کر دیا مگر چند منٹوں کے بعد ایک بار پھر اسے ملنے لگی۔ اسے اب اپنے سینے اور پیٹ میں ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔

یہ کھانے کا اثر تھا یا ٹیک کا۔ فوری طور پر اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اب اس کا سر بڑی طرح پکڑا رہا تھا۔ ایک دم جھکے ہوئے اس نے بے اختیار آنے کی اور پھر چند منٹ اسی طرح جھکا رہا۔ معدہ خالی ہو جانے کے بعد بھی اس کو اپنی حالت بہتر محسوس نہیں ہوئی۔ سیدھا کمرے رہنے کی کوشش میں اس کے سر کو کمرے لگے۔ اس نے مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف جانے کی کوشش کی مگر اس کا سر اب پہلے سے زیادہ پکڑا رہا تھا۔ چند گز دور گاڑی کا ڈیوڈ کھینچنے میں بھی اسے دقت ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل چند قدم اٹھائے مگر گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ پکڑا کر زمین پر گر چلا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔



تکمل طور پر ہوش کھٹنے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو سمجھوڑتے محسوس کیا۔ کوئی بھند آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا، آوازیں ایک سے زیادہ تھیں۔ سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے دو دن باہر مکمل طور پر گزارے تھے۔ وہاں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے گرتے دیکھا تھا اور وہی اسے اٹھا کر ہاسپتال لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ خوفناک حادثہ کا شکار ہوا تھا۔ وہ ہاسپتال آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آگیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے کے باوجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے چاہیں سکا۔ اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹر کی ہدایت پر سالار نے وہ رات بھی وہیں گزار دی۔ اقدار کو سہ پہر کے قریب وہ گھر آگیا تھا اور گھر آتے ہی اس نے فوراً بستر کے ساتھ ملے پا جانے والا پروگرام چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پھر کو صبح لگتا تھا اور اس نے ملے کیا تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر میڈرڈ کو کال کرے گا لیکن اب پروگرام کانسٹیبل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو بلا لیا۔ اپنے کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔

ایک جگہ پہنچے میڈو وچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے سگن آؤر دوائی اور سوئے کے لئے چلا گیا۔ اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سر میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اچھا بھلا بڑھا کر اس نے اچھا تھا اور جسم چھو ادا اس کا تھا بہت زیادہ گرم تھا۔ "کم آن آؤ بیزاری سے بڑھ گیا۔ جھپٹے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے ۱۱ دن بستر پر چڑھنے کے لئے نہیں گزارنا چاہتا تھا اور اس وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ہوں توں بید سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر بنگلی میں آگیا کافی بٹے کے لئے رکھ کر دو آکر answerphone پر ریکارڈ کاٹر بننے لگا، چند کارڈر مدد کی تھیں جس نے وہاں پاکستان جانے سے پہلے اس سے ملنے کے لئے ہار بار اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طریقے غائب ہونے پر اسے ابھی خاصی صلو ا تھیں سائی تھیں۔

میڈرڈ کا اندازہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکون کے لئے چلا گیا تھا۔ یہی خیال سکندر رادو کامران کا تھا۔ انہوں نے بھی اسے چند کارڈر کی تھیں۔ چند کارڈر اس کے کچھ بکاس فیلو کی تھیں۔ وہ بھی چٹیاں گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی تھی تھیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں

جو ابھی کال کر رہے اگر اس نے جھپٹے دو دن اپارٹمنٹ پر گزارے ہوتے تو وہ جیتنے یا یہ کام کرنا محراب وہ چاہت تھا کہ اب وہ سب واپس جا چکے ہوں گے البتہ وہ سکندر رادو کامران اور سکندر کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ یہ کام کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کافی کے ایک کپ کے ساتھ دو سلاکس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈ میسن لیں اور پھر وہ بار دبیز پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بھار کے لئے اتفاق کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور پر نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت وہ میڈیسن کے زیر اثر آنے والی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا جسم بری طرح بھار میں چپک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا مطلق کانٹوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی شدید درد کی گرفت میں تھا اور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بھار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار اندازہ منہ اینڈ پر لپٹتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ غصے پر ماتھے کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کینٹیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اٹھتے دوائی درد کی محسوس کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ غصے میں چھپائے ہوئے محسوس حرکت پڑا۔

تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش میں وہ کب وہ بار نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں پورا مگر تاریک تھا وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بید سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبنے محسوس کیا مگر اس بار یہ نیند نہیں تھیں۔ وہ غصہ کی کسی درمیانی کیفیت میں سے گزر رہا تھا۔ وہ اب خود کو کراہتے ہوئے سن رہا تھا مگر وہ اپنی آواز کا گلا نہیں کھوٹ پارہا تھا۔ سینٹرل ہسپتال کے بے حاشا سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کا بھرا ہوا تھا اور مکمل اس کی کینکریٹ کو ختم کرنے میں ناکام تھا وہ جسمانی طور پر خرد آئندہ کچھ بھی چھینا پاؤں سے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے پتے اور بیٹ میں ایک بار پھر درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی کراہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر مٹی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے اور بیڑی سے اداں۔ وہ تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرتا اسے ایک زور کی ہچکائی آئی۔ جھپٹے چوبیس گھنٹوں میں اندر وہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آگئی تھی۔ وہ غصے کے عالم میں بھی اپنے کپڑوں اور کنبیل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے تسخیر ہوئے

تکمل طور پر ہوش کھٹنے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو سمجھوڑتے محسوس کیا۔ کوئی بھند آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا، آوازیں ایک سے زیادہ تھیں۔ سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس نے دو دن باہر مکمل طور پر گزارے تھے۔ وہاں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے گرتے دیکھا تھا اور وہی اسے اٹھا کر ہاسپتال لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ خوفناک حادثہ کا شکار ہوا تھا۔ وہ ہاسپتال آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آگیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے کے باوجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے چاہیں سکا۔ اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹر کی ہدایت پر سالار نے وہ رات بھی وہیں گزار دی۔ اقدار کو سہ پہر کے قریب وہ گھر آگیا تھا اور گھر آتے ہی اس نے فوراً بستر کے ساتھ ملے پا جانے والا پروگرام چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پھر کو صبح لگتا تھا اور اس نے ملے کیا تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر میڈرڈ کو کال کرے گا لیکن اب پروگرام کانسٹیبل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو بایکال اپنے کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔

ایک جگہ پہنچے میڈو وچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے سگون آور دوائی اور سوئے کے لئے چلا گیا۔ اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سر میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اچھا بھلا بڑھا کر اس نے اچھا تھا اور جسم چھو ادا اس کا تھا بہت زیادہ گرم تھا۔ "کم آن آ" وہ بیزاری سے بڑبڑایا۔ پچھلے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے ۱۱ دن بستر پر چڑھا ہونے نہیں گزار پا چکا تھا اور اس وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ہوں توں بید سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر بنگلی میں آگیا کافی بٹن کے لئے رکھ کر دو آکر answerphone پر ریکارڈ کاٹر بننے لگا، چند کارڈر مدد کی تھیں جس نے وہاں پاکستان جانے سے پہلے اس سے ملنے کے لئے ہار بار اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طریقے غائب ہونے پر اسے ابھی خاصی صلو ا تھیں ملتی تھیں۔

میڈرڈ کا اندازہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکون کے لئے چلا گیا تھا۔ یہی خیال سکندر رادو کامران کا تھا۔ انہوں نے بھی اسے چند کارڈر کی تھیں۔ چند کارڈر اس کے کچھ بکاس فیلو کی تھیں۔ وہ بھی چٹیاں گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی تھی تھیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں

جو اپنی کال کرے اگر اس نے پچھلے دو دن اپارٹمنٹ پر گزارے ہوتے تو وہ یقیناً یہ کام کرنا محراب وہ چاہتا تھا کہ اب وہ سب واپس جا چکے ہوں گے البتہ وہ سکندر رادو کامران اور سعد کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ یہ کام کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

کافی کے ایک کپ کے ساتھ دو سلاکس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈ میسن لیں اور پھر وہ بار دبیز پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بھار کے لئے اتفاق کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور پر نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت وہ میڈیسن کے زیر اثر آنے والی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا جسم بری طرح بھار میں چپک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا مطلق کانٹوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی شدید درد کی گرفت میں تھا اور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بھار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار اندازہ منہ اینڈ پر لپٹتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ غصے پر ماتھے کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کینٹیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اٹھتے دوائی درد کی محسوس کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ غصے میں چھپائے ہوئے اس میں حرکت پڑا۔

تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش میں وہ کب وہ بار نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں پورا مگر تاریک تھا وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بید سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبنے محسوس کیا مگر اس بار یہ نیند نہیں تھیں۔ وہ غصہ کی کسی درمیانی کیفیت میں سے گزر رہا تھا۔ وہ اب خود کو کراتے ہوئے سن رہا تھا مگر وہ اپنی آواز کا گلا نہیں کھوٹ پا رہا تھا۔ سینٹرل ہسپتال کے بے حاشا سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کاہل رہا تھا اور مکمل اس کی کینکریٹ کو ختم کرنے میں ناکام تھا وہ جسمانی طور پر خرد آئندہ کہ کچھ بھی چھینا پاؤں سے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے پتے اور بیٹ میں ایک بار پھر درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی کردہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر مٹی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے اور بیڑی سے اٹھ کر وہ تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ چند لمحوں کے لئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرتا اسے ایک زور کی ہچکائی آئی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اندر وہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آگئی تھی۔ وہ غصے کے عالم میں بھی اپنے کپڑوں اور کنبیل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے تسخیر ہوئے



ہے کہ تھا اسے اپنا پورا وجود مطلق محسوس ہو رہا تھا۔ بے جان سی حالت میں وہ اسی طرح دوبارہ بسز پر لیٹ گیا۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے مکمل طور پر بے نیاز ہو چکا تھا۔ غشی کی کیفیت میں کراہوں کے ساتھ اس کے منہ میں بڑھ چکا تھا اور ہاتھوں پر لگا ہوا تھا۔

غشی کا یہ سلسلہ کتنے کتنے جاری رہا تھا اسے یاد نہیں۔ ہاں! البتہ اسے یہ ضرور یاد تھا اس کیفیت کے دوران اسے ایک بار عیس محسوس ہوا تھا جیسے وہ مرد رہا ہے اور اسی وقت زندگی میں پہلی بار موت سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا وہ کسی نہ کسی طرح فون تک پہنچنا چاہتا تھا وہ کسی کو بلانا چاہتا تھا مگر وہ بسز سے نیچے تک نہیں اتر سکا۔ شاید بخار نے اسے مکمل طور پر مطلق کر کے رکھ دیا تھا۔

اور پھر بالآخر وہ غور ہی اس کیفیت سے باہر آ گیا تھا اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا جب وہ اس ٹیبلٹ کی سے باہر نکلا تھا۔ آنکھیں کھولنے پر اس نے کمرے میں وہی تاریکی دیکھی تھی مگر اس کا جسم اب پہلے کی طرح گرم نہیں تھا۔ کچھ مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اس کے سر اور جسم میں ہونے والا درد بھی بہت کم تھا۔

کمرے کی صیحت کو کچھ دیر گھومنے کے بعد اس نے لیٹے لیٹے اندھیرے میں سائڈ لپ کو ڈھونڈ کر آن کر دیا۔ روشنی نے کچھ دیر کے لئے اس کی آنکھوں کو چند صبر کر بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آنکھوں کے بند چوڑوں کو چھوا۔ وہ سو رہے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں جھپک جھپک ہو رہی تھی۔ ۳ بجے ہوئے چوڑوں کو ہلکا ہلکا دھکے دے دے وہ اب ارد گرد کی چیزوں پر غور کر رہا تھا اور اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جگہ جگہ بھٹاؤں کے ساتھ اسے سب کچھ یاد آتا تھا۔

اسے بے اختیار اپنے آپ سے تھن آئی، ہیڈ پر پیٹھ پیٹنے اس نے اپنی شرمت کے من کھول کر اسے اتار کر دور پھینک دیا۔ پھر لڑکھڑاتے ہوئے وہ ہیڈ سے اتر گیا اور مکمل اور ہیڈ ٹیٹ بھی کھینچ کر اس نے ہیڈ سے اتار کر فرش پر ڈال دیے۔

ان ہی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ سو رہے تھے بغیر ہاتھ روم میں گھس گیا۔ ہاتھ روم میں موجود بڑے آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر نظر ڈالتے ہی اسے جیسے شاک لگا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھکی ہوئی تھیں ان کے گرد چہرے والے حلقے بہت نمایاں تھے اور چہرہ بالکل زرد تھا اس کے ہونٹوں پر چوڑیاں بھی ہوئی تھیں۔ اسے اس وقت دیکھنے والا ایسی سوچنا کہ وہ کسی کہی بیماری سے آگیا ہے۔

”چچیں کچھ میں اتنی شبہ بڑھ گئی ہے؟“ اس نے حیرانی کے عالم میں اپنے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”آج ہی شعل تو میری فوڈنگ انڈنگ کے بعد ہاتھوں میں رہ رہی نہیں ہوئی تھی جتنی ایک دن کے

اس بخار نے کر دی ہے۔“

وہ بے غشی کے عالم میں اپنے آنکھوں کے حلقوں کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ لب میں پانی بھر کر وہ اس میں لیٹ گیا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ بخار کی حالت میں بھی اس نے فوری طور پر اسی وقت اپنے کپڑے کیوں نہیں بدل لئے وہ کیوں وہیں پڑا رہا۔

ہاتھ روم سے باہر نکلتے کے بعد ہیڈ روم میں رہنے کے بجائے وہ لیٹن میں چلا گیا۔ اسے بے حاشا بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے نوڈلز بنائے اور انہیں کھانے لگا۔ ”مجھے صبح ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا تفصیلی چیک اپ کروانا چاہیے۔“ اس نے نوڈلز کھاتے ہوئے سوچا، لیکن ایک بار پھر اس کے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ نہانے کے بعد اسے اگرچہ اپنا وجود بہت کم پھلکا محسوس ہو رہا تھا مگر اس کی ذہانت ختم نہیں ہوئی تھی۔

نوڈلز کھانے کے دوران اس نے ٹی وی آن کر دیا اور چینل سرجی کرنے لگا۔ ایک چینل پر آنے والا ناک شو دیکھتے ہوئے اس نے رسوٹ رکھ دیا اور ایک بار پھر نوڈلز کے پیالے پر جھک گیا۔ اس نے ابھی نوڈلز کا دو سرا اچھو منہ میں رکھا ہی تھا کہ وہ بے اختیار رک گیا۔ ابھی وہی نظروں سے ناک شو کو دیکھتے ہوئے اس نے رسوٹ کو ایک بار پھر اٹھالیا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر جینل سرجی کرنے لگا مگر اس بار وہ ہر چینل کو پہلے سے زیادہ تھیر کر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی انجمن بڑھتی جا رہی تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ بڑبڑایا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا وہ جس کی رات کو سڑک پر بے ہوش ہونے کے بعد ہاسپٹل گیا تھا۔ ہفتہ کا سارا دن اس نے وہیں گزارا تھا اور اتوار کی صبح پھر کو وہ واپس آیا تھا۔ اتوار کی صبح پھر کو سونے کے بعد وہ اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اٹھا تھا۔ پھر اسی رات اسے بخار ہو گیا تھا۔ شاید اس نے منگل کا سارا دن بخار کی حالت میں گزارا تھا اور اب یقیناً منگل کی رات تھی، مگر ٹی وی کو سٹوڈیو سے کچھ اور بتا رہے تھے۔ وہ ہفتہ کی رات تھی اور انکا طلوع ہونے والا دن اتوار کا تھا۔

اس نے اپنی رستہ واضح پر ایک نگر دوڑائی جو لوگ روم کی میز پر بیٹھے تھے۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نوڈلز کا پیالہ میز پر رکھ دیا ایک تختی جیسے اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہاں موجود تارخ نے اسے جیسے ایک اور بھوکا دیا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟ کیا میں پانچ دن بخار میں مبتلا رہا ہوں؟ پانچ دن ہوش نہ تھا اس سے سب خبر رہا ہوں؟ مگر یہ کیسے ہو سکا ہے؟“ یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

”پانچ دن پانچ دن تو بہت ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھے۔ مجھے پانچ دن گزرنے کا پتہ ہی نہ





"اس کے بعد ہماری عقل لٹکانے آجاتی ہے۔"

وہ اس آواز کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے حیرانی اور ہی تھی وہ اسے اس وقت کیوں یاد آئی تھی۔

اس نے پانی کے پھینکے اپنے پیروں پر مارنے شروع کر دیے۔ پیروں کو ایک بار بھر پانچنے لگا۔ آفٹر شیو کی بوتل کھول کر اس نے کالوں پر موجود ان زخموں پر لگانا شروع کر دیا جہاں اب اسے پہلی بار تکلیف ہو رہی تھی۔

واپس روم سے باہر نکلتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے ہیں۔

"مجھے ڈاکٹر کے پاس پہلے جانا چاہئے۔" وہ اپنی ہاتھیاں بھینچنے لگا۔ "مجھے وہ کی ضرورت ہے اپنا پینک اپ گرائو ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا اسے ایک دم وہاں وحشت کیوں ہونے لگی تھی۔ اسے اپنا سانس وہیں بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے کوئی اس کی گردن پر پاؤں رکھے آہستہ آہستہ پاؤں ڈال رہا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ سب لوگ مجھے اس طرح بھول جائیں۔ اس طرح....."

اس نے اپنی وارڈ روم سے نکلے کپڑے نکال کر ایک بار بھر کچھ دیر پہلے کا پہنا ہوا لباس بدلنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتا تھا اسے اپنے پارٹنر سے ایک دم خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

اس رات گھر آکر وہ تقریباً ساری رات جاگ رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نے اسے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس کا ذہن یہ تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ اسے اس طرح بھلا دیا گیا ہے۔ وہاں باپ کی ضرورت سے زیادہ توجہ ہمیشہ حاصل کرتا رہا تھا۔ کچھ اس کی حرکتوں کی وجہ سے بھی سکندر عثمان اور طیبہ کو اس کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہونا پڑا۔ وہ ہمیشہ ہی اس کے بارے میں فکر مند رہے تھے، مگر اب یک دم چند دنوں کے لئے وہ جیسے سب کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ دوستوں کی، بہن بھائیوں کی، ماں باپ کی۔ وہ اگر اس بیماری کے دوران وہاں اس پارٹنر میں مہر جاتا تو کسی کو پتا تک نہیں چلتا شاید تب تک جب تک اس کی تلاش کئے سڑنے نہ لگتی اور اس موسم میں ایسا ہونے میں کتنے دن لگتے۔

وہ اس رات ایک ایک کھیتے کے بعد اپنے answerphone کو چیک کرتا رہا۔ اگلا ہی رابطہ اس نے اسی بے چینی کے عالم میں اپنے پارٹنر سے گزارا جو دسے آٹھ کے دوران اسے کہیں سے کوئی کال نہیں ملی۔

"کیا سب لوگ مجھے بھول گئے ہیں؟"

وہ وحشت زدہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک بے وقوفوں کی طرح کسی کی کال کا انتظار کرتے رہنے کے بعد اس نے خود سب سے رابطہ کی کوشش کی۔

وہ انہیں فون پر بتاتا جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ کس کیفیت سے گزرا تھا۔ وہ ان کے ساتھ شکوہ کرنا چاہتا تھا، مگر ہر ایک سے رابطہ کرنے پر اسے پہلی بار یوں محسوس ہوا جیسے کسی کو اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اپنی مصروفیات کی تکلیفات تھیں۔

سکندر اور طیبہ اسے آسٹریلیا میں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہے۔ وہ وہاں کیا کر رہے تھے، کتنا انجوائے کر رہے تھے۔ وہ کچھ غائب و غائی کے عالم میں ان کی باتیں سنتا رہا۔

"تم انجوائے کر رہے ہو اپنی پھلیاں؟"

بہت لمبی چوڑی بات کے بعد طیبہ نے بالآخر اس سے پوچھا۔

"ہیں؟" بہت..... "وہ صرف تین لفظ بول سکا۔

وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ اسے طیبہ سے کیا کہنا، اسے کیا بتانا چاہئے؟

باری باری سب سے بات کرتے ہوئے وہ پہلی بار اس قسم کی صورت حال اور کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو بیماری طور پر صرف اپنی زندگی سے دلچسپی تھی۔ شاید وہ انہیں اپنے ساتھ ہونے والے واقعات بتاتا تو وہ اس کے لئے تشویش کا اظہار کرتے۔ پریشان ہو جاتے مگر وہ سب بعد میں ہوتا۔ اس کے بتانے کے بعد اس سے پہلے ان کی زندگی کے دائرے میں اس کی زندگی کہاں آتی تھی۔ کس کو دلچسپی تھی یہ سننے میں کہ اس کے چند دن کس طرح غائب ہو گئے۔

اور شاید تب ہی اس نے پہلی بار سوچا کہ میری زندگی ختم بھی ہو گئی تو کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا میں کیا تبدیلی آئے گی؟ میرا خاندان کیا محسوس کرے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ چند دنوں کے دکھ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور دنیا میں تو شاید چند گھنٹوں کے لئے بھی کوئی تبدیلی نہ آئے۔

سالار سکندر اگر غائب ہو جائے تو واقعی کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ چاہے اس کا آئی کیو لیول ۱۵۰ ہو۔ وہ اپنی سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتا مگر ایسی مایوسی اور اس طرح کی ذہنی حالت..... آخر مجھے ہو کیا گیا ہے اگر سب لوگ کچھ دنوں کے لئے مجھے بھول بھی گئے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے میں بھی تو بہت بار بہت سے لوگوں کے ساتھ رابطہ نہیں رکھ پاتا۔ بھر اگر میرے ساتھ ایسا ہو گیا تو۔

مگر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اور اگر واقعی میں اسے اس بے ہوشی سے واپس ہوش میں نہ آتا تو..... اگر میرا بخار کم نہ ہوتا تو کتنے ہی ایسے کا دور درختم نہ ہوتا..... اپنے ذہن سے وہ یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہتا یہ تکلیف سے زیادہ خوف تھا جس کا شکار وہ اس چانک بیماری کے دوران ہوا تھا۔ "شاید میں کچھ زیادہ حساس ہوتا جا رہا ہوں۔" وہ سوچتا رہتا ایک "مموٹی" جی بے ہوشی کو خواہ مخواہ ہونا کہ سر پر کیوں سوار کر رہا ہوں۔





## باب ۵

"مووی دیکھنے کا پروگرام ہے اس ایک اینڈ پوائنٹ کے؟" وائٹس اس دن اس کے پاس آیا

ہوا تھا۔

"ہاں، چلوں گا۔" سالار تیار ہو گیا۔

"بھر تم جیو رہنا میں تمہیں چک کروں گا۔" وائٹس نے پروگرام طے کیا۔

وائٹس پروگرام کے مطابق اسے لینے کے لئے آگیا تھا۔ وہ کئی ہفتوں کے بعد کسی سنیما میں سودی دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کم از کم اس رات وہ ایک اچھی تفریح میں کچھ وقت گزار سکے گا مگر سودی شروع ہونے کے دس منٹ بعد اسے وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک شدید قسم کی گھبراہٹ ہونے لگی۔ سامنے اسکرین پر نظر آنے والے کردار اسے کھپٹیاں نظر آنے لگے جن کی حرکات اور آوازوں کو وہ گھٹے سے قاصر تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر بہت آہستگی سے اٹھ کر باہر آگیا۔ وہ پارکنگ میں بہت دیر تک

وائٹس کی گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا پارک کر ایک لمبی لمبی لکڑی کے اپنے پارکمنٹ پر واپس آگیا۔

☆.....☆.....☆

پروفیسر روہشن اپنے لیجر شروع کر چکے تھے۔ سالار نے اپنے سامنے بڑے بچے پر تارخ اور ٹاپک لکھا۔ وہ اکٹاک Recession کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار ہمیشہ کی طرح ان پر نظر میں جمانے ہوئے تھا مگر اس کا ذہن لیجر حاضر تھا۔ وہ اس کے ساتھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہیں اور پہنچ گیا تھا۔ کہاں وہ یہ بھی نہیں جاسکتا تھا۔ ایک ایجنٹ سے دوسرے ایجنٹ، دوسرے سے تیسرے۔ ایک سین سے دوسرے دوسرے سے تیسرے۔ ایک آواز سے دوسری دوسری سے تیسری..... اس کا سفر کہاں سے شروع ہوا، کہاں نہیں۔

"سالار! چنا نہیں ہے۔" سینڈ رائے اس کا کدہ چا لایا۔

وہ چونک گیا، کھاس خالی تھی، صرف سینڈ رائے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بے چینی سے خالی گلاس کو اور پھر وہاں کھاک کو دیکھا پھر اپنی رستہ داچ کو۔

"پروفیسر روہشن کہاں گئے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"گلاس ختم ہو گئی، دوپہلے گئے۔" سینڈ رائے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

"گلاس ختم ہو گئی؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں؟" سالار نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹپک نکالی۔ واحد

چیز جو اسے پروفیسر روہشن کے لیجر کے بارے میں یاد تھی، وہ صرف ٹاپک تھا۔ اس کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔

"تم کچھ اپ سیٹ ہو؟" سینڈ رائے پوچھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ میں کچھ دیر کے لئے یہاں آگیا، بیٹھا چاہتا ہوں۔"

"اوکے۔" سینڈ رائے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں اٹھا کر باہر چلی گئی۔

وہ اپنے سینے پر بازو باندھے سامنے نظر آنے والے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے لگا۔ آج یہ تیسری کھاس تھی جس میں اس کے ساتھ یہ ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا یونہی دہرائی ہوئی دہرائی کرنے کے بعد سب کچھ معمول پر آجائے گا وہ پرنٹیشن کے اس فیر سے باہر آجائے گا جس کا وہ تب شکار تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ یونہی دہرائی میں بھی مکمل طور پر اسی ذہنی اختصار کا شکار تھا جس میں وہ اپنے دنوں سے تھا پہلی بار اس کا دل پڑھائی سے بھی اچانک بور ہوا تھا۔ اسلڈز، یونہی دہرائی، فریڈز، کلب، پارٹیز، ریٹوٹس، سیر، تقریریں، ہر چیز اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دوستوں سے ملنا ایک دم چھوڑ دیا۔ answerphone پر اکثر اس کا

پیغام ہوتا کہ دو گھر پر نہیں ہے۔ وہ فریڈ کے اصرار پر ان کے ساتھ کہیں جانے کا پروگرام بنالیا اور پھر ایک دم جانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جاتا تو کسی وقت بھی بغیر بتائے اٹھ کر باہر چلا آتا۔ وہ بیخود سنی میں بھی بیکار رہا تھا۔ ایک دن جاتا وہ دن غائب رہتا۔ ایک گھر لے لیا، اگلے دو بجے بیخود رہتا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں بھی بیکار وہ سارا دن بیڈ پر لیٹے ہوئے گزار دیتا بعض دفعہ دو قلم لکھتا شروع کرتا اور زیادہ وہ کھلے کے بعد بھی اس کی بجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ فی وی ٹیوٹو کھاتے ہوئے وہ اسی کیفیت کا شکار رہتا۔ اس کی بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی۔ وہ کوئی چیز کھانا شروع کرتا اور پھر ایک دم اس کا دل روپ جاتا۔ وہ اسی طرح اسے بھوکا دیتا بعض دفعہ وہ پورا پورا دن کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ صرف یکے بعد دیگرے کافی کے کپ اپنے اندر اٹھاتا رہتا۔

وہ جیسے اسو کر نہیں تھا مگر ان دنوں بن گیا تھا۔ وہ اپنی چیزیں بہت قریب سے رکھنے کا عادی تھا مگر ان دنوں اس کا پارٹمنٹ گند کی مثال تھا اور اسے ان ٹھکری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کوئی آنکھیں نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اپنے دھن بھائیوں اور والدین سے بھی گفتگو بہت مختصر کر دی تھی۔ وہ فون پر نہ لے رہے وہ دوسری طرف کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے منتظر رہتا ہوں ہاں میں جواب دے دیتا۔ اس کے پاس انہیں بتانے کے لئے ان کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے ایک دم سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اسے ان میں سے ایک بات کی بھی وجہ معلوم نہیں تھی۔

اور اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ اس کی ان تمام کیفیات اور حالت کا تعلق امام باشم سے ہے نہ وہ اس کی زندگی میں آئی نہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا۔ پہلے وہ اسے تائید کرتا تھا اب اسے امام سے نفرت ہونے لگی تھی۔ بچکتا رہے کا جو بکاسا اس کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہا تھا وہ غائب ہو گیا تھا۔

"اس کے ساتھ جو ہوا، ٹھیک ہوا میں نے اس کے ساتھ جو کیا، ٹھیک کیا۔ اس کے ساتھ اس سے زیادہ وہ لانا چاہئے تھا۔"

وہ خود بخود ہی اپنے آپ سے کہتا رہتا۔ اسے امام باشم کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ ہر حرف، ہر جملے سے نفرت تھی۔ اسے اس کی باتیں یاد آتی اور اس کی نیند غائب ہو جاتی۔ ایک عجیب سی وحشت اسے گھیر لیتی۔ اس نے اس رات جن باتوں کا مذاق اڑایا تھا، وہ اب ہر وقت اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔

"کیا میں بالکل بو رہا ہوں، کیا میں اپنے ہوش و حواس آہستہ آہستہ کھوتا جا رہا ہوں، کیا میں شیئر وغیرہ کا شکار ہوں۔" بعض دفعہ اسے بیٹھے بٹھائے غرق محسوس ہونے لگتا۔

ہر چیز کی بے مستحبت بڑھتی جارہی تھی۔ ہر چیز کی بے مقصدیت اور خیال دور رہی تھی۔ وہ کون تھا، کیا تھا، کیوں تھا کہاں کھڑا تھا، کیوں کھڑا تھا؟ اسے ہر وقت یہ سوالات تلک کرنے لگے۔ کیا ہو گا اگر میں

Voice سے ایک ایسی بات کی ڈگری لے لوں گا۔ بہت اچھی جا ب ل جائے گی، کوئی ٹیکسٹری شروع کر لوں گا پھر۔ کیا یہ وہ کام تھا جس کے لئے مجھے زمین پر اتار دیا۔ ۱۵۰+ آئی کیو لوں کے ساتھ۔ کہ میں چند اور ڈگریاں لوں، شاید اسے پڑھ کر لوں، شاید وہاں، پتے پتہ کر لوں، پیش کر لوں پھر مر جاؤں، بس۔

اس نے زندگی میں چار دفعہ صرف اپنے پیٹھس کے لئے موت کے تجربے سے گزرنے کی کوشش کی تھی مگر اب شدید ذہنی کے عالم میں بھی وہ خود کشی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ چوتھیں کھلے موت کے بارے میں سوچنے کے باوجود بھی وہ اسے چھوٹا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اگر اس سے کوئی یہ پوچھ لیتا کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ ہاں میں جواب دیتے میں بھی قائل کرتا۔ وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ زندگی کے مفہوم کو نہیں جانتا تھا۔

وہ مرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ موت کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا۔ وہ کسی خاص شے متعلق تھا، کسی درمیان والی جگہ میں، کسی سچ والی کیفیت میں۔ زندہ رہتے ہوئے مرد،

مرد وہ ہوتے ہوئے زندہ..... دوسری شے کی اختیار پہنچ رہا تھا، لہجہ بہ لہجہ۔ ۱۵۰+ آئی کیو رکھنے والا وہ شخص جو اپنے سامنے کبھی اور سنی جانے والی کوئی بھی چیز نہیں بھلا سکتا تھا۔ سگریٹ کا دھواں اڑاتے، دیز کے کھونٹ لیتے، ٹائٹ کلب میں رقص کرتے، بیگے ریسٹورنٹ میں ڈنک کرتے، اپنی گول فریڈ کے ساتھ رات گزارتے۔ وہ صرف ایک بات سوچتا رہتا تھا۔

کیا زندگی کا مقصد یہی ہے؟

"پیش اور آسائش..... شاید اسے، لیکن خوراک، اعلیٰ ترین سکونیت۔ ساتھ ستر سال کی ایک زندگی اور پھر!"

اس کے بعد اس پھر کا کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اس "پھر" کی وجہ سے اس کی زندگی کے معمولات بگڑ گئے تھے۔ دور قیامت، قیامت خوار کا شکار ہو رہا تھا اور یہ ان ہی دنوں تھا کہ اس نے اچانک مذہب میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ذہنی شخص سے نہات کے لئے وہ بہت سے لوگوں کو بیکار کام کرنے دیکھتا تھا۔ اس نے بھی اپنی کام شروع کر دیا۔ اس نے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں پڑھنے کی کوشش کی۔ تمام کتابیں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ کوئی لفظ، کوئی بات اسے اپنی طرف نہیں ہٹتی رہتی تھی۔ وہ خود پر جبر کر کے چند مسلمات پڑھتا اور ان کتابوں کو دیکھ دیتا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر اٹھتا پھر دیکھ دیتا۔

"نہیں، شاید مجھے عملی طور پر عبادت شروع کرنی چاہیے۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ فائدہ ہو۔" وہ اپنے آپ کو خود بخود سمجھاتا اور ایک دن جب وہ مسجد کے پاس تھا تو اس نے یہی کیا۔

"میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے بعد کو پھر نکلنے کی کڑکھائی۔



"مگر میں تو عشاء کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" سعد نے اسے یاد دہانی کروائی۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے جاگ رز کے تھے کہنے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ مسجد چلو گے؟" دو حیران ہوئے۔

"ہاں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"نماز پڑھنے کے لئے؟"

"ہاں" سالار نے کہا۔ "اس طرح دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، میں کافر تو نہیں ہوں۔"

"کافر تو نہیں ہو مگر۔۔۔ چلو خیر، پڑھ لینا آج۔" سعد نے کچھ کہتے کہتے بات بدل دی۔

"میں تو تمہیں پہلی ہی کتنی بار ساتھ چلنے کے لئے کہہ چکا ہوں۔"

سالار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

"اب اگر آج مسجد جا ہی رہے ہو تو پھر جاتے رہنا۔ یہ نہ ہو کہ بس آج پہلا اور آخری وارنٹ ملے ہو۔"

سعد نے غارت سے باہر نکلے ہوئے اس سے کہا۔ باہر اس وقت برف پاری ہو رہی تھی۔ مسجد،

دباؤ کی عمارت سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ ایک مصری خاندان کا گھر تھا جس کا پتلا حصہ مسجد کے طور پر ان

لوگوں نے استعمال کے لئے دیا ہوا تھا جبکہ اوپر والے حصے میں وہ لوگ خود رہتے تھے۔ بعض دفعہ وہاں

نمازیوں کی تعدادیں گچس ہو جاتی تھیں زیادہ تر یہ تعدادیں پندرہ کے درمیان ہی رہتی تھیں۔

سعد مسجد تک پہنچنے تک سالار کو ان تفصیلات سے آگاہ نہ کرتا رہا۔ سالار خاموشی اور کچھ لاشعری کے

عالم میں سڑک پر احتیاط سے پھسلتی گاڑیوں اور ہر طرف موجود برف کے ڈھیر پر نظریں دوڑاتا اس کے

ساتھ چلتا رہا۔

پانچ سات منٹ پہنچے۔ رستے کے بعد ایک میوزیم کے گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو

گیا۔ دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا اور سعد نے دروازے پر دستک دی تھی، اندہ ہی کسی سے اجازت مانگی

تھی۔ بڑے مانوس سے اندر میں اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے

اس کی ہر وی کی۔

"تم وہ شو کر لو۔" سعد نے اچانک اسے مخاطب کیا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک دروازہ کھول کر

ایک باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

سعد کی زیر نگرانی جب تک وہ وضو کے آخری حصے تک پہنچا، ٹھنڈا پانی گرم میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اپنے ہاتھوں کا مسح کرتے کرتے وہ ایک بار پھر ٹھنڈا سعد سمجھا اسے صحیح طریقہ پتا نہیں، اس نے ایک بار پھر

اسے ہدایت دی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو ایک بار پھر حرکت دینے لگا۔

گدی تک ہاتھ پیچھرتے ہوئے اس کا ہاتھ گردن میں موجود نچر سے ٹکرایا تھا۔ اس کی نظر بے اختیار

سامنے آئینے میں گئی۔ وہ ایک بار پھر کہیں اور کھینچ چکا تھا۔ سعد نے اس سے کچھ کہا تھا۔ اس بار اس نے نہیں سنا۔

کمرے میں موجود دس افراد دھڑلے دھڑلے ہو رہے تھے۔ وہ سعد کے ساتھ کچیل صف میں کھڑا ہو گیا۔ امام صاحب نے امامت شروع کر دی، سب کے ساتھ اس نے بھی نیٹ کی۔

"نماز سے واقعی سکون ملتا ہے؟" اس نے کوئی دو منٹ پہلے ایک لڑکے کو نماز کے مسئلے پر سعد کے ساتھ بحث میں اکھٹا پایا تھا۔

"مجھے تو ملتا ہے۔" سعد نے کہا تھا۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ میں سب کی بات کر رہا ہوں، سب کو ملتا ہے؟" اس لڑکے نے کہا تھا۔ "یہ مختصر ہے کہ سب کتنا اٹھالو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔"

سالار بیٹے کے کہنے ہوئے انداز میں ان کی بحث کسی اعلیٰ پائے کے بغیر سن رہا تھا۔ اس وقت وہ شعوری طور پر نماز میں انہماک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سکون؟" میں واقعی دیکھنا چاہتا ہوں کہ نماز سے سکون کیسے ملتا ہے۔" اس نے دُعا میں جاتے

ہوئے اپنے دل میں سوچا پھر اس نے پہلا سجدہ کیا۔ اس کے اضطراب اور بے چینی میں ایک بے ایک اضافہ

ہو گیا۔ جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی زبان سے سن رہا تھا وہ بہت مانوس لگ رہے تھے۔ جو لوگ اس کے

ارد گرد کھڑے تھے وہ اسے آتش لگ رہے تھے، جس باتوں میں وہ موجود تھا وہ اسے غیر فطری لگ رہا تھا

اور جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ اسے مخالفت محسوس ہو رہی تھی۔

ہر سجدے کے ساتھ اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلی بار رکعتیں ہشت تک

کیں۔ سلام پھیرنے کے دوران اس نے اپنے دائیں جانب والے لواحقین کے کھانوں پر آنسو

دیکھے، اس کا دل وہاں سے ہٹا گیا۔ وہی کڑا کر کے ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک بار

پھر نماز میں پوری طرح متنبہ ہونے کی کوشش کی۔

"اس بار میں پڑھی جانے والی آیات کے ہر لفظ پر غور کروں گا۔ شاید اس طرح۔۔۔" اس کی سوچ

کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ نیٹ کی جارہی تھی۔ اس کا دل مزید اچاٹ ہو گیا۔ سر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے

آیات کے مفہوم پر غور کرنے کی کوشش کی۔

"الحمد لله رب العالمین۔" سورۃ فاتحہ کی عادت شروع ہوئی۔

"الرحمن الرحیم۔" اس نے توجہ مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"ماکرم يوم الدين۔" توجہ بٹ گئی۔

"ایک نوبہ دیا کہ ششہیں۔" اسے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ آتا تھا۔ اس نے چند دن پہلے ہی پڑھا تھا۔





"واقعی؟"

"ہاں۔" سالار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم نے یہ کیوں دیکھے ہیں؟" اس عورت نے اپنے ہاتھ میں جکڑے نوٹوں کی طرف

اشارہ کیا۔

"تاکہ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، میں سڑک کے اس پار ڈکائیں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم اس

میں رکاوٹ بن گئی ہو۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

عورت سب اختیار قہقہہ لگا کر فہمی۔ "تم اچھا لائق کر لیتے ہو، کیا نہیں واقعی چلی جاؤں؟"

"ہاں۔"

وہ عورت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "اوسکے، جیکب یو جینی۔" سالار نے اسے سڑک پار کرتے

ہوئے دیکھا۔ وہ لا شعوری طور پر اسے جانتا دیکھا۔ وہ سڑک پار کر کے ایک دوسرے کو نے کی طرف جا

رہی تھی، وہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا۔

سالار نے وہ بارہ نظریں ان دو کالوں پر جمائیں، برف پاری ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔ وہ پھر

بھی اطمینان سے وہاں بیٹھا رہا۔ برف اب اس کے اوپر بھی گر رہی تھی۔

وہ راست کے ڈھلانی بیٹے تک رہیں بیٹھا رہا جب سڑک کے پار دکانوں کی اندر کی لائٹس اس نے

یکے بعد دیگرے بند ہوئے دیکھیں تو وہ اپنی جیکب اور بھڑ سے برف بھڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر دھتے

دھتے سے وہ اپنی آگئیں ہلاتا رہا ہوتا تو اس وقت تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا

تھا۔ اس کے پاؤں پر کھڑا ہوا کر قدم اٹھانے میں اسے کچھ وقت ہوئی۔ چند منٹ وہیں کھڑا ہوا اپنے پیروں

کو بھٹکاتا ہوا پھر اسی طرح جیکب کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر واپس پارکسٹ کی طرف جانے لگا۔ وہ جانتا

تھا اس نے اسے مسجد سے نکل کر بہت زیادہ ڈھوڑا ہو گا اور اس کے بعد وہ وہاں چلا گیا ہو گا۔

☆.....☆.....☆

"کہاں چلے گئے تھے تم؟" سعد اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ وہ کچھ کچھ بھرا اندر چلا آیا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" سعد دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آگیا۔ سالار اپنی جیکب آتار

رہا تھا۔

"کہیں نہیں گیا تھا۔" اس نے جیکب لٹکاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہیں کتنا تلاش کیا ہے، کہاں کہاں فون کئے ہیں اور اب تو میں دتا

پر بیٹان ہو چکا تھا کہ پولیس کو فون کرنے والا تھا..... تم آفراس طرح نماز چھوڑ کر گئے کہاں تھے؟"

سالار کچھ کچھ بھرا اپنے جا کر زائچہ لگا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے، کہیں نہیں۔"

"تو پھر اب تک کہاں تھے؟" سعد اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"وہیں تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں فٹ پاتھ پر۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"واٹ! اسے کھینچے تم وہاں فٹ پاتھ پر برف میں بیٹھے رہے ہو۔" سعد دم بخود رہ گیا۔

"ہاں؟"

"کوئی تکلفی ہے اس حرکت کی۔" وہ کچھ بھلا یا۔

"نہیں، کوئی تکلف نہیں۔" سالار نے اسی طرح سیدھا حلیہ پر لپٹتے ہوئے کہا۔

"کچھ کھایا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو کھانا کھاؤ۔"

"نہیں، بھوک نہیں ہے۔" وہ اب چست پر نظریں ڈھتے ہوئے تھا۔ سعد اس کے قریب بیٹھ کر

بیٹھ گیا۔

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟" بتا سکتے ہو مجھے۔" سالار نے گردن کو ہلکی سی حرکت دے کر

استدیکھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بے تاثر لہجے میں کہا گیا۔ "میں سمجھا، تم اپنے پارکسٹ چلے گئے ہو، مگر

وہیں بار بار گنگ کرنے پر بھی تم نہ ملے۔" سعد بڑا ہاتھ سالار کی نظریں چست پر ہی تھیں۔

"اس سے بھتر تھا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لہلا چڑھنے لے کر کیا نہ چاہتا۔ آنکھ میرے ساتھ

مت چلاؤ تم۔" سعد نے ناراضی سے کہا۔ وہ اب اس کے بیٹھ سے اٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے کام جٹاتا

رہا پھر وہ ٹائٹ بلب آن کر کے اپنے بیٹھ پر لیٹ گیا۔ اس نے ابھی آنکھیں بند کی تھیں، جب اس نے

سالار کی آواز سنی۔

"سعد!"

"ہاں!" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ "صراط مستقیم" کیا ہوتا ہے؟"

سالار لہجے میں پوچھ گئے سوال نے سعد کو حیران کر دیا۔ اس نے گردن موڑ کر بائیں جانب بیٹھ کر

سیدھا لیٹے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"صراط مستقیم..... سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔"

"چانتا ہوں مگر سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے؟" اگلا سوال آیا۔

سعد نے اس کی طرف کر دینے لے لی۔ "سیدھا رہو..... مطلب نیکی کا رہو۔"

"نیکی کیا ہوتی ہے؟" لہجہ انہی بے چاروں تھا۔

"اچھے کام کو نیکی کہتے ہیں۔"

"اچھا کام کیا ہوتا ہے؟"

"اچھا کام۔ کوئی ایسا کام جو کسی دوسرے کے لئے کیا گیا ہو۔ کسی کی مدد کی گئی ہو، کسی پر مہربانی کی گئی ہو، اور اچھا کام ہوتا ہے اور برا اچھا کام نیکی ہوتی ہے۔"

"ابھی کچھ گھنٹے پہلے میں نے وہاں فٹ پاتھ پر ایک inskaker کو بچاس ڈالر دیے، جبکہ وہ صرف تیس ڈالر ٹانگ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ نیکی ہوتی ہے؟"

سعد کول چاہا، ایک کھوٹا اس کے منہ پر کھینکا، وہ عجیب آدمی تھا۔

"کھوٹا اس بندہ کو اور سو جاؤ، مجھے بھی سونے دو۔" اس نے تکمل پلٹ لیا۔

سالار کو حیرت ہوئی وہ کس بات پر ناراض ہو ا تھا۔ "تو یہ نیکی نہیں ہوتی؟"

"میں نے تم سے کہا ہے، اپنا منہ بند کر دو اور سو جاؤ۔" سعد ایک بار پھر دھاوازا۔

"اتنا ناراض ہونے کی ضرورت تو نہیں ہے، میں نے تم سے ایک بہت "عمومی" سوال کیا ہے۔"

سالار نے بڑے قہر سے کہا۔

سعد یک دم کچھ مشتعل ہوتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پسپا آن کر دیا۔

"تمہارے جیسے آدمی کو میں کبھی صراطِ مستقیم سمجھاؤں۔ کیا تم پاگل ہو یا جاہل ہو۔" باغیر مسلم ہو..... کیا ہو..... کچھ بھی نہیں ہو..... تمہیں خود پہنا ہونا چاہئے کہ صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے مگر تم جیسا آدمی جو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے نماز درمیان میں چھوڑ کر چلا آتا ہے، وہ کیسے جان سکتا ہے؟"

"میں نماز اس لئے چھوڑ کر چلا آیا کیونکہ تم کہتے ہو اس میں سکون ہے کہ مجھے سکون نہیں ملا، میں چھوڑ آیا۔" اس کے پسپا آن اور اس کے ہونے جانے نے سعد کو مزید مشتعل کیا۔

"تمہیں نماز میں اس لئے سکون نہیں ملا، کیونکہ مسجد تمہاری جگہ نہیں ہے، تمہارے لئے سکون کی جگہیں سینوار، تمہارے بار اور گلاب ہیں۔ مسجد تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہیں نماز میں سکون کیاں سے مل جاتا..... اور تم چاہتے ہو وہ میں تمہیں بتاؤں صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے؟"

وہ بیٹھ کر سیدھا لپٹا لپٹا بھٹکے بغیر سعد کو دیکھتا رہا۔

"تمہارے جیسا شخص جو نماز سے بھاگ جاتا ہے، شراب پیتا اور زنا کرتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے؟ اس پر آسکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے جو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں مگر نماز سے بھاگتے نہیں، نماز بھی پڑھ لیتے

ہیں، وہ صراطِ مستقیم کا مطلب سمجھتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔"

سعد کچھ بول نہیں سکا۔ وہ ہم آواز اور بے چارے لہجے میں کہے گئے ایک ہی سوال نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ سالار اب بھی اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے سالار! اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ سالار کے کانوں میں ایک جھماکے کے ساتھ ایک دوسری آواز گونج اٹھی تھی۔

"ہاں، میں واقعی نہیں سمجھ سکتا۔ لائٹ آف کر دو مجھے نیند آرہی ہے۔" اس نے مزید کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم اپنے اپارٹمنٹ پر ہی رہو گے، صرف تم نے جان بوجھ کر answerphone لگا دیا ہو گا۔"

سعد اگلے دن دس بجے سالار کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔ سالار نے نیند میں اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔ "تم اس طرح بتائے بغیر بھاگ کیوں آئے میرے اپارٹمنٹ سے۔" سعد نے انکار آئے ہوئے بھاڑا۔

"بھاگ تو نہیں، تم سو رہے تھے، میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" سالار نے آنکھیں میٹلے ہوئے کہا۔

"کس وقت آئے تھے تم؟"

"شاید چار بجے پہلے۔"

"یہ جانے کا کون سا وقت تھا؟" سعد نے ہلکے کر کہا۔

"اور تم اس طرح آئے کیوں؟" سالار کچھ کہنے کے بجائے لوہک روم کے صوف پر جا کر اونٹنہ سے مل بیٹ گیا۔

"شاید میری باتوں سے تم ناراض ہو گئے تھے۔ میں اسی لئے ایکسکس ڈکرنے آیا ہوں۔" سعد نے دوسرے صوف پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون سی باتوں سے؟" سالار نے گردن کو ہلکا ساڑھٹھاکر تے ہوئے اسی طرح لیٹے سعد پر بھڑا۔

"وہی سب کچھ جو میں نے کچھ بیٹھے میں آکر رات کو تم سے کہہ دیا۔" سعد نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"نہیں، میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو ناراض نہیں ہو سکتا۔ تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس پر تمہیں ایکسکس ڈکرنے کے لئے یہاں آنا پڑتا۔" سالار نے اسی کے انداز میں کہا۔



"بھر تم اس طرح اچانک میرے اپارٹمنٹ سے کیوں آ گئے؟" سعد بھڑکا ہوا۔

"میں میرا دل گھبرا گیا اور میں یہاں آ گیا اور چونکہ سونا جاتا تھا اس لئے ansurphone لگا دیا۔" سالار نے پرسکون انداز میں کہا۔ "بھر بھی میں یہ عسوس کر رہا تھا کہ مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں صبح سے بہت ہیچنگتار ہا ہوں۔"

"جانے دو اسے۔" اس نے اسی طرح چہرہ صوفے پر چھپائے کہا۔

"سالار! تمہارے ساتھ آج کل پرانٹلم کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"لیکن، کچھ نہ کچھ تو ہے۔ کچھ عجیب سے ہوتے چارے ہو تم۔"

اس بار سالار ایک دم گروٹ بدلتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ چت لینے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"مثلاً کون سی بات عجیب سی ہوتی چارہ ہے مجھ میں۔"

"بہت ساری ہیں، تم بہت چپ چاپ رہنے لگے ہو، جھوٹی چھوٹی باتوں پر اٹھتے لگے ہو۔ عباد مجھے تیار ہاتھاک یونٹور دیتی جانا بھی پھوڑا ہوا ہے تم نے اور سب سے بڑی بات کہ مذہب میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کے آخری جملے میں سالار کے ماتھے پر چوڑیاں آ گئیں۔

"مذہب میں دلچسپی؟" یہ تمہیں غلط فہمی ہے۔ میں مذہب میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کر رہا، میں صرف سکون حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں بہت ڈپریشن ہوں۔ مجھے زندگی میں کبھی اس طرح کا..... اور اس حد تک ڈپریشن نہیں ہوا جس کا ذکر میں آج کل یوں اور میں صرف اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لئے رات نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ اس نے بہت ترقی سے کہا۔

"ڈپریشن کیوں ہے تمہیں؟" سعد نے پوچھا۔

"اگر یہ مجھے پتا ہوتا تو مجھے یقیناً ڈپریشن نہ ہوتا۔ میں اب تک اس کا کچھ نہ کچھ کر چکا ہوں۔"

"بھر بھی کوئی نہ کوئی اچہ تو ہوگی، ہاں بیٹھے بٹھائے ڈپریشن تو نہیں ہو جاتا۔" سعد نے تبصرہ کیا۔

سالار جانتا تھا وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، مگر وہ اسے وجہ بنا کر خود پر بستے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "کسی دوسرے کے بارے میں تو مجھے پتا نہیں، مگر مجھے تو بیٹھے بٹھائے ہی ہو جاتا ہے۔" سالار

نے کہا۔

"تم کوئی ایفنی ڈیپریسٹ لے لیتے۔" سعد نے کہا۔

"میں ان کا ذکر کما کما چکا ہوں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"تو تم کسی سائیکا لرسٹ سے مل لیتے۔"

"میں یہ کام تو کبھی نہیں کروں گا، میں کھٹک آچکا ہوں ان لوگوں سے ملنے بیٹھے۔ کم از کم اب تو میں نہیں ملوں گا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔

"پہلے کس سلیبلے میں بیٹھے رہے ہو تم؟" سعد نے کچھ چوک کر تجسس کے عالم میں پوچھا۔ "بہت سی باتیں تھیں، تم انہیں رہتے دو۔" وہ اب چت لینا چھوڑ کر گھبراہٹ کو محسوس رہا تھا۔

"تو پھر تم یہاں کیا کرو کہ عبادت کیا کرو، نماز پڑھا کرو۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو مجھے وہاں کوئی سکون ملا نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ میں جو پڑھ رہا ہوں وہ کیا ہے، کیوں پڑھ رہا ہوں۔"

"تو تم یہ جاننے کی کوشش کرو کہ....."

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب پھر رات والی بحث شروع ہو جائے گی، صراطِ مستقیم والی اور پھر تمہیں غصہ آئے گا۔"

"نہیں، مجھے غصہ نہیں آئے گا۔" سعد نے کہا۔

"جب مجھے یہ سی نہیں پتا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے تو پھر میں نماز کیسے پڑھ سکتا ہوں۔"

"تم نماز پڑھنا شروع کرو گے تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔" "کیسے؟"

"تم خود ہی غلط کاموں سے بچتے لگو گے، اچھے کام کرنے لگو گے۔" سعد نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"مگر میں کوئی غلط کام نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے اچھے کام کرنے کی خواہش ہے۔ میری زندگی تارل ہے۔"

"تمہیں یہ احساس ہو بھی نہیں سکتا کہ تمہارا کون سا کام صحیح ہے اور کون سا غلط۔ جب تک کہ....." سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"صحیح اور غلط کام میرا مسئلہ نہیں ہے۔ اچھی تو مجھے بس بے سکونی رہتی ہے اور اس کا تعلق میرے کاموں سے نہیں ہے۔"

"تم وہ تمام کام کرتے ہو جو انسان کی زندگی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔"

"مثلاً؟" سالار نے چپکے سے لہجے میں کہا۔

"قرچہ روک کھاتے ہو۔"

"کم آن۔" وہ بے اختیار ابلایا۔ "پورے یہاں کہاں آ گیا، تم مجھے ایک بات بتاؤ۔" سالار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم تو بڑی بات چاہد گی سے نماز پڑھتے ہو، بڑی عبادت کرتے ہو، نماز نے تمہاری زندگی میں

کون سی تبدیلیاں کر دیں؟

"مجھے بے سکونی نہیں ہے۔"

"حالانکہ تمہارے فارمولے کے مطابق تمہیں بھی بے سکونی ہونی چاہئے، کیونکہ تم بھی بہت سے غلط کام کرتے ہو۔" سالار نے ترکی پر ترکی جواب دیا۔

"مثلاً۔۔۔ میں کیا غلط کام کرتا ہوں؟"

"تم جانتے ہو، میرے اہل خانہ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں۔۔۔ میں نہیں جانتا، تم تو براؤ۔" سعد نے جیسے اسے فطرتاً ہی

سالار اسے کچھ دے دیکھنا دیکھا اس نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتا سعد کہ صرف عبادت کرنے سے زندگی میں کوئی بہت نمایاں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ اچھے کاموں یا کردار کا تعلق عبادت کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہوتا۔"

سعد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اس لئے تم سے کہتا ہوں کہ اپنے مذہب میں کچھ دلچسپی لو، اسلام کے بارے میں کچھ علم حاصل کرو تاکہ اپنی اس غلط فہم کی غلطی اور سوچ کو بدل سکو۔"

"میری سوچ غلط نہیں ہے، میں نے مذہبی لوگوں سے زیادہ جوہر منافق اور دھوکے باز کسی کو نہیں پایا۔ میں تمہیں کہتا ہوں تم برا نہیں مانو گے، مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ابھی تک مجھے نہیں ایسے لوگوں سے واسطہ چاڑھتا ہوں جو بڑے مسلمان سمجھے جاتے ہیں اور اسلام کی بات کرتے ہیں اور ان کی ( منافق ) ہیں۔" وہ بڑی تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"سب سے پہلے میں ایک لڑکی سے ملا۔ وہ بھی بڑی ذہنیاتی تھی، پردہ کرتی تھی، بڑی پارسا اور پاک باز، بونے کاؤ دار کرتی تھی اور ساتھ میں ایک لڑکے کے ساتھ الیکٹر پلارسی تھی، اپنے منگھیر کے ہوتے ہوئے اس کے لئے گھر سے بھاگ بھی گئی۔ اسے ضرورت پڑی تو اس نے ایک ایسے شخص کی بھی مدد لی جسے وہ بہت برا سمجھتی تھی، اپنی اسے اپنے خاکے کے لئے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھا، ان محترموں پر اس کا خاف تو نہیں۔" اس کے لبوں پر استہزاء ایسے مسکرائے تھے۔

"اس کے بعد میں ایک اور آدمی سے ملا جس نے ڈانٹ ماری ہوئی تھی۔ بڑا بکا اور سچا قسم کا مسلمان تھا، وہ بھی لیکن اس نے اس لڑکی کی مدد نہیں کی، جس نے اس سے بھیک مانگنے کی حد تک مدد مانگی تھی۔ اس نے اس لڑکی سے شادی نہیں کی جسے وہ محبت کے نام پر بے وقوف بنا کر دھار داری کچھ حرم سے پہلے میں یہاں امریکہ میں اس سے ملا تو اس کی ڈانٹ ماری بھی عاصی ہو چکی تھی، شاید اس کے اسلام کے ساتھ۔"

وہ ہنسنا۔ "اور پھر تم ہو۔۔۔ تم تو رک نہیں کھاتے، صرف یہ ایک حرام کام ہے، جو تم نہیں کرتے، باقی تمہارے لئے سب کچھ جائز ہے۔ جھوٹ بولنا، شراب پینا، زنا کرنا، کلب میں جانا۔۔۔ غیریت

کرنا، دوسروں کا شوق اڑانا، جالاکھ، ویسے تم بڑے نیک ہو، تم نے ڈانٹ ماری ہوئی ہے، تم ہمارا راسخ کھا جاتے ہو اسلام کی باتیں کر کر کے۔ زبردستی نماز پڑھانے پر تلے رہتے ہو، ہر بات میں مذہب کا حوالہ لے آتے ہو، یہ آیت اور وہ حدیث۔۔۔ وہ آیت اور یہ حدیث۔۔۔ اس کے علاوہ تمہاری زبان پر اور کچھ ہو جانی نہیں اور مذہب میں تمہارا عمل دیکھتا ہوں تو میں ڈونڈ بھر بھی تم سے متاثر نہیں ہوتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اسلام کے بارے میں تمہارا لکھنا سننا، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مجھ میں اور تم میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔ تم ڈانٹ ماری رکھ کر اور اسلام اسلام کر کے وہ سارے کام کرتے ہو جو میں ڈانٹ ماری کے اور اسلام کی بات کے بغیر کرتا ہوں۔ عبادت نے کیا انتخاب برپا کیا ہے تمہاری زندگی میں، سوائے اس کے کہ تمہیں ایک خوش فہمی ہو گئی ہے کہ تم تو سیدھے جنت میں جاؤ گے اور ہم سارے دوزخ میں۔ تمہارے قول و فعل میں اگر یہ تضاد ہو تو میں بھی تم سے یہ سب نہ کہتا مگر میں تم سے یہ دیکھتا ہوں کہ تم دوسروں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش نہ کیا کرو، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم خود بھی مذہب کے سچے پیروں سے واقف نہیں ہو۔ اب میری ان ساری باتوں کو مانگنا مت کرنا۔"

سالار اب ٹیبل پر چڑا ایک سگریٹ ساگار ہاتھ۔ سعد نظر ہانکا جو کیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر اللہ انسان کو معاف کرتا ہے اور میں نے کبھی یہ تو نہیں کہا کہ میں بہت ہی اچھا مسلمان ہوں اور میں ضرور جنت میں جاؤں گا لیکن میں اگر ایک اچھا کام کرتا ہوں اور دوسروں کو اس کی عبادت کرتا ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے۔"

سعد نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے کہا۔

"سعد! تم تو بخیر اور دوسروں کی ذمہ داری اپنے سر پر مت لو، پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو، پھر دوسروں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو تاکہ کوئی تمہیں منافق نہ کہے اور جہاں تک اللہ کے معاف کرنے کا تعلق ہے تو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تمہاری غلطیوں کو معاف کر سکتا ہے تو پھر وہ ہمیں بھی معاف کر سکتا ہے۔ ہمارے گناہوں کے لئے تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے سے تمہاری غلطیوں میں اضافہ ہو گا اور تم اپنے گناہوں سمیت اللہ کے قریب ہو جاؤ گے تو ایسا نہیں ہو گا۔ پھر یہ تمہارا نیک و پاکار ٹھیک کرو، صرف اپنے آپ کو دیکھو، دوسروں کو نیک بنانے کی کوشش نہ کرو، ہمیں برا ہی رہنے دو۔"

اس نے تشریح سے کہا۔ اس لئے اس کے دل میں جو آیا اس نے سعد سے کہہ دیا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو سعد اٹھ کر چلا گیا۔

اس دن کے بعد اس نے دوبارہ کبھی سالار کے سامنے اسلام کی بات نہیں کی۔



وہ اس دیک اینڈ پر بہت دنوں کے بعد کسی ریسٹورنٹ گیا تھا۔ اپنا آؤڈو ویز کو لوٹ کر واپس کے بعد وہ ریسٹورنٹ کے پیشوں سے باہر سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ جس میز پر بیٹھا تھا وہ کھڑکی کے قریب تھی اور قد آدم کھڑکیوں کے پیشوں کے پاس بیٹھ کر اسے پونہ عیسویں سو رہا تھا جیسے وہ باہر فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔

کسی لڑکی کی سسکیوں نے اس کی محویت کو توڑا تھا۔ اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا، اس سے پہچلی میز پر ایک لڑکا اور لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی کسی بات پر رو رہی تھی وہ سسکیاں لے رہی تھی اور لڑکے کے ساتھ لپٹے آلسو پٹھہ رہی تھی۔ لڑکا اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے شاید اسے تسلی دے رہا تھا۔ ریسٹورنٹ اٹھا چلا اور لڑکا اور لڑکی قریب قریب تھیں کہ وہ باہر آ سکیں۔ ان کی گفتگو سن سکتا تھا مگر وہ وہاں اس کام کے لئے نہیں آیا تھا، وہ سیدھا ہوا گیا۔ ناگوار کی ایک لہری اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ اسے اس طرح کے قماشے دیکھتے نہیں لگتے تھے۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا، وہ وہاں سکون سے تھک دقت گزارنے آیا تھا اور یہ سب کچھ۔ اس کا دل اچانک ہونے لگا۔ وہ دونوں دشمن تھے اور اسی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر غیر محسوس طور پر اس کی ساتھیوں ابھی بھی ان ہی سسکیوں کی طرف مڑ کر تھیں۔ اس نے کچھ دیر بعد مڑ کر ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ اس بار اس کے مڑنے پر لڑکی نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہ لہوں کے لئے ان دونوں کی نظریں ملی تھیں اور وہ چند لمحوں کے بعد اس پر بہت بھاری گرا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں سترم اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے ایک دم ایک اور چہرہ یاد آیا۔ اماں ہاشم کا چہرہ، اس کی سترم آنکھیں۔

ویٹر اس کا آؤڈو لے کر آچکا تھا اور وہ اسے سر و کر کے لگا۔ اس نے پانی کے پتھر گھونٹ پیئے ہوئے اپنے ڈش سے اس چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اس نے چند لمحوں سے سانس لے لے۔ ویٹر نے اپنا کام کرتے کرتے اسے غور سے دیکھا مگر وہ لڑکھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

”آج موسم بہت اچھا ہے اور میں یہاں اچھے لمے گزارنے آیا ہوں، ایک اچھا کھانا کھانے آیا ہوں۔ اس کے بعد میں یہاں سے ایک فلم دیکھنے جاؤں گا۔ مجھے اس لڑکی کے بارے میں نہیں جانتا چاہئے۔ کسی بھی طرح نہیں۔ وہ بالکل تھی، وہ کواں کرتی تھی اور مجھے اس کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے کیا پتا وہ کیاں گئی، کہاں مری، یہ سب اس نے خود کیا تھا۔ میں نے صرف مذاق کیا تھا اس کے ساتھ۔ وہ مجھ سے رابطہ کرتی تو میں اسے طلاق دے دیتا۔“

لا شعور کی طور پر خود کو سمجھاتے سمجھاتے ایک بار پھر اس کا چہرہ اس کے سامنے آنے لگا تھا۔ چہچہاتی لڑکی کی سسکیاں اب اس کے دماغ میں بڑے کی الٹی کی طرح چہرہ رہی تھیں۔

”میں اپنی ٹیکل تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بہت کھردرے انداز میں ویٹر کو مخاطب کیا۔ ویٹر

تجربہ بن گیا۔

”کس لئے سر؟“

”جاؤں دونوں کی ٹیکل تبدیل کر دیا میری۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ویٹر نے ایک نظر اس جوڑے کو دیکھا پھر وہ سالار کا مسئلہ سمجھایا نہیں مگر اس نے کونے میں لگی ہوئی ایک ٹیکل پر سالار کو بخاؤ دیا۔ سالار کو چند لمحوں کے لئے وہاں آکر واقعی سکون ملا تھا۔ سسکیوں کی آواز اب وہاں نہیں آ رہی تھی مگر اب اس لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ چاولوں کا پہلا بچھ منہ ڈالنے ہی اس کی نظر اس لڑکی پر دو بار پڑی۔

وہ ایک بار پھر یہ حیرت ہو گیا اسے ہر چیز کیبہ دم بے ذائقہ لگنے لگی تھی۔ یہ یقیناً اس کی ذہنی کیفیت تھی، وہ نہ وہاں کا کھانا بہت اچھا ہوتا تھا۔

”انسان غصے کا شکار آکر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ڈانٹ دیکھنے کی سس ہے، یہ کتنی بڑی قوت ہے کہ میں اگر کوئی چیز کھاتی ہوں تو میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ اچھا کھانا کھا کر خوشی محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس قوت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔“

اس کے کافوں میں ایک آواز گونجی تھی اور یہ شاید انجنا نایت ہوئی۔ وہ کئی آنکھیں ڈھال کی طرح چمٹ چلا۔ اس نے پانی کی قوت سے بچھ اپنی پلٹ مٹا اور پتہ آواز سن دھاڑا۔

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔“ ریسٹورنٹ میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

”یو سرج۔“ یہ باسٹرو، جسٹ شٹ اپ۔“ وہ اب اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”تم میرے ذہن سے نکل کیوں نہیں جاتیں؟“

دونوں کھینچوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ چلا یا۔

”میں تمہیں مار ڈالوں گا، اگر تم مجھے دوبارہ نظر آئیں۔“

وہ ایک بار پھر چلا یا اور پھر اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا اور اس وقت پہلی بار اسے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں، ان کی نظروں کا احساس ہوا، وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک ویٹر اس کی طرف آ رہا تھا اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے سر؟“

سالار نے کچھ بھی کہے بغیر اپنا الٹ نکالا اور چند کرنسی نوٹ ٹیکل پر رکھ دیئے۔ ایک لفظ بھی حیرت کے بغیر دور ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔

اماں، نہیں تھی، ایک بھوت تھا جو اسے چمٹ گیا تھا، وہ جہاں جاتا وہاں ہوتی۔ کبھی اس کا چہرہ،

کہیں اس کی آواز اور جہاں یہ دونوں چیزیں نہ آئیں وہاں سالار کا بچتا ہوا بوجہ وہ ایک چیز بھولنے کی کوشش کرتا تو دوسری چیز اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی، بعض دفعہ وہ انکا مقتل ہو جاتا کہ اس کا دل چاہتا وہ اسے وہاں دھوٹے تو وہ اس کا گھاد ہات یا اسے شوت کر دے۔ اسے اس کی ہر بات سے نفرت تھی۔ اس وقت اس کے ساتھ سفر میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اس کی پوری زندگی کو چم کر رہے تھے۔

☆.....☆

”مگر آپ کیوں آرہے ہیں؟“ سالار نے پوچھا کہ اپنے سب سے بڑے بھائی سے پوچھا۔ وہ دونوں فون پر بات کر رہے تھے اور اس نے سالار کو چند دنوں بعد یونیون آنے کی اطلاع دی تھی۔ سالار اس وقت روٹھنے کی زندگی گزار رہا تھا تو وہ اس اطلاع پر ایسا غرض ہو جاتا مگر وہ اس وقت ذہنی اجڑی کے جس دور سے گزار رہا تھا اس میں کامران کا آنا اسے بے حد ناگوار گزار رہا تھا اور وہ یہ ناگوار ہی چھپا بھی نہیں سکا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا کیوں آرہے ہیں تم سے ملنے کے لئے آ رہا ہوں۔“ کامران اس کے لیے پر ہونک حیران ہوا۔ ”اور پاپائے بھی کیا ہے کہ میں تم سے ملنے کے لئے چلاؤں۔“ وہ ہنست بھینچنے اس کی بات سناتا رہا۔

”تم مجھے انڈیورٹ سے پک کر لیتا، میں تمہیں ایک دن پہلے اپنی فلائٹ کی تاریخ کے بارے میں بتا دوں گا۔“

”کچھ دیر اور امریکی باتیں کر لے رہے ہیں بعد اس نے فون بند کر دیا۔“

چار دن کے بعد اس نے کامران کو انڈیورٹ سے روپیہ کیا۔ وہ سالار کو دیکھ کر جہاں رہ گیا۔

”تم بھار ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ سالار نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”ٹنگ تو نہیں رہے ہو۔“ کامران کی تشویش میں کچھ اور اضافہ ہونے لگا۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کرتا تھا۔ آج خلاف معمول وہ آنکھیں چرا رہا تھا۔

گھڑی دارانچ کرتے ہوئے بھی وہ بہت غور سے سالار کو دیکھتا رہا۔ وہ بے حد احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کامران کو جہاں بھی وہ اس قدر روٹھ کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے بڑے سے بڑا بی دار آویڑتا تھا۔ بعد کو یہ ایک مثبت تبدیلی کی تھی مگر یہ واحد مثبت تبدیلی تھی جو اس نے محسوس کی تھی۔ باقی تبدیلیاں اس کو پریشان کر رہی تھیں۔

”اختلاف کیسی جا رہی ہیں تمہاری؟“

”ٹھیک ہیں۔“

اسے سفر کے دوران بھی اسی طرح کے جواب ملتے رہے تھے۔ یہ اس کے پارٹنر کی حالت تھی جس نے کامران کے اضطراب کو اتنا بڑھایا تھا کہ وہ کچھ مشتعل ہو گیا تھا۔

”تمہارا پارٹنر ہے سالار۔“ اٹنی گاڑ۔ ”سالار کے پیچھے اس کے پارٹنر میں داخل ہوتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔ سالار اپنا چیزوں کو جس طرح منتظم رکھنے کا عادی تھا وہ علم و خبط وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں ہر چیز آخر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ جگہ جگہ اس کے کپڑے، جرابیں اور بوتلے ٹھہرے پڑے تھے۔ کتاؤں، اخباروں اور نیچرگز کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن اس کی حالت سب سے بڑی تھی اور ہاتھ روم کی اس سے بھی زیادہ۔ کامران نے کچھ شک کی حالت میں پوچھ پارٹنر کا جائزہ لیا۔

”کتنے دن سے تم نے صفائی نہیں کی ہے؟“

”میں ابھی کر رہا ہوں۔“ سالار نے سرد مہری کے عالم میں چیزیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تم اس طرح رہنے کے عادی تو نہیں تھے اب کیا ہوا ہے؟“ کامران بہت پریشان تھا۔ کامران نے اچانک ایک میز پر سگریٹ کے کھڑوں سے بھری اینٹ لے کے پاس چاکر سگریٹ کے کھڑوں کو سوگنا شروع کر دیا۔ سالار نے چھٹی ہوئی چیز نظروں سے اسیٹے بڑے بھائی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ کامران نے چھ کھڑوں کے بعد وہ اینٹ لے کر نیچے آ دیا۔

Salim! what are you upto this time?

”مجھے صاف مذاق ہوتا۔ مسئلہ کیا ہے۔ ڈرائنگ اسٹال کر رہے ہو تم؟“

”نہیں، میں کچھ استعمال نہیں کر رہا۔“ اس کے جواب نے کامران کو خاصا مشتعل کر دیا۔ وہ اسے کندھے سے پکڑ کر تقریباً نیچے ہونے ہاتھ روم کے آگے کے سامنے لے آیا۔

”شکل دیکھو اپنی ڈرگ ایجنٹ والی شکل ہے یا نہیں اور حرکتیں تو بالکل ویسی ہی ہیں۔ دیکھو، نظریں اٹھاؤ اپنی چیز دیکھو اپنا۔“

وہ اسے اپنے کالر سے کھینچے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار آگے میں اپنے آپ کو دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت کیسا نظر آ رہا ہو گا۔ گھر سے حلقوں اور بڑھی ہوئی شیڈ کے ساتھ وہ کیسا نکھر آ سکتا تھا۔ وہی کسی کمران مہاسوں اور ہونٹوں پر بھی ہوئی چیزوں نے پوری کر دی تھی جو بے تحاشا کافی اور سگریٹ پینے کا نتیجہ تھے۔ مہاسوں کی وجہ سے اس نے روٹھ کر بنی کر دی تھی۔ کچھ باراضی کے عالم میں اس نے کامران سے اپنا کالر پھیر لیا اور آگے پر نظریں دوڑائے بغیر ہاتھ روم سے نکلنے کی کوشش کی۔

”اوئے برس رہی ہے تمہاری شکل پر۔“

لعنت وہ لفظ تھا جو کامران اکثر استعمال کیا کرتا تھا سالار نے پہلے بھی اس لفظ کو محسوس نہیں کیا تھا مگر اس وقت کامران کے منہ سے یہی جملہ سن کر وہ جیسے ہلک اٹھا تھا۔



"ہاں، اعلیٰ ترین درجہ ہے میری شکل پر تو؟" وہ قدرے ہنسنے لگا۔ "وہ انداز میں کامران کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔"

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ڈرگز نہیں لے رہا تو میں نہیں لے رہا۔ آپ کو میرا یقین کرنا چاہیے۔"

"تم پر یقین....."

کامران نے خطرے سمجھ کر اس کے پیچھے ہاتھ دوم سے باہر آئے تو نے کہا۔ اس نے دوسرا بھیج لے اور کمرے کی چیزیں سمیٹنے کا کام جاری رکھا۔

"یہ نیو رشی جا رہے تو تم؟" سعد کو اچانک ایک اور اندیشہ ہوا۔

"جا رہا ہوں۔" وہ جیڑی اٹھا کر ہاتھ کامران کو تھپکی نہیں ہوئی۔

"میرے ساتھ ہاسٹل چلو، میں تمہارا چیک اپ کروانا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سب کرنے آئے ہیں تو بہتر ہے واپس چلے جائیں میں کوئی کنڈرگارٹن کا بچہ نہیں ہوں۔ میں اپنا خیال رکھ سکتا ہوں۔" کامران نے اس ہار کچھ کہنے کے بجائے اس کے ساتھ مل کر چیزیں اٹھاتی شروع کر دیں۔ سالار نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اس معاملے پر دوبارہ بحث نہیں کرے گا مگر اس کا یہ اندازہ غلط تھا۔ کامران نے اس کے پاس اپنے قیام کو لبا کر دیا۔ دوسرا دن کے بجائے دوپہر ایک بجے وہاں رہا۔ سالار اس کے قیام کے دوران باقاعدگی سے نیو رشی جاتا رہا مگر کامران اس دوران اس کے دوستوں اور نیو رشی کے پروفیسرز سے ملا رہا۔ سمسٹر میں غل ہونے کی خبر بھی اسے سالار کے دوستوں سے ہی ملی تھی اور کامران کے لئے یہ ایک شاک تھا۔ سالار سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی، مگر سمسٹر میں غل ہونا وہ بھی اس بری طرح سے چونکا کہ وہ کچھ عرصہ پہلے تک نیو رشی کے پچھلے، پکا ڈبریک کرتے ہوئے ٹاپ کر رہا تھا۔

اس بار اس نے سالار سے اس معاملے کو ڈسکس نہیں کیا بلکہ پاکستان سمندر عثمان کو فون کر کے اس سارے معاملے سے آگاہ کر دیا۔ سمندر عثمان کے چرواں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی۔ سالار نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھا تھا۔ وہ ایک ڈیڑھ سال کے بعد ان کے لئے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر چکا تھا اور ہاشم تبین والے معاملے کو بھی اتنا ہی عرصہ ہونے والا تھا۔

"آپ ابھی اس سے اس معاملے پر بات نہ کریں۔ نیو رشی میں کچھ پھیلیاں ہونے والی ہیں، آپ اسے پاکستان بلا لیں، کچھ عرصے کے لئے وہاں رکھیں پھر مئی سے کہیں کہ وہ اس کے ساتھ وہاں ہی رہیں۔ آپ جانیں اور جب تک اس کی تعلیم ختم نہیں ہوتی اس کے ساتھ رہیں۔" کامران نے سمندر عثمان کو سمجھایا۔

سمندر نے اس ہدایت پر کیا تھا۔ وہ بنائے بغیر چھڑیاں شروع ہونے سے پہلے نیو رشی پہنچ گئے۔ اس کا طریقہ دیکھ کر سمندر عثمان کے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگی تھیں مگر انہوں نے کامران کی طرح

اس سے بچت نہیں کی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ پاکستان چلنے کے لئے کہا۔ اس کے احمقانہ اور قلمی معروضات کے ہمالے کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے زبردستی اس کی سیٹ بک کروائی اور اسے پاکستان لے آئے۔

☆ ☆ ☆

دو رات ایک بچے پاکستان پہنچے۔ سمندر اور طیبہ سونے کے لئے چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ تقریباً بیس سال کے بعد اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ خلافت کے دوران سوتا رہا تھا۔ اس لئے اس وقت اسے تیندھوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ جھڑپائی تبدیلی تھی جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

"میں واقعی بہت آہستہ آہستہ بے خرابی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

اس نے تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھومتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر اسی طرما بند پر گرو نہیں بدلتے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی کھڑکیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے پردوں کو ہٹا دیا۔ اس کی کھڑکیوں کے پار وسیع سائینڈ لائن کے دوسرے طرف ہاشم تبین کا گھر نظر آ رہا تھا۔ اس نے اسے سالوں سے اس کھڑکی کے پردے آگے پیچھے کرتے کبھی ہاشم تبین کے گھر پر غور نہیں کیا تھا، مگر اس وقت وہ بہت دیر تک تاریکی میں اس گھر کے اوپر والے فلور کی لائٹس میں نظر آنے والی اس عمارت کو دیکھتا رہا۔ بہت ساری باتیں اسے یک دم یاد آئے تھیں۔ اس نے پردے ایک بار پھر ہٹا کر دیکھے۔

"وسیم کے گھر والوں کو امانت کا پتا چلا؟"

اس نے اگلے دن ناصر کو بلا کر پوچھا۔ ناصر نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں بی، کہاں پتا چلا۔ انہوں نے تو ایک ایک جگہ چھان ماری ہے، مگر کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا۔"

انہیں شک ابھی بھی آپ پر ہی ہے۔ سلی بی بی تو بہت گالیاں دیتی ہیں آپ کو۔ "سالار اسے دیکھتا رہا۔

"مگر کے نوکروں سے بھی پوچھ لیں، بڑی پوچھ جاکھ کی تھی مگر میں نے تو حال سے ذرا ابھی کچھ بتا دیا۔"

ہو۔ انہوں نے شے کام سے بھی نکال دیا تھا۔ مجھے بھی امیری کی بچی پھر بعد میں وہ بارہوا کا لیا۔ آپ

کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے ہی۔ شاید رکھا بھی ان لوگوں نے وہ بارہوا ہی لئے ہے کہ یہاں کی

خبریں میں وہاں دیتی ہوں۔ میں بھی تو نہیں بائیں شاہیں کر کے نال دیتی ہوں۔ "وہ بات کو کہاں سے

کہاں لے کر جا رہی تھی۔

سالار نے فوراً اہل کی۔ "پولیس ابھی بھی ڈھونڈ رہی ہے؟"

"ہاں جی، ابھی بھی تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے زیادہ تو پتا نہیں، وہ لوگ ہر چیز چھپاتے ہیں نوکروں

تے۔ امام بی بی کی بات بھی نہیں کرتے ہمارے سامنے مگر پھر بھی کبھی کبھار کوئی اڑتی اڑتی خبر مل جاتی ہے ہمیں۔ سالار صاحب اکبر آپ کو بھی امام بی بی کا پتا نہیں ہے۔“

ناصر نے بات کرتے کرتے اچانک اس سے پوچھا۔

”مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟“ سالار نے ناصر کو گھورا۔

”ایسے ہی پوچھ رہی ہوں جی آپ کے ساتھ ان کی دوستی تھی، اس لئے میں نے سوچا شاید آپ کو پتا ہو۔ وہ جو ایک بار آپ نے میرے ہاتھ کچھ کاغذ بھجوائے تھے، وہ کس لئے تھے؟“ اس کا تھنس اب تلویش تک حد تک بڑھ چکا تھا۔

”اس گھر کے کاغذات تھے، میں نے یہ گھر اس کے نام کر دیا تھا۔“ ناصر کا منہ کھلے کاٹھارہ گویا پھر اوپر کھینچا۔

”پر ہی ایسے گھر ڈسکندر صاحب کے نام پر ہے۔“

”ہاں! مگر یہ مجھے تب پتا نہیں تھا۔ یہ بات تم نے ان اداگوں کو بتائی ہے کہ تم یہاں سے کوئی کاغذ لے کر اس کے پاس گئی تھیں۔“ ناصر نے کانوں کو ہاتھ لگا لگے۔

”تو یہ کریں جی امیں نے کیوں بتانا تھا، میں نے تو سکندر صاحب کو نہیں بتایا۔“

”اور یہ ہی بھتر ہے کہ تم اپنا منہ اسی طرف ہمیشہ کے لئے بند رکھو، اگر یہ بات ان کو پتا چلی تو یہاں تمہیں سارا منہ سمیت اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں گے۔ تم ان کے غصے کو جانتی ہو۔ جاؤ اب یہاں سے۔“ سالار نے تڑپتی سے کہا۔ ناصر خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

جو... جو... جو...

وہ ایک اینڈ پر کبھی کبھار ہانسیک کے لئے مارکھ کی پہاڑیوں پر چایا کرتا تھا۔ وہ ایک اینڈ نہیں تھا مگر اچانک ہی اس کا مولد وہاں جانے کا منہ گیا۔

ہمیشہ کی طرح گاڑی بیچے پارک کر کے وہ ایک بیک اپنی پشت پر ڈالے ہانسیک کر چڑھا۔ واپسی کا سفر اس نے تب شروع کیا جب سائے لمبے ہونے لگے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگیں گے۔ واپسی کے سفر کو کچھ تیزی سے طے کرنے کے لئے وہ سڑک پر آگیا جہاں سے عام طور پر لوگ گزرتے تھے۔ اس نے ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا تب اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ سالار نے ایک نظر مڑ کر دیکھا۔ وہ دو لڑکے تھے جو اس سے کافی پیچھے تھے مگر بہت تیزی سے آگے آ رہے تھے۔

سالار نے گردن واپس موڑ لی اور وہی طرح اپنا پیچھے کا سفر جاری رکھا۔ اسے اپنے پیچھے سے وہ لڑکے مٹھکوں نہیں لگے تھے۔ جینز اور شرتس میں لمبوں ان کا حلیہ عام لڑکوں جیسا تھا مگر پھر چلتے چلتے

اسے ایک دم کوئی اپنے ہانگیں منسوب میں محسوس ہوا۔ وہ برقی رفتار سے چلا اور مارت ہو گیا۔ ان دونوں لڑکوں کے ہاتھ میں ریل گاڑ تھے اور وہ اس کے ہانگیں سارے تھے۔

”اپنے ہاتھ اوپر کر، ورنہ ہم تمہیں شوت کر دیں گے۔“

ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ سالار نے بے اختیار اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور بہت تیزی سے اس نے اسے کھینچے ہوئے دھکا دیا۔ سالار لڑکھڑایا مگر سنبھل گیا۔

”ادھر چلو۔“ سالار نے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر اس طرف جانا شروع کر دیا جہاں وہ اسے سڑک سے ہٹانا چاہتے تھے، تاکہ کوئی ایک دم وہاں نہ آجائے۔ ان میں سے ایک اسے تقریباً چھلکتے ہوئے اس راستے سے ہٹا کر جھانڈیوں اور درختوں کے بہت اندر تک لے گیا۔

”گھنٹوں کے ملے بھنگو۔“ ایک نے درختوں سے اس سے کہا۔

سالار نے خاموشی سے اس کے علم پر غلٹی کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اس کی چیزیں جھینٹیں گے اور پھر اسے چھوڑ دیں گے اور وہاں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا، جس پر وہ دونوں مشتعل ہو کر اسے نقصان پہنچاتے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور اس نے اس کی پشت پر لٹکا ہوا چھوٹا سا بیک اتار لیا۔ اس بیک میں ایک کیر، چند قم رول، نیٹری، نیلی اسکوپ، فرسٹ ایڈ کٹ، والٹ، پانی کی بوتلی اور چند کھانے کی چیزیں تھیں جس لڑکے نے بیک اتارنا تھا وہ بیک کھول کر اندر موجود چیزوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے والٹ کھول کر اس کے اندر موجود کرنسی اور کریڈٹ کارڈز کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس نے بیک میں سے فٹس کا بیکٹ نکال لیا اور پھر فرسٹ ایڈ کٹ بھی نکال لی۔

”اب تم کھڑے ہو جاؤ۔“ اس لڑکے نے حکمران انداز میں کہا۔ سالار اس طرح ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکے نے اس کی پشت پر جا کر اس کی شارٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں ٹٹولا اور اس میں موجود گاڑی کی چابی نکال لی۔

”گڈ کار! ہے؟“ سالار کو چٹکی پاد کچھ تھوٹھیں ہوئی۔

”تم لوگ میرا بیک لے جاؤ مگر کار کو رہنے دو۔“ سالار نے چٹکی ہار انہیں مخاطب کیا۔

”کیوں؟ کار کو کیوں رہنے دیں۔ تم ہماری خالہ کے بیٹے ہو کہ کار کو رہنے دیں۔“ اس لڑکے نے درشت لہجے میں کہا۔

”تم لوگ اگر کار لے جانے کی کوشش کرو گے تو تمہیں بہت سے پراپلو ہوں گے۔ صرف کار کی چابی مل جانے سے تم کار نہیں لے جا سکو گے۔ اس میں اور بھی بہت سے لاکس ہیں۔“ سالار نے ان سے کہا۔



”دو بار مسئلہ ہے، چہار اٹھیں۔“ اس لڑکے نے اس سے کہا اور پھر آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں سے لگا کر پھینچ لے۔

”اچھے جاگڑا تاروہ۔“ سالار نے خیرانی سے اسے دیکھا۔

”جاگڑا کس لئے؟“ اس بار اس لڑکے نے جواب دینے کے بجائے پوری قوت سے ایک تھپڑ سالار کے منہ پر مارا۔ وہ لڑکھڑا گیا، چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے تارے بچھ گئے۔

”دو بارہ کوئی سوال مت کرنا، جاگڑا تاروہ۔“

سالار خوشنکشی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ دوسرے لڑکے نے اس پر تانے بونے دیو اور کے خمیر کو ایک بار جتانے والے انداز میں حرکت دی۔ پہلے لڑکے نے ایک اور تھپڑ اس بار سالار کے دوسرے گال پر مارا۔

”اب دیکھو اس طرح۔“ جاگڑا تاروہ۔“ اس نے تخی سے کہا۔ سالار نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر پیچھے جھک کر آہستہ آہستہ اپنے دونوں جاگڑا تاروں سے۔ اب اس کے چروں میں صرف تیراکیں رہ گئی تھیں۔

”اپنی شرٹ اتارو۔“ سالار ایک بار پھر اعتراض کرنا چاہتا تھا مگر دو دو بارہ تھپڑ کھانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ان دونوں کے پاس دیو اور نہ ہوتے تو وہ ہسائی طور پر ان سے بہت بھتر تھا اور پھرینا اس وقت ان کی صفائی کر دیا ہوتا، مگر ان کے پاس دیو اور کی موجودگی نے ایک دم ہی اسے ان کے سامنے بے بس کر دیا تھا۔ اس نے اپنی شرٹ اتار کر اس لڑکے کی طرف بڑھائی۔

”نیچے بیٹھو۔“ اس لڑکے نے تھکمانہ انداز میں کہا۔ سالار نے شرٹ نیچے پھینک دی۔ اس لڑکے نے اپنے ہاتھ کو جیب میں ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ اوپلاٹک کی باریک ڈوری کا ایک کچھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سالار کی آنکھ میں آنکھ ہو گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بے اختیار پریشان ہوا، شام ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر میں وہاں اندھیرا چھا جائے گا اور وہاں سے وہاں کی کس طرح حاصل کرنا۔

”دیکھو، مجھے پانچ سو مت، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم میرا ایک اور میری کار لے جاؤ۔“ اس نے اس بار ہدافانہ انداز میں کہا۔

اس لڑکے نے کچھ بھی کہے بغیر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ایک گھونسا مارا۔ سالار درد سے دہراؤ گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی تھی۔

”کوئی مشورہ نہیں۔“

اس لڑکے نے جیسے اسے بار کر دیا اور زور سے ایک طرف دھکیلا۔ درد سے ہلچلتے ہوئے سالار نے اندھوں کی طرح اس کی پیروی کی۔ ایک درخت کے سچے کے ساتھ بٹھا کر اس لڑکے نے

بڑی مہارت کے ساتھ اس کے دونوں بازوؤں کو پٹے سے پٹے کے پیچھے لے جا کر اس کی گھائیوں پر وہ اور پیٹنا شروع کر دی۔ دوسرا لڑکا سالار سے ذرا قہقہے پر اطمینان سے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے سالار پر دیو اور تانے مارا۔

اس کے ہاتھوں کو ابھی طرح باندھنے کے بعد اس لڑکے نے سامنے آکر اس کے چروں کی تیراکیں اتاریں اور پھر فرسٹ اینڈ کٹ میں موجود ٹیچنگ سے اس نے سالار کی شرٹ کی پٹیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ ان میں سے کچھ پٹیاں کو اس نے ایک بار پھر بڑی مہارت کے ساتھ اس کے ٹخنوں کے گرد لپیٹ کر گروہاری پھر اس نے نشوونما کھولا اور اس میں موجود سارے نشوونما نکال لئے۔

”متہ کھولو۔“ سالار جانتا تھا وہ اب کیا کرنے والا ہے۔ وہ جتنی گالیاں اسے دل میں اسے سکتا تھا اس وقت دے رہا تھا۔ اس لڑکے نے بیکہ بعد دیکھے وہ سارے نشوونما اس کے منہ میں ٹھونس دیتے اور پھر شرٹ کی واحد بچ جانے والی پٹی کو گھونڈنے کی لگام کی طرح اس کے منہ میں ڈالنے ہوئے درخت کے پٹے کے پیچھے اسے باندھ دیا۔

دوسرا لڑکا اب اطمینان سے بیکہ بند کر رہا تھا، پھر چند منٹوں کے بعد دونوں وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ ان کے وہاں سے جاتے ہی سالار نے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش شروع کر دی، مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اس لڑکے نے بڑی مہارت کے ساتھ اسے باندھا تھا، وہ صرف بٹے چلنے کی کوشش سے خود کو آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ یہی ڈوری وہیلی کر سکتا تھا۔ وہ ڈوری اس کے حرکت کرنے پر اس کے گوشت کے اندر گھس رہی تھی۔ وہ رہی تھی۔ اس کی حالت اس وقت بے حد خراب ہو رہی تھی۔ وہ کسی کو آواز دے سکتا تھا کسی دوسرے طریقے سے خود اپنی طرف کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔

اس کے ارد گرد آدم جھاڑیاں تھیں اور شام کے ڈھلنے ساچوں میں ان جھاڑیوں میں اس کی طرف کسی کا متوجہ ہو جانا کوئی محظوظ ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت لباس کے ہم پر صرف ٹخنوں سے کچھ نیچے تک لٹکے والی برمودا شلوار کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا اور شام ہونے کے ساتھ ساتھ ٹخنوں پر بڑھ رہی تھی۔ گھر میں کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ بالکل کے لئے یہاں آیا ہوا ہے اور جب گھر تک پہنچنے پر اس کی تلاش شروع ہوئی تب بھی یہاں اس تاریکی میں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بندھے ہوئے اس کے وجود تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد جب اپنے چروں کے گرد موجود چیزوں کو ڈھیل کر لے اور پھر انہیں کھولنے میں کامیاب ہوا، اس وقت سورج ٹھیک غروب ہو چکا تھا اگر چاند نہ نکلا ہوتا تو شاید وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور ارد گرد کے ماحول کو بھی نہ دیکھ پاتا۔ اکا دکا گزرنے والی گاڑیوں اور لوگوں کا شور اب نہ

ہونے کے برابر تھا۔ اس کے ارد گرد چیتروں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ گردن سے کمر تک اپنی پشت پر درخت کے تنے کی وجہ سے آنے والی رگڑ اور خراشوں کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ درخت کے دوسری طرف اس کے ہاتھوں کی کانٹوں میں موجود ذریعہ اب اس کے گوشت میں اتری ہوئی تھی۔ وہ ہاتھوں کو مزید حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ کانٹوں سے اُٹھتی نہیں برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے منہ کے ارد گرد موجود لٹڑا ب گل چپکے تھے اور ان کے گلے کی وجہ سے وہ منہ میں دھکم کی طرح کسی ہوئی پٹی کو حرکت دینے لگا تھا مگر وہ گلے سے آواز نکالنے میں اب بھی طرح طرح کا کام تھا کیونکہ وہ ان گلے ہوئے ٹشو کو نہ نگل سکتا تھا نہ اگل سکتا تھا۔ وہ اسے زیادہ تھکے کہ وہ انھیں پیچہ گم کی طرح چبانے میں بھی ناکام تھا۔

اس کے جسم پر کئی جگہ زخمی ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس حالت میں وہاں ایسا خطرہ مچا جا کر خوف یا کسی نہ ہونے کیڑے کے کاٹنے سے نہ مرنا تو اس کے جسم پر اب چھوٹے چھوٹے کیڑے دھک دھک رہے تھے اور بار بار وہ اسے کاٹ رہے تھے۔ وہ اپنی بدہیز جانگوں پر پتلے اور کالے والے کیڑوں کو جھٹک رہا تھا مگر ہائی جسم پر چپکنے والے کیڑوں کو جھٹکنے میں ناکام تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ ان چھوٹے کیڑوں کے بعد اسے اور کئی کیڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر وہاں چھو اور سانپ ہونے تو

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ "آخر یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ آخر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ بے چارگی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ "اور میں یہاں مریگا تو؟" تو میری تو اولاد نہ ہو پارہ کسی کو نہیں ملے گی۔ کیڑے کوڑے اور جانور جیسے کیا جائیں گے۔"

اس کی حالت خیر ہونے لگی۔ ایک عجیب طرح کے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لیا۔ تو کہا میں اس طرح مردہ گام یہاں اس حالت میں بے لباس..... بے نشان..... مگر والوں کو چاہیے نہیں جو کام میرے بارے میں کیا میرا انجام یہ ہونا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی۔ اسے اپنی موت سے یکدم خوف آیا تاخوف کہ اسے سانس لینا مشکل لگنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے موت اس کے سامنے اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو۔ اس کے انتہاء میں یہ دیکھنے کو وہ کسی طرح سبک سبک کر رہا ہے۔

دور دور کی پرہیزگار ایک بار پھر اپنی کانٹوں کی ذریعہ کو توڑنے یا چھلنی کرنے کی کوشش کرنے لگا اس کے بازو قفل ہونے لگے۔

چند روز بعد اس نے ایک بار پھر اپنی جدہ جدہ چھوڑ دی اور اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس کے منہ کی پٹی چھلنی ہو گئی تھی اور گردن کو ہلاتے ہوئے اسے منہ سے نکال سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے

ٹشو نکال دیتے تھے۔ اگلے کئی منٹ وہ گہرے سانس لینا اور باہر وہ بلند آواز میں اپنی مدد کے لئے آوازیں دیتے لگا۔ اتنی چند آواز میں جتنی وہ کوشش کر سکتا تھا۔

اس کا انداز بالکل بدلی ہوئی تھا۔ آدھے گھنٹے تک مسلسل آوازیں دیتے رہنے کے بعد اس کی ہمت اور گاردوں جواب دے گئے۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ یوں جیسے وہ کئی میل دوڑنا رہا ہو مگر اب بھی کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں آیا تھا۔ کانٹوں کے زخم اب اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہے تھے اور کپڑے اب اس کے چہرے اور گردن پر بھی لگتے رہے تھے۔ وہ نہیں جانتا کہ ایک دم اسے کیا ہوا، اس کو بلند آواز میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روئے لگا۔

دور دور کی میں کھلی ہادی طرح رہ رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا اور اس وقت درخت کے اس تنے کے ساتھ بندھے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ مرنا نہیں چاہتا ہے۔ وہ موت سے اسی طرح خوفزدہ ہو رہا تھا جس طرح وہ زندہ میں ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا کہ کتنی دیر اسی طرح بے بسی کے عالم میں بلند آواز میں روجا رہا پھر اس کے آنسو ٹپکے ہوئے لگے۔ شاید وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اب وہ ناہنجی اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔ فحاصل سا ہو کر اس نے درخت کے تنے سے سر لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کندھوں اور بازوؤں میں اتنا درد ہو رہا تھا کہ اسے لگ رہا تھا وہ کچھ دیر میں مفلوج ہو جائیں گے پھر وہ کبھی انہیں حرکت نہیں دے سکے گا۔

"میں نے کبھی کسی کے ساتھ اس طرح نہیں کیا پھر میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔" اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے۔

"سالار! میرے لئے پیٹنے کی بہت پر اہم چیزیں، تم اس میں اضافہ کر دو۔ میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اور مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ کم از کم تم تو میری چوہن میں کو کھو، میری مشکلات کو مت بڑھاؤ۔" درخت کے تنے کے ساتھ ٹپک لگائے سالار نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ پیچہ بہت پیچہ بہت دور۔ اسلام آباد کی روشتیاں نظر آرہی تھیں۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں؟ میں.....؟" وہائی ڈیرا اہم اس تو تمہاری جو روی میں گھل رہا ہوں۔ تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ وہ کہ تم جتنی اچھی اور مخلصانہ زندگی گزار سکتی ہو۔" سالار نے اپنے ہونٹ ہنسنے لگے۔

"سالار! مجھے خلاص دے دو۔" بھرائی ہوئی لپا جھٹ آواز۔

"موت بہت اہم کوٹ میں جا کر لے لو۔ جیسا کہ تم کہہ چکی ہو۔"

وہ اب چپ چاپ خود سے بہت دور فکر آنے والی روشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اس کے سامنے جیسے آئینہ لے کر کھڑا ہو گیا تھا جس میں وہ اپنا گھس دیکھ سکتا تھا اور اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کا بھی۔



”میں نے امام کے ساتھ صرف مذاق کیا تھا۔“ وہ بڑبڑایا۔

”میں... میں اسے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔“ اسے اپنے الفاظ کو کھیلے گئے۔

وہ چنانچہ نہیں کس کو وضاحت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح اسلام آباد کی روشتیوں کو دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

”میں مانتا ہوں، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو گئیں۔“

اس بار اس کی آواز ہزرائی ہوئی سرکوشی تھی۔ ”میں نے جانتے بوجھے اس کے لئے مسامحہ کھڑے کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے دھوکا دیا مگر مجھ سے غلطی ہو گئی اور مجھے پچھتاوا بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں میرے طلاق نہ دیتے اور جلال کے بارے میں بھوت بول دینے سے اسے بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مجھے واقعی پچھتاوا ہے اس سب کے لئے مگر اس کے علاوہ تو میں نے کسی اور کو کبھی دھوکا نہیں دیا، کسی کے لئے پریشانی کھڑی نہیں کی۔“

وہ ایک بار پھر روئے لگا۔

”میرے خدا... اگر ایک بار میں یہاں سے بچ گیا، میں یہاں سے نکل گیا تو میں امام کو ڈھونڈوں گا، میں اسے طلاق دے دوں گا، میں وہ بارہ بھی اسے تنگ نہیں کروں گا۔ میں جلال کے بارے میں بھی اسے کچھ بتاؤں گا۔ بس ایک بار آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔“

وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ امام نے اس کے طلاق نہ دینے سے انکار پر کیا محسوس کیا ہو گا۔ شاید اسی طرح اس نے بھی اپنے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس کئے ہوں گے جس طرح وہ کر رہا تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے پہلی بار وہ امام کی بے بسی، خوف اور تکلیف کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے جلال ناصر کی شادی کے بارے میں اس سے بھوت بولا تھا اور اس کے بھوت پر امام کے چہرے کا تاثر اسے اب بھی یاد تھا۔ اس وقت وہ اس تاثر سے بے حد محظوظ ہوا تھا۔ وہ اسلام آباد سے لاہور تک تقریباً پوری رات روٹی رہی تھی اور وہ بے حد سرور تھا۔

وہ اس وقت اس کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ اس اندھیری رات میں اس گاڑی میں سڑک رتے ہوئے اسے اپنے آگے اور پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہو گا۔ واحد نیا گاڑی جس کا وہ سوچ کر ٹپکی تھی وہ جلال ناصر کا گھر تھا اور سالہا سالہ سکندر نے اسے وہاں جانے نہیں دیا تھا۔ وہ رات کے اس پہر وہاں اعصاب میں اترنے والی جارنگی میں بیٹھ کر ان اندیشوں اور خوف کا اندازہ کر سکتا تھا جو اس رات امام کو زلزلہ ہے تھے۔

”مجھے افسوس ہے، مجھے واقعی افسوس ہے لیکن لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر... اگر وہ مجھے

دو بار دہلی تو میں اس سے ایکسکیز کر لوں گا، میں جس حد تک ممکن ہو اس کی مدد کروں گا مگر اس وقت... اس وقت تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر... اگر میں نے کبھی... کبھی کوئی نیکی کی ہے تو مجھے اس کے بدلے یہاں سے رہائی دلاوے۔ لاہور گاڑ پلیرز... پلیرز... پلیرز۔“ اس نے ہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اپنی نیکیاں گننے کی کوشش کی جنہیں وہ گنوا سکے۔ اس وقت پہلی بار اس پر یہ ہولناک اکشٹاف ہوا کہ اس نے زندگی میں اب تک کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ کوئی نیکی جسے وہ اس وقت اللہ کے سامنے پیش کر کے اس کے بدلے میں رہائی مانگتا۔ ایک اور خوف نے پھر اس کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خیرات نہیں کی تھی، وہ اس پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ وہ طرز اور یہ سٹورٹس میں سب خوش دلی سے دیا کرتا تھا، مگر کبھی کسی فقیر کے ہاتھ پھیلائے پر اس نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔

اسکول کالج میں مختلف کاموں کے لئے جب فنڈ جمع ہوتے تب بھی وہ فکٹس خریدنے یا بیچنے سے صاف انکار کر دیتا۔

”میں چیرینی پر یقین نہیں کرتا۔“ اس کی زبان پر دو کچے انداز میں صرف ایک ہی جملہ ہو رہا تھا۔ ”میرے پاس اتنی مالیت تو کم نہیں ہے کہ میں ہر جگہ لٹا پھروں۔“ اس کا یہ رویہ نیو زیون میں بھی جاری رہا تھا۔ یہ سب صرف چیرینی تک ہی محدود نہیں تھا۔ وہ چیرینی کے علاوہ بھی کسی کی مدد کرنے پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے کوئی ایسا لمحہ یاد نہیں آیا، جب اس نے کسی کی مدد کی کی ہو، صرف امام کی مدد کی تھی اور اس مدد کے بعد اس نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد وہ اسے نیکی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ عبادت کرنے کا بھی عادی نہیں تھا۔ شاید بچپن میں اس نے چند بار سکندر کے ساتھ عید کی غلاز پر مٹی ہو مگر وہ بھی عبادت سے زیادہ ایک رسم تھی۔ اسے نیو زیون میں دورانہ یاد آئی جب وہ معشاء کی غلاز اور موری پھوڑ کر بھاگ آیا تھا اور اس کے ساتھ اسے اس ہونکر کو دے دینے ہوئے ۵۰ ڈالر بھی یاد آئے۔ شاید وہ واحد موقع تھا جب اسے کسی پر حس آیا تھا۔ وہ مستقل اپنے ذہن کو اپنی کسی نیکی کی تلاش میں کھنگال رہا مگر ناکام رہا۔

اور پھر اسے اپنے گناہ یاد آئے گئے۔ کیا تھا جو وہ نہیں کر چکا تھا۔ اس کے آنسو، مگر گناہ اور تائب کچھ تک دم ختم ہو گیا۔ حساب کتاب بالکل صاف تھا۔ وہ اگر آج اس حالت میں مری جا تا تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوتی۔ بائیس سال کی عمر میں وہاں بیٹھے کسی کھٹے صرف کرنے پر بھی جس شخص کو اپنی کوئی نیکی یاد نہ آئے جبکہ اس شخص کا آئی کیو لیول ۱۵۰+ ہو اور اس کی سموری فوٹو گرافک... وہ شخص اللہ سے یہ چاہتا ہو کہ اسے اس کی کسی نیکی کے بدلے اس آزمائش سے رہا کر دیا جائے جس میں وہ پھنس گیا ہے۔

”What is next to ecstasy?”

اس نے ٹھن اتار میں کو کہیں پتے ہوئے ایک بار اپنے دوست سے پوچھا تھا وہ بھی کو کہیں لے رہا تھا۔ ”more ecstasy“ اس نے کہا تھا۔ اس نے کو کہیں لیجے ہوئے اسے دیکھا۔

There is no end to ecstasy. It is preceded by pleasure and followed by more ecstasy.

وہ نفع کی حالت میں اس سے کہہ رہا تھا۔ سالار مطمئن نہیں ہوا۔

No, it does end. What happens when it ends? When it really ends?

اس کے دوست نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

You know it yourself, don't you? You have been through it off and on.

سالار جواب دینے کے بجائے دوبارہ کوکین لینے لگا تھا۔

اس کی کالوں کے گوشے میں اتنی زوری اسے اب جواب دے رہی تھی۔ "pain" (درد)۔

"What is next to pain?"

اس نے مسکندہ غیر لہجے میں اس رات امام باشم سے پوچھا تھا۔

"Nothingness"

رہتی نہ کوئی چیز لہراتے ہوئے اس کے جسم پر مگر تھی۔ اس کے سر، چہرے، گردن، سینے، پیٹ۔۔۔ اور وہاں سے تیز رفتاری سے دھچکتی ہوئی آواز تھی۔ سالار نے کانپتے جسم کے ساتھ اپنی بیچاؤ کی تھی۔ وہ کوئی ساپ تھا جو اسے کائے بغیر چلا گیا تھا۔ اس کا جسم سینے میں نہا گیا تھا۔ اس کا جسم اب چلائے کے مریض کی طرح تھر تھر کاہل رہا تھا۔

"Nothingness" آواز بالکل ساف تھی۔

"And what is next to nothingness?"

تو پھر آئینہ آواز اور مسکراہٹ اس کی تھی۔

"Hell"

اس نے یہی کہا تھا۔ وہ پچھلے آنسو کھینچنے سے وہاں بندھا ہوا تھا۔ اس ویرانے، اس تاریکی، اس وحشت ناک جمائی میں۔ وہ پھر ایک گھنٹہ طلق کے بل پوری قوت سے مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا حلق آواز نکالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

Nothingness سے Hell وہ ان دونوں کے بیچ کہیں مطلق تھا یا شاید Nothingness میں داخل

ہونے والا تھا اور Hell تک پہنچنے والا تھا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا یہ پچھتے ہوئے کہ Hell کے بعد آگے کیا آئے گا؟ دوزخ کے بعد آگے کیا آ سکتا ہے؟ انسان کے معتب اور مغلوب ہو جانے کے بعد باقی پتلا ہی کیا ہے جسے جانے کا نہیں اشتیاق ہے؟"

سالار نے وحشت بھری نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ وہ کیا تھا، قبر یاد و زنجیر کی میں اس کا ایک مہر..... بھوک، پیاس، بے نسی، بے یاری و مددکاری، جسم پر چلتے کپڑے جنہیں وہ خود کو کاٹنے سے روک تک نہیں پارا تھا۔ مظلوم ہوتے ہوئے ہاتھ پاؤں، پشت اور ہاتھوں کی کالوں پر لہو بہ لہو پڑتے ہوئے زخم۔ خوف تھا یا بدبخت، پتا نہیں کیا تھا مگر وہ بلند آواز میں پانگوں کی طرح نہیں مارنے لگا تھا۔ اس کی چٹکیں دور دور تک فضا میں گونج رہی تھیں۔ بڑیانی اور ہونی انداز میں بلند کی جانے والی بے مقصد اور خوفناک جھپٹیں۔ اس نے زندگی میں اس طرح کا خوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اسے اپنے ارد گرد عجیب سے بھوت چلتے پھرتے نظر آنے لگے تھے۔

اسے لگ رہا تھا اس کے دماغ کی دگ پھٹنے والی ہے یا پھر ندوس بریک (اڈن) پھر اس کی چٹکیں آہستہ آہستہ دم توڑتی گئیں۔ اس کا گلا بھر رہا تھا۔ اب صرف سرسراہٹیں تھیں جو اسے سنائی دے رہی تھیں۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اب مر رہا ہے۔ اس کا ہارٹ ٹیل ہو رہا ہے یا پھر وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے اور اسی وقت اچانک سچے کے پیچھے بڑھ رہی ہوئی کالوں کی زوری ڈھکی ہو گئی۔ ہوش و حواس کھو گئے ہوئے اس کے اعصاب نے ایک بار پھر جھٹکا لیا۔

اس نے نکلا ہو نہت انداز میں دباتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی۔ زوری اور اٹھتی ہوئی گئی۔ شاید مسلسل سچے کی رگڑ لگتے لگتے درمیان سے ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے ہاتھوں کو کچھ اور حرکت دی اور جب اسے احساس ہوا کہ وہ وحشت کے سچے سے آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے بے یقینی کے عالم میں اپنے بازوؤں کو سیدھا کیا۔ رد کی تیز لہریں اس کے بازوؤں سے گزریں۔

"کیا میں دیکھ چکا ہوں؟"

اس نے بے یقینی سے اندھیرے میں اپنے بازوؤں اور ہاتھوں کے پوٹے دیکھے ہوئے سوچا۔ "کیوں؟ کس لئے؟" "ماؤں ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ اس نے اپنی گردن کے گرد موبو اس پنی کو آجرا جو پہلے اس کے منہ کے گرد باندھی گئی تھی، بازوؤں کو دی گئی مصلوبی حرکت سے اس کے منہ سے کراہ گئی تھی۔ اس کے بازوؤں میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ اتنی تکلیف کہ اسے لگ رہا تھا وہ دوبارہ کبھی اپنے بازو استعمال نہیں کر سکے گا۔ اس کی ٹانگیں بھی سن ہو رہی تھیں۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ وہ ٹوکڑا کر بازوؤں کے بل زمین پر گرا۔ بالکل ہی چٹا اس کے منہ سے نکلی۔ اس نے دوسری کوشش ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کی۔ اس بار وہ کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ دونوں لڑکے اس کے جاگڑا اور گھڑی بھی لے جا چکے تھے۔ اس کی جراثیم وہیں کھینچ پڑی تھیں۔ وہ اندھیرے میں انہیں ٹول کر بائیں سکتا تھا مگر بازوؤں اور ہاتھوں کو استعمال میں لانا پڑا اور وہ



اس وقت یہ کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ جسمانی طور پر وہ اب بھی طور پر۔

وہ اس وقت صرف وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہر قسم پر، اندھیرے میں شوکرین کھانا۔  
جہازوں سے اُلجھا خراشیں لیتا وہ کسی نہ کسی طرح اس راستے پر آگیا تھا جس راستے سے وہ دونوں بنا کر  
اسے وہاں لے آئے تھے اور پھر نکلے پاؤں اس نے نیچے کا سفر طے کیا۔ اس کے پیروں میں بھر اور  
نکھر پیاں چھ رہی تھیں مگر وہ جس ذہنی اور جسمانی اذیت کا شکار تھا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ  
یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وقت ہو اتنا گراں ہے یہ اندازہ تھا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ رات بچے  
آنے میں کتنا وقت لگا اور اس سب سے سفر کس طرح طے کیا۔ وہ نہیں چاہتا..... اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ  
پورے راستہ بلند آواز سے روتا رہا تھا۔

اسلام آباد کی سڑکوں پر آکر اس نے لائنس کی روٹوں میں بھی اس نے اپنے حلیے کو دیکھنے کی  
کوشش نہیں کی۔ نہ ہی نہیں رستے کی خواہش کی نہ ہی کسی کی مدد لینے کی۔ وہ اسی طرح روتا ہوا الگ کھڑا  
تدھوس کے ساتھ اس سڑک کے کنارے قہقہے پر پھٹا رہا۔

وہ پولیس کی ایک چوڑا لنگ کار تھی جس نے سب سے پہلے اسے دیکھا اور اس کے پاس آکر رک گئی  
اندروں جو رکا ٹشیل اس کے سامنے نیچے اترے اور اسے روک لیا۔ وہ پہلی بار ہوش و حواس میں آیا تھا مگر  
اس وقت بھی وہ اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا وہ لوگ اب اس  
سے کچھ پوچھ رہے تھے مگر وہ کیا جواب دیتا۔

اگلے چند روز منت میں وہ ایک ہاسٹل میں تھا جہاں اسے فرسٹ ایڈ دی گئی۔ وہ اس سے اس کے گھر  
کا پتہ پوچھ رہے تھے مگر اس کا گناہ تھا۔ وہ انہیں کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں تھا۔ سب سے بڑے ہاتھوں  
کے ساتھ اس نے ایک کاغذ پر اپنے گھر کا فون نمبر اور ایڈریس تحریر کر دیا۔

"ابھی اور کتنی دیر اسے یہاں رکھنا ہے گا؟"

"زیادہ دیر نہیں جیسے ہی ہوش آتا ہے ہم وہاں پر چیک اپ کریں گے۔ پھر پتہ چارج کر دیں گے زیادہ  
شدید جسم کی انجریز نہیں ہیں۔ بس گھر میں کچھ دن تک مکمل طور پر ریست کرنا ہے گا۔"

اس کا ذہن لا شعور سے شعور کا سفر طے کر رہا تھا۔ پہلے جو صرف سب سے ذہنی آوازیں تھیں۔ اب وہ  
افیمیں منہوم پہنارہا تھا۔ آوازوں کو پہچان رہا تھا ان میں سے ایک آواز سکندر عثمان کی تھی۔ دوسری یقیناً  
کسی ڈاکٹر کی۔ سالار نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں یک دم چند سیانگی تھیں۔  
کمرے میں بہت حیرت دہنی تھی پاکم از آسم اسے ایسا ہی لگا تھا وہ ان کے پہلی ڈاکٹر کا پرانہ بے تکلیف تھا۔ وہ  
ایک بار پہلے بھی یہاں ایسے ہی ایک کمرے میں رہ چکا تھا۔ یہ پہچاننے کے لئے ایک فکری کافی تھی اس کا  
ذہن بالکل صحیح کام کر رہا تھا۔

جسم کے مختلف حصوں میں ہونے والے درد کا احساس اسے پھر تو نے لگا تھا۔ اس کے باوجود کہ  
اب وہ ایک بہت نرم اور آرام دہ بستری میں تھا۔

اس کے جسم پر وہ لباس نہیں تھا جو اس نے اس سرکاری ہاسپتال میں پہنا تھا۔ جہاں اسے لے جایا گیا  
تھا۔ وہ ایک اور لباس میں لباس تھا اور یقیناً اس کے جسم کو پانی کی مدد سے صاف بھی کیا گیا تھا کیونکہ اسے  
آدھے بازوؤں والی شرٹ سے جھانکتے اپنے بازوؤں پر کبھی بھی سنی پگڑا نہ تھیں آری تھی۔ اس کی  
کاٹیوں کے گرد پیٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور اس کے بازوؤں پر چھوٹے چھوٹے بہت سے نشانے تھے۔  
بازو اور ہاتھ سوئے ہوئے تھے۔ وہ اندازہ کر سکا تھا کہ اپنے ہی بہت سے نشانے اس کے چہرے اور  
جسم کے دوسرے حصوں پر بھی ہوں گے۔ اسے اپنی ایک آنکھ بھی سوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس  
کے جڑے بھی دکھ رہے تھے مگر اس سے بھی زیادہ برا حال گلے کا تھا۔ اس کے بازو میں ایک ڈارپ تھی  
جوئی تھی جو اب تقریباً ختم ہونے والی تھی۔

پہلی بار اس کو ہوش میں ڈاکٹر نے ہی دیکھا تھا۔ وہ ان کا پہلی ڈاکٹر نہیں تھا۔ شاید اس کے ساتھ  
کام کرنے والا کوئی اور فزیشن تھا۔ اس نے سکندر کو اس کی طرف متوجہ کیا۔  
"ہوش آگیا ہے؟" سالار نے ایک صوفے پر فیزی طیب کو اپنی طرف بلانے دیکھا مگر سکندر آگے  
نہیں آئے تھے۔ ڈاکٹر اب اس کے پاس آکر اس کی بعض چیک کر رہا تھا۔

"اب تم کیسے محسوس کر رہے ہو؟"

سالار جو اب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ وہ صرف منہ کھول کر  
رد کیا۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر اپنا سوال زہر لیا، سالار نے نیچے پر رکھا ہوائی سرنگی میں بادیہ "بولنے کی  
کوشش کرو۔" ڈاکٹر شاید پہلے ہی اس کے گلے کے پرائیم کے بارے میں جانتا تھا۔ سالار نے ایک بار پھر  
لمبی میں سر ہٹا دیا ڈاکٹر نے نرس کے ہاتھ میں بکڑی ہوئی ٹوٹے سے ایک تار جھانکا اور اٹھایا۔

"منہ کھولیں۔" سالار نے دیکھتے جھڑوں کے ساتھ اپنا منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر کچھ دیر اس کے حلق کا  
معائنہ کرتا رہا مگر اس نے مارتھ بند کر دی۔

"مجھے کاٹھیلی چیک اپ کرنا ہے گا۔" اس نے مارتھ سکندر عثمان کو بتایا مگر اس نے ایک دانٹنگ  
پیڈ اور پین سالار کی طرف بڑھایا۔ نرس تب تک اس کے بازو میں لگی ڈارپ اتار چکی تھی۔

"اٹھ کر بیٹھو اور بتاؤ کیا ہوا ہے۔" مجھے کو؟" اسے اٹھ کر بیٹھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ نرس نے  
مجھے اس کے پیچھے رکھ دیا تھا وہ دانٹنگ پیڈ ہاتھ میں لے کر چلا رہا۔

"کیا ہوا تھا؟" مجھے کو، جسم کو، دماغ کو۔" وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھا۔ سوتی ہوئی آنکھوں میں  
پکڑے جین کو وہ دیکھا رہا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اسے اپنی وہ آنکھیں یاد آ رہی تھیں

جنہوں نے اسے اب بولنے کے قابل نہیں سمجھا۔ کیا لکھا جائے یہ کہ مجھے ایک پیرا پر ساری چیزیں سمجھیں کہ باندھ دیا گیا تھا پھر یہ کہ مجھے چند گتوں کے لئے زندہ قبر میں اتار دیا گیا تھا تاکہ مجھے میرے ساتھیوں کا جواب مل جائے۔

"What is next in ecstasy?"

وہ مزید صاف کاغذ کو دیکھتا رہا پھر اس نے مختصر سی تحریر میں اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ تحریر کر دیا۔ ڈاکٹر نے رائلنگ پیپر پر ایک نگران سات آٹھ سطروں پر ڈالی اور پھر اسے سکندر عثمان کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کو چاہئے کہ فوری طور پر پولیس سے رابطہ کریں، تاکہ کار برآمد کی جاسکے، پہلے ہی کافی اور ہو گئی ہے۔ ہاں نہیں وہ گجڑی کہیں سے کہاں لے جائے ہوں گے۔" ڈاکٹر نے ہمدردانہ انداز میں سکندر کو مشورہ دیا۔ سکندر نے رائلنگ پیپر پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں، میں پولیس سے کاغذات کرتا ہوں۔" پھر کچھ دیر ان دونوں کے درمیان اس کے گنگے کے چیک اپ کے سلسلے میں بات ہوئی رہی پھر ڈاکٹر اس کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ اس کے باہر بیٹھے ہی سکندر عثمان نے ہاتھ میں کچھ اور رائلنگ پیپر سالار کے سینے پر دے مارا۔

"یہ جیسوے کا پلندہ اپنے پاس رکھو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر اعتبار کروں گا۔ نہیں کبھی نہیں۔" سکندر بے حد مشتعل تھے۔

"یہ بھی تمہارا کوئی نیا ایڈیوڈنگ ہو گا۔ خود کشی کی کوئی نئی کوشش۔" وہ کہنا چاہتا تھا۔ "نارنگا سبک۔ ایسا نہیں ہے۔" مگر وہ کونوں کی طرف ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ "میں کیا کہوں ڈاکٹر سے کہ اس کو عادت ہے ایسے حادثوں اور ایسی حرکتوں کی، یہ جیسوے ہی ان کا سونے کے لئے ہوا ہے۔"

سالار نے سکندر عثمان کو بھی اس حد تک مشتعل نہیں دیکھا تھا، شاید وہ واقعی اب اس سے گنگے آچکے تھے۔ طیب خاموشی سے پاس کھڑی تھیں۔

"ہر سال ایک نیا قاتل ایک نئی مصیبت، آخر تمہیں پیہ آکر کے کیا کہنا کہ بیٹھے ہیں ہم۔" سکندر عثمان کو یقین تھا یہ بھی اس کے کسی نئے ایڈیوڈنگ کا حصہ تھا جو کڑیا چار بار خود کو مرنے کی کوشش کر سکتا تھا اس کے ہاتھ پاؤں پر جو جو وہ زخموں کو کوئی ڈکیتی قرار نہیں دے سکتا تھا وہ بھی اس صورت میں جب اس واقعے کا کوئی گواہ نہیں تھا۔

سالار کو "خیر آیا خیر آیا" والی کہانی یاد آئی۔ بعض کہانیاں واقعی بگ ہوتی ہیں۔ وہ بار بار جھوٹ

بول کر اب اپنا اعتبار کتنا چکا تھا۔ شاید وہ سب کچھ ہی گنوا چکا تھا۔ اپنی عزت، خود اعتمادی، غرور، فخر، ہر چیز وہ کسی پاتال میں بیٹھ گیا تھا۔

"کوئی پناہ نامہ کئے بدست دن گزر گئے تھے جنہیں تو تم نے سوچا تھا باپ کو محروم کیوں رکھوں، انہیں خوار اور رائل کئے بدست ہو گیا ہے۔ اب نئی تکلیف دی جا رہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے سکندر راہے ٹھیک کہہ دیا ہو۔ آپ پولیس کو گاڑی کے بارے میں اطلاع تو دیں۔" اب طیبہ رائلنگ پیپر پر لکھی ہوئی تحریر پڑھنے کے بعد سکندر سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ ٹھیک کہہ دیا ہے؟ کبھی آج تک ٹھیک کہا ہے اس نے، مجھے اس کیس کے ایک نکتہ پر بھی یقین نہیں ہے۔"

تمہارا یہ بنا کسی دن مجھے اپنی کسی حرکت کی وجہ سے پھانسی پر چڑھا دے گا اور تم کہہ رہی ہو کہ پولیس کو اطلاع دوں، ایسا مذاق ہواؤں۔ کار کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ کیا ہو گا اس نے، سچا دی ہو گی کسی کو، یا نہیں پھینک آیا ہو گا۔"

وہ اب اسے واقعی کالیاں دے رہے تھے۔ اس نے کبھی انہیں کالیاں دیتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ صرف ڈانٹا کرتے تھے اور ان کی ڈانٹ پر بھی مشتعل ہو جاتا تھا۔ چاروں بھائیوں میں وہ واحد تھا جو ماں باپ کی ڈانٹ سننے کا بھی روادار نہیں تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے سکندر بہت تھکا ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ کسی بھی بات پر مشتعل ہو جایا کرتا تھا، مگر آج پہلی دفعہ سالار کو ان کی کالیوں پر بھی ہنسنے لگا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس نے انہیں کس حد تک زچ کر دیا ہے۔ وہ پہلی بار اس بڑے پریشنے اپنے ماں باپ کی حالت کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا چیز تھی جو انہوں نے اسے نہیں دی تھی۔ اس کے منہ سے نکلتے سے پہلے وہ اس کی فرمائش پوری کر اپنے کے عادی تھے اور وہ اس کے بدلے میں انہیں کیا دیتا رہا تھا۔ شاید وہ باتھروم میں آ رہا ہے، پریشانی، تکلیف، اس کے علاوہ اس کے سین بھائیوں میں سے کسی نے ان کے لئے کوئی پریشانی نہیں کمزری کی تھی۔ صرف ایک وہ تھا جو۔۔۔

"کسی دن تمہاری وجہ سے ہم دونوں کو خود کشی کرنی پڑے گی۔ تمہیں تب ہی سکون ملے گا، صرف تب ہی ہمیں آسے گا تمہیں۔"

بچپن کے اس پہاڑ پر اس طرح بندھے ہوئے اسے پہلی بار ان کی یاد آئی تھی۔ پہلی بار اسے پتا چلا تھا کہ اسے ان کی کتنی ضرورت تھی، وہ ان کے بغیر کیا کرے گا، اس کے لئے ان کے علاوہ کون پریشان ہو گا۔

اسے سکندر کے لٹکوں سے زندہ کی میں پہلی بار کوئی بے عزتی محسوس نہیں ہو رہی تھی وہ ہمیشہ سے سکندر کے زیادہ قریب رہا تھا اور اس کے سب سے زیادہ جھگڑنے بھی ان ہی کے ساتھ ہوتے رہے تھے۔



”میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں دوبارہ کبھی تمہاری شکل نہ دیکھوں۔ تمہیں دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں جس جگہ کے بارے میں تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”اب بس کرو سکھو۔“ طبیب نے ان کو ٹوکا۔

”میں بس کروں۔“ یہ کیوں بس نہیں کرتا، کبھی تو قریب کھائے یہ ہم لوگوں پر اور اپنی حرکتیں بھڑکاتے۔ کیا اس پر یہ فرض کر کے اسے زمین پر آچرا کیا تھا کہ یہ جاری زندگی عذاب بنادے۔“

سکندر طبیب کی بات پر حریف مشتعل ہو گئے۔

”ابھی وہ پولیس والے بیان لینے آجائیں گے۔ جنہوں نے اسے سڑک پر پکڑا تھا۔ یہ کہو اس قریب کریں گے ان کے سامنے کہ اس سب بارے کو کسی نے نوٹ لیا ہے۔ اچھا تو یہ ہو تاکہ اس بار واقعی کوئی اسے لوثاوارا سے پہنچا کر اسے نیچے پھینکا تاکہ میری جان چھوٹ جائی۔“

سالار نے اختیار سمجھنے لگا۔ سکندر اور طبیب جو پوچھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑے دور ہاتھ وہ زندگی میں پہلی بار اسے روٹا دیکھ رہے تھے اور وہ بھی ہاتھ جوڑے دو کیا کر رہا تھا! کیا چاہتا تھا! کیا اتار با تھا! سکندر چنانچہ بالکل ریاکت تھے، طبیب اس کے قریب بیٹھ کر بیٹھ گئیں، انہوں نے سالار کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تھپکنے کی کوشش کی۔ وہ بچوں کی طرح ان کے ساتھ لپٹ گیا۔

اس کی پانچویں کی طرف کمرے سکندر عثمان کو اچانک احساس ہوا کہ شاید اس بار وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ شاید اس کے ساتھ واقعی کوئی حادثہ ہوا تھا۔ وہ طبیب کے ساتھ لینا نٹے بچوں کی طرح ہنگاموں سے روہ ہاتھ طبیب اسے چپ کر دے کر اسے کمرے خود بھی رہنے لگیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو کیا بڑی بڑی باتوں پر بھی رونے کا عادی نہیں تھا، پھر آج کیا ہوا تھا کہ اس کے آنسو نہیں رکتے رہے تھے۔

اس سے دور کھڑے سکندر عثمان کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

”اگر یہ میری رات واقعی ہاں بندھا رہا تھا تو ...“

دوسری رات اس کے انتظار میں جاتے رہے تھے اور بگڑتے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ گاڑی لے کر پھر کوئی لاہور یا کیں اور آوارہ گردی کے لئے چلا گیا ہو گا۔ انہیں تشویش پور رہی تھی مگر وہ سالار سکندر کی حرکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے تشویش سے زیادہ افسوس تھا کہ وہ ساری باتیں بیکے کے قریب دوسرے کے لئے چلے گئے تھے جب انہیں خون پر پولیس کی طرف سے یہ اطلاع ملی۔

وہ ہاسٹل پہنچے تھے اور انہوں نے اسے وہاں بہت ابتر حالت میں دیکھا تھا مگر وہ یہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے وہ خود کو اذیت پہنچا چکا تھا جو شخص اپنی کائنات کاٹ سکتا ہے۔ وہ دے کو توڑتے ہوئے ٹریفک کی بھیڑ میں اپنی بانیک دے مارے۔ سلیپنگ پلر لے لے۔ اپنے آپ کو بانٹ کر پانی میں آن کو جاتے۔ اس کے لئے ایک بار پھر اپنی یہ حالت کرنا کیا مشکل تھا۔

اس کا جسم کپڑوں کے کاٹنے کے نشانات سے جگہ جگہ بھرا ہوا تھا۔ بعض جگہوں پر نیلا بہت تھی۔ اس کے چہرے پر بری طرح سے زخمی تھے۔ ہاتھوں کی کمانوں، گردن اور پشت کا بھی یہی حال تھا اور اس کے پیروں پر بھی خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے بارہوا سکندر چنانچہ کو یقین تھا کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی کارستانی ہی ہوئی۔

شاید اس وقت وہ بولنے کے قابل ہو تا اور اساتھیں پیش کر تا تو وہ کبھی بھی اس پر یقین نہ کرتے مگر اسے اس طرح انگلیوں کے ساتھ دوتے و کچے کر انہیں یقین آنے لگا تھا کہ وہ جگہ کبر ہاتھ۔

وہ کمرے سے باہر نکل کے اور انہوں نے سو باگل پر پولیس سے رابطہ کیا۔ ایک گھنٹے کے بعد انہیں پتا چل گیا کہ سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار پہلے ہی پکڑی جا چکی ہے اور اس کے ساتھ دو لڑکے بھی۔ پولیس نے انہیں ایک معمول کی پینٹنگ کے دوران لائنس اور گاڑی کے کاغذات نہ ہونے پر گھبرا جانے پر پکڑا تھا۔ انہوں نے انہیں تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے گاڑی کیس سے لگتی تھی اور صرف یہی کہتے رہے کہ وہ گاڑی انہیں کیس ملی تھی اور وہ صرف شوق اور جھٹس سے بھرا ہو کر چلانے لگے چونکہ پولیس کے پاس ابھی تک کسی گاڑی کی ایف آئی آر بھی رینج نہیں کروائی گئی تھی اس لئے ان کے بیان کی تصدیق مشکل ہو گئی تھی۔

مگر سکندر چنانچہ کی ایف آئی آر کے کچھ دیر بعد ہی انہیں کار کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ اب وہ صحیح معنوں میں سالار کے بارے میں تشویش کا شکار ہوئے تھے۔

\*\*\* - - - \*\*\*

سکندر اور طبیب سالار کو اس رات واپس نہیں لے کر آئے، وہ اس رات ہاسٹل میں ہی رہا لگے۔ دن اس کے جسم کا درد اور سوجن میں کافی کمی واقع ہو چکی تھی۔ وہ دونوں گیارہ بجے کے قریب اسے گھر لے آئے۔ اس سے پہلے پولیس کے دو اہلکاروں نے اس سے ایک لمبا چوڑا قریبی بیان لیا تھا۔

سکندر اور طبیب کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پہلی بار اس نے اپنی کمر کیوں پر غلطی کی تھی۔ مگر وہ انہوں نے انہوں کو دیکھا اسے بے اختیار شرم آئی۔ طبیب اور سکندر بہت بار اس کے کمرے میں آتے رہے تھے اور وہ تصویریں ان کے لئے کوئی نئی یا قابل اعتراض چیز نہیں تھیں۔

”تم اب آرام کرو۔ میں تمہارے فرقہ میں بچل اور جو رس رکھوا رہا ہے۔ بھوک لگے تو کھال کر کھا لینا یا پھر لازم کو بلالینا۔ وہ نکال دے گا۔“

طبیب نے اس سے کہا۔ وہ اپنے پیڑ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر اس کے پاس رہے پھر کمرے کے دروازے برابر کر کے اسے سونے کی تاکید کرتے ہوئے چلے گئے۔ وہ ان کے باہر نکلنے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کیا۔ کمر کیوں کے پردے ہٹا کر اس نے بہت تیزی سے

ان پر لگی ہوئی تمام تصویروں کو آثارِ ناشروع کر دیا۔ پوسٹر، تصویروں، کت، آؤٹ۔ اس نے چند منٹ میں پورا کرو صاف کر دیا تھا۔ اس روم میں جا کر اس نے ہاتھ منہ میں انہیں پھینک دیا۔

داش روم کی لائٹ جلائے پر اس کی نظر اپنے پیڑے پر پڑی تھی۔ وہ بری طرح سوچا اور بتایا وہ ربا تھا وہ اپنے ہی پیڑے کی توقع کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر داش روم سے نکل آیا۔ اس کے کمرے میں پورنو گرافی کے بہت سے میگزین بھی پڑے تھے۔ وہ انہیں اٹھا لیا۔ اس نے انہیں بھی ہاتھ منہ میں پھینک دیا۔ پھر وہ باری باری اپنے ریک میں پڑی ہوئی گندی ویڈیو ڈیوڈ اٹھا کر اس میں سے ٹیپ نکالنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اس کا کارٹ ٹیپ کے ڈھیر سے بھر رہا تھا۔

اس نے وہی موجود تمام ویڈیو کو ضائع کر دیا اور ٹیپ کے اس ڈھیر کو اٹھا کر ہاتھ منہ میں پھینک دیا اور لائٹ کے ساتھ اس نے انہیں آگ لگا دی۔ ایک چنگاری بھڑکی تھی اور تصویریں اور ٹیپ کا ڈھیر جلنے لگا تھا اس نے انہیں اسٹ آف کر دیا۔ ہاتھ روم کی کھڑکیاں کھول دیں وہ اس ڈھیر کو اس لئے جا رہا تھا کیونکہ وہ اس آگ سے بچنا چاہتا تھا جو دوزخ میں اسے اپنی لپٹوں میں لے لیتی۔

"آگ کی لپٹیں تصویریں اور ٹیپ کے اس ڈھیر کو کھاد ہی تھیں۔ یوں جیسے وہ صرف آگ کے لئے بنائی گئی تھیں۔"

وہ پلٹیں پیچھے بغیر ہاتھ منہ میں آگ کے اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا اس جیسے وہ اس وقت کسی دوزخ کے کنارے کھڑا تھا۔ ایک رات پہلے اس پہاڑی پر اس حالت میں اسلام آباد کی روشتیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کی زندگی کی آخری رات تھی اور وہ اس کے بعد دوبارہ کبھی ان روشتیوں کو نہیں دیکھ سکے گا۔

اس نے ہدائی حالت میں گلا پھاڑ کر چیخے ہوئے بار بار کہا تھا "ایک بار، صرف ایک بار، مجھے ایک موقع دیں۔ صرف ایک موقع، میں دوبارہ گناہ کے پاس تک نہیں جاؤں گا۔ میں کبھی گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔" اسے یہ موقع دے دیا گیا تھا اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت تھا۔ آگ نے ان سب کانڈوں کو راکھ بنا دیا تھا اب آگ بجھ گئی تو اس نے پانی کھول کر پانیپ کے ساتھ اس راکھ کو بھینا شروع کر دیا۔

سالار پہلے کر دوبارہ داش روم کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اس کے گلے میں موجود سونے کی چین کے دو لوہے اتر کر لے گئے تھے مگر اس کے کان کی لو میں موجود ذرا غلط لپٹیں وچیں تھا۔ وہ چائیم میں جڑا ہوا تھا اور ان لوگوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شاید ان کا خیال ہو گا کہ وہ کوئی معمولی چھریا پھر زرقون ہو گا یا پھر شاید اس کے لیے کھیلے ہوں کی وجہ سے اس کے کان کی لو بھی رہی ہو گی۔

وہ کچھ دیر آگے میں خود کو دیکھتا رہا پھر اس نے کان کی لو میں موجود وہ چائیم اٹھا کر داش روم کے

پاس رکھ دیا۔ شیونگ کٹ میں موجود کلپر اس نے نکالا اور اپنے بال کاٹنے لگا۔ جی بی روم کے دروازے دروازے کے ساتھ۔ داش روم میں بیٹا ہوا پانی ان باتوں کو اپنے ساتھ بھا کر لے جا رہا تھا۔

ریڈر نکال کر اس نے شیونگ کٹ شروع کر دی۔ وہ جیسے اپنی تمام نشانیوں سے چھپا پھڑا رہا تھا۔ شیونگ کٹ کے بعد اس نے اپنے کپڑے نکالے اپنے ہاتھوں پر بندھی چٹیاں کھولیں اور شاور کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پورا ایک گھنٹہ اپنے پیڑے جسم کے ایک ایک حصے کو کھلے پڑھ پڑھ کر صاف کر رہا۔ یوں جیسے وہ آج پہلی بار اسلام سے متعارف ہو رہا ہو۔ پہلی بار مسلمان ہو رہا ہو۔

داش روم سے باہر آ کر اس نے فریج میں رکھے سیب کے چند ٹکڑے کھائے اور پھر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ دوبارہ اس کی آنکھ دارم سے نکلی جسے اس نے سونے سے پہلے لگا ہوا دیکھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"مائی گاؤ سالار! اپنے ہاتھوں کو کیا کیا ہے تم نے؟" طیبہ است دیکھتے ہی کچھ دیر کے لئے بھول گئیں کہ وہ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ سالار نے اپنی ریب سے ایک کانڈ نکال کر ان کے سامنے کر دیا۔

"میں مار کیت جانا چاہتا ہوں۔" اس پر لکھا ہوا تھا۔

"کس لئے؟" طیبہ نے اسے جرات سے دیکھا۔

"تم ابھی ٹھیک نہیں ہوئے ہو۔ کچھ کھینے ہوئے ہیں تمہیں باہر سے آئے اور تم ایک بار پھر آوارہ گردی کے لئے نکلتا چاہتے ہو۔" طیبہ نے اسے قدرے نرم آواز میں مہر کا۔

"مئی! میں کچھ کتابیں خریدنا چاہتا ہوں۔" سالار نے ایک بار پھر کانڈ پر لکھا "میں آوارہ گردی کرنے کے لئے نہیں جا رہا۔"

طیبہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "تم ذرا نیور کے ساتھ چلے جاؤ۔" سالار نے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

وہ جس وقت مار کیت کی پارکنگ میں گاڑی سے آخری شام ہو چکی تھی۔ مار کیت کی روشتیاں وہاں جیسے رنگ و نور کا ایک سیلاب لے آئی تھیں۔ وہ جگہ جگہ پھرتے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ مغربی شہر سات میں طیس بے نظری اور لاہروائی سے قہقہے لگاتے ہوئے اسے زندگی میں پہلی بار اس جگہ سے احسٹ ہوئی تھی۔ وہی وحشت جو وہاں تالیس گھنٹے پہلے مار کیت کی ان پہاڑیوں پر محسوس کر رہا تھا۔ وہ ان ہی لڑکوں میں سے ایک تھا لڑکیوں سے بچھڑا کر مرنے والا۔ بلند دبانگ قہقہے لگنے والا، فضول اور بے ہودہ باتیں کرنے والا اپنا سر نیچے کئے وہ کبھی بھی چیز پر دھیان دینے بغیر سامنے نظر آنے والی بک شاپ میں چلا آیا۔

اپنی جیب سے کانڈ نکال کر اس نے کانڈار کو اپنی مطلوبہ کتابوں کے بارے میں بتایا۔ وہ قرآن









راہ تھا۔ وہ سب کچھ بھولنا چاہتا تھا۔ وہ سب جو وہ کرتا رہا، وہ کچھ بھی بھلانے کے قابل نہیں تھا۔ کوئی اس سے اس کی تکلیف پوچھتا۔

۵۶ ..... ۵۵ ۵۷

یونیون واپس آنے کے بعد اس نے زندگی کے ایک نئے سر کو شروع کیا تھا۔ اس رات اس جنگل کے ہولناک اندھیرے اور تنہائی میں اس درخت کے ساتھ بندھے بیٹھے ہوئے کئے کئے گئے تمام وعدے یاد تھے۔

وہ سب سے بالکل الگ ٹھٹھک رہے لگا تھا۔ "مہولی سے رابطہ اور قسطن کے بھی بغیر۔" مجھے تم سے نہیں ملنا۔

وہ صاف کو تو بیٹھ سے ہی تھا مگر اس حد تک ہو جائے گا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اس کی توقع نہیں تھی۔ چند ہفتے اس کے بارے میں اس کا گروپ چہ سنگو کیاں کرتا رہا پھر یہ چہ سنگو کیاں اجتماعات اور تھروں میں تبدیلی ہو گئیں اور اس کے بعد طرہ جملوں اور ناپائیدگی میں پھر سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے۔ سالار سکندر گہی کی زندگی کا مرکز اور محور نہیں تھا۔ دوسرا کوئی اس کی زندگی کا۔ اس نے یونیون میں خلیج کے بعد جو چند کام کئے تھے اس میں جلال ناصر سے ملاقات کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ پاکستان سے واپس آئے ہوئے اس کے گھر سے امریکہ میں اس کا پتہ نہیں لے آیا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کا ایک کزن بھی اسی ہاسٹل میں کام کر رہا تھا جہاں جلال کام کر رہا تھا۔ باقی کا کام بہت آسان رہتا ہے جو ضرورت سے زیادہ آسان۔

وہ اس سے ایک بار مل کر اس سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔ اسے ان تمام بھونوں کے بارے میں بتانا چاہتا تھا جو وہ اس سے امام کے بارے میں اور امام سے اس کے بارے میں بولتا رہا تھا۔ وہ ان دونوں کے تعلق میں اپنے رول کے لئے شرمندہ تھا۔ وہ اس کی مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ وہ جلال ناصر تک پہنچ چکا تھا اور وہ امام باشم تک پہنچنا چاہتا تھا۔

وہ جلال ناصر کے ساتھ ہاسٹل کے کچے پیریا میں بیٹھا ہوا تھا۔ جلال ناصر کے چہرے پر بے حد تنہائی تھی اور اس کے ہاتھ پر پڑے ہوئے مل اس کی مدافعت کو ظاہر کر رہے تھے۔ سالار کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا اور جلال ناصر سے اپنے سامنے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس نے جلال سے چند منٹ بات کی تھی۔ وہ دیکھتے انتظار کر رہے تھے کہ بعد والا خیریت پھر نہیں آگیا تھا۔ "سب سے پہلے تو میں یہ جانتا چاہوں گا کہ تم نے مجھے ڈھونڈا کیسے؟" اس نے آپ جہاں سے تمام شکلات کو برطرف رکھتے ہوئے پھیل پر بیٹھے ہی سالار سے کہا۔

"یہ اہم نہیں ہے۔"

"یہ بہت اہم ہے۔ اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ میں کچھ دیر تمہارے ساتھ یہاں گزاروں تو مجھے بتانا چاہیے کہ تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا؟"

"میں نے اپنے کزن سے مدد لی ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اس شہر میں بہت عرصے سے کام کر رہا ہے۔ میں یہ نہیں جانتا اس نے آپ کو کیسے ڈھونڈا ہے۔ میں نے صرف اس کو آپ کا نام اور کچھ دوسری معلومات دی تھیں۔" سالار نے کہا۔

"کیا...؟" جلال نے بڑے رسمی انداز میں کہا، وہ نہیں پر اتنے ہوئے اپنا لٹائلٹ ساتھ لے کر آیا تھا۔

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا۔" سالار نے شکر یہ کے ساتھ معذرت کر لی۔

جلال نے کندھے سے اپکاٹے اور کھانا شروع کر دیا۔

"کس معاملے میں بات کرنا چاہتے تھے تم مجھ سے؟"

"میں آپ کو چند حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔"

جلال نے اپنی ہاتھیں اپکائیں۔ "حقائق؟"

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے آپ سے بھوت لیا تھا۔ میں امام کا دوست نہیں تھا۔ وہ میرے دوست کی بہن تھی۔ صرف میری ٹیکسٹ اور neighborhood نے کھانا جاری رکھا۔"

"میری اس سے مہولی جان بچا رہی تھی۔ وہ بھی صرف اس لئے کیونکہ ایک بار اس نے مجھے فرسٹ ایڈ دے کر میری جان بچائی تھی۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی خود میں بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ میری بہت گہری دوست تھی۔ میں آپ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنا چاہتا تھا۔"

جلال تنہائی کی اس کی بات سنتے ہوئے کھانا کھا چ رہا۔

"اس کے بعد جب امام گھر سے نکل کر آپ کے پاس آنا چاہتی تھی تو میں نے اس سے بھوت لیا۔ آپ کی شادی کے بارے میں۔"

اس بار جلال کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔ "میں نے اس سے کہا کہ آپ شادی کر چکے ہیں۔ وہ آپ کے پاس ہی لے نہیں آئی تھی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میں نے بہت بے مزاج حرکت کی ہے مگر اس وقت تک وہ جو بچی تھی۔ امام سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا مگر یہ ایک اتفاق ہے کہ آپ سے میرا رابطہ ہو گیا۔ میں آپ سے اگلی بار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری معذرت قبول کرتا ہوں مگر میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری وجہ سے میرے اور امام کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی، میں پہلے ہی اس سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔" جلال نے بڑی

ساف گوئی سے کہا۔

”وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھی۔“ سالار نے دھیمی آواز میں کہا۔

”ہاں میں جانتا ہوں مگر شادی وغیرہ میں صرف محبت تو نہیں دیکھی جاتی اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے۔“ جلال بہت حقیقت پسندانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جلال! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔“

”یکلی بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ رابطہ ہو جا بھی تب بھی میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔“

”اس کو آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔“ سالار نے کہا۔

”میں نہیں سمجھتا کہ اسے میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تو بہت عرصہ گزر چکا ہے اب تک وہ کوئی نہ کوئی سہارا تلاش کر چکی ہوگی۔“ جلال نے اطمینان سے کہا۔

”ہو سکتا ہے اس نے ایسا نہ کیا ہو۔ وہ ابھی بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔“

”میں اس طرح کے امکانات پر غور کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرے لئے اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر شادی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ ابھی اس سے۔“

”نیکوں۔“

”اس کیوں کا خراب میں نہیں کیوں دوں۔ تمہارا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اس سے کیوں شادی نہیں کرتا چاہتا۔ میں تب ہی اسے چاہتا ہوں اور اسے مجھے کے بعد تم دوبارہ

آکر بھروسہ پیڑہر ابا کس کھولنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ جلال نے قدرے ناراضی سے کہا۔

”میں صرف اس نقصان کی سلائی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو میری وجہ سے آپ دونوں کا ہوا۔“ سالار نے نرمی سے کہا۔

”میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور ابا۔ کا بھی نہیں ہوا ہو گا۔ تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہے ہو۔“

جلال نے سالار کے چند کلمات سنہ میں ڈالنے ہوئے اطمینان سے کہا۔ سالار اسے دیکھتا رہا۔ وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ اسے اپنی بات کیسے سمجھائے۔

”میں اس کو ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”مگر میں اسے ڈھونڈنا نہیں چاہتا۔ شادی مجھے اس سے نہیں کرنی تو پھر ڈھونڈنے کا فائدہ۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”آپ جانتے ہیں اس نے کس لئے مگر چھوڑا تھا؟“

”میرے لئے ہر حال نہیں چھوڑا تھا۔“ جلال نے بات کاٹی۔

”آپ کے لئے نہیں چھوڑا تھا مگر جن وجوہات کی بنا پر چھوڑا تھا کیا ایک مسلمان کے طور پر آپ

کو اس کی مدد نہیں کرنی چاہئے جب کہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ لڑکی آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ آپ سے بہت انسپازا ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں کوئی واحد مسلمان نہیں ہوں اور نہ ہی مجھ پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ میں اس کی مدد ضرور کروں۔ میری ایک ہی لڑکی ہے اور میں اسے کسی دوسرے کی وجہ سے تو خراب نہیں کر سکتا اور پھر تم بھی مسلمان ہو۔ تم کیوں نہیں شادی کرتے اس سے؟ میں نے تو جب بھی تم سے کہا تھا کہ تم اس سے شادی کر لو۔ تم ویسے بھی اس کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہو۔“

جلال انصر نے قدرے چپچپے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ اسے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ اس سے شادی کر چکا ہے۔

”شادی۔“ وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔“ اس نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں اسے سمجھا سکتا ہوں۔ تم میرا اس سے رابطہ کرو اور تو میں اسے تم سے شادی پر تیار کر لوں گا۔ اچھے آدمی تو تم۔ اور خاندان وغیرہ بھی لمحیک ہی وہ گا تمہارا۔ پور تو بڑا سال پہلے بھی یہی شائد ارکھی ہوئی تھی تم نے۔ اس کا مطلب ہے روپیہ وغیرہ ہو گا تمہارے پاس۔ ویسے یہاں کس لئے ہو؟“

”اچھا بیوے کر رہا ہوں۔“

”پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اب تمہیں مل جائے گی۔ روپیہ ویسے بھی تمہارے پاس ہے۔ لڑکیوں کو اور کیا چاہئے۔ ابا تو ویسے بھی تمہیں جانتا ہے۔“ جلال نے ہنسی جاتے مسئلہ حل کیا تھا۔

”سارا مسئلہ تو اسی“ جانتے“ نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ مجھے ضرورت سے زیادہ جانتی ہے۔“ سالار نے جلال کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

”وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔“ سالار نے جیسے اسے یاد دلایا۔

”اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ لڑکیاں کچھ زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اس معاملے میں۔“

جلال نے قدرے بیزارگی سے کہا۔

”یہ دن سائیز ڈیوالمیر تو نہیں ہو گا۔ آپ کسی نہ کسی حد تک اس میں اولو تو ضرور ہوں گے۔“

سالار نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں تو زیادہ بہت اولو تھا مگر وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ترجیحات بھی بدلتی رہتی ہیں انسان کی۔“

”اگر آپ کو وقت اور حالات کے ساتھ اپنی ترجیحات بدلتی تھیں تو آپ کو اس کے بارے میں ابا کو اولو ہوتے ہوئے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔ تم از کم اس سے یہ ہوتا کہ وہ آپ سے مدد کی توقع رکھتا۔“



ہی آپ پر اس قدر انحصار کرتی۔ میں اُمید کر رہا ہوں آپ یہ قوانین کہیں گے کہ آپ نے اس سے شادی کے خوا لے سے کبھی کوئی بات یاد دہ کر کہا ہی نہیں تھا۔"

جلال کچھ کہنے کے بجائے خوشگلیں انہوں سے لے لے دیکھتا رہا۔

”تم مجھے کیا جتانے اور بتانے کی کوشش کر رہے ہو؟“ اس نے چند لمحوں کے بعد اگڑے ہوئے

$$-k_1 = \frac{1}{\tau} \ln \frac{1}{1 - \alpha}$$

”اس نے جب مجھ سے پہلی بار ملے کیا تھا تو آپ کا فون نمبر اور ایڈریس مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے پوچھوں آپ نے اپنے جیس سے ملائی کی بات کر لی ہے۔ میں نے اسے اپنا فون دیا تھا کہ وہ آپ سے یہ بات غور پوچھ لے۔ یقیناً سلام آباد آئے سے پہلے آپ نے اس سے یہ کہا ہو گا کہ آپ اس سے ملائی کے لئے اپنے جیس سے بات کریں گے۔ آپ نے یقیناً پہلے محبت و غمیرہ کے وطنہار کے بعد اسے برویڈر کیا ہو گا۔“

جلال نے کچھ برہمی سے اس کی بات کاٹی۔ ”میں نے اسے پروا دینا نہیں کیا تھا۔ اس نے مجھے پروا دیا۔“

”مالیچیتا ہوئی اس نے پروا نہ کیا۔ آپ نے کیا کیا؟“ انکار کر دیا: ”وہ پہنچ کر نے والے انداز میں“

—  $\frac{1}{2} \frac{d}{dt} \left( \frac{1}{2} \frac{d}{dt} \right)$

”اگر میں کیا ہو گا۔“ سہارا ٹیپ سے انداز میں منکر ہوا۔

”اُس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نعمت بہت اچھی پڑھتے ہیں اور آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بہت محبت ہے۔ آپ کو بھی بتایا ہو گا اُس نے کہ وہ آپ سے محبت کیاں کرتی تھی مگر آپ سے مل کر اور آپ کو جان کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ آپ نعمت بہت اچھی پڑھتے ہوں گے مگر جہاں تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آپ کو ہے۔ میں خود کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہوں اور محبت کے بارے میں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں مگر اتنا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا کوئی کر تا ہے یا لوگوں کو یہ امیر بخشن دیتا پھر تا ہے وہ دوسرے لئے بھیلوں کو نہیں جھٹک سکتا ہی وہ کسی کو دھوکا دے کر دے گا۔“ سارا اُنھ کے کلمہ اُردا گیا۔

”اور میں تو آپ سے ویکوئسٹ کر رہا ہوں اس کی بدولت لے۔ جو سکتا ہے اس نے بھی ڈیڑھ سال پہلے کی ہو پھر بھی اگر آپ انگارہ حاضر ہیں تو۔ میں یا کوئی آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتا مگر آپ سے مل کر اور آپ سے بات کر کے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔“

اس نے الوداعی مصافحہ کے لئے جہاں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جہاں نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا، وہ

مغفر بھرتے اعدائے میں ماتھے پر ہاتھ لگاتے است ویکھتا رہا۔

”خدا حافظ۔“ سناؤ نے اپنا ہاتھ چھپے کر لیا۔ جلال اسی انداز میں اسے جاؤد کھتا رہا اور پھر اس نے خود گلائی کی۔ ”It's really an Indian's world out there.“

۱۰۰ ہار دینے والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا سوچا بے حد آف ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جلال العصر سے ملاقات کے بعد وہ اپنے احساسات کو کوئی نام دینے میں ناکام ہو رہا تھا۔ کیا اسے اپنے بچپن سے آواز ہو جانا چاہیے؟ کیونکہ جلال نے یہ کیا تھا کہ سالانہ سچ میں نہ آتا تو بھی وہ امام سے شادی نہیں کرتا اور جلال العصر سے بات کرنے کے بعد اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ امام کے لئے اس کے احساسات میں کوئی گہرائی نہیں تھی مگر یہ شاید اس کے لئے بہت سے نئے سوال پیدا کر رہا تھا۔ وہ جلال سے قریب ملا تھا۔ زیادہ سال پہلے اس نے جلال کے ساتھ اس طرح بات کی تھی تو شاید اس پر ہونے والا اثر مختلف ہو گا۔ جب امام کے لئے اس کے احساسات کا پتہ مختلف ہو گا تو شاید زیادہ سال پہلے وہ امام کے بارے میں اس بے حس کا مظاہرہ نہ کرنا جس کا مظاہرہ اس نے آج کیا تھا۔ وہ ایک ذہنی اور میں اپنے کندھوں سے جو بیٹا ہوا محسوس کرتا اور اگلی ذہنی روستا پر انجمن کا شکار کر رہی تھی۔

$$\tau_1^h, \dots, \tau_k^h, \dots, \tau_n^h$$

انجمنی اے کا دوسرا سال بہت پر سکون گزرا تھا۔ چھ ماہی کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی سرگرمی نہیں رہی تھی۔ وہ گیمز پر صرف دلکش میں ہی اپنے کام کا فیروز کے ساتھ محنت کر تا یا پھر روپ پر ڈیٹس کے حیلے میں ان کے ساتھ وقت گزارتا۔ باقی کام اوقات وہ لاہور کی شاں گزار دیتا۔ ایک ایچ پر اس کی واحد سرگرمی اسلامک میگزین چلانا تھا جہاں وہ ایک عرب سے قرآن پاک کا ترجمہ کرتا دیکھا کرتا تھا پھر وہ قرآن پاک کے ان اسباق کو دہرایا کرتا پھر اسی عرب سے اس نے عربی زبان سیکھنا شروع کر دی۔

حاجہ عبدالرحمان تاجی دو عرب، بنیادی طور پر ایک میڈیکل لیجنٹ تھے اور ایک باصلاحیت سائنس دان تھے۔ وہ ایک اینڈریو واپس آکر عربی زبان اور قرآن پاک کی کلاسز لیا کرتا تھا۔ وہ اس کام کو کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے بلکہ اسلئے کہ سیکڑی لائبریری میں موجود کتابوں کی ایک بڑی تعداد بھی اسی کے، اسٹوڈنٹ اور ریٹائرڈ واروں کی طرف سے ادا کی جاتی تھی۔

قرآن پاک کی اس حق کلام کے دو رہن ایک دن اس نے سہارا سے کہا۔

”تم قرآن پاک حفظ کیوں نہیں کرتے؟“ ماما راس کے اس تجویز پر سوالیہ چہرہ لائی ہے اس کا منہ دیکھئے گا۔

"میں میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"کیوں... تم کیوں نہیں کر سکتے؟" خالد نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"یہ بہت مشکل ہے اور پھر میرے جیسے آدمی، نہیں میں نہیں کر سکتا۔" سالار نے چند لمحوں کے

بعد کہا۔

"تمہارا ذہن بہت اچھا ہے بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ میں نے اپنی آج تک کی زندگی میں تم سے زیادہ ذہین آدمی نہیں دیکھا یعنی تیرا تباری سے تم نے اسے مختصر عرصہ میں اتنی چھوٹی بڑی سورتیں یاد کی ہیں کوئی اور نہیں کر سکا اور جتنی چیز تباری سے تم عربی سیکھ رہے ہو میں اس پر بھی حیران ہوں جب ذہن اس قدر زرخیز ہو اور دنیا کی ہر چیز سیکھ لینے اور یاد رکھنے کی خواہش ہو تو قرآن پاک کیوں نہیں۔ تمہارے ذہن پر اللہ کا بھی حق ہے۔" خالد نے کہا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھے۔ مجھے سمجھے کہ کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بہت مشکل ہے۔ میں اس عمر میں یہ نہیں سیکھ سکتا۔" سالار نے وضاحت کی۔

"جب کہ میرا خیال ہے کہ جہیں قرآن پاک حفظ کرنے میں بہت آسانی ہوگی۔ تم ایک بار اسے حفظ کرنا شروع کر دو، میں کسی اور کے بارے میں قویہ و عوی نہ کرنا مگر تمہارے بارے میں، میں اطمینان سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نہ صرف بہت آسانی سے اسے حفظ کر لو گے بلکہ بہت کم عرصے میں۔"

سالار نے اس دن اس موضوع کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔

مگر اس رات اپنے پارٹنر پر والپس آنے کے بعد وہ خالد عبدالرحمان کی باتوں کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ اس کا خیال تھا خالد عبدالرحمان دوبارہ اس کے بارے میں اس سے بات نہیں کرے گا۔ مگر اگلے دن خالد عبدالرحمان نے ایک بار پھر اس سے یہی سوال کیا۔

سالار بہت ام چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے مدغم آواز میں خالد سے کہا۔

"مجھے خوف آتا ہے۔"

"کس چیز سے؟"

"قرآن پاک حفظ کرنے سے؟" خالد نے قدرے خیراتی سے پوچھا۔

سالار نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"کیوں؟" وہ بہت دیر خاموش رہا پھر کارہنہ پر اپنی انگلی سے گھیریں کھینچنے اور انہیں دیکھتے

ہوئے اس نے خالد سے کہا۔

"میں بہت گناہ کر چکا ہوں، اسے گناہ کہ مجھے انہیں گناہ بھی مشکل ہو جائے گا۔ صغیرہ کبیرہ گناہ جو انسان سوچ سکتا ہے یا کر سکتا ہے۔ میں اس کتاب کو اپنے سینے یا ذہن میں محفوظ کرنے کا سوچ بھی نہیں

سکتا۔ میرا سینہ اور ذہن پاک تو نہیں ہے۔ میرے سینے لوگ اسے اسے حفظ کرنے کے لائق نہیں دیتے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

خالد کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ابھی بھی آواز کرتے ہو؟" سالار نے نفی میں سر ہلادیا۔ "تو پھر کس چیز کا خوف ہے تم اگر قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہو، اپنے ان سارے گناہوں کے باوجود تو پھر اسے حفظ بھی کر سکتے ہو اور پھر تم نے گناہ کئے مگر تم اب گناہ نہیں کرتے۔ یہ کافی ہے۔ اگر اللہ یہ نہیں چاہے گا کہ تم اسے حفظ کرو تو تم اسے حفظ نہیں کر سکو گے چاہے تم کچھ کوشش کرو اور اگر تم خوش قسمت ہو گے تو تم اسے حفظ کر لو گے۔" خالد نے چٹکی بجاتے ہوئے جیسے یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

سالار اس رات جاگ رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد اس نے پہلا پارہ کھول کر کا پتے پانچوں اور زبان کے ساتھ حفظ کرنا شروع کیا۔ اسے حفظ کرتے ہوئے اسے احساس ہونے لگا کہ خالد عبدالرحمان ٹھیک کہتا تھا۔ اسے قرآن پاک کا بہت سا حصہ پہلے ہی یاد تھا۔ خوف کی وہ کیفیت جو اس نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کرتے ہوئے محسوس کی تھی وہ زیادہ دیر نہیں رہی تھی۔ اس کے دل کو کہیں سے استقامت ملی رہی تھی۔ کیا اس سے؟ کوئی اس کی زبان کی لڑکھن بہت دور کر رہا تھا۔ کون...؟ کوئی اس کے ہاتھوں کی سبکیا بہت قسم کر رہا تھا کیوں؟

بچہ کی نواز سے کچھ دیر پہلے وہ اس وقت بے تحاشہ رو رہا تھا کہ اس نے کھیلے پانچ ٹھٹھے میں یاد کئے ہوئے سبق کو کبھی یاد رکھ کر دہرایا۔ وہ کہیں نہیں اٹھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بھولا تھا۔ زیر کی کوئی غلطی نہیں، آخری چند جملوں پر اس کی زبان پہلی بار سبکیا پانے لگی تھی۔ آخری چند جملے اوکرتے ہوئے اسے وقت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس وقت آٹھ سوڑوں سے رو رہا تھا۔

"اگر اللہ یہ چاہے گا اور تم خوش قسمت ہو گے تو تم قرآن پاک حفظ کر لو گے اور کچھ بھی کر لو، نہیں کر پاؤ گے۔" اسے خالد عبدالرحمان کی بات یاد آرہی تھی۔

بچہ کی نواز اور کرنے کے بعد اس نے کیسٹ پر اپنی زندگی کے اس پہلے سبق کو یاد رکھا تھا۔ ایک بار پھر اسے کئی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ روانی اور لہجے میں پہلے سے زیادہ فصاحت تھی۔

اس کی زندگی میں ایک ہی چیز شامل ہو گئی تھی۔ اس پر ایک اور انسان کر دیا گیا تھا مگر اس کا پریشانی ختم نہیں ہوا تھا۔ وورات کو سلیپنگ پلو کے بغیر نیند کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور سلیپنگ پلو بچنے کے باوجود وہ کبھی اپنے کمرے کی لائٹس آف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تاریکی سے خوف کھاتا تھا۔

یہ پھر خالد عبدالرحمان ہی تھا جس نے ایک دن اس سے کہا تھا۔ وہ اسے قرآن پاک کا سبق زبانانی سنا رہا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ خالد عبدالرحمان مسلسل اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا



دب اس نے اپنا سب کچھ ختم کیا اور پانی کا گلاس اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا تو اس نے خالد کو کہتے سنا۔

"میں نے کل رات تمہیں خواب میں جگ کرتے دیکھا ہے۔"

سالار نے اس سے جاننے والا پانی حلق سے اُتار نہیں سکا۔ گلاس پیچے رکھتے ہوئے خالد کو دیکھنے لگا۔

"اس سال تمہارا ایم بی اے ہو جائے گا۔ اگلے سال تم جج کرو۔"

خالد کا لہجہ بہت نرم تھی تھا۔ سالار نے منہ میں سوچا وہ پانی غیر محسوس انداز میں حلق سے نیچے اُتار لیا۔

وہ اس دن اس سے کوئی سوال جواب نہیں کر سکا تھا۔ اس کے پاس کوئی سوال تھا تو نہیں۔

ایم بی اے کے فائنل سسٹم سے دو مہینے پہلے اس نے قرآن پاک کی پہلی بار حفظ کر لیا تھا۔ فائنل سسٹم

کے چار مہینے کے بعد سارا سسٹم کی عمر میں اسے اپنی زندگی کا پہلا جج بنایا گیا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے

وہاں سے آتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی تکبر، کوئی تقطر، کوئی شک، کچھ بھی

نہیں۔ اس کے ساتھ پانچ سو فیصد کی کسپ میں ساتھ جانے والے شاید وہ لوگ ہوں گے جو خوش قسمت ہوں

گے۔ انہیں ان کی نیکیوں کے عوض وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ اپنے نامہ اعمال سے واقف تھا۔ اسے صرف

معافی اور درخشاہوں کے لئے بلایا گیا تھا۔ وہ قرآن پاک حفظ نہ کر رہا ہوتا تو جج کرنے کا سوچنا بھی نہیں۔

جو شخص حرم شریف سے دور اللہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کعبہ کے

سامنے پہنچ کر اللہ کا سامنا کر لے گا وہ ہر جگہ جاسے کو تیار ہو جاتا۔ مگر خانہ کعبہ جانے کی جرأت نہیں کر

سکتا تھا۔

مگر خالد عبدالرحمان کے ایک بار کہنے پر اس نے جیسے کھلے نپکتے ہوئے جج پر جانے کے لئے ہچہڑ

میں نہراوے تھے۔

لوگوں کو جج پر جانے کا موقع جب ملنا تھا جب ان کے پاس گناہ نہیں ہوتے۔ ٹیکسوں کا حق ادا ہوتا

ہے۔ سالار سکتا ہو کہ یہ موقع جب ملنا تھا جب اس کے پاس گناہوں کے علاوہ ابھی کچھ بھی نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، اگر میں گناہ کرنے سے خوف نہیں کھاتا ہا تو پھر اب مجھے اللہ کے سامنے جانے

اور معذرت کرنے سے بھی خوف نہیں کھانا چاہئے۔ صرف یہی ہے تاکہ میں وہاں سر نہیں اٹھا سکوں گا۔

فطرس ہو پر نہیں کر سکوں گا۔ منہ سے معافی کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں نکال سکوں گا تو ٹھیک ہے مجھے یہ

مرا بھی ملنی چاہئے۔ میں تو اس سے زیادہ شرمندگی اور بے عزتی کا مستحق ہوں۔ ہر بار جج پر کوئی نہ کوئی

شخص ایسا آتا ہو گا، جس کے پاس گناہوں کے علاوہ اور کچھ ہو گا تو نہیں۔ اس بار وہ شخص میں سبھی سالار

سکتا رہی سکتی۔" اس نے سوچا تھا۔

☆.....☆

گناہ کا یہ جو کیا ہو چاہے اور تواری اپنے گناہ کے بلجھ کو کس طرح قیامت کے دن اپنی پشت سے اُتار

پھینکنا چاہے گا کس طرح اس سے دور بھاگنا چاہے گا کس طرح اسے دوسرے کے کندھے پر ڈال دینا

چاہے گا۔ یہ اس کی سمجھ میں حرم شریف میں پہنچ کر حق آیا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر وہ اپنے پاس موجود اور

آنے والی ساری زندگی کی دولت کے عوض بھی کسی کو وہ گناہ بیچ چاہتا تو کوئی یہ تیار نہ کرتا۔ کاش

آدمی کسی مال کے عوض اپنے گناہ بیچ سکتا۔ کسی ہجرت کے طور پر وہ سروں کی نیکیاں مانگنے کا حق رکھتا۔

لاکھوں لوگوں کے اس جھوم میں دو سفید چادر میں اوڑھے کون جانتا تھا سالار سکتا ہو کون تھا؟ اس

کا آئی کیو لیول کیا تھا، کسے پڑا تھی۔ اس کے پاس کون سی اور کہاں کی ڈگری تھی، کسے ہوش تھا۔ اس نے

زندگی کے میدان میں کتنے تعلیمی دیکھاؤ توڑے اور جاتے تھے، کسے ٹیچر تھے وہ اپنے ذہن سے کون سے

میدان تغیر کرنے والا تھا، کون رہنما بننے والا تھا۔

وہ وہاں اس جھوم میں ٹھہر کر کہا کر کہتا تھا۔ جھگڑوں میں رو نہ اجاتا۔ اس کے اوپر سے گزرنے والی

حلقہ میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچتا کہ انہوں نے کیسے مبلغ کو کھو دیا تھا۔ کس آئی کیو لیول کے طالب

آدمی کو کس طرح ختم کر دیا تھا۔

اسے دنیا میں اپنی اوقات، اپنی اہمیت کا پتہ چل گیا تھا۔ اگر کچھ مخالف رہ بھی گیا تھا تو اب ختم ہو گیا

تھا۔ اگر کچھ شب باقی تھا تو اب دور ہو گیا تھا۔

فقر، تکبر، رشک، اور خود پسندی، خود ستائشی کے ہر پہلو سے ہونے لگے۔ کوئی نہ کر اس کے اندر سے

بچ سکتا تھا۔ وہ ان حق آلائشوں کو دور کر دینے کے لئے وہاں آتا تھا۔

☆.....☆

ایم بی اے میں اس کی شاندار کامیابی کسی کے لئے بھی حیران کن نہیں تھی۔ اس کے اچھا نمٹ

میں ہر ایک کو پہلے سے ہی اس کا اندازہ تھا۔ اس کے اور اس کے کلاس فیلوز کے پڑچکنے اور اساتذہ

میں اتنا فرق ہوتا تھا کہ اس کے پروفیسرز کو یہ ماننے میں کوئی حار نہیں تھا۔ وہ مقابلے کی اس دور میں اس

گمراہی سے دور رہتا تھا اور ایم بی اے کے دوسرے سال میں اس نے اس کا سب سے اچھا اور جواہر بنا دیا تھا۔

اس نے وٹرن شپ اقامت حرم کی ایک انجینیئر میں کی تھی اور اس کا ایم بی اے مکمل ہونے سے پہلے

ہی اس انجینیئر کے علاوہ اس کے پاس سات مختلف ایلی میٹل انجینیئر کی طرف سے آفرز موجود تھیں۔

"تم ہم آگے کیا کرنا چاہتے ہو؟" اس کے رزلٹ کے متعلق جاننے کے بعد سکتا ہو جانے نے اپنے

پاس بلا کر پوچھا تھا۔

"میں وہاں امریکہ جا رہا ہوں۔ میں پلاننگ انجینئر کے ساتھ حق کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا بزنس شروع کرو یا میرے بزنس میں شامل ہو جاؤ۔" سکتا ہو جانے

نے اس سے کہا۔

"ہی! میں بزنس نہیں کر سکتا۔ بزنس والا فیئر اسٹ نہیں ہے میرا۔ میں جاب کرنا چاہتا ہوں اور میں پاکستان میں رہنا بھی نہیں چاہتا۔" سکندر حجتان حیران ہوئے۔ "تم نے پہلے بھی ذکر نہیں کیا کہ تم پاکستان میں رہنا نہیں چاہتے۔ تم مستقل طور پر امریکہ میں میٹل ہونا چاہتے ہو؟"

"پہلے میں نے امریکہ میں میٹل ہونے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب میں وہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

وہ ان سے یہ کہنا نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان میں اس کا ذہن پریشان ہونے لگا ہے۔ وہ مسلسل امام کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ وہیں رہنے اسے امام کی یاد دلاتی تھی۔ اس کے بچپن کے اور احساس جرم میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

"میں یہاں ایلی جسٹ نہیں ہو سکتا۔" سکندر حجتان کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"ملا لکھ میرا خیال ہے تم ایلی جسٹ ہو سکتے ہو۔"

سالار جانتا تھا ان کا شمار وہ کسی طرف تھا مگر وہ خاموش رہا۔

"جواب کرنا چاہتے ہو؟ ٹھیک ہے۔ چند سال جاب کر لو لیکن اس کے بعد آکر میرے بزنس کو دیکھو۔ یہ سب کچھ میں تم لوگوں کے لئے ہی تسلیش کر رہا ہوں، دوسروں کے لئے نہیں۔"

وہ کچھ دیر اسے سمجھاتے رہے۔ سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

☆ — ☆ — ☆

ایک ہفتہ کے بعد وہ دوبارہ امریکہ آگیا تھا اور اس کے چند ہفتے کے بعد اس نے ایلی جسٹ میں جاب شروع کر دی۔ وہ نیویون سے نیویارک چلا گیا تھا۔ یہ ایک نئی زندگی کا آغاز تھا اور وہاں آنے کے چند ہفتے بعد اسے یہ انداز بھی ہو گیا تھا کہ وہ کہیں فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا وہ اسے وہاں بھی اسی طرح یاد آ رہی تھی، اس کا احساس جرم وہاں بھی اس کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے لگے۔ وہ ایک دن بھی تین چار گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سویا اور دن رات کی اس مصروفیت نے اسے جی جی حد تک نارمل کر دیا تھا مگر ایک طرف کام کے اس اجارے اس کے ذہن پریشان میں کمی کی تھی تو دوسری طرف وہ اپنے ادارے کے نمایاں ترین ورکرز میں شمار ہونے لگا تھا۔ ایلی جسٹ کے مختلف پروجیکٹس کے سلسلے میں وہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک جاتے لگے۔ غربت اور بیماری کو وہ پہلی دھڑائی آنکھوں سے دیکھنے پر مجبور رہا تھا۔ رپورٹس اور اخباروں میں چھپنے والے حقائق میں اور ان حقائق کو اپنی تمام ہولناکی کے ساتھ کلی آنکھ سے دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے اور یہ فرق اسے اس جاب میں ہی کچھ میں آیا تھا۔ ہر روز جو کچھ سونے والے لوگوں کی تعداد کروڑوں

میں تھی۔ ہر رات چھ بجے بھر کر ضرورت سے زیادہ کھالینے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں تھی۔ صرف تین دقت کا کھانا سر پر پھیلتا اور جسم پر لباس بھی کتنی بڑی تختیاں تھیں، اسے تب تک میں آیا تھا۔ وہ ایلی جسٹ کی ٹیم کے ساتھ چار ٹریڈ میاروں میں سفر کرتے ہوئے اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا۔ اس نے زندگی میں ایسے کون سے کارنامے انجام دیے تھے کہ اسے وہ پر آسائش زندگی دی گئی تھی جو وہ گزار رہا تھا اور ان لوگوں سے کیا کچھ ہونے چاہئے کہ وہ زندگی کی تمام بنیادی ضروریات سے محروم صرف زندگی کے خواہش میں خوراک کے ان پیکٹس کے دیکھے براہ راست جھرتے تھے۔

وہ ساری ساری رات جاگ کر اپنے ادارے کے لئے ملکہ اسکیمیں اور پلان بناتا رہتا۔ کہاں خوراک کی دسٹری بیوشن کیسے ہو سکتی ہے، کیا بہتری لائی جاسکتی ہے، کہاں مزید امداد کی ضرورت ہے، کن علاقوں میں کس طرح کے پروجیکٹس درکار تھے، وہ بعض دلداز تالیس گھنٹے بغیر سونے کام کر جاتا تھا۔

اس کے دماغ میں بے پرواز اور دیوانہ پن کی غلیظ نگاہ سے اسے مربوط ہوتے تھے کہ ان میں کوئی غلطی نہ ہو، اس کے لئے ممکن نہیں رہتا تھا اور اس کی یہ خصوصیات، اس کی سادگی اور نام کو اور بھی مضبوط کرتی جاتی تھیں اگرچہ اللہ نے دوسروں سے بہتر ذہن اور صلاحیتیں دی ہیں تو مجھے ان صلاحیتوں کو دوسروں کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ میں دوسروں کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ آسانی لائوں، دوسروں کی زندگی کو بہتر کر سکوں۔ وہ کام کرتے ہوئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا تھا۔

ایلی جسٹ کے لئے کام کرنے کے دوران ہی اس نے ایم فل کرنے کا سوچا تھا اور پھر اس نے ایم فل میں ایم ایڈیشن کے لئے تھا۔ اب تک کلاسز کو جوائن کرتے ہوئے اسے قطعاً کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک بار پھر ضرورت سے زیادہ مصروف کر رہا تھا مگر اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کام اس کا جوتن بن چکا تھا، شاہد اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ایک مشین۔

☆ — ☆ — ☆

فرقان سے سالار کی پہلی ملاقات امریکہ سے پاکستان آتے ہوئے قلعہ کے دوران ہوئی۔ وہ اس کے ساتھ واپس چلے پڑا تھا۔ وہ امریکہ میں ڈاکٹر کی کسی کانفرنس میں شرکت کر کے واپس آ رہا تھا جبکہ سالار سکندر اپنی بہن ایلی کی شادی میں شرکت کے لئے پاکستان آ رہا تھا۔ اس لمبی قلعہ کے دوران دونوں کے درمیان ابتدائی عداوت کے بعد کشش کا سلسلہ تھا۔

فرقان، عمر میں سالار سے کافی بڑا تھا، وہ پچیس سال کا تھا، ان اسپیشلائزیشن کرنے کے بعد وہ واپس پاکستان آگیا تھا اور وہاں ایک ہاسٹل میں کام کر رہا تھا، وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے بھی تھے۔ چند گھنٹے آپس میں گفتگو کرتے رہنے کے بعد فرقان اور وہ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ سالار نے



معمول کے مطابق اپنے بریف کيس سے سلپنگ جاکو کی ایک گولی پانی کے ساتھ نگلی لی۔ فرقان نے اس کی اس تمام کارروائی کو خاموشی سے دیکھا۔ جب اس نے بریف کيس بند کر کے دوبارہ رکھ دیا تو فرقان نے کہا۔

”اکثر لوگ فلائٹ کے دوران سلپنگ جاکو کے بغیر نہیں سو سکتے۔“

سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور کہا۔

”میں سلپنگ جاکو کے بغیر نہیں سو سکتا۔ فلائٹ میں یوں یا نہ یوں اس سے فرق نہیں پڑتا۔“

”سو نے میں مشکل پیش آتی ہے؟“ فرقان کو ایک دم کچھ تجسس ہوا۔

”مشکل؟“ سالار مسکرایا۔ ”میں سرے سے سو ہی نہیں سکتا۔ میں سلپنگ جاکو لیتا ہوں اور تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں۔“

”انسو میٹیا؟“ فرقان نے پوچھا۔

”شاید۔ میں نے اکثر سے چیک اپ نہیں کروایا مگر شاید یہ وہی ہے۔“ سالار نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

”تمہیں چیک اپ کرانا چاہئے تھا، اس عمر میں انسو میٹیا..... یہ کوئی بہت صحت مند علامت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے تم کام کے پیچھے ڈیوٹی ہو چکے ہو اور اسی وجہ سے تم نے اپنا سو نے کی نازل روٹین کو خراب کر لیا ہے۔“

فرقان اب کسی ڈاکٹر کی طرح بول رہا تھا۔ سالار مسکراتے ہوئے سنتا رہا۔ وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ اگر رات دن مسلسل کام نہ کرے تو وہ اس احساس جرم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا تھا جسے وہ محسوس کر رہا ہے۔ وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ سلپنگ جاکو کے بغیر سو نے کی کوشش کرے تو وہ امانہ کے بارے میں سوچتے لگتا ہے۔ اس حد تک کہ اسے اپنا سر درو سے پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

”کچھ گھنٹے کام کرتے ہو ایک دن میں؟“ فرقان اب پوچھ رہا تھا۔

”انڈیا روٹین، بعض دفعہ نہیں۔“

”مائی گڈ نہیں ہو رکب سے؟“

”دو تین سال سے۔“

”اور تب ہی سے نیند کا مسئلہ ہو چکا تمہیں۔ میں نے ٹھیک اندازہ لگا لیا۔ تم نے خود اپنی روٹین خراب کر لی ہے۔“ فرقان نے اس سے کہا۔ ”ورنہ اسٹے گھنٹے کام کرنے والے آدمی کو تو ذہنی تھکن ہی ایک لمبی اور پرسکون نیند ملاوتی ہے۔“

”یہ میرے ساتھ نہیں ہوتا۔“ سالار نے دم لمحے میں کہا۔

”بچی تو تمہیں چاہئے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اگر یہ تمہارے ساتھ نہیں ہوتا تو کیوں نہیں ہوتا۔“ سالار اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ وجہ جانتا ہے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرقان نے اس سے کہا۔

”میں اگر تمہیں کچھ آنتیں بتاؤں رات کو سو نے سے پہلے، تو تم پڑھ سکو گے؟“

”کیوں نہیں پڑھ سکو گے۔“ سالار نے گردن موڑ کر اس سے کہا۔

”نہیں، اصل میں تمہارے اور میرے جیسے لوگ جو زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور خاص طور پر تعلیم مغرب میں حاصل کرتے ہیں وہ ایسا چیزوں پر یقین نہیں رکھتے یا انہیں پکٹیل نہیں سمجھتے۔“ فرقان نے وضاحت کی۔

”فرقان! میں حافظہ قرآن ہوں۔“ سالار نے اسی طرح لپٹے ہوئے پر سکون آواز میں کہا۔

فرقان کو جیسے کرمٹ لگا۔

”میں روز رات کو سو نے سے پہلے ایک پارہ پڑھ کر سوتا ہوں، میرے ساتھ یقین یا اعتبار کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ سالار نے بات چار کی دہائی۔

”میں بھی حافظہ قرآن ہوں۔“

فرقان نے شاید سالار نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ یہ یقیناً ایک خوشگوار اتفاق تھا کہ اگرچہ فرقان نے ڈاکٹر کی بھی ہوئی تھی مگر سالار کو پھر بھی یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ وہ حافظہ قرآن ہے۔

”بھیر تو تمہیں اس طرح کا کوئی مسئلہ ہو چکی نہیں چاہئے۔ قرآن پاک کی تلاوت کر کے سو نے والے انسان کو نیند آئے، یہ مجھے کچھ عجیب لگتا ہے۔“

سالار نے فرقان کو بڑبڑاتے سنا۔ وہ اب اپنے حواس کو ہلکا ہلکا مظلوم پارہ تھا۔ نیند اس پر غلبہ پارہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”تمہیں کوئی پریشانی ہے؟“ اس نے فرقان کی آواز سنی۔ وہ نیند کی گولیوں کے زیر اثر نہ ہوتا تو ”مگر اگر ایسا کر دیتا مگر وہ جس حالت میں تھا اس میں وہ انکار نہیں کر سکتا۔“

”ہاں، مجھے بہت زیادہ پریشانی ہے۔ مجھے سکون نہیں ہے، مجھے لگتا ہے میں مسلسل کسی صحرا میں سفر کر رہا ہوں، پیچھے سے اور احساس جرم مجھے چھوڑنے ہی نہیں دیتا۔ مجھے کسی چیز کا دل کی تلاش ہے، جو مجھے اس تکلیف سے نکال دے، جو مجھے میری زندگی کا راستہ دکھا دے۔“

فرقان دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سالار کی آنکھیں بند تھیں، مگر وہ اس کی آنکھوں کے کونوں سے نکلتی نمی کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آواز میں بھی بے ربطی اور لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ اس وقت لاشعوری طور

پر سلیپنگ پلر کے ذریعہ اثر کر رہا تھا۔

وہ اب خاموش ہو چکا تھا۔ فرقان نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ بہت عرصہ انداز میں چلنے والی اس کی سانس بڑھتی تھی کہ وہ خند میں چاٹ کا تھا۔

☆ ..... ☆

جہاز میں ہونے والی دو ملاقات وہیں ختم نہیں ہوئی۔ دو دونوں جاگنے کے بعد بھی آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ فرقان نے سالار سے ان چند لمحوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، جو اس نے غنیمت کی آغوش میں سماتے ہوئے بولے تھے۔ خود سالار کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس نے سونے سے پہلے اس سے کچھ کہا تھا مگر کیا تھا تو کیا کیا تھا۔

سفر ختم ہونے سے پہلے ان دونوں نے آپس میں کالمیکٹ نمبر زور ایلوئس کا چال کیا پھر سالار نے اسے امتیاز کی شادی پر انوائسٹ کیا۔ فرقان نے آنے کا وعدہ کیا مگر سالار کو اس کا یقین نہیں تھا۔ ان دونوں کی ملاقات کراچی تک تھی پھر سالار کو اسلام آباد کی خلافت یعنی قس چیک فرقان کو لانا ہوئی۔ ان کے پردے پر فرقان نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے الوداعی معافی کی۔

امتیاز کی شادی تین دن بعد تھی اور سالار کے پاس ان تین دنوں کے لئے بھی بہت سے کام تھے۔ کچھ شادی کی مصروفیات اور کچھ اس کے اپنے مسئلے۔

دو اگلے دن شام کو اس وقت حیران ہوا جب فرقان نے اسے فون کیا۔ دس پندرہ منٹ دونوں کی گفتگو ہوئی راقی۔ فون بند کرنے سے پہلے سالار نے ایک بار پھر اسے امتیاز کی شادی کے بارے میں یاد دلایا۔ "یہ کوئی یاد دلانے والی بات نہیں ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں ویسے بھی اس دیک ایڈ پر اسلام آباد میں ہی ہوں گا۔" فرقان نے جواب دیا۔ "وہاں مجھے اپنے گاؤں میں اپنا اسکول دیکھنے بھی جانا ہے۔ اس کی بلڈنگ میں کچھ اضافی تعمیر ہو رہی ہے، اسی سلسلے میں۔ تو اسلام آباد میں اس بار میرا قیام کچھ لمبا ہی ہو گا۔" سالار نے اس کی بات کو کچھ دلچسپی سے سنا۔

"گھڑوں..... اسکول کیا مطلب؟"

"ایک اسکول چار بابوں میں وہاں اپنے گاؤں میں۔" فرقان نے اسلام آباد کے نواحی علاقوں میں سے ایک کا نام لیا۔ "بلکہ کئی سالوں سے۔"

"کس لئے؟"

"کس لئے؟" فرقان کو اس کے سوال نے حیران کیا۔ "لوگوں کی مدد کے لئے اور کس لئے۔"

"پھر پنی وک ہے؟"

"نہیں، جی جی وک نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ یہ کسی پر کوئی احسان نہیں ہے۔" فرقان نے

بات کرتے کرتے موضوع بدل دیا۔ اسکول کے بارے میں مزید گفتگو نہیں ہوئی اور فون بند ہو گیا۔

☆ ..... ☆

فرقان امتیاز کی شادی پر واقعی آگیا تھا۔ وہ خاصا بڑا وہاں رکا مگر سالار کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ حیران تھا۔

"تمہاری فیملی تو خاصی مغرب زدہ ہے۔"

سالار کو یک دم اس کی الجھن اور حیرانی کی وجہ سمجھ میں آئی۔

"میرا خیال تھا کہ تمہاری فیملی کچھ سخت زد و بخت ہوگی کیونکہ تم نے بتایا تھا کہ تم حافظ قرآن ہو اور تمہارا کتب خانہ کتب خانے کے ساتھ ساتھ مگر یہاں آکر مجھے حیرانی ہوئی۔ تم اور تمہاری فیملی میں بہت فرق ہے۔" "I think you are the odd one out۔"

وہ اپنے آخری خط پر خود ہی مسکرایا۔ دو دنوں اب فرقان کی گاڑی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ "میں نے صرف دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا اور ان تین سال سے ہی میں could one out۔" پہلے میں اپنی فیملی سے ابھی زیادہ مغرب زدہ تھا۔ "اس نے فرقان کو غایا۔"

"دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا۔ امریکہ میں اپنی اسٹڈیز کے دوران، مجھے یقین نہیں آ رہا۔" فرقان نے بے یقینی سے سر ہلایا۔

"کتنے عرصے میں کیا؟"

"آخر پانچ ماہ میں۔"

فرقان بہت دیر تک کچھ نہیں کہہ سکا، وہ صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر سٹائی نگھروں سے اسے دیکھا۔

"تم پر کوئی اللہ کا خاص ہی کرم ہے، اور نہ جو کچھ تم مجھے بتا رہے ہو یہ آسان کام نہیں ہے۔ میں غلامت میں بھی تمہارے کارناموں سے بے اثر ہوا تھا، کیونکہ میں غریب ہو گیا تھا۔ میں سیت پر تم کام کر رہے ہو ہر کوئی نہیں کر سکتا۔"

اس نے ایک بار پھر بڑی گرم جوشی کے ساتھ سالار سے ہاتھ ملا دیا۔ چند لمحوں کے لئے سالار کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔

"اللہ کا خاص کرم؟ اگر میں اسے یہ بتا دوں کہ میں ساری زندگی کیا کر چکا ہوں تو یہ....." سالار نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوچا۔

"تم پر ہوں کسی اسکول کی بات کر رہے تھے۔" سالار نے دانستہ طور پر موضوع بدلا۔

"تم اسلام آباد میں نہیں رہتے؟"



"نہیں، میں اسلام آباد میں ہی رہتا ہوں مگر میرا ایک گاؤں ہے۔ آبائی گاؤں، وہاں ہماری کچھ زمین ہے، ایک گھر بھی تھا۔" فرقان اسے تفصیل بتانے لگا۔ "کئی سال پہلے میرے والدین اسلام آباد منتقل ہو گئے تھے۔ میرے والد نے فیڈرل سروس سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں اپنی زمینوں پر ایک اسکول بنالیا۔ اس گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا، انہوں نے پرائمری اسکول، ذرا بڑا تھا، سات آٹھ سال سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اب وہ سینکڑی اسکول بن چکا ہے۔ چار سال پہلے میں نے وہاں ایک انٹرنیٹ بھی بنوائی۔ تم اس انٹرنیٹ کو دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ بہت چھوٹا مکان ہے اس میں۔ میرے ایک دوست نے ایک ایسوی بیس بھی گفت کی ہے اور اب صرف میرے گاؤں کے ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے بہت سارے گاؤں کے لوگ بھی اسکول اور انٹرنیٹ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

سالہ اس کی باتیں تو سب سے سن رہا تھا۔

"مگر تم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو۔ تم ایک سرجن ہو، تم یہ سب کیسے کر لیتے ہو اور اس کے لئے بہت پیسے کی ضرورت ہے۔"

"کیوں کر رہا ہوں۔ تو میں نے اپنے آپ سے کبھی نہیں بچھا۔ میرے بچوں میں اتنی غربت تھی کہ یہ سوال پوچھنے کی بجائے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ہم لوگ بچپن میں کبھی کبھار اپنے گاؤں جایا کرتے تھے۔ یہ ہمارے لئے تفریح تھی۔ ہماری حویلی کے علاوہ گاؤں کا کوئی مکان پکا نہیں تھا اور سڑک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہم سب کو یوں لگتا تھا جیسے ہم جنگل میں آگے ہیں، اب اگر ہم جانور ہوتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شہر کی طرح ہم جنگل میں دھناتے پھرتے۔ یہی سوچ کر کہ سب، ہم سب سے مرعوب ہیں اور کوئی بھی ہمارے جیسا نہیں، کوئی ہماری طرح رہتا ہے، وہ ہمارے جیسا کھاتا ہے۔ وہ ہمارے جیسا پینتا ہے مگر انسان ہو کر یہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے انسان جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ انسانوں کو اس سے خوشی محسوس ہوتی ہو کہ انہیں ہر نعمت میسر ہے اور باقی سب ترس رہے ہیں مگر ہمارا شمار ایسے انسانوں میں نہیں ہوتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میرے پاس کوئی چارو کی پھڑی تو تھی نہیں کہ میں اسے جلاؤں اور سب کچھ بدل دیتا، وہاں بے شمار مساکین تھے۔ انہیں میں نے بتایا ہے تاکہ میرے والد سول سروس تھے، ایم ایف، اور قسم کے سول سروس۔ میں اور میرا بھائی دونوں شرمے سے ہی اس کا لڑ شپ پر پڑھتے رہے، اس لئے ہم پر فارے والدین کو زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ خود وہ بھی کوئی فضول خرچ نہیں تھے۔ اس لئے تھوڑی بہت بچت ہوتی رہی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد میرے والد نے سوچا کہ لاہور یا اسلام آباد کے کسی گھر میں اخبار پڑھ کر دوکے کے پانی وی کچھ کر زندگی گزارنے کے بجائے، انہیں اپنے گاؤں جانا چاہئے۔ وہاں کچھ بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

دونوں گاؤں کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔

"مشکلات کا تم اندازہ نہیں کر سکتے گاؤں میں نہ بجلی تھی نہ صاف پانی، کچھ بھی نہیں تھا رہا ہے پتا نہیں کہاں کہاں بھاگ کر یہ ساری چیزیں منظر کر دئیں۔ جب وہاں پرائمری اسکول بن گیا، ایک سڑک بھی آگئی، بجلی اور پانی جیسی سہولتیں بھی آگئیں تو گورنمنٹ کو اچانک وہاں ایک اسکول بنانے کا خیال آیا۔ میرے والدین کی خواہش تھی کہ گورنمنٹ ان کے اسکول کو اپنا ذریعہ نگرانی بنے۔ اس میں اپنے منہ پر ہجڑا لے اور کچھ عرصے کے بعد اس اسکول کو اپ گریڈ کر دے، مگر محکمہ تعلیم کے ساتھ چند رابطوں میں ہی بابا کو اندازہ ہو گیا کہ ایسا ہونے کی صورت میں ان کی ساری محنت پر پانی بھر جائے گا۔ بابا وہاں بچوں کو سب کچھ دیتے تھے۔ کتابیں، کاپیاں، ایوٹھارم اور ایسی کچھ دوسری چیزیں۔ انہوں نے باقاعدہ اس کے لئے فنڈز جمع کئے ہوئے تھے، مگر تم اندازہ کر سکتے ہو کہ گورنمنٹ کے پاس چلے جانے کے بعد اس اسکول کا کیا اثر ہو گا۔ سب سے پہلے وہ فنڈز جاتے پھر باقی سب کچھ۔ اس لئے بابا خود ہی اس اسکول کو چلاتے رہے۔"

محکمہ تعلیم نے وہاں اسکول پھر بھی کھولا مگر وہاں ایک بچہ بھی نہیں گیا پھر پادمان کر انہوں نے وہ اسکول بند کر دیا اور ہمارے اسکول کو اپ گریڈ کر دیا۔ بابا کے کچھ دوستوں نے اس سلسلے میں ان کی مدد کی، اسی طرح اس کی اپ گریڈنگ ہوئی تھی۔ میں ان دنوں لندن میں چھتا تھا اور میں روپے بچا بچا کر بھیجا کر تھا۔ ابھی بھی ہم اس کو لاہور ترقی دے رہے ہیں، اس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی اپنے بچوں کو ہمارے پاس بھیجتے ہیں۔ میں جب پاکستان واپس آیا تو میں نے وہاں ایک باضابطہ قسم کی انٹرنیٹ قائم کی۔ بچوں کی آبادی بھی اب بہت بڑھ گئی ہے لیکن گاؤں میں غربت ابھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ تعلیم سے اتنا ضرر ہوا ہے کہ گاؤں کے کچھ بچے باہر شہر میں آگے پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ کچھ مختلف ہتھیکہ رہے ہیں۔ وہ جو غربت کا ایک پتہ تھا وہ ختم ہو رہا ہے۔ ان کی یہ سلیس نہیں تو انکی سلیس شاید تمہارے اور میرے جیسے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ ذکر بنے کر نکلیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں ہر ماہ ایک ایک اینڈر گاؤں جاتا ہوں، وہاں وہ کپڑاؤں میں مگر کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ ایک ایک اینڈر میں وہاں جاتا ہوں، باقی تین ایک اینڈر پر بھی ہم کسی نہ کسی کو وہاں بھیجا دیتے ہیں، پھر میں وہاں ہر تین ماہ ایک سینٹرل کیمپ لگاتا ہوں۔"

"اور اس سب کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے۔"

"شرع میں تو یہ بابا کا روپیہ تھا۔ ان ہی کی زمین پر اسکول بنا، ان کی گرجوئی سے اس کی تعمیر ہوئی۔ میری انی نے بھی اپنے پاس موجود رقم سے ان کی مدد کی، پھر بابا کے کچھ دوست بھی مالی امداد

کرتے تھے۔ اس کے بعد میں اور میراں بھی اس میں شامل ہو گئے پھر میرے کچھ دوست بھی۔ میں اپنی انکم کا ایک خاص حصہ ہر ماہ گاؤں بنگوا دیتا ہوں۔ اس سے ڈیپٹری بڑے آرام سے چلتی رہتی ہے، جو ڈاکٹر زوہاں میٹھے کے قلم و یک اینڈ زپر جاتے ہیں وہ کچھ چارچ نہیں کرتے۔ ان کے لئے یہ سوشل ورک ہے۔ سینکڑوں کیسوں بھی اسی طرح کے لگ جاتے ہیں اور اسکول کے پاس اب اپنے اپنے فلسفہ لپازس ہو چکے ہیں کہ ان سے آنے والی رقم بچہ زکی بنگوا اور دوسرے اخراجات کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہم چند سالوں میں وہاں ٹیکنیکل ایجوکیشن کے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

"تم کب جا رہے ہو وہاں؟"

"میں تو صبح نکل رہا ہوں۔"

"اگر میں تمہارے ساتھ جانا چاہوں؟" سالار نے کہا۔

"موسٹ دیگر ٹرکھل تو دیر ہو گا، تم یہاں مصروف ہو گے۔" فرقان نے اسے یاد دلایا۔

"اگر تمہارا تو اس کو ہے، سالار ان تو میں فارغ ہی ہوں گا۔ کیا ات تک واپس پھینکا مشکل ہو گا؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ تم بہت آسانی سے واپس پہنچ سکتے ہو۔ صرف صبح کچھ جلدی لگنا پڑے گا۔ اگر تم واقعی وہاں چھ گھنٹے گزارنا چاہتے ہو تو پھر تم وہاں آکر خامے تھک جاؤ گے۔" فرقان نے اس سے کہا۔

"میں نہیں تھکوں گا، میں جو صوبہ کی سڑک کے ساتھ کیسے کیسے ملے گا توں میں کتاب لیا سڑک پر جاؤں۔"

"نہیں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا، میں فجر کے بعد تیار رہوں گا، تم مجھے وقت بتاؤ۔"

"ساز سے پاؤں۔"

"او، تم کمر سے نکلے ہو گے مجھے ایک بار موپائل پر کال کر لینا اور دو تین بار بارن واپس آ کر میں نکل آؤں گا۔"

اس نے فرقان سے کہا اور پھر خدا حافظ کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

اگلی صبح فرقان ٹھیک ساڑھے پانچ بجے اس کے گیت پر بارن دے رہا تھا اور سالار پہلے ہی بارن پر باہر تھا۔

"تم واپس پاکستان کیوں آ گئے؟ تم انگلینڈ میں بہت آگے جا سکتے تھے؟" گھڑی شہر سے باہر والی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ انہیں سڑک کرتے تو حاکمیت ہو گیا تھا جب سالار سے اپنا ک اس نے پوچھا۔

"انگلینڈ کو میری ضرورت نہیں تھی، پاکستان کو تھی، اس لئے میں پاکستان آ گیا۔" فرقان نے جے بارنل اندر میں کہا۔

"وہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ

ہونے سے بہت فرق پڑ جائے۔ یہاں میری خدمات کی ضرورت ہے۔" اس نے اپنے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مگر وہاں اتنے سالوں میں تم بہت آگے جا سکتے تھے پھر پروفیشنل بھی تم بہت کچھ سیکھتے۔ قاضی بھی تم اس پر چیکنگ کے لئے زیادہ دیر سے حاصل کر سکتے تھے، جو تم نے شروع کیا ہوا ہے۔" آخر آل، پاکستان میں تمہارے کامیاب نہیں ہو سکتے۔" سالار نے کہا۔

"اگر کامیابی سے تمہاری مراد پاؤنڈ کی تعداد اور سہولتوں سے ہے تو ہاں، اور لوں چھوٹوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے لیکن اگر تمہارا اشارہ صلاح کی طرف ہے تو میں یہاں زیادہ لوگوں کو زندگی بابت رہا ہوں جو اطمینان ڈاکٹر اپنے صحت یاب ہونے والے مریض کو دیکھ کر حاصل کرتا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔" انگریز ڈاکٹر گلو جسٹ سے بھرا ہوا ہے۔ پاکستان میں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ میں وہاں رہ کر دوپے کا ڈھیر بھی یہاں بھجواتا رہتا تو کوئی فرق نہ پڑا۔ جہاں ایک فرد کی کمی ہوتی ہے وہاں اس فرد سے ہی اوکی پوری ہوتی ہے۔ وہ یہ یاد دہانی کوئی چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ میں بہت قانع ہوں سالار! میری پوری ٹیلی بہت قانع ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز سیکھی ہے تو وہ سب سے پہلے میرے اپنے لوگوں کے کام آتی چاہئے۔ میں اپنے لوگوں کو مرنا چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی زندگی نہیں بچا سکتا۔ پاکستان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ سب کچھ خراب ہے، کچھ بھی ٹھیک نہیں، مہنگائیوں سے خالی بازار اور حد سے زیادہ برادر اور کپٹ فیلو سسٹم۔ جس برائی اور خالی کا سوچو وہ یہاں ہے مگر میں اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر میرے ہاتھ میں قضا ہے تو پھر سب سے پہلے یہ قضا میرے اپنے لوگوں کے جیسے میں آتی چاہئے۔"

سالار بہت دیر تک کچھ نہیں بول سکا۔ گاڑی میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم نے مجھ سے تو یہ سوال پوچھ لیا کہ میں پاکستان کیوں آ گیا، کیا اب میں تم سے یہ سوال پوچھوں کہ تم پاکستان کیوں نہیں آ جاتے؟" فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد منکراتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔

"تم پیسے اور سہولتوں کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہو؟"

"نہیں، پیسہ یا سہولتیں میرا مسئلہ نہیں ہیں، اب وہ ہی پہلے تھیں۔ تم میرا فیملی ایک گراؤنڈ جان چکے ہو۔"

"پھر؟"

"پھر..... کچھ بھی نہیں۔ بس میں یہاں نہیں آ سکتا۔" اس نے غلطی لچھے میں کہا۔

"یہاں تمہاری ضرورت ہے۔"



”کس کو؟“

”اس ملک کو۔“

”ملاوڑ بے اختیار مسکرایا۔“ میں تمہاری طرح کی سب اوطانی نہیں رکھتا۔ میرے بغیر بھی سب کچھ ٹھیک ہے یہاں۔ ایک ڈاکٹر کی اور بات ہے مگر ایک اکانوسٹ تو کسی کو زندہ کی اور موت نہیں دے سکتا۔“

## باب ۶

”تم جو سرو سزا دیاں دے رہے ہو وہ یہاں کے لوگوں کو دے سکتے ہو جو کچھ اپنے لچکر ز میں دیاں کی پونے رستیز میں سکھا رہے ہو، یہاں کی پونے رستیز میں سکھا سکتے ہو۔“

اس کا دل چاہا وہ فرقان سے کہے کہ وہ یہاں آکر کچھ بھی سکھانے کے قابل نہیں رہ سکے گا، مگر وہ خاصو شی سے اس کی بات متاثر ہوا۔

”تم نے افریقہ کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھی ہے۔ تم یہاں کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔“

”یہاں صورت حال ان ملکوں کی طرح خراب نہیں ہے فرقان! یہاں اتنی پسماندگی نہیں ہے۔“

”اسلام آباد کے جس ٹیکٹر میں تم چلے رہے ہو، وہاں وہ گراؤ گروہ کی زندگی کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ تم اسلام آباد کے قریبی گاؤں میں چلے جاؤ تو صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ملک کتنا

فرقہ سال ہے۔

"فرقان اس میں قہار سے اس پر وینکٹ میں کچھ سنتری بیٹن کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے ایک دم بات کا موضوع بدلتا چاہا۔

"سالار! میرے اس پر وینکٹ کوئی ایسا لکھی جہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر ایسا کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو تم خود ایسے ہی کسی گاؤں میں اس طرح کا کام شروع کرو، تمہارے پاس غلہ زنی کی نہیں ہوگی۔" "میرے پاس وقت نہیں ہے، میں اس کے میں بیٹے کو یہ سب کچھ نہیں چلا سکتا۔ تم اگر یہ چاہتے ہو تو کہ کسی دوسرے گاؤں میں بھی کوئی اسکول قائم کیا جائے تو میں اسے سیدرہ کرنے کو تیار ہوں۔ میرے لئے ذاتی طور پر وقت دینا مشکل ہے۔"

فرقان اس بار خاموش رہا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سالار اب اس کے اس اصرار پر کچھ سمجھتا رہا تھا۔ بات کا موضوع ایک بار پھر فرقان کے گاؤں کی طرف مڑ گیا۔

دو دن سالار کی زندگی کے یادگار ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ وہ اس اسکول کو دیکھ کر واقعی بہت متاثر ہوا تھا مگر اس سے بھی زیادہ متاثر وہ اس ڈپٹری کو دیکھ کر ہوا تھا جہاں وہ گیا تھا۔ اسے ایک جھوٹا باسٹل کھانا یاد بہتر تھا۔ اکثر کے نہ ہونے کے باوجود وہ بڑے منظم طریقے سے چلا چلا رہا تھا۔ اس دن فرقان کی آمد متوقع تھی اور اس کے انتظار میں مریضوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی فرقان آئے ہی مصروف ہو گیا۔ باسٹل کا احاطہ مریضوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں ہر عرادر ہر طرح کے مریض تھے۔ نوزائیدہ بچے، عورتیں، بوڑھے، نوجوان۔

سالار احاطے میں لاشعوری طور پر چلنے لگتا کہ وہاں موجود چند لوگوں نے اسے بھی ڈاکٹر سمجھا اور اس کے قریب چلے آئے۔ سالار ان سے بات چیت کرنے لگا۔

زندگی میں پہلی بار وہ گیسٹر کے ایک اسپیشلسٹ کو ایک فریجن کے طور پر چمک اپ کرتے اور نئے لکھتے دیکھ رہا تھا اور اس نے اعتراف کیا۔ اس نے زندگی میں فرقان سے اچھا ڈاکٹر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے حد پروفیشنل اور بے حد نرم مزاج تھا۔ اس تمام عمل میں اس کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحہ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئی تھی۔ سالار کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو کسی چیز کے ساتھ چپکایا ہوا تھا کچھ وقت گزرنے کے بعد اس نے سالار کو ایک آوی کے ساتھ اسکول بھجوا دیا تھا اور وہاں اس کے والدین سے ملا۔

وہ اس کی آمد سے پہلے ہی باخبر تھے، یقیناً فرقان نے ان کو فون پر بتا دیا تھا وہ ان کے ساتھ اسکول میں پھر تار۔ اسکول کی عمارت اس کی توقعات کے برعکس بہت وسیع اور بہت اچھی بنی ہوئی تھی۔ اسے وہاں موجود بچوں کی تعداد کچھ کر بھی حیرت ہو رہی تھی۔

وہاں کچھ تھکے ٹرکے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ ان کی حویلی میں آ گیا، حویلی کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بے اختیار اس کا دل خوش ہوا تھا۔ اسے اس گاؤں میں اس قسم کے شاندار ان کی توقع نہیں تھی۔ وہاں پودوں کی بھرمار تھی مگر بے ترتیبی نہیں تھی۔

"بہت شاندار ان ہے، بہت آرٹسٹک۔" وہ تعریف کے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ کلیل صاحب کا شوق ہے۔" فرقان کی امی نے کہا۔

"میرا اور نوشین کا۔" فرقان کے والد نے اضافہ کیا۔

"نوشین؟" سالار نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"فرقان کی بیوی۔" یہ آرٹسٹک بچہ امی کا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرقان نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی پہلی لاشعوری میں ہوتی ہے۔" سالار کو یاد تھا۔

"اس رواد کو اب دور میں ہی ہوتے ہیں مگر فرقان میں سے ایک ایک ایسا بیاں گزارتا ہے پھر وہ اپنی پہلی بھی یہاں آتا ہے۔ یہ سلا پوز اس کے بچوں کے لئے لگوائی ہیں۔ نوشین بھی ڈاکٹر ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں، اس لئے پرنکس نہیں کرتی مگر جب یہاں آتی ہے تو فرقان کے ساتھ ڈپٹری جاتی ہے۔ اس بار وہ اپنے بھائی کی شادی میں مصروف تھی، اس لئے فرقان کے ساتھ نہیں آ سکی۔" دوا دھر اواخر نظریں دوڑاتا ان کی باتیں سناتا رہا۔

وہ ان کے ساتھ کچھ کرنے کے لئے گھر پر آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کچھ دیر تک فرقان بھی آ جائے گا مگر جب کھانا لگنا شروع ہو گیا تو اس نے فرقان کے بارے میں پوچھا۔

"وہ دوپہر کا کھانا یہاں نہیں کھا رہا صرف ایک سیٹل وینچ اور چائے کا کپ لیتا ہے۔ اس میں بھی پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ اس کے پاس مریض آتے ہوتے ہیں کہ وہ شام تک بالکل فارغ نہیں ہوتا۔ کھانا دانا بالکل بھول جاتا ہے۔"

فرقان کی امی نے اس سے کہا۔ وہ ان کے ساتھ باقی کرتے ہوئے کھانا کھانے لگا۔ فرقان کے والد خاص ذہین میں ہی کام کرتے رہے تھے اور ڈپٹریس گریڈ میں ریٹائر ہوئے تھے۔ یہ جان کر کہ سالار کا تعلق بھی فائرس سے ہی تھا ان کے جوش میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ سالار کو ان سے باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ سالار نے ان سے اس اسکول کے حوالے سے بات کی۔

"اسکول کے لئے ہمیں فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس غاصے لگتا ہے۔ فرقان کا ایک دوست ایک نیا لک بھی لیا ہے بلکہ میں ہی چکا ہے، تم نے تو دیکھا ہی ہے۔ ہاں، تم اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ڈپٹری کے لئے کرو۔ ہمیں ایک مستقل ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور ہم اس کے لئے پہلے سنتری میں بہت دھند رخواستیں دے چکے ہیں۔ فرقان نے اپنے تعلقات بھی استعمال کئے ہیں مگر



کوئی بھی ذات پر یہاں مستقل طور پر آکر رہنے کو تیار نہیں اور ہمیں ایک ڈاکٹر کی اشد ضرورت ہے۔ تم نے مریشوں کی تعداد تو دیکھی ہی ہو گی۔ ایک قریبی گاؤں میں ایک ڈیپنری اور ڈاکٹر ہے، مگر ڈاکٹر مستقل نہیں رہتا ہے اور انڈیا ڈاکٹر بھی آنے سے پہلے ہی پھٹل پر چلا جاتا ہے۔"

"میں اس خطے میں جو کچھ کرنا ضرور کروں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اسکول کے لئے بھی کچھ کروں۔ میں وہاں جانے کے بعد کوشش کروں گا کہ آپ کو پونہ کوئی طرف سے کسی زمین ملی اور اس کے ذریعے ہر سال کچھ گرانٹ بھی ملتی رہے۔"

"لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا ہے یہ سب ہم لوگوں نے خود کیا ہے۔ ہماری فیملی نے، ریشہ داروں نے، فعلی فریڈز نے، میرے واقف کاروں نے، میرے بچوں کے دوستوں نے۔ ہمیں کبھی کسی عکساتی یا بین الاقوامی ایجنسی کی گرانٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کب تک پونہ کو آکر ہمارے لوگوں کی جھوک، بچاوت اور بنیادی ختم کرتی رہے گی۔ جو کام ہم اپنے ہاں سے کر سکتے ہیں وہ ہمیں اپنے ہاں سے ہی کرنے چاہئیں۔"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ اس پروجیکٹ کو اور بڑھائیں۔" سالار بے اختیار بولتے ہوئے لڑکھڑایا۔

"یہ بہت بڑا جائے گا، ختم میں ۲۰ سال بعد یہاں آکر دیکھو گے تو یہ گاؤں تمہیں ایک مختلف گاؤں لے گا۔ جتنی غریب تم نے آج یہاں دیکھی ہے وہ تب نہیں ہو گی۔ ان کا کل "آج سے مختلف ہو گا۔"

فرقان کے والد نے بے حد اکتاد سے کہا۔ سالار چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔  
سپر کے قریب اسے فرقان نے ڈیپنری سے فون کیا۔ کچھ دیر بعد ہی گفتگو کے بعد اس نے سالار سے کہا۔

"اب تمہیں واپس اسلام آباد کے لئے نکل جانا چاہئے۔ میں چاہتا تھا کہ خود تمہیں واپس چھوڑ کر آؤں مگر یہاں بہت دش ہے جو لوگ دوسرے گاؤں سے آتے ہیں اگر میں انہیں آج چیک نہیں کر سکتا تو انہیں بہت دشت ہو گی، اس لئے میں اپنے ڈیپنری کو گھوڑا مارا ہوں۔ وہ گاڑی میں تمہیں اسلام آباد چھوڑ آئے گا۔" اس نے پروگرام بٹل کیا۔

"اوکے۔" سالار نے کہا۔

"جانے سے پہلے ڈیپنری اگر مجھ سے مل لینا۔" اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

سالار نے ایک بار پھر فرقان کے والدین کے ساتھ چائے پی۔ گاڑی تب تک وہاں آچکی تھی، پھر وہ وہاں سے گاڑی میں فرقان کے پاس چلا گیا۔ صبح والی بیٹھراب تم ہو چکی تھی۔ وہاں اب صرف بیچیں تھیں کے قریب لوگ تھے۔ فرقان ایک بورسے آوی کامیاب کر رہا تھا۔ سالار کو کچھ کر سکر آیا۔

"میں دو سنت میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔"

اس نے مریشوں سے کہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار کے ساتھ چلتا ہوا وہ باہر گاڑی تک آیا۔

"تم کب تک پاکستان میں ہو؟" اس نے سالار سے پوچھا۔

"لڑکھڑکتا۔"

"پھر تو وہ بارود ملاقات نہیں ہو سکے گی تم سے کیونکہ میں تو اب اگلے ہی ماہ اسلام آباد اور یہاں آؤں گا لیکن میں تمہیں فون کروں گا، تمہاری فائنٹ کب ہے؟"

سالار نے اس کے سوال کو نظر انداز کیا۔

"ملاقات کیوں نہیں ہو سکتی؟ میں لاہور آسکتا ہوں، اگر تم انوائٹ کرو۔" فرقان کچھ حیران انداز میں مسکرایا۔

سالار اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

سالار نہیں جانتا تھا اسے کون سی چیز اس طرح اچانک فرقان کے اسے قریب لے آئی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ فرقان کو کیوں اتنا پسند کر رہا تھا۔ وہ اس کی وجہ دیکھنے سے قاصر تھا۔

فرقان کے ساتھ اس کا گاؤں دیکھنے کے چار دن بعد وہ لاہور گیا۔ وہ وہاں ایک دن کے لئے گیا تھا اور اس نے فرقان کو فون پر اس کی اطلاع دی۔ فرقان نے اسے اسے اسے پک کر لے اور اپنے ساتھ رہنے کی آفر کی، مگر اس نے انکار کر دیا۔

وہ فرقان سے ملے شدہ پروگرام کے مطابق چار بجے کے قریب اس کے گھر پہنچا۔ وہ ایک اچھے علاقے میں ایک عمارت کے گروڈنڈ طور کے ایک قریب میں رہتا تھا۔ دروازے کے ساتھ موجود نکل دیا کر دو خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ اندر سے ایک دم کسی بچے کے ہانکنے کی آواز آئی۔ ایک چارپائی سال کی بچی دوڑ بھین کی وجہ سے دروازے میں آنے والی بھرتی سے اس کو کچھ روکھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" سالار اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا مگر اس بچی کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں آئی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"بیٹا مجھے آپ کے پیارے ملنا ہے۔"

اس بچی اور فرقان کے چہرے میں اتنی مماثلت تھی کہ اس کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ فرقان کی بیٹی تھی۔

"پاپا اس وقت کسی سے نہیں ملتے۔" اسے بڑی سنجیدگی سے اطلاع دی گئی۔

"مجھ سے مل لیں گے۔" سالار نے قدر سے محفوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ سے کیوں مل لیں گے؟" نوراجواب آیا۔

”یہ تو میں تمہیں راستے میں ہی بتاؤں گا۔“ وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

☆.....☆

”میں وہاں جا کر کروں گا کیا؟“ سالار نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

”ابھی جو میں کرتا ہوں۔“ وہ نکتل پر گاڑی روکنے ہوئے بولا۔

”اور تم وہاں کیا کرتے ہو؟“

”یہ تم وہاں پہنچ کر دیکھ لیتا۔“

فرقان اسے کسی ڈاکٹر سید سیال علی کے پاس لے کر جا رہا تھا جس کے پاس وہ خود بھی جایا کرتا تھا۔ وہ کوئی مذہبی عالم تھے اور سالار کو مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ پچھلے چند سالوں میں اسے مذہبی علماء کے اصلی چرچے سے دلچسپی نہ دکھاتا تھا کہ وہ اب مزید ان جگہوں پر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”فرقان! اسے تنگ فرقان! میں اس ناپ کا ہوں نہیں جس ناپ کا تم مجھے سمجھ رہے ہو۔“ اس نے دیکھ کر حاسوس اور ہنس کے بعد فرقان کو مخاطب کیا۔

”کس ناپ کے؟“ فرقان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”بہن! میری۔“ باہمت و فخر۔ ”یہ جو بھی تم سمجھ لو۔“ اس نے قدرے صاف کوئی سے کہا۔

”اسی لئے تو میں تمہیں وہاں لے جا رہا ہوں، تمہیں مدد کی ضرورت ہے؟“ سالار نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

”کسی مدد؟“

”اگر کوئی جانے قرآن و احادیث کو ایک پارہ چڑھے اور پھر بھی نیند اس کے لئے اسے نیند کی گولیاں کھائی دیں تو پھر کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہے۔ کئی سال پہلے مجھے بھی ایک بار بہت پریشانی ہوئی تھی۔ میرا ذہن بھی بہت الجھ گیا تھا پھر کوئی مجھے ڈاکٹر صاحب کے پاس لے کر گیا تھا۔ آٹھ دس سال ہو گئے ہیں مجھے اب وہاں جاتے۔ تم سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ تمہیں بھی میری طرح کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ درہنہ کی کمی ضرورت ہے۔“ فرقان نے نرم لہجے میں کہا۔

”تم کیوں میری مدد کرنا چاہتے ہو؟“

”کیونکہ میں کہتا ہوں کہ تم میرے بھائی ہو۔“ اس نے موڑ موڑتے ہوئے کہا۔ سالار نے گردن سیدھی کر لی۔ وہ اس سے مزید کیا پوچھتا۔

اسے مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہر عالم اپنے فرائض کی تعریف میں زمین اور آسمان کے تقابے ملانے میں ماہر تھا۔ ہر عالم کو اپنے علم پر غرور تھا۔ ہر عالم کا لب لباب یہی ہوتا تھا۔ میں اچھا ہوں، باقی سب برے ہیں۔ میں کامل ہوں، باقی سب نامکمل ہیں۔ ہر عالم کو کچھ کر لگتا اس نے علم کتابوں سے

تھیں۔ برادر است وحی کے ذریعے حاصل کیا ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس نے آج تک ایسا عالم نہیں دیکھا تھا جو اپنے اوپر تنقید کرنے اور برداشت بھی کرے۔

سالار خود اپنی ملت مسلک سے تعلق رکھتا تھا مگر جو آخری چیز وہ کسی سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا وہ مسلک اور فرقہ تھا اور ان مذہبی علماء کے پاس ڈسکس کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز مسلک اور فرقہ ہی تھا۔ ان علماء کے پاس جاتے جاتے وہ فرقہ فرقہ ان سے برکت ہو گیا تھا۔ ان کی پوچھی میں صرف علم بھرا ہوا تھا۔ عمل نہیں۔ وہ ”غیبت ایک گناہ“ پر لہجہ ڈال کر دیتے، قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے دیتے اور اگلی ہی سانس میں وہ اپنے کسی ہم عصر عالم کا نام لے کر اس کا مذاق اڑاتے، اس کی علمی جہالت کو عیان کرنے کی کوشش کرتے۔

وہ اپنے پاس آنے والے ہر ایک کا پورا پورا خیال دیتا جاتے اور پھر اگر وہ باخود زبان کے کام کا ہو تا تو مطالبوں اور سطر خوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا اور اس باخود زبان کو وہ اپنے پاس آنے والوں کو متاثر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے کہ ان کے پاس کس وقت، کون آیا تھا، کس طرح کون ان کے علم سے فیض یاب ہوا تھا۔ کون بنا آؤی ہر وقت ان کی جو چاہی سیدھی کرتے رہنے کو تیار رہتا ہے۔ کس نے انہیں گھر بلایا اور کس طرح خدمت کی۔ وہ اب تک جن عالموں کے پاس ایک بار گیا تھا وہ بارہ نہیں گیا اور اب فرقان اسے پھر ایک عالم کے پاس لے کر جا رہا تھا۔

وہ شہر کے اچھے عاقلوں میں سے ایک میں جا پہنچے تھے۔ وہ علاقہ اچھا تھا، مگر بہت پوش نہیں تھا۔ اس سڑک پر پہلے بھی بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ فرقان نے بھی ایک مناسب جگہ پر گاڑی سڑک کے کنارے پارک کر دی، پھر وہ گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔ تین چار منٹ چلتے رہنے کے بعد وہ ان جگہوں میں سے ایک ٹھہرا سا وہ مگر پرہیزگار اور پھولے ہنگام کے سامنے پہنچ گئے۔ نیم چیت پر ڈاکٹر سید سیال علی کا نام تحریر تھا۔ فرقان بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔

پہلے کے اندر موجود چھوٹے سے لان میں ایک باغ اپنے کام میں مصروف تھا۔ فرقان نے پورے لان میں ایک حارم کے ساتھ دھما دھما کا چال کیا پھر وہ مزید کچھ آگے چلتا ہوا ایک دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور وہاں اس نے اپنا ہاتھ مار دیا۔ وہاں پہلے بھی بہت سے جوتے چڑھے تھے۔ اندر سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سالار نے بھی دیکھا دیکھی اپنے جوتے اُتار دیئے۔ سالار نے ایک قدم اس کے پیچھے اندر رکھتے ہوئے ایک ہی گھر میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا۔ وہ ایک کشادہ کمرے میں تھا جس کے فرش پر کارپٹ بچھا ہوا تھا اور بہت سے فلور کسٹرن بھی پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف چند مضمونی سی چیزیں تھیں اور وہ بواہیں پر کچھ قرآنی آیات لکھی گرائی کی صورت میں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں تین بیچیں کے قریب مرد تھے جو آپس میں گفتگو میں مصروف تھے۔ فرقان نے اندر



"کیونکہ میں ان کا دوست ہوں، آپ انہیں چاکر بتائیں گی کہ سالار انکل آئے ہیں تو وہ مجھ سے مل لیں گے۔" سالار نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی مسکراہٹ سے متاثر نہیں ہوئی۔

"جی ہاں آپ میرے انکل تو نہیں ہیں۔"

سالار کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

"تو پتہ نہیں۔" وہ بے اختیار ہنسی۔ سالار بچوں کے مل اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اچھا میں نہیں جانتا۔" اس نے چہرے کی مسکراہٹ کو چھپایا۔

"آپ اس فرارک میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ اب کچھ قریب سے اس کا چاکر لیتے ہوئے

بولتا۔ اس کی قربت نے دو واڑے کی جھری میں سے جھانکتی ہوئی بخترم کے چارٹ اور نوا میں کوئی

تبدیلی نہیں کی۔

"لیکن آپ مجھے اچھے نہیں لگتے۔"

اس کے منہ سے زیادہ اس کے تاثرات نے سالار کو محفوظ کیا۔ وہ اب کچھ دور سے حکیت کے

انداز کسی کے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔ کوئی دور واڑے کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"کیوں، میں کیوں اچھا نہیں لگا؟" اس نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

"میں نہیں اچھے لگتا۔" اس نے ناگوار ہی سے گردن کو جھکا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"امام۔" سالار کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے دو واڑے کی جھری میں سے امام

کے عقب میں فرقان کو دیکھا۔ امام کو آٹھاتے ہوئے دو واڑے کھول رہا تھا۔

سالار کھڑا ہو گیا۔ فرقان نہا کر نکلا تھا اس کے بال کیلے اور بے ترتیب تھے۔ سالار نے مسکراتے

کی کوشش کی وہ فوری طور پر کامیاب نہیں ہو سکا۔ فرقان نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" وہ اس کے ساتھ اندر جا گئے ہوئے بولا۔ وہ دونوں اب

ارنگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔

امام، فرقان کی کوئی چیز بھی نہ تھی اور اسے مسلسل کان میں کچھ بتانے کی کوشش کر رہی تھی،

پتے فرقان مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

"انکل سالار سے ملی ہیں آپ؟" فرقان نے سالار کو جینے کا اشارہ کرتے ہوئے امام سے پوچھا۔

وہ اب خود بھی صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔

"یہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔" اس نے باپ تک اپنی ٹاپنڈی کی پینچائی۔

"بہت بری بات ہے امام! ایسے نہیں کہتے۔" فرقان نے سر دلائ کرنے والے انداز میں کہا۔

"آپ انکل کے پاس جائیں اور ان سے ہاتھ ملائیں۔"

اس نے امام کو نیچے اتار دیا۔ وہ سالار کی طرف جانے کے بجائے یک دم بھاگتے ہوئے باہر

چلی گئی۔

"جبرانی کی بات ہے کہ اسے تم اچھے نہیں لگے، دور ان کو میرا ہر دوست اچھا لگتا ہے۔ آج اس کا

موڈ بھی کچھ آف ہے۔" فرقان نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

"یہ نام کا اثر ہے مجھے جبرانی ہوتی اگر اسے میں اچھا لگتا۔" سالار نے سوچا۔

چائے پیتے ہوئے وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور باتوں کے دوران سالار نے اس

سے کہا۔

"ایک دوپٹے تک تم لوگوں کی ڈھنری میں ڈاکٹر آ جائے گا۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔" فرقان یک دم خوش ہوا۔

"اور اس بار وہ ڈاکٹر وہاں رہے گا۔ اگر نہ رہے تو مجھے بتانا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ ڈھنری میں ایک ڈاکٹر کی دستیابی سب

سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ رکا۔ "وہاں جانے سے پہلے مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اور تمہاری

خیمہ اس کام کو اس اسکیل پر اور اتنے آرگنائزڈ انداز میں کر رہے ہو میں تم لوگوں کے کام سے درحقیقت

بہت متاثر ہوا ہوں اور میری آفر ابھی بھی وہی ہے۔ میں اس پروجیکٹ کے سلسلے میں تمہاری مدد کرنا

چاہوں گا۔"

اس نے سنجیدگی سے فرقان سے کہا۔

"سالار! میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ میں چاہوں گا، تم اسی طرح کا کوئی پروجیکٹ وہاں کسی

دوسرے گاؤں میں شروع کرو۔ تمہارے پاس مجھ سے زیادہ ذرائع ہیں اور تم مجھ سے زیادہ اچھے طریقے

سے یہ پروجیکٹ چلا سکتے ہو۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا میرا مسئلہ وقت ہے، میں تمہارے جتنا وقت نہیں دے سکتا اور بحر

میں پاکستان میں وہ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری طرح میرے خیمہ مہرز بھی اس معاملے میں میری مدد نہیں کر

سکتے۔" سالار نے اسے اپنا مسئلہ بتایا۔

"چلو اس پر بعد میں بات کریں گے، ابھی تو تم چائے پیو پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں

گا۔" فرقان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"میں ہاں؟"

داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سلام کیا اور پھر چند لوگوں کے ساتھ کچھ غیر مقدسی کلمات کا چالو کیا پھر وہ ایک خالی کونے میں بیٹھ گیا۔

"لاکڑ سید سید علی کہاں ہیں؟" سالار نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے مدغم آواز میں پوچھا۔  
"آٹھ بیٹھے ہی وہ اندر آ جائیں گے، ابھی تو صرف سات بجیں ہوئے ہیں۔" فرقان نے اس سے کہا۔

سالار گردن ہلا کر کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں ہر صبح کے افراد تھے۔ چند ٹیٹے اتر آئے، اس کے ہم عمر افراد، فرقان کی عمر کے لوگ، اور چھ عمر۔ اور کچھ عمر رسیدہ بھی۔ فرقان اپنی دائیں طرف بیٹھے کسی آدمی کے ساتھ معروف گفتگو تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے اس نے ساتھ بیٹھے سال کے ایک آدمی کو ایک اندر دہلی دو واڑہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی اشتہار کے لئے احترام کفر نہیں دیا۔ آنے والے نے ہی سلام میں پہلی کی تھی جس کا جواب وہاں موجود لوگوں نے دیا۔ آنے والے کے احترام میں کھڑا نہ ہونے کے باوجود سالار اب اچانک وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نشست کے انداز میں احترام دیکھ رہا تھا۔ وہ سب یک دم بہت چوکنے اور حلقہ نظر آنے لگے تھے۔

آنے والے یقیناً لاکڑ سید سید علی تھے۔ وہ کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ اس خصوصیت جگہ پر بیٹھ گئے جنہیں شاید ان ہی کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ ان کی رنگت سرخ و سفید تھی اور یقیناً جوانی میں وہ بہت خوبصورت ہوں گے۔ ان کے چہرے پر موجود ڈانگی بہت لمبی نہیں تھی مگر بہت کٹنی اور تقاست سے تراشی گئی تھی۔ دائرہ مکمل طور پر سفید نہیں ہوئی تھی اور کچھ لمبی حال ان کے سر کے بالوں کا بھی تھا۔ سفید اور سیاہ کے امتزاج نے ان کے چہرے اور سر پر موجود بالوں کو بہت باہر نکال دیا تھا۔ وہ وہاں بیٹھے کر دائیں طرف موجہ کسی آدمی کا سالار دریافت کر رہے تھے۔ شاید وہ کسی بیماری سے اٹھ کر آیا تھا۔ سالار نے چند ہی لمحوں میں ان کے سر پہلے کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ اور فرقان باقی لوگوں کے عقب میں دیوار کے ساتھ ٹھک لگائے بیٹھے تھے۔

لاکڑ سید علی نے اپنے نیچر کا آغاز کیا۔ ان کا لب و لہجہ بے حد شائستہ تھا اور انداز دھما تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ سالار کو ان کے ابتدائی چند جملوں سے ہی اندازہ ہو گیا تھا وہ ایک غیر معمولی عالم کے سامنے تھا۔

لاکڑ سید سید علی شکر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔  
"انسان اپنی زندگی میں بہت سے عقیب و فراز سے گزرتا ہے۔ کبھی کمال کی بلندیوں کو چا چھو تا ہے۔ کبھی زوال کی گہرائیوں تک جا پہنچتا ہے۔ ساری زندگی وہ ان ہی دونوں انتہوں کے درمیان سفر

کر تا رہتا ہے اور جس راستے پر وہ سفر کرتا ہے وہ شکر کا ہو تا ہے یا شکاری کا۔ کچھ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ زوال کی طرف جائیں یا کمال کی طرف، وہ صرف شکر کے راستے پر ہی سفر کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو صرف نا شکاری کے راستے پر سفر کرتے ہیں، چاہے وہ زوال حاصل کریں یا کمال اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ان دونوں راستوں پر سفر کرتے ہیں۔ کمال کی طرف ہاتھ ہوئے شکر کے اور زوال کی طرف جاتے ہوئے نا شکاری کے۔ انسان اللہ کی ان گنت مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اشرف المخلوقات ہے مگر مخلوق ہی ہے۔ وہ اپنے خالق پر کوئی حق نہیں رکھتا، صرف فرض رکھتا ہے۔ دوزخ میں رہے ایسے کسی فریب، پکارا کے ساتھ نہیں آتا۔ وہ ایک وہ اللہ سے کسی بھی چیز کو اپنا حق سمجھ کر مطالبہ کر سکے مگر اس کے باوجود اس پر اللہ نے اپنی رحمت کا آغاز رحمت سے کیا، اس پر نعمتوں کی بارش کر دی گئی اور اس سب کے بدلے اس سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کیا گیا شکر کا۔ کیا محسوس کرتے ہیں آپ اگر آپ بھی زندگی میں کسی پر کوئی احسان کریں اور وہ شخص اس احسان کو یاد رکھنے اور آپ کا احسان مند ہونے کے بجائے آپ کو ان مواقع کی یاد دلائے، جب آپ نے اس پر احسان نہیں کیا تھا یا آپ کو یہ بتائے کہ آپ کا احسان اس کے لئے کافی نہیں تھا۔ اگر آپ اس کے لئے "نہ کر دیتے یا" وہ "نہ دیتے تو زیادہ خوش ہوتا۔ کیا کریں گے آپ ایسے شخص کے ساتھ؟ اور بارہ احسان کرنا تو ایک طرف، آپ تو شاید اس سے شعلہ رکنا تک پسند نہ کریں۔ ہم اللہ کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اس کی نعمتوں اور رحمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے ہم ان چیزوں کے لئے پر کڑھتے رہتے ہیں، جنہیں ہم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اللہ پھر بھی رحیم ہے، وہ ہم پر اپنی نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ ان کی تعداد میں ہمارے اعمال کے مطابق کمی بیشی کرتا رہتا ہے مگر ان کا سلسلہ کبھی بھی مکمل طور پر قطع نہیں کرتا۔"

سالار جھٹکیں جھپکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔  
"شکر ادا کرنا بھی ایک بیماری ہوتی ہے، ایسی بیماری جو ہمارے دلوں کو روز بہ روز کشادگی سے نکلی کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری زبان پر شکوہ کے علاوہ اور کچھ آنے ہی نہیں دیتی۔ اگر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت نہ ہو تو ہمیں انسانوں کا شکر یہ ادا کرنے کی بھی عادت نہیں پڑتی۔ اگر ہمیں خالق کے احسانوں کو یاد رکھنے کی عادت نہ ہو تو ہم کسی مخلوق کے احسان کو بھی یاد رکھنے کی عادت نہیں سمجھ سکتے۔"

سالار نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ نا شکاری کیا ہوتی ہے، کوئی اس سے زیادہ بھی طرح طرح نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر ڈاکڑ سید سید علی کو دیکھا۔  
پورے ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اپنا نیچر ختم کیا، کچھ لوگوں نے ان سے سوال کئے پھر لوگ بیماری پاری اٹھ کر جانے لگے۔  
باہر سڑک پر لوگ اپنی گاڑیوں پر بیٹھ رہے تھے۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ رات اب



کیری، یورپی تھی۔ سالار کے کانوں میں ابھی بھی ڈاکٹر سیٹھ علی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ فرقان گاڑی اشارت کر کے واپسی کا سر شروع کر چکا تھا۔

سات دن پہلے وہ فرقان نامی کسی شخص سے واقف تک نہیں تھا اور سات دن میں اس نے اس کے ساتھ تعلقات کی بہت سی میز چیاں کھائی تھیں۔ اسے حیرت تھی وہ لوگوں کا عادی نہیں تھا۔ کچھ تعلقات اور روابط کبھی کبھی طے کئے جاتے ہیں۔ کس وقت... کون کسے... کہاں... کس لئے... گوارز نہ کی میں کیا تبدیلی لے آئے گا یہ سب۔

وہ صرف ایک دن کے لئے لاہور آیا تھا، مگر دنیا پاکستان میں اپنے قیام کے باقی دن اسلام آباد کے بجائے لاہور میں قیام پزیر رہا۔ باقی کے دن دوبارہ روز فرقان کے ساتھ ڈاکٹر سیٹھ علی کے پاس جاتا رہا۔ وہ ایک دن بھی ان سے براہ راست نہیں ملا۔ صرف ان کا پیچہ سنا اور آنکھ کر آ جاتا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کی زندگی کا یہ حصہ مختلف بے رہی ممالک کی بے نیورسٹیز میں اسکا ایک اٹل پڑا اور اسلامک پسلی کی تعلیم دیتے گزرا تھا۔ پچھلے دس بارہ سال سے وہ پاکستان میں یہاں کی ایک بے نیورسٹیز سے وابستہ تھے اور فرقان تقریباً سترہ ہی عرصہ سے انہیں جانتا تھا۔

جس دن اسے لاہور سے اسلام آباد اور پھر وہاں سے واپسی کا ارادہ تھا اس رات پہلی بار وہ پیچہ کے ختم ہونے کے بعد فرقان کے ساتھ وہاں ٹھہر گیا۔ باری باری تمام لوگ کمرے سے نکل رہے تھے۔ ڈاکٹر سیٹھ علی کھڑے تھے اور کچھ لوگوں سے الوداعی مصافحے کر رہے تھے۔

فرقان اس کے ساتھ ڈاکٹر سیٹھ علی کی طرف بڑھ آیا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی کے چہرے پر فرقان کو دیکھ کر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں موجود آخری آدمی کو رخصت کر رہے تھے۔

"کیسے ہیں آپ فرقان صاحب!" انہوں نے فرقان کو مخاطب کیا۔ "بڑے دنوں کے بعد ڈکے آپ یہاں پر۔"

فرقان نے کوئی وضاحت دی بھر سالار کا تعارف کر دیا۔ "یہ سالار سیکر، ہیں، وہ سب جی۔"

سالار نے اپنا نام سننے پر انہیں ایک دم چونکے دیکھا اور پھر وہ کچھ حیران ہوئے مگر اگلے ہی لمحوں کے چہرے پر ایک بار پھر پہلے والی مسکراہٹ تھی۔ فرقان اب اس کا تعارف کر رہا تھا۔

"آئیے بیٹھے۔" ڈاکٹر سیٹھ علی نے فری انشٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فرقان اور وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ وہ فرقان کے ساتھ اس کے پرہیزگار حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار خاموشی سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھتا رہا۔ گفتگو کے دوران ہی ان کا ملازم اندر

آیا اور انہوں نے اسے کھانا لانے کے لئے کہا۔

ملازم نے اس کمرے میں دسترخوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ فرقان یقیناً پہلے بھی وہاں کئی بار کھانا کھا چکا رہا تھا۔

وہ جب ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لئے واپس کمرے میں پہنچا اور دسترخوان پر بیٹھا تو ڈاکٹر سیٹھ علی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

"آپ مسکراتے نہیں ہیں سالار؟" وہ ان کے سوال سے زیادہ سوال کی نوعیت پر گزرا۔ کچھ ہوائی ساواہ انہیں دیکھتا رہا۔

"اس حرم میں اتنی سنجیدگی کو کوئی بہت مناسب بات نہیں۔" سالار کچھ حیرانی سے مسکرایا، پھر وہ بیٹھ کر کھانا کھاتا رہا۔ وہ یہ کہہ کر کہ وہ مسکراتے کا عادی نہیں رہا تھا۔ وہ فرقان کی طرف اکتھ کر کچھ ہینہ پھر اس نے مسکراتے کی کوشش کی۔ یہ آسان کام ثابت نہیں ہوا۔

"کیا سہرا چہرہ میرے ہر احساس کو ظاہر کرنے لگا ہے کہ پہلے فرقان اور اب ڈاکٹر سیٹھ علی مجھ سے میری سنجیدگی کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔" اس نے سوچا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اتنا سنجیدہ نہیں ہوں۔" اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی سے زیادہ جیسے خود کو بتایا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" ڈاکٹر سیٹھ علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کھانے کے بعد دونوں کو رخصت کرنے سے پہلے وہ اندر گئے۔ واپسی پر ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، وہ کتاب انہوں نے سالار کی طرف بڑھا دی۔

"آپ کا تحقیقی معاشیات سے ہے کچھ حرم سے پہلے میں نے اسلامی اقتصادیات کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اسے پڑھیں تاکہ آپ کو اسلامی اقتصادیات کے بارے میں بھی کچھ واقفیت حاصل ہو۔"

سالار نے کتاب ان کے ہاتھ سے پکڑ لی، کتاب پر ایک نظر ڈالنے ہوئے اس نے دم آواز میں ڈاکٹر سیٹھ علی سے کہا۔

"میں واپس جا کر بھی آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے صرف اقتصادی بات کے بارے میں نہیں سیکھنا چاہتا اور ابھی بہت کچھ جانتا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر سیٹھ علی نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

☆.....☆.....☆

"ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کے پاس جتنے لوگ بھی آتے ہیں وہ کبھی نہ کسی حوالے سے کمیونیٹی ورک سے وابستہ ہیں۔ کچھ پہلے ہی اس کام میں انوالو ہوتے ہیں اور جو پہلے نہیں ہوتے وہ بعد میں ہو جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر سیلا ملی سے پہلی ملاقات کے بعد فرقان نے اسے بتایا۔

"ان کے پاس آنے والے زیادہ تر لوگ بہت کوالیفائیڈ ہیں۔ بڑے بڑے اداروں سے وابستہ ہیں۔ میں بھی اتفاقاً ان کے پاس چلا شروع ہوا۔ لندن میں ایک بار میں ایک لکچر سننے کا اتفاق ہوا پھر پاکستان آنے پر ایک دوست کے قلم سے ان سے ملنے کا موقع ملا اور اس کے بعد سے میں ان کے پاس جا رہا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے بارے میں میرے نظریات پہلے کی نسبت اب بہت صاف اور واضح ہیں۔ ذہنی طور پر بھی میں پہلے کی نسبت اب زیادہ مضبوط ہو گیا ہوں تم اس پر وینکٹ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس پر وینکٹ میں میری بہت زیادہ ڈاکٹر سیلا ملی کے پاس آنے والے لوگوں سے بھی کی۔ بہت ساری سولیات انھیں لوگوں نے فراہم کیں اور میں یہاں اس قسم کے پرو وینکٹ پر کام کرنے والا واحد شخص ہوں اور ہم ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اس نے رکی ٹوٹیت لکھتے ہوئے ہے مگر مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ ہم اس ملک کو تھپل کرنا چاہتے ہیں۔"

سالار نے اس کے آخری جملے پر عجیب سی نظروں سے استدیکھا۔ "یہ اتنا آسان تو نہیں ہے۔" "ہاں ہم جانتے ہیں یہ آسان کام نہیں ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں یہ سب ہماری زندگیوں میں نہیں ہو گا مگر ہم وہ بنیاد ضرور فراہم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں ہمارے بچے اور ان کے بعد والی نسل تعمیر کرنی ہے۔ وہ اندھیرے میں نالکے کو بھانسنے لگتی رہے۔ کم از کم مرنے والے ہم لوگوں کو یہ احساس تو نہیں ہو گا کہ ہم ان لوگوں نے قیادت کی تھی زندگی گزار دی۔ دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ہم بھی صرف تھکے کرتے رہے۔ غرابوں پر انگلیاں اٹھاتے رہے۔ اسلام کو صرف مسجد کی حدود تک ہی محدود کر کے بیٹھے رہے۔ اپنے اوپر دوسروں کی زندگیوں میں ہم نے کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ حیرانی سے فرقان کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ امام باقر، جلال العصر، احمد کے بعد وہ ایک اور مسلمان کو دیکھ رہا تھا۔ ایک اور پر یکجہلی مسلمان کو وہ مسلمانوں کی ایک اور قسم سے آگاہ ہو رہا تھا۔ وہ مسلمان جو دین اور دنیا کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے جو دونوں انتہاؤں کے بیچ کے راستے کو پیچھتے تھے اور ان پر چلنے کا طریقہ جانتے تھے وہ ہر کی طرح الجھا۔

"تم نے میری آفر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس نے فرقان سے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا میں تم سے کیا چاہتا ہوں۔ تمہاری ضرورت ہے اس ملک کو۔ یہاں کے لوگوں کو یہاں کے اداروں کو، تمہیں یہاں آکر کام کرنا چاہئے۔"

سالار اس بات پر ہلکے سے ہنسا "تم بھی اس ناپک کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اچھا میں اس پر سوچوں گا۔ پھر تم میری آفر کے بارے میں کیا کہو گے۔"

"میرے گاؤں کے قریب ہی ایک اور گاؤں ہے۔ اسی حالت میں جس حالت میں دس چار

سال پہلے میرا گاؤں تھا۔ میں آج کل کوشش کر رہا تھا کہ کوئی وہاں پر اسکول بنادے۔ پرائمری اسکول تو گورنمنٹ کا وہاں ہے مگر آگے کچھ نہیں ہے۔ اگر تم وہاں اسکول شروع کرو تو یہ زیادہ بھر ہو گا۔ میں اور میری بیٹی تمہاری غیر موجودگی میں اسے دیکھیں گے۔ ہم اسے قائم کرنے میں بھی تمہاری مدد کریں گے مگر پھر تمہیں خود ہی اسے چلانا ہو گا۔ صرف راجیہ فراہم کر دینا کافی نہیں ہو گا۔" فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"کل چل سکتے ہو۔ میرے ساتھ وہاں؟" سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قیادت ہے کل صبح۔"

"نہیں میں دو دن کے بعد چلا جاؤں گا۔ ایک بار میں چلا گیا تو فوری طور پر میرے لئے واپس آنا ممکن نہیں رہے گا اور میں چالنے سے پہلے یہ کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔"

اس نے فرقان سے کہا۔ فرقان نے سر ہلادیا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس رات کی قیادت سے اسلام آباد گئے اور پھر رات کو ہی فرقان کے گاؤں چلے گئے۔ رات وہاں قیام کرنے کے بعد صبح فجر کے وقت فرقان کے ساتھ وہ اس گاؤں میں گیا۔ وہ پہر پارہ پہنچے تک وہ اس گاؤں کے لوگوں سے ملنے اور وہاں پھرتے رہے۔ وہاں موجود پرائمری اسکول کو دیکھ کر سالار کو یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی حالت سے کچھ بھی لگتا تھا مگر اسکول نہیں۔ فرقان کو اس کی طرح کوئی شک نہیں لگا تھا۔ وہ وہاں کے حالات سے پہلے ہی بہت اچھی طرح باخبر تھا۔ وہ سال میں تین چار مرتبہ مختلف دیہات میں سینے بگنی کیس گواہ کرنا تھا اور وہ دیہات کی زندگی اور وہاں کی حالت سے سالار کی نسبت بہت اچھی طرح واقف تھا۔ فرقان کو شام کی قیادت سے واپس لاہور چلنا تھا۔ وہ لوگ دوپہے کے قریب وہاں سے اسلام آباد جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

اسکول کے اس پرو وینکٹ کو شروع کرنے سے پہلے سکالر عثمان سے اس کی بات ہوئی تھی۔ اس نے محترم الفاظ میں انھیں اس پرو وینکٹ کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ کسی بد اخلاقت کے بغیر اس کی بات سننے دے پھر انہوں نے بڑی شجیدگی سے اس سے کہا۔

"یہ سب تمہیں کیوں کر رہے ہو تم؟"

"پاپا! میں اس کام کی ضرورت محسوس کرتا ہوں لوگوں کو۔" انہوں نے سالار کی بات کاٹ دی۔

"میں اسکول کی بات نہیں کر رہا۔"

"پھر آپ کس چیز کی بات کر رہے ہیں؟" وہ حیران ہوا۔



"میں تمہارے لائف اسٹائل کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرے لائف اسٹائل کو کیا ہوا؟" وہ چونکا۔ سکندر عثمان اسے دیکھتے رہے۔

"تم نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بارے میں ہمیں اس وقت بتایا جب تم حفظ کر چکے تھے، اور کے قانون، میں نے کچھ نہیں کہا۔ تم سچ پر جانا چاہتے تھے میرے اس سلسلے میں کچھ خطرات تھے مگر میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہر طرح کی سوشل لائف ختم کر دی۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ تم مذہب میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے، نماز شروع کر دی وہ بھی مسجد میں۔ میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ تم نے پرنس کرنے کے بجائے جاب کرنا چاہی وہ بھی یہاں نہیں امریکہ میں۔ میں نے تمہیں کرنے دی۔ اب تم ایک اسکول کھولنا چاہو رہے ہو۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس مقام معاملے پر کچھ تنقید کی سے بات کر لیں۔" سکندر عثمان بے حد سنجیدہ تھے۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا یہ لائف اسٹائل تمہیں ہمارے سوشل سرکل کے لئے ناقابل قبول بنا دے گا۔ پہلے تم ایک انتخاب تھے اب تم دوسری انتخاب ہو۔ بچپن، چھبیس سال کی عمر میں جن کاموں میں تم اپنے آپ کو اذیت دے رہے ہو وہ غیر ضروری ہیں۔ تمہیں اپنے کیریئر پر دھیان دینا چاہئے اور اپنے لائف اسٹائل میں تبدیلی لانی چاہئے۔

ہم جس کا اس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں مذہب سے ایسا ناہنگی بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔" دوسرے جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"اور صرف تمہارے لئے ہی نہیں، ہمارے لئے بھی بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ تم خود سوچو تم لوگوں کو کیا امپریشن دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ کل کو ہم باہم خود دھپ اپنی کاس کی کسی بھی فیملی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہو گے تو تمہاری یہ مذہبی وابستگی تمہارے لئے کتنے مسائل پیدا کرے گی تمہیں اذیت دے گی۔ کوئی بھی فیملی سکندر عثمان کا نام دیکھ کر یا تمہاری کو انٹیلیجنٹ دیکھ کر اپنی بیٹی کی شادی تم سے نہیں کر دے گی۔ اوپر سے تم نے اس عمر میں سوشل ورک شروع کرنے کی شان لی ہے جب تمہاری عمر کے لوگ اپنے کیریئر کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں تم یوٹیلٹی میں بہت سوشل ورک کرتے رہے ہو اتنا کافی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ تم یہ سب کچھ اپنی پرسل لائف میں بھی شروع کر دو۔ جو بیسہ تم اس اسکول پر اور لوگوں کی زندگیوں میں بھرتا بننے کے لئے ضائع کرو گے اسے تم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دو۔ انہیں آسائش دینے کے لئے ایک آرام دہ لائف اسٹائل دینے کے لئے۔ اپنے آپ پر خرچ کرو، نین سو سال کی زندگی نہیں ہے تمہاری، پھر اتنی ہی عمر میں یہ معاملے کو کیوں سوار کر لیا ہے تم نے اپنے اعصاب پر۔ ایک حادثہ ہوا، برا ہوا۔ تم نے سچی سیکھا، بہت اچھا کیا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس عمر میں صحیح بگاڑ لو۔" وہ زکے۔" کیا میری بات کو

کچھ رہے ہو؟" تمہیں نے پوچھا۔

"پاپا! میں نے صحیح نہیں بکڑی ہے۔" سارا نے ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا۔ "آپ نے زندگی میں قوانین رکھنے کی بات کی میں وہ قوانین ہی رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اپنے کیریئر میں کہاں پر کھڑا ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری کارکردگی سے آپ واقف ہیں۔"

"میں واقف ہوں اور اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم اس طرح کی سرگرمیوں میں خود کو اذیت کر دو تو تم بہت آگے جا سکتے ہو۔" سکندر نے کہا۔

"میں کیسے نہیں جاسکتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ تھوڑوں تو کیریئر کی کسی ماڈل ایجورسٹ تک پہنچ جاؤں گا، تو ایسا نہیں ہے۔" اس نے توقف کیا۔

"تم اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچو۔ اپنی شادی کے بارے میں، ایسی امیروں کے لئے تم کو کہاں قبول کیا جائے گا۔"

"میں نے سوچا ہے پاپا! میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔"

سکندر ہنستے۔

"بچکانہ سوچ ہے۔ ہر ایک یہی کہتا ہے۔ تمہیں تو اپنا "ایڈوکیٹر" یاد رکھنا چاہئے۔"

ان کا اشارہ دیکھ کر طرف تھا وہ جانتا تھا وہ بہت دیر کچھ نہیں کہہ سکا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ اس ایڈوکیٹر کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے یاد ہے۔" بہت دیر بعد اس نے دم آواز میں کہا۔

"میں آپ کے سوشل سرکل میں بہت پہلے ہی مس فٹ ہو چکا ہوں اور میں یہاں جگہ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ مجھے اس سوشل سرکل میں کوئی نیا تعلق پارٹنر بھی قائم نہیں کرنا۔

مجھے پراپر نہیں کہ لوگ، میرے بہن بھائی، میرا مذاق لڑائیں گے یا مجھ پر نہیں گے۔ میں اس سب کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ جہاں تک سوال اس پر دھچکت کا ہے۔ پاپا مجھے اسے شروع کرنے دیں۔ میرے پاس بہت پیسہ ہے۔ اس پر دھچکت کو شروع کرنے کے بعد بھی مجھے فٹ پانچ پر رہنا نہیں پڑے گا۔ کچھ لوگوں کو جسم کی بیماری ہوتی ہے، کچھ کو روح کی۔ جسم کی بیماری کے لئے لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ روح کی بیماری کے لئے لوگ وہی کرتے ہیں جو میں کر رہا ہوں۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس پیسے سے سب کچھ خرید سکتا ہوں صرف سکون نہیں خرید سکتا۔ زندگی میں پہلی بار میں سکون حاصل کرنے کے لئے اس پیسے کو ازبیت کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے مجھے سکون مل جائے۔" سکندر عثمان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہیں۔

والیں واقفین پہنچ کر وہ ایک بار پھر پہلی کی طرح معروف ہو گیا تھا مگر اس بار فرقہ پر تھا کہ وہ مسلسل پاکستان میں فرقان اور ڈاکٹر سید غنی کے ساتھ رابطے میں تھا۔ فرقان اسے اسکول کے بارے میں دینے والی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔

یہ عیسیت میں اس طرح کا کام اس کی جانب کا حصہ تھا۔ اسے اس کام کے لئے بہت اچھا معاوضہ دیا جاتا تھا مگر پاکستان کے اس گاؤں میں اس طرح کے کام کا آغاز اور وہ بھی اپنے وساکے سے۔ چند سال پہلے کے سالار سکندر کو جاننے والے کبھی بھی اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ غور اسے بھی یقین نہیں آتا تھا کہ وہ کبھی اس طرح کا کام کرنے کا سوچ سکتا تھا مگر یہ صرف اس پر وجہیت کے لئے اپنے اگاڑے سے بیہ نکالنے ہوئے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کے لئے یہ پروڈیکٹ کم از کم کہانی لحاظ سے مشکل نہیں تھا۔

بچپے تین سال میں اس کے اخراجات میں بہت کمی آگئی تھی۔ بہت ساری چیزیں اس کی زندگی سے نکل گئی تھیں جن پر وہ اندھا ہوا حصہ خرچ کر رہا تھا۔ وہ اپنے بچک اگاڑے میں جمع رقم جان کر حیران ہو گیا تھا۔ وہ اپنا محض نہیں تھا جس سے پیسہ جمع کرنے کی توقع کی جا سکتی۔ ایم فل کے لئے اس کے پاس اسکا ر شپ تھا۔ تم از کم اس کے لئے اپنے پاس سے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس دن اپنے پارٹمنٹ میں چلنے پھرتے اس نے چکی پار وہاں موجود دھام چڑوں کو غور سے دیکھا تھا۔ اس کے پارٹمنٹ میں کہیں بھی کوئی بھی منگنی چیز نہیں تھی بلکہ سامان بھی بہت محدود تھا۔ اس کا کچن بھی کھانے پینے کی چیزوں سے تشربا خالی تھا۔ کافی چائے، دو دو اور اسی طرح کی چند دوسری چیزیں۔ اس کا اپنے پارٹمنٹ میں بہت کم وقت گزارنا تھا جو وقت گزارنا تھا وہ سونے میں گزارتا۔

یہ عیسیت میں اپنی جانب پر جاتے ہوئے بھی اس کے پاس پہلے سے موجود چیزوں اور دوسری اشیاء کا اتنا انبار موجود تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی لاپرواہی رہتا رہا۔ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ اس نے آخری بار اس طرح کی کوئی چیز کب خریدی تھی۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور یونیورسٹی میں اپنے کچھ کلاس فیلوز کے علاوہ وہ نیو یارک میں کسی کو نہیں جانتا تھا یا پھر دانستہ طور پر اس نے خود کو ایک محدود سرنگل میں رکھا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ بھی اس کی دوستی بہت رکی قسم کی تھی۔

۱۱۔ چیز جس پر وہ رقم خرچ کر رہا تھا وہ کتا نہیں تھیں۔ اس لائف اسٹائل کے ساتھ اگر اس کے اگاڑے میں اتنی رقم جمع ہو گئی تھی تو یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں تھی۔ آفس ملازمہ رتھا، غلیظ۔ اس کی زندگی کے معمولات میں ہرچیز کوئی نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

ایم فل کے دور ان سالار نے یہ عیسیت بھڑک کر نکال دیا۔

ایم فل کرتے کے بعد سالار کی پے تنگ جیس میں ہو گئی۔ اس سے پہلے وہ ایک فیلڈ آفس میں کام

کر رہا تھا مگر اب اسے یہ نیکو کے بیٹے کو انڈر ٹری میں کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ گنڈو سٹو سالوں میں واقف تھا جیسو نے۔ سونے پر انٹیکس کے سلسلے میں جیسو جاب رہا تھا مگر اس بار وہ پہلی دفعہ ایک لمبے طرے کے لئے وہاں جاب رہا تھا۔ ایک آئینہ بنایا ہے، آئینہ بنائیں، اس دنیا میں جہاں وہ زبان تک سے واقف نہیں تھا۔ نیو یارک میں اس کے بہت سے دوست تھے، یہاں پر اپنی کوئی بھی نہیں تھا جسے وہ بہت اچھی طرح جانتا ہو۔

یہ عیسیت میں کئے جانے والے ان ٹھک کام کی طرح وہ یہاں آکر ایک بار پھر اسی طرح کام کرنے کا تھا مگر اسلام آیا، کے فوری مارتے میں شروع کیا جانے والا وہ اسکول یہاں بھی اس کے ذہن سے نکل نہیں رہا تھا۔ لیکن وہ اسے حیرت ہوئی کہ اپنی جانب میں تعلیم سے انکار کر اٹھنے والے کے باوجود آخر اسے بھی فرقان کی طرح وہ اسکول کھولنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ اگر اس اسکول کے بارے میں وہ کئی سال پہلے سوچ لیتا تو شاید آج یہ اسکول بہت مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہو جاتا۔

”مجھے پاکستان سے زیادہ محبت نہیں ہے، نہ ہی اس کے لئے میں کوئی کمری، المیت رکھتا ہوں۔“ اس نے شروع کی ملاقات میں ایک بار فرقان سے کہا تھا۔

”کیوں؟“ فرقان نے پوچھا تھا۔

”کیوں کا جواب تو میں نہیں دے سکتا، میں پاکستان کے لئے کوئی خاص احساسات میرے دل میں نہیں ہیں۔“ اس نے کمرے سے اچکا کر کہا تھا۔

”یہ جاننے کے باوجود کہ یہ تمہارا ملک ہے؟“

”ہاں، یہ جاننے کے باوجود۔“

”امریکہ کے لئے خاص احساسات ہیں، امریکہ سے محبت ہے؟“ فرقان نے پوچھا۔

”نہیں، اس کے لئے بھی میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔“ اس نے مطمئنانہ کہا۔

فرقان نے اس بار حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”در اصل میں وطنیت پر یقین نہیں رکھتا۔“ اس نے فرقان کو حیران رکھ کر وضاحت کی۔

”پھر مجھے ان بچوں کے لئے محبت پیدا کرنے میں وقت محسوس ہوتی ہے، جہاں میں رہتا ہوں۔“ میں کل کسی تیسرے ملک میں رہنے لگوں گا تو امریکہ کو بھی یاد نہیں کروں گا۔“

”تم جو بے عیب آدمی ہو سالار! فرقان نے بے اختیار کہا۔ ”کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنے ملک کے لئے یا اس ملک کے لئے کوئی خاص احساسات ہی نہ رکھے جہاں وہ رہتا ہے۔“

فرقان کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے کچھ ٹاٹ نہیں کہا تھا۔ جیسو آنے کے بعد اسے نیو یارک کی کوئی چیز یاد نہیں آئی تھی۔ نیو یارک سے نیو یارک آئے ہوئے بھی اسے وہاں ایلی جنڈرٹ کا



کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر پائی کی پھلتی تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ان دنوں پوٹائیڈ ٹینشن کے زیرِ اہتمام ہونے والی کسی ریجنل کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہ پرل کافٹی ٹینٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے وہاں ایک پرنسٹنٹ کے ادارے میں کچھ ہجھڑ دے دیے تھے اور فرمان کے ساتھ اپنے اسکول کے سلسلے میں کچھ امور کو بھی طے کرنا تھا۔

وہ لاہور میں اس کے قیام کا تیسرا دن تھا۔ اس نے رات کا کھانا کچھ جلدی کھا لیا اور اس کے بعد وہ کسی ضروری کام سے ہوئی سے باہر نکل آیا۔ شام کے ساڑھے سات ہو رہے تھے۔ مال روڈ پر جاتے ہوئے اچانک اس کی گاڑی کا ٹائر پھٹ کر ہو گیا۔ ڈرائیور گاڑی سے اتر کر ٹائر کو دیکھنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے سالار کی کمز کی کے پاس آکر کہا۔

”سر! گاڑی میں دوسرا ٹائر موجود نہیں ہے۔ میں آپ کے لئے کوئی ٹیکسی لاتا ہوں۔ آپ اس پر چلے جائیں۔“ سالار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

”نہیں، میں خود ٹیکسی روک لیتا ہوں۔“ وہ کہتا ہوا اتر گیا۔ کچھ دور ایک پارکنگ میں کچھ ٹیکسیاں نظر آ رہی تھیں۔ سالار کا ٹائر اسی طرف تھا جب ایک کار نے پک دم اس کے پاس آکر بریک لگائی۔ گاڑی سامنے سے آئی تھی اور اس کے رکنے پر سالار نے فٹ پاتھ پر پھینچے ہوئے اس میں بیٹھے شخص کو ایک ٹھکر میں ہی بیچاں لیا۔

وہ عاکف تھا۔ وہ اب گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے اتر رہا تھا۔ لاہور میں کچھ سال پہلے اس کی سرگرمیوں کا وہ ایک مرکزی کردار تھا۔ عاکف اور اکل۔ وہ ان ہی دنوں کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارا کرتا تھا اور اس سے سالار کی دوبارہ ملاقات کئی سالوں کے بعد ہو رہی تھی۔ وہ ان سب کو چھوڑ چکا تھا۔ پاکستان والا ہو ر آنے پر بھی اس نے کبھی ان کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے پچھلے کئی سالوں میں بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی ان کو ششوں کے باوجود سالار ان سے بچنے کی کوششوں میں کامیاب رہا تھا۔

اور اب اسٹے سالوں کے بعد وہ پک دم اس طرح اچانک اس کے سامنے آ گیا تھا۔ سالار کے اعصاب پک دم تن گئے۔ عاکف بڑے خوش و خروش کے عالم میں اس کی طرف بڑھا۔

”سالار! مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ تم ہو۔“ کہاں غائب تھے اسٹے سالوں سے؟ تم تو کدو جی کے سر سے سینک کی طرح غائب ہو گئے تھے۔ کیاں تھے بار بار اور اب یہاں کیا کر رہے ہو۔ طبعی حیا بدل لیا ہے، کہاں گئے وہ ہال، لاہور میں کب آئے ہو، آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟“

اس نے کچے بعد دیکھنے سے سوالات کی پوچھاڑ کر دی۔ اس نے سالار کے انداز میں جھٹکنے والی

سر دھڑی پر خود بخود کیا تھا۔ سالار کے جواب دینے سے پہلے ہی عاکف نے وہ بارہ پوچھا۔

”یہاں مال پر کیا کر رہے ہو؟“

”گھاڑی خراب ہو گئی تھی، میں ٹیکسی کی طرف جا رہا تھا۔“ سالار نے کہا۔

”کہاں جا رہے ہو، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ عاکف نے بے تکلفی سے کہا۔

”نہیں، میں چلا جاتا ہوں۔ ٹیکسی پاس ہی ہے۔“ سالار نے تیزی سے کہا۔

عاکف نے اس کی بات سن کر ان سنی کر دی۔

”پہلا اندر بیٹھو۔“ اس نے ہڈو پکڑ کر بھیج لیا۔ سالار سٹیپن پا لیکن اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا موڈ اب بہت خراب ہو نے لگا تھا۔

”تم تو اٹلیس پڑھنے پہلے گئے تھے اور پھر مجھے پتا چلا کہ تم نے وہاں جا ب کر لی ہے پھر اچانک پاکستان آئیے؟“ عاکف نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا پٹنیاں گزارنے آئے ہو؟“

”ہاں!“ سالار نے مختصر کہا۔ وہ اس طرح اس سے جان چھڑا سکتا تھا۔

”کیا کر رہے ہو آج کل؟“ عاکف نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

”پوٹائیڈ ٹینشن کی ایک ایجنسی میں کام کر رہا ہوں۔“

”یہاں لاہور میں کہاں ٹھہر رہے ہو؟“

”بی بی میں۔“

”اے بی بی میں کیوں ٹھہر رہے ہو، میرے پاس آتے یا مجھے فون کرتے۔ کب آئے یہاں؟“

عاکف نے کہا۔

”کل۔“

”بس تو پھر تم میرے ساتھ میرے گھر رہو گے۔ ضرورت نہیں ہے ہوئی میں رہنے کی۔“

”نہیں، میں کل صبح اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔“ سالار نے روانی سے جھوٹ بولا۔ وہ عاکف سے ہر قیمت پر جان بچھڑا لیتا چاہتا تھا۔ اسے اس سے انکھن ہو رہی تھی یا پھر شاید یہ اس کے ساتھ گزارا جانے والا ماضی تھا جو اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

”اگر کل اسلام آباد واپس جا رہے ہو تو پھر آج میرے ساتھ رہو۔“ کھانا کھاؤ میرے ساتھ گھر

چل کر۔“ عاکف نے آفر کی۔

”کھانا میں اس وقت پہلے ہی کھا کر نکلا ہوں۔“

”پھر بھی میرے ساتھ گھر چلو۔ تمہیں اپنی بیوی سے ملاؤں گا۔“

”شادی ہو گئی تھی؟“











"صاحب! میرے ساتھ چلو، ہر عمر کی لڑکی ہے میرے پاس۔ اس علاقے کی سب سے اچھی لڑکیاں، وقت بھی زیادہ نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ایک آدمی چلنے لگا۔

"میں اس لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔" سالار نے مدھم آواز میں اس پر ٹھکرا دے بغیر کہا۔

"کوئی لڑکھ چاہئے، کوئی درگ، میں سب کچھ سہائی کر سکتا ہوں۔"

حاکف نے یک دم قدم روک کر قد سے اکڑے ہوئے انداز میں اس آدمی سے کہا: "تمہیں ایک بار کہنا ہے تاکہ ضرورت نہیں پھر پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔"

اس آدمی کے قدم ختم گئے۔ سالار خاموشی سے چلا رہا تھا اس کا ذہن کسی آدمی کی زندگی میں آیا ہوا تھا۔ امام باشم وہاں کب، کیوں، کیسے آگئی تھی۔ ماضی ایک ظلم کی طرح اس کی نگہوں کے سامنے آیا تھا۔ "پلیز، تم ایک بار ایک بار اس کو جا کر میرے بارے میں سب کچھ سناؤ، اس سے کہو مجھ سے شادی کر لے۔ اس سے کہو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، صرف ایک نام ہے۔ اس کو تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دو گئے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔ وہ اتنی محبت کرے گا کہ ان کے لئے ہے۔" اس نے بہت سال پہلے اپنے بیٹے پر نیم دراز چسپ کھاتے ہوئے موبائل فون پر بڑے اطمینان کے ساتھ اس کو بٹکتے سنا تھا۔

"بائی والا، تم امام کے کیا لگتے ہو؟"

"میں...؟ میں اور امام بہت گہرے اور پرانے فریڈز ہیں۔" اہلال انصر کے ہاتھ پر ہل پڑ گئے تھے۔ سالار نے عجیب سی سرشاری محسوس کی۔ جلال اس وقت امام اور اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتا تھا۔

"اس سے جا کر صاف صاف کہہ دو کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔"

وہ جلال انصر کا یہ پیغام سنتے ہوئے امام باشم کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے جوتھم کے منہ بناتے ہوئے امام کو موبائل پر خبر دی تھی۔

"تم نے مجھ پر اتنے احسان کیے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے خلاق دے دو۔" وہ فون پر مڑ مڑاتی تھی۔

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب اور احسان نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان... یہ تو نا ممکن ہے۔" اس نے جواب کہا تھا۔

"تم طلاق چاہتی ہو، کورٹ میں جا کر لے لو مگر میں تو تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

سالار کے حلق میں پھنسے ہوئے تھے۔

"ہاں، میں نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن میں نے، میں نے جلال انصر کی غلط فہمی کو دور کر دیا تھا۔ میں

نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا، کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میں نے صرف ایک مذاق کیا تھا، ایک پریکٹیکل جوک۔ میں یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ امام کے ساتھ یہ سب کچھ ہو۔" وہ جیسے کسی عدالت میں آن کرزا ہوا تھا۔ "ٹھیک ہے، میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی اسے طلاق نہیں دے کر... مگر... مگر... میں نے پھر بھی یہ خواہش تو نہیں کی تھی کہ وہ یہاں آجئے۔ میں نے... میں نے اسے گھر بھیج دینے سے روکا تھا، میں نے مذاق میں ہی سہی مگر اسے مدد کی آخر بھی کی تھی۔ میں تو اس کو یہاں لے کر نہیں آیا تھا۔ کوئی مجھے توڑ دے وار نہیں ٹھہرا سکتا اس سب کا۔"

وہ بے رہا جملوں میں وضاحتیں دے رہا تھا۔ اس کے منہ میں حسناوت ہونے لگی تھی۔ ورد کی ایک نیو مگرناؤس سی ٹریسنگ (آدھے سر کا دورہ لگانا ایک اور انگ۔ وہ پتلے پتلے زکا، جو نہت پیچھے ہوئے اس نے بے اختیار اپنی کٹھن کو سلا، ورد کی لہر گز رنگی تھی۔ آنکھیں کھول کر اس نے گلی کے پتھر کو دیکھا۔ وہ اندھ می گئی تھی، کم از کم اس کے لئے اور امام باشم کے لئے۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ حاکف ایک چوہا سے نما کھر کے سامنے ٹوک گیا تھا۔ اس نے مڑ کر سالار کو دیکھا۔

"سنی گھر ہے۔" سالار کا چہرہ کچھ اور زرد پڑ گیا۔ قیامت اب اور تھی ورد رنگی تھی۔

"اوپر کی منزل پر جانا ہے، صوبہ لودھ پنا ہوئی۔" حاکف کہتے ہوئے ایک طرف موج و جھگ اور ہارپک سی سڑکیاں چڑھنے لگا۔ سالار کو کھینک سڑکی پر ہی ٹھوکر لگی۔ وہ بے اختیار جھکا، حاکف نے مڑ کر اسے دیکھا اور ٹوک گیا۔

"احتیاط سے آؤ، میٹر جیول کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اوپر سے یہ لوگ ہلپ گلو انے کے بھی روادار نہیں۔" سالار سیدھا ہو گیا۔ اس نے دیر اور کا سہارا لے کر اوپر والی میٹر پر قدم رکھا۔ میٹر جیول ہل کھا کر گولائی کی صورت میں اوپر جا رہی تھیں اور اتنی جگہ تھیں کہ صرف ایک وقت میں ایک سی آدمی گزر سکتا تھا۔ ان کی سیٹ بھی اکٹری ہوئی تھی۔ وہ بوٹ پیپے کے باوجود ان کی سیٹ حالت کو جانچ سکتا تھا، اس دیر اور کا سہارا لے کر وہ میٹر جیول چڑھ رہا تھا۔ اس دیر اور کی سیٹ بھی اکٹری ہوئی تھی۔ سالار اندھوں کی طرح دوبارہ ٹوٹنے ہوئے سڑکیاں چڑھنے لگا۔

پہلی منزل کے ایک دروازے کے کھلے ہوئے پیٹ سے آنے والی روشنی نے سالار کی رہنمائی کی تھی۔ حاکف وہاں کہیں نہیں تھا۔ بھینے وہ دروازہ پار کر کے آگے چلا گیا تھا۔ سالار چتر لکھوں کے لئے وہاں زکا پھر اس نے پلیز کے پار قدم رکھا۔ وہ اب ایک چوہا سے تھا۔ ایک طرف بہت سے کمروں کے دروازے تھے۔ دوسری طرف پیچھے گلی ٹھہر آ رہی تھی۔ برآمدے لڑا ہوا چوہا بارہا گلی خالی تھا۔ تمام کمروں کے دروازے اسے وہاں کھڑے بند ہی لگ رہے تھے۔ حاکف کہاں گیا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ اس نے بہت غلط انداز میں اپنے قدم آگے بڑھائے۔ یوں جیسے وہ کسی بھوت پیچھے میں آگیا تھا۔ ابھی کوئی دروازہ

کہتا اور امامہ پاشم اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی۔

”میرے خدا..... میں جیسا کہ اس کا سامنا یہاں کیسے کروں گا۔“ اس کا دل ڈوبا۔

دورانِ بندہ روزانہ دل پر نظر ڈالنے سے بے چارہ جا بجا تھا۔ جب اس برآمدے کے آخری سرے پر ایک دروازے میں سے جاکٹ نکلا۔

”تم کہاں رہو گئے؟“ ”دور ہیں سے بلند آواز میں بولا۔ ”یہاں آؤ۔“

سالار کے قدموں کی دلداز تیز ہو گئی۔ سالار دور وازے تک پہنچنے سے پہلے چند لمحوں کے لئے دنگ گیا۔ وہ اپنے دل کی دھڑکن کی آواز باہر تک منہ رہا تھا پھر آنکھیں بند کئے سر دانتوں کی منہیاں بچھنے اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہاں عاتق ایک کمری پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک لڑکی اپنے بالوں پر برش کرتے ہوئے عاتق سے باتیں کر رہی تھی۔

"یہ اجامہ نہیں ہے۔" بے اختیار مہالار کے منہ سے نکلا۔

”ہاں، یہ اہم نہیں ہے۔ وہ انور ہے، آؤ! عارف نے اُٹھتے ہوئے ایک اور کمرے کا دروازہ کھولا۔ سالار غیر ہواد قدموں سے اس کے پیچھے گیا۔ عارف اگلے کمرے کو بھی پا کر گیا اور ایک اور دروازہ کھول کر ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔

”چلو صوبہ برا“ سالار نے دور سے جاکف کو کہتے ہوئے جاب اس کا دل اچھل کر طلق میں آگیا۔ ایک لمبے کے لئے اسے کانٹا چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔ ابھی اسی وقت..... سر پہ..... بدھ اور دھرتی کے بغیر..... اس گھر سے..... اس علاقے سے..... اس شہر سے..... اس ملک سے..... دوبارہ بھی وہاں کا رخ نہ کرے..... اس نے گردن موڑ کر اپنے عقب میں موجود دروازے کو دیکھا۔

”آؤ سالار!“ حاکف نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اب گروہوں میں ٹوٹے اندر کسی لڑکی سے معروف گفتگو تھا۔ سالار نے تھوک بھجوا، اس کا طعن کانٹوں کا جنگل بن گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ حاکف نے اپنی پشت پر اس کے قدموں کی آواز سنی تو دروازے سے ہٹ گیا۔ سالار دروازے میں تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

”یہ ہے تصور۔“ عاکف نے قہار نے کروایا۔ سالار اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اب بھی اس پر نظر کر رہا ہے۔ اب اس نے بھی۔

”امامؑ“ وہی ہے جس کی حرکت سے دیکھتے ہوئے بڑھایا۔

"ہاں! ماما" جاکف نے تصدیق کیا۔

سایار نقشوں کے بل زمین پر گر پڑا۔ طائف تعمیر کیا۔

”کیا ہوا، کیا ہوا؟“ دو دو نونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے عیدے میں تھا۔ (۱) ایک عجیب الف کے

کوٹھی پر مجھے بے بسی کرنے والا پہلا مرد تھا۔

حاکم چچوں کے ٹپا بیٹھا اسے کندھے سے کچلے لہار اٹھا۔ سالار مسجد نے نیٹا چچوں کا طرح کروا دیا تھا۔

”پانی - پانی لاؤں؟“ منوہر گھبراہٹ ہوئے تیزی سے میز کے سرہانے چڑے جگہ اور گلاس کی طرف مٹی اور گلاس میں لے کر سالاد کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

”سالار صاحب! آپ اپنی بیوی“

مسالہ ایک جھینکے سے اٹھ بیٹھا۔ یوں جیسے اسے کرمٹ لگا ہو، اس کا چہرہ اس کوں سے بچکا ہوا تھا۔  
 کچھ کہے بغیر اس نے اپنی جھکر کی جیب سے والٹ نکالا اور پانگلوں کی طرح اس میں سے کرنسی نوٹ نکال کر  
 صنوبر کے سامنے رکھ دیے اس نے والٹ چتر سینکڑوں غالی کر دیا تھا۔ اس میں کرنسی نوٹ کارڈز کے علاوہ  
 کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑا ہوا اور اُنے قدموں پر دواڑے کی دو پلیٹوں سے ٹھوکر کھاتا  
 ہوا باہر نکل گیا۔ ماسک بچکا اس کے پیچھے آیا۔

”سہارا! سہارا! کیا ہوا ہے؟“ کہا اس چارہ سے جو ”

اس نے سالار کو کندھے سے پکڑ کر روکے کی کوحش کی۔ سالار وحشت زدہ اس سے بچے آپ کو  
بھڑانے لگا۔"

[illegible]

وہ بلند آواز میں دہراتے ہوئے ہدیائی احمد اڑھیں چلا یا۔

"امام سے ملنا تھا کہ میں۔" عاتق نے اسے یاد دلایا۔

”یہ امام بھی ہے۔۔۔ یہ سبھی ہے امام۔ امام“

۱۴۔ "نہیں ہے۔ مگر میرے ساتھ جانا ہے۔"

اس سے چھڑا کر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ خاکف زخم لب کچھ بڑبڑایا۔ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ مڑ کر وہ صوبہ سرحد کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ..... ☆

میر حیاں اب بھی اسی طرح تاریک تھیں مگر اس بار وہ جس ذہنی حالت میں تھا اسے کہیں دیکھ کر کسی سہارے، کسی روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اندھا خداوندان تاریک میز حیاں سے نیچے بھاگتا دیکھ کر اس طرح گرا۔ اگر میر حیاں سید می بیو تھے تو وہ سید عانیچے جاکر گرنا مگر میر حیاں کی گولائی نے اسے بچا دیا۔ وہ اندھا میر حیاں سے نہیں الگ ہوا تھا۔ کھٹنوں اور کھٹنوں میں اٹھنے والی میسوں سے بے پروا اس نے



دوبارہ اسی طرح بھاگتے ہوئے سڑکیاں اترنے کی کوشش کی۔ چند سڑکیاں اترنے کے بعد لگاٹی جانے والی چھلانگ نے اسے پھر زمین پر گرا دیا۔ اس بار اس کا سر بھی دیوار سے ٹکرایا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی ہڈی نہیں ٹوٹی۔ شاید سڑکیوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو وہ پھر قسری بار اٹھ کر اس طرح سڑکیاں اترنے کی کوشش کرتا لیکن دوسری بار سڑکیوں سے گرنے کے بعد وہ نیچے والی سڑکیوں پر آ گیا تھا۔ سامنے لگی کی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ سڑکیوں سے نکل آیا مگر آگے نہیں جا سکا۔ چند قدم آگے چل کر اس ٹکر کے باہر تھرتے پر بیٹھ گیا۔ اسے سختی محسوس ہو رہی تھی۔ سر کو تھامتے ہوئے بے اختیار اسے ابلائی آئی وہ تھرتے پر بیٹھے بیٹھے جھک گیا، وہ ابلائی نہیں کرتے ہوئے بھی اسی طرح دوبارہ لگاٹی گئی تھی اس سے گزرنے والے لوگوں کے لئے یہ سینے یا ٹھیکس تھا۔ یہاں بہت سے شرابی اور لٹی خیریت سے زیادہ نظر استعمال کرنے کے بعد یہاں سب کچھ کیا کرتے تھے۔ صرف سالار کا لباس اور حلیہ تھا جو اسے کچھ مہذب دکھاتا تھا اور اس کے آسواور وہاں کسی طوائف کی بے وفائی کا نتیجہ تھا شاید۔ وہاں کئی بار کئی مرد ایسے ہی مہذب اور محزون نظر آنے والے مرد اسی طرح روکتے ہوئے جاتے تھے۔ طوائف کا کوئی ہر کسی کو اس نہیں آتا۔ گزرنے والے طریقے مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ کوئی اس کے پاس نہیں آتا تھا۔ اس بار اس میں حال احوال جاننے کا رواج نہیں تھا۔

حاکف نیچے نہیں آیا تھا۔ آج تو شاید سالار کے پاس ڈک جاتا۔ امام باشم وہاں نہیں تھی۔ صوبہ امام باشم نہیں تھی۔ کتنا بڑا بوجہ اس کے کندھوں سے اٹھایا گیا تھا، کسی اذیت سے اسے بچایا گیا تھا۔ تکلیف دے کر اسے آگئی نہیں دی گئی۔ صرف تکلیف کا احساس دے کر اسے آگئی سے شامہ کر دیا گیا تھا۔ اسے وہاں نہ کچھ کر دیا اس حالت میں چاہیے تھا۔ وہاں وہ کچھ لیتا تو اس پر کیا گزرتی۔ اسے اللہ سے خوف آ رہا تھا بے پناہ خوف۔ وہ کسی قدر بلا شہور تھا کیا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کتنی قدر مہربان تھا۔ کیا نہیں کرتا تھا۔ انسان کو انسان دیکھتا اسے آج تھا۔ کبھی غضب سے، کبھی احسان سے۔ وہ اسے اس کے دائرے میں ہی رکھتا تھا۔

اسے کبھی اپنی زندگی کے اس سیاہ باب پر اتنا بچھتا، اتنی غرت نہیں ہوئی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔

"کیوں؟ کیوں؟.....؟ کیوں آج تھا میں یہاں پر.....؟ کیوں خریدتا تھا میں ان عورتوں کو.....؟ کیوں کتا کا احساس میرے اندر نہیں جاگتا تھا؟" وہ چوتھے پر پہنچا دو نوں ہاتھوں سے سر پکڑے جگ رہا تھا۔

"اور اب.....؟ اب جب میں یہ سب کچھ چھوڑ چکا ہوں تو اب.....؟ اب کیوں یہ تکلیف.....؟ یہ جیسا ہو رہی ہے مجھے۔ میں چاہتا ہوں۔ چاہتا ہوں مجھے اپنے پرگنوں کے لئے جو اب وہ ہونا

ہے، مگر یہ حساب یہیں..... اس طرح نہ لے۔ جس عورت سے میں محبت کرتا ہوں اسے کبھی اس بازار میں نہ بیچک۔"

اور اتنے روئے ڈک، کون سا انکشاف کہاں ہو رہا تھا۔

"محبت؟" وہ لگی سے گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے بے یقینی سے بڑبڑایا۔

"کیا میں.....؟ میں اس سے محبت کرتا ہوں؟" کوئی لہر اس کے سر سے چروں تک گزری تھی۔

"کیا یہ تکلیف صرف اس لئے ہو رہی ہے مجھے کہ میں اس سے.....؟ اس کے چہرے پر سامنے

لہرائے تھے۔" کیا وہ میرا بچھتا، انہیں ہے۔ کچھ اور ہے.....؟"

اسے لگا وہ وہاں سے کبھی اٹھ نہیں پائے گا۔

"تو یہ بچھتا انہیں محبت ہے، جس کے پیچھے میں بھاگتا پھر رہا ہوں۔" اسے اپنا جسم ریت کا بنا ہوا لگا۔

"امام چھانسی نہیں ہے روگ ہے؟" آصوباب بھی اس کے گالوں پر چڑھتے تھے۔

"اور اس بازار میں اس عورت کی تلاش میں اٹھتے میرے قدموں میں لڑکھاس اس لئے تھی کیونکہ میں نے اسے اپنے دل کے بہت اندر رکھیں بہت اونچی جگہ پر رکھا تھا۔ وہاں، جہاں خود میں بھی اس کو محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔ چپک بیٹ۔"

"۱۵۰۰" کوئی کیویول کا وہ مرد منہ کے بل زمین پر گر گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے لگا۔ کون سا زخم تھا جو وہاں پہنچا ہوا ہو رہا تھا۔ کون سی تکلیف تھی جو سانس لینے نہیں دے رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اسے کہاں رہہ نہ کیا تھا۔ اسے کیا دیا تھا؟ کیا لیا تھا؟ وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گا۔ اسی طرح ملک بلکہ کر دے ہوئے۔ اسے خود پر قابو نہیں تھا اسے پاس سے گزرنے والوں کی آنکھوں کی بھی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنے بوجہ سے کبھی زندگی میں اتنی غرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔ وہ ریٹ لائٹ ایسا اس کی زندگی کا سب سے سیاہ باب تھا۔ ایسا سیاہ باب جسے وہ کمرچ کر اپنی زندگی سے علیحدہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کی زندگی میں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ کئی سال پہلے وہاں گزری تھی راتیں اب بلاؤں کی طرح اسے گھیرے ہوئے تھیں اور وہاں سے فرار حاصل نہیں کر پا رہا تھا اور اب جس خوف نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا وہ تو.....

"اگر..... اگر..... امام اس بازار میں آگئی ہوئی تو.....؟ صوبہ، امام باشم نہیں تھی مگر کوئی

اور..... اس کے سر میں درد کی ایک اور لہر اٹھی۔ میکرین اب شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا وہ اسے کبھی ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اب اس کا سر روئے پھٹ رہا تھا پھر وہ کہیں چلے گیا تھا۔ پھر لوگوں کے ہاتھوں اور لائسنس نے اس کے درد کو اور بڑھایا تھا پھر اس کا ذہن کسی تاریکی میں





"اسلام آباد تمہارے گھر والوں۔"

سالار نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"نہیں اطلاع مت کرو۔ میں جب سو کر اٹھوں گا تو اسلام آباد چلا جاؤں گا۔"

"اس حالت میں؟"

"تم نے کہا ہے میں ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک ہو مگر اسے بھی ٹھیک نہیں ہو۔ دو چار دن آرام کرو۔ یہیں رہو لاہور میں، پھر چلے جانا۔"

"اچھا پھر تم اپنا کوئی کامی کو اطلاع مت دینا۔"

فرقان نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے ماتھے پر چند بل آئے۔ "اچھا۔"

اور..... کچھ۔؟"

"ٹریک لا تر۔۔۔۔۔"

فرقان اسے سوچتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"میں رہوں تمہارے پاس۔؟"

"قائدہ۔؟ میں تو ابھی سو جاؤں گا۔ تم جاؤ۔ جب میں آؤں گا تو تمہیں کال کروں گا۔"

اس نے بازو کے ساتھ اپنی آنکھیں دھانپ لیں۔ اس کے انداز میں سوچو دو رکھے ہیں اور

سرد مہری نے فرقان کو کچھ اور پریشان کیا۔ اس کا رویہ بہت انکار مل تھا۔

"میں سمیر سے بات کرتا ہوں، مگر ٹریک لا تر چاہتا تو پہلے تمہیں کچھ کھانا ہو گا۔" فرقان نے

اٹھتے ہوئے دو نوک انداز میں کہا۔ سالار نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا۔

دوبارہ اس کی آنکھ جس وقت کھلی اس وقت شام ہو رہی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔ اس کے پاس کوئی بھی

نہیں تھا۔ وہ جسمانی طور پر صبح سے زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ اپنی ٹانگوں سے کھل کر پرے پھینک کر

اس نے لیٹے لیٹے پائیں لٹنے اور کھٹکوں میں اٹھتی ہوئی نیسوں کو نھر انداز کرتے ہوئے آنکھوں کو سیر کیا۔

اسے اپنے اندر ایک عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی تھکن جیسے کسی نے اس کے سینے کو جکڑ لیا ہو۔

وہ اسی طرح لیٹے لیٹے چھت کو گھور رہا پھر جیسے اسے کوئی خیالی آیا۔

☆.....☆.....☆

وہ بونٹ آکر اپنا سامان پیک کر رہا تھا جب فرقان نے دروازے پر دستک دی۔ سالار نے دروازہ

کھول دیا۔ فرقان کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس کے پیچھے آجائے گا۔

"عجیب انسان ہو تم سالار۔۔۔۔۔ فرقان اسے دیکھتے ہی ناراضی سے بولنے لگا۔

"کیوں کسی کو بتائے بغیر سمیر کے ٹھکانے سے چلے آئے، مجھے پریشان کر دیا۔ اوپر سے سو پاکی کو بھی

توقف کر رہا ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ انگڑاۓ ہو ایک بار پھر اپنے بیک کے پاس آ گیا۔ جس میں وہ اپنی چیزیں

پیک کر رہا تھا۔

"تم جا رہے ہو؟" فرقان بیک دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔" سالار نے بیک لٹکائی جواب دیا۔

"کہاں۔۔۔۔۔؟" سالار نے بیک کی زپ بند کر دی اور بیٹے پر بیٹھ گیا۔

"اسلام آباد؟" فرقان اس کے سامنے موندنے پر آکر بیٹھ گیا۔

"نہیں۔۔۔۔۔؟" سالار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر۔۔۔۔۔؟"

"گراپی جا رہا ہوں۔"

"کس لئے؟" فرقان نے حیرانی سے پوچھا۔

"ٹکاسٹ ہے میری۔"

"بیس کی؟"

"ہاں۔۔۔۔۔!"

"چار دن بعد ہے تمہاری فلاح، ابھی جا کر کیا کر کے؟" فرقان اسے دیکھنے لگا۔ سمیر کا اندازہ

ٹھیک تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب تھے۔

"کام ہے مجھے وہاں۔"

"کیا کام ہے؟"

وہ جواب دینے کے بجائے بیٹے پر بیٹھ چکیں بھینکے بغیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ فرقان

سایا کو بوسہ نہیں تھا۔ پھر بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی آنکھوں کو پڑھنے میں اسے کوئی مشکل نہیں

ہوئی۔ سالار کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف سرد مہری تھی۔ یوں جیسے وہ کسی کو جاننا ہی نہ ہو۔

اسے اور اپنے آپ کو بھی۔ وہ دل پر بس تھا۔ فرقان کو کوئی شبہ نہیں تھا مگر اس کا ذہن اسے کہاں لے جا

رہا تھا۔ فرقان یہ جاننے سے قاصر تھا۔

"تمہیں آخر کیا پریشانی ہے سالار؟" وہ پوچھتے بغیر نہیں رہ سکا۔

سالار نے توقف کیا۔ پھر کندھے جھٹکے۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"تو پھر....." سالار نے فرقان کی بات کاٹ دی۔

"تم جانتے ہو مجھے نیگرن ہے۔ کبھی بھار اس طرح ہو جاتا ہے مجھے۔"

"میں ڈاکٹر ہوں سالار! فرقان نے جھید کی ہے کیا۔" نیگرن کو کوئی مجھ سے زیادہ بہتر نہیں جانتا۔ یہ سب کچھ صرل نیگرن کی وجہ سے نہیں تھا۔

"تو تم بتاؤ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" سالار نے انکاس سے سوال کیا۔

"کسی لڑکی کا پرانم ہے؟" سالار پلٹیں پچھک نہیں سکا۔ فرقان کہاں جا پہنچا تھا۔

"ہاں۔۔۔ وہ نہیں جانتا اس نے" نہیں "کیوں نہیں کیا تھا۔"

"کسی میں انوالو ہو تم؟" فرقان کو اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر جیسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔"

فرقان بہت دیر چپ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ یوں جیسے اپنی بندھنی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں کے ساتھ انوالو ہو؟"

"تم اسے نہیں جانتے۔"

"شادی نہیں ہو سکی تمہاری اس کے ساتھ؟" سالار اسے دیکھتا رہا بھرا اس نے کہا۔

"ہو گئی تھی۔" اس کے سچے میں آجھی تھی۔

"شادی ہو گئی تھی؟" فرقان کو پھر یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔"

"پھر۔۔۔ طلاق ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"

"تو۔۔۔؟" سالار کے پاس آگے جانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔

"تو نہیں۔۔۔"

"میں کیا۔۔۔؟" سالار اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اپنے ہاتھ کی انگلی دائیں ہاتھ میں سو جو دول کی ٹکیر پر چھیرتا رہا۔

"کیا نام ہے اس کا؟" فرقان نے مدھم آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح ٹکیر کو چھوتے ہوئے بہت دیر خاموش رہا۔ بہت دیر۔۔۔ پھر اس نے کہا۔

"امام باشم۔۔۔" فرقان نے بے اختیار سانس لیا۔ اسے اب کچھ میں قیام کہ وہ اس کی چھوٹی بیٹی کو قیروں کے حساب سے نئے خائف کیوں دیا کرتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے میں جب سے سالار سے اس کی شناسائی ہوئی تھی اور سالار انکاس کے گھر آنا جانا شروع ہوا تھا سالار اور امام کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔ وہ پاکستان سے جانے کے بعد بھی اسے وہاں سے کچھ نہ کچھ بھجواتا رہتا تھا مگر فرقان کو اکثر صرف ایک بات

پر جبرانی ہوتی تھی۔ وہ کبھی امام کا نام نہیں لیتا تھا اور خود اس سے بات کرنا تو اسے نام کے بغیر مطلب کر جاتا تھا۔ فرقان کو چند ایک بار یہ بات محسوس ہوئی تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا تھا لیکن اب امام باشم کا نام سن کر وہ جان کیا تھا کہ وہ کیوں اس کا نام نہیں لیتا تھا۔

وہ اب رک رک کر بے درہل چلوں میں مدھم آواز میں اسے اپنے اور امام کے بارے میں بتاتا تھا۔ فرقان دم سا دھڑکن رہا تھا۔ جب وہ سب کچھ بتانے کے بعد خاموش ہو تو وہ تک فرقان بھی کچھ نہیں بول سکا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ تسلی دے یا کچھ اور کہے۔ کوئی سمجھت۔

"تم اسے بھول جاؤ۔" اس نے بالآخر کہا۔ "سوچو کہ وہ جہاں بھی ہے خوش اور محفوظ ہے۔ ضروری نہیں اس کے ساتھ کوئی سانحہ ہی ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ بالکل محفوظ ہو۔" فرقان کہہ رہا تھا۔ "تم نے اس کی مدد کی تھی، جس حد تک تم کر سکتے تھے۔ کچھ تاروں سے اپنے آپ کو نکال لو۔ اللہ مدد کرتا ہے۔ تمہارے بعد ہو سکتا ہے اسے تم سے بہتر کوئی اور مل گیا ہو۔ تم کیوں اس طرح کے دم لے بیٹھے ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ جلال سے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ تم تھے جو کچھ تم نے مجھے جلال کے بارے میں بتایا ہے میرا اندازہ تو یہی ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں امام سے شادی نہ کرتا، چاہے تم بچ میں آتے نہ آتے۔ کوشش کرتے نہ کرتے۔ جہاں تک امام کو طلاق دے دینے کا سوال ہے اسے جانے تھا وہ تم سے دوبارہ رابطہ کرتی۔ وہ ایسا کرتی تو تم یقیناً اسے طلاق دے دیتے۔ اگر اس معاملے میں تم سے کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو اللہ تمہیں عاف کرے گا کیونکہ تم بچھڑا رہے ہو۔ تم اللہ سے دعائی بھی مانگتے آ رہے ہو۔ یہ کافی ہے مگر اس طرح تو پریشن کا فکار ہونے سے کیا ہو گا۔ تم اپنے آپ کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کرو۔" وہ بڑی دلجمعی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ سالار کی خاموشی سے اسے امید بندھی کہ شاید اس کی کوشش رنگ لاری تھی مگر ایک لمبی تقریر کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو سالار اٹھ کر اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔

"کیا کر رہے ہو؟" فرقان نے پوچھا۔

"میری قیامت کا نام ہو رہا ہے۔" وہ اب اپنے بریف کیس میں سے کچھ بچہ نکال رہا تھا۔ فرقان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے۔

\*\*\*

دو پچھلے کی سالوں میں کئی بار پاکستان آتا جا رہا تھا اسے کبھی واپس جاتے ہوئے اس قسم کی کیفیات کا شکار نہیں ہوا پڑا تھا جس قسم کی کیفیات کا فکار وہ اس بار ہوا تھا۔ جہاز کے ٹیک آف کے وقت ایک عجیب سا خالی پن تھا جو اس نے اپنے اندر اترتے محسوس کیا تھا۔ اس نے جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔ بہت دور تک پہلے ہوئے اس خلیے میں نہیں امام باشم کا نام کی ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ وہاں رہتا تو کبھی نہیں کسی وقت کسی روپ میں وہاں سے نظر آ جاتی۔ اسے مل جاتی۔ یا کوئی ایسا شخص اسے مل جاتا جو اس سے واقف ہو تا لیکن



وہ اب جہاں جا رہا تھا اس زمین پر امام باشم کہیں نہیں تھی۔ کوئی اتفاق بھی ان دونوں کو آمنے سامنے نہیں لاسکتا تھا۔ وہ ایک بار پھر ایک لمبے عرصے کے لئے "امکان" کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ زندگی میں کتنی بار "امکان" کو چھوڑ کر جاتا رہے گا۔

دس منٹ کے بعد پانی سے ٹریکو لائزر کو دھکے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ زندگی میں کہیں بھی نہیں کھڑا تھا۔ وہ زندگی میں کہیں بھی نہیں کھڑا ہو پائے گا۔ اس کے پیروں کے نیچے زمین بھی نہیں آسکے گی۔

ساتویں منزل پر اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کہیں اور جانا چاہتا تھا۔ کہاں.....؟

اس نے اپارٹمنٹ کے دروازے کو لاک کیا۔ لائیوچ میں پڑنے والی کو آن کیا۔ سی این این پر یوٹیلٹی آرہا تھا۔ اس نے اپنے جوتے اور جیکٹ اتار کر دور پیکیج دیئے۔ پھر بیڈ کے کمرے پر لے گیا۔ خالی لائیو کے عالم میں وہ جینز بدل رہا تھا۔ ایک جینز سے کوئی آواز نہ آئے اسے رہ گیا۔ ایک غیر معروف سا گلوکار کوئی غزل گارہا تھا۔

میری زندگی تو فریق ہے، وہ ازل سے دل میں کہیں کسی  
وہ نگاہ شوق سے دور ہیں، رگ جلاں سے لاکھ قریں کسی  
اس نے ریوٹ اپنے سینے پر رکھ دیا۔ گلوکار کی آواز بہت خوب صورت تھی یا پھر شاید وہ اس کے جذبات کو الفاظ دے رہا تھا۔

میں جان رہی ہے ایک دن وہ کسی طرح وہ کہیں کسی  
میں آپ کھینچنے دار پر جو نہیں کوئی، تو نہیں کسی  
شاعری، کلاسیکل میوزک، پرانی فلمیں، اسٹریمنگ میوزک اسے ان تمام چیزوں کی worth کا اندازہ کھینچے کچھ سالوں میں ہی بنا شروع ہوا تھا۔ کھینچے کچھ سالوں نے اس کی موتی کی کے انتخاب کو بہت اعلیٰ کر دیا تھا اور اردو غزلیں سننے کا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

سر ملو ہو، سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے  
وہ بھی ملیں، وہ بھی ملیں، وہ بھی سکی، وہ بھی سکی  
اسے ایک بار پھر امام باشم یاد آئی۔ اسے ہمیشہ وہی یاد آتی تھی۔ پہلے وہ صرف تہائی میں یاد آتی تھی پھر وہ جگہ میں بھی نکل آئے تھے۔ اور وہ۔ وہ محبت کو بچھڑا دیتا تھا۔

نہ ہو ان پہ جو مرا نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں  
میں ان ہی کا تھا میں ان ہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں کسی

سالار پک دم صوفے سے اٹھ کر کمر کیوں کی طرف چلا گیا۔ ساتویں منزل پر کھڑے وہ رات کو روٹھوں کی ادٹ میں دیکھ سکتا تھا۔ عجیب وحشت تھی جو باہر تھی۔ عجیب عالم تھا جو اندر تھا۔

جو ہو فیصلہ وہ سنا ہے اسے حشر پہ نہ اٹھائے  
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہاں بھی سکی وہ بھی سکی  
وہاں کھڑے کمر کیوں کے شیٹوں کے پار اندر سے میں فضا کی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے اندر اترنے کی کوشش کی۔

"میں اور کبھی کسی لڑکی سے محبت کروں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"  
بہت سال پہلے کھڑا کیا جانے والا بل اسے یاد آیا۔ باہر تاریکی کچھ اور بڑھی۔ اندر آوازوں کی بازگشت..... اس نے فکرت خورہ انداز میں سر جھکایا پھر چند لمحوں کے بعد وہ بارہ سر اٹھا کر کمر کیوں سے باہر دیکھا۔ انسان کا اختیار کہاں سے شروع کہاں پر ختم ہوتا ہے؟ لڑپن کا ایک اور دور وہاں نظر آنے والی فضا کی روشنیاں بھی اب بجھنے لگی تھیں۔

اسے دیکھنے کی جو لوگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم  
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نہیں سکی  
سالار بھندرنے مڑ کر اس کی اسکرین کو دیکھا، گلوکار لپک لپک کر بار بار آخری شعر دہرا رہا تھا۔ کسی معمول کی طرح چلا وہاں صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ سینٹرل ٹیبل پر رکھے ہوئے بریف کیس کو کھول کر اس نے اندر سے لیپ ٹاپ نکال لیا۔

اسے دیکھنے کی جو لوگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم  
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نہیں سکی  
گلوکار مطلق دہرا رہا تھا۔ سالار کی انگلیاں لیپ ٹاپ پر برق رفتاری سے حرکت کرتے ہوئے اسٹینڈی ٹھننے میں مصروف تھیں۔ کمرے میں موتی کی آواز اب ذوقی جاری تھی۔ اسٹینڈی کی ہر لائن اس کے وجود پر چھائے جو کہ فحش کرتی جاری تھی وہ جیسے کسی چارو کے حصار سے باہر آ رہا تھا۔ کوئی توڑ ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆  
"اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر اس طرح کا اتفاق فیصلہ صرف تم ہی کر سکتے تھے۔"  
وہ فون پر سمندر عمان کو خاموشی سے سن رہا تھا۔  
"آخر اتنی اچھی پامست کو کیوں چھوڑ رہے ہو اور وہ بھی اس طرح اچانک اور چلو اگر چھوڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر آکر اپنا بزنس کرو۔ بینک میں جانے کی کیا نیکی بنتی ہے۔" وہ اس کے فیصلے پر بری طرح تنقید کر رہے تھے۔

"میں اب پاکستان میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ بس اسی لئے چاب چھوڑ دی۔ بزنس میں نہیں کر سکتا اور بینک کی آخر میرے پاس بہت عرصے سے تھی۔ دو بجے پاکستان پوسٹ کرنے پر تیار ہیں، اس لئے میں اسے قبول کر رہا ہوں۔" اس نے تمام سالوں کا کٹھن جواب دیا۔

"پھر بینک کو بھی جوائن منٹ کرو۔ میرے ساتھ آکر کام کرو۔"

"میں نہیں کر سکتا پاپا! مجھے مجبور نہ کریں۔"

"تو پھر وہیں پر رہو۔ پاکستان آنے کی کیا تکلفی ہے؟"

"میں یہاں پر رہ نہیں پاؤں۔"

"جب وطن کا کوئی وارہ چاہے تمہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر.....؟"

"میں آپ لوگوں کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے بات بدلی۔

"خیر یہ فیصلہ کم از کم تیار ہی نہ ہے تو نہیں کیا گیا۔" سکندر عثمان کا بوجہ نرم ہوا۔

سالار خاموش رہا۔ سکندر عثمان بھی کچھ دم خاموش رہے۔

"فیصلہ تو تم کری چکے ہو۔ میں اب اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے آنا چاہتے ہو؟ جاؤ۔ کچھ عرصہ بینک میں کام کر کے بھی دیکھ لو لیکن میری خواہش یہی ہے کہ تم میرے ساتھ میرے بزنس کو دیکھو۔" سکندر عثمان نے جیسے اچھا ہوا لگتے ہوئے کہا۔

"تمہارا تو بی بی بی بی کا بھی ارادہ تھا اس کا کیا ہوا؟" سکندر عثمان کو بات ختم کرتے کرتے پھر یاد آیا۔

"بی بی بی میں مزید اسٹڈی نہیں کرنا چاہ رہا۔ ہو سکتا ہے کچھ سالوں کے بعد بی بی بی ڈی کے لئے دوبارہ باہر چلا جاؤں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بی بی بی ڈی کروں ہی نہ۔" سالار نے دم آواز میں کہا۔

"تم اس اسکول کی وجہ سے آ رہے ہو؟" سکندر عثمان نے اچانک کہا۔ "شاید۔" سالار نے تردید نہیں کی۔ وہ اگر اسکول کو اس کی واپسی کی وجہ سمجھ رہے تھے تو بھی کوئی حرج نہیں تھا۔

"ایک بار پھر سوچو سالار۔" سکندر کے بغیر نہیں رہ سکے۔

"بہت کم لوگوں کو کیریئر میں اس طرح کا اشارہ ملتا ہے جس طرح کا تمہیں ملا ہے۔ تم سن رہے ہو؟"

"جی.....!" اس نے صرف ایک لفظ کہا۔

"باقی تم سمجھو ہو، اپنے فیصلے خود کر سکتے ہو۔" انہوں نے ایک طویل کال کے اختتام پر فون بند

کرنے سے پہلے کہا۔

سالار نے فون رکھنے کے بعد اپارٹمنٹ کی دیواروں پر ایک نظر دوڑائی۔ افکار وہاں کے بعد اسے اپارٹمنٹ بیس کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جس سے واپسی پر اس کی زندگی کے ایک نئے فتر کا آغاز ہوا تھا۔ ابتدائی طور پر وہ اسلام آباد میں اس خیرگی بینک میں کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد وہ اسی بینک کی ایک بی بی بی برانچ کے ساتھ لاہور چلا آیا۔ اسے کراچی جانے کا موقع بھی مل رہا تھا مگر اس نے لاہور کا انتخاب کیا تھا۔ اسے یہاں لانگ سٹاپ کے ساتھ وٹنٹ گزارنے کا موقع بھی مل رہا تھا۔

پاکستان میں اس کی مصروفیات کی نوعیت تبدیل ہو گئی تھی مگر ان میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ یہاں بھی دن رات مصروف رہتا تھا۔ ایک exceptional ماہر معاشیات کے طور پر اس کی شہرت اس کے ساتھ ساتھ سڑک پر بھی تھی۔ حکومتی حلقوں کے لئے اس کا نام بی بی بی تھا مگر پاکستان آ جانے کے بعد فنانس منسٹری مختلف مواقع پر مقرر کیا جاتا تھا۔ تربیت آفیسر کو دیکھ جانے والے لیکچرر کے لئے اسے بلوائی رہتی۔ لیکچرر کا سلسلہ بھی اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ وہاں میں تربیت دینے کے بعد وہ وہاں مختلف کاموں کو لیکچرر بننا تھا۔ سلسلہ بنوے نہ کہ منتقل ہو جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ جہاں وہ کوئی بی بی بی میں بیرون ڈیپارٹمنٹ پر ہونے والے سیمینار میں حصہ لیتا رہا بعد میں اس کی توجہ ایک بار پھر ان کی طرف مبذول ہو گئی۔

پاکستان میں بھی بہت جلد وہ ان سیمینارز کے ساتھ انوار ہو گیا تھا۔ وہ FAST اور LUMS اور IBA جیسے ادارے کروا رہے تھے۔ انکس اور بیرون ڈیپارٹمنٹ واحد موضوعات تھے جن پر وہ خاموشی اختیار نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ اس کے پسندیدہ موضوع گفتگو تھے اور سیمینارز میں اس کے لیکچرر کا فیڈ بیک ہمیشہ بہت زیادہ ہوتا تھا۔

وہ مینے کا ایک ویک اینڈ کلاس میں اپنے اسکول میں گزار کر آتا تھا اور وہاں رہنے کے دوران وہ زندگی کے ایک نئے رخ سے آشنائی حاصل کر رہا تھا۔

"میں نے اپنا خیریت اپنے دیہات میں پھیلادی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے لوگ منی کو کاروبار کے نیچے پھیلا دیتے ہیں۔"

"اس اسکول کی تعمیر کا آغاز کرتے ہوئے فرکان نے ایک بار اس سے کہا تھا اور وہاں گزارے جانے والے دن اسے اس جیلے کی ہولناکی کا احساس دلاتے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پاکستان میں غربت کی موجودگی سے نا آشنا تھا۔ وہ بچسک اور بی بی بی سبب میں کام کے دوران دوسرے ایشیائی ممالک کے ساتھ



ساتھ پاکستان کے بارے میں بھی بہت ساری رپورٹس دیکھتا رہا مگر پاکستان میں غربت کی آخری حدود کو بھی پار کر جانے والے لوگوں کو وہ پہلی بار ذاتی طور پر دیکھ رہا تھا۔

"پاکستان کے دس پندرہ بڑے شہروں سے نکل جائیں تو احساس ہوتا ہے کہ چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ تیسری دنیا میں نہیں رہ سکیں گے۔ وہاں تو لوگوں کے پاس نہ روزگار ہے نہ سہولتیں۔ وہ اپنی آدھی زندگی خراپوں میں گزارتے ہیں اور آدھی حسرت میں جیتا ہو کر کون سی اصلاحات نکال سکتے ہیں آپ اس شخص کو جس کا دن سوچی روٹی سے شروع ہوتا ہے اور غلات پر ختم ہو جاتا ہے اور ہم۔۔۔ ہم لوگوں کی جھوک مٹانے کے بجائے مسجدوں پر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ مانی شان مسجدیں، پر شکوہ مسجدیں، ماربل سے آراستہ مسجدیں۔ بعض دفعہ تو ایک ہی سڑک پر دس دس مسجدیں کھڑی ہوتی ہیں۔ نماز پڑھنے سے خالی مسجدیں۔"

فرقان کئی سے کہتا تھا۔

"اس ملک میں انٹیلیجنٹ مسجدیں ہو چکی ہیں کہ اگرچہ پاکستان ایک وقت کی نماز کے لئے مسجدوں میں اکٹھا ہو جائے تو بھی بہت سی مسجدیں خالی رہ جائیں گی۔ میں مسجدیں بنانے پر یقین نہیں رکھتا جہاں لوگ جھوک سے خود کشیاں کرتے پھر رہے ہوں جہاں کچھ خاص طبقوں کی پوری پوری فصل جہالت کے اندھیروں میں جھلکتی پھر رہی ہو وہاں مسجد کے بنائے نہ رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت ہے، تعلیم اور شعور ہو گا اور روزی کمانے کے مواقع تو اٹل سے محبت ہو گی وہ صرف شکوہ ہی ہو گا۔"

وہ فرقان کی باتیں خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ اس نے مستقل طور پر پگڑوں میں جانا شروع کیا تو اسے اندازہ ہوا فرقان ٹھیک کہتا تھا۔ غربت لوگوں کو کفر تک لے گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ضرورتیں ان کے اعصاب پر سوار تھیں اور جو ان معمولی ضرورتوں کو پار کر دیتا وہ جیسے اس کی غلامی کرنے پر تیار ہو جاتے۔ اس نے جس دیک اینڈ پر پگڑوں جانا ہوتا اسکول میں لوگ اپنے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے جمع ہوتے۔ بعض دفعہ لوگوں کی نظائریں ہوتیں۔

"جیسے کو شہر کی کسی جگہ بی بی میں کام پر رکھوا دیں۔ چاہے ہزار روپیہ مل جائے مگر کچھ پیسہ تو آئے۔"

"وہ ہزار روپیہ مل جاتے تو میں اپنی بی بی کی شادی کر دیتا۔"

"بارش نے ساری فصل خراب کر دی۔ اگلی فصل لگانے کے لئے بیج خریدنے تک کے لئے پیسے

نہیں ہیں۔ آپ تو بڑے پیسے قرض کے طور پر دے دیں۔ میں فصل کٹنے کے بعد دے دوں گا۔"

"بیٹے کو پولیس نے پکڑ لیا ہے، قصور بھی نہیں جانتے، بس کہتے ہیں ہماری مرنی جب تک چاہیں

اندروں بھیں، تم آئی بی کے پاس جاؤ۔"

"ہمارا بی بی ڈھیر پر ہتھلکا رہا ہے۔ کسی اور کو الٹ کر رہا ہے۔ کہتا ہے میرے کاغذ جھٹی ہیں۔"

"بیٹا کام کے لئے پاس کے گاؤں جاتا ہے۔ روز آخر میں پل کر آتا جاتا ہوتا ہے۔ آپ ایک سائیکل لے دیں تو مہربانی ہو گی۔"

"مگر میں پانی کا بیڑا پیپ لگواتا ہے۔ آپ مدد کریں۔"

وہ تعجب سے ان درخواستوں کو مستحق قرار دینا لوگوں کے یہ معمولی کام بھی ان کے لئے پیارا بن چکے ہیں۔ ایسا پیارا جسے عبور کرنے کے لئے دوڑ بک کے کئی سال ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ سوچتا۔

میں نے ایک ایک لپٹ پر جب وہ وہاں آتا تو اپنے ساتھ دس پندرہ ہزار روپے زیادہ لے کر آتا اور وہ پیچھے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بہت سے لوگوں کو بظاہر بڑی لیکن حقیقتاً بہت چھوٹی ضرورتیں پوری کر دیتے۔ ان کی زندگی میں کچھ آسانیاں ملے آتے، اس کے کھیسے ہوئے چند سفارشی رشتے اور فون کا کارڈ ان لوگوں کے کندھوں کے پورا اور بیکروں میں پڑتی نہ نظر آنے والی چیزوں کو کیسے اہم دیتے۔ اس کا احساس شاید سارا کو خود بھی نہیں تھا۔

۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔

ایور میں اپنے قیام کے دوران وہ یاد رکھ گیا کہ ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کے پاس جاتا تھا۔ ان کے ہاں ہر رات عشاء کی نماز کے بعد کچھ لوگ جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کسی نہ کسی موضوع پر بات کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ اس موضوع کا انتخاب وہ خود کرتے بعض دفعہ ان کے پاس آنے والے لوگوں میں سے کوئی ان سے سوال کرتا اور پھر یہ سوال اس رات کا موضوع گفتگو بن جاتا۔ عام اسٹارٹز کے برعکس ڈاکٹر سیٹھ علی صرف خود نہیں بولتے تھے، نہ ہی انہوں نے اپنے پاس آنے والے لوگوں کو صرف سانس بنا دیا تھا بلکہ وہ اکثر اپنی بات کے دوران ہی چھوٹے موٹے سوالات کرتے رہتے اور پھر ان سوالات کا جواب دینے کے لئے نہ صرف لوگوں کی توجہ انفرادی کرتے بلکہ ان کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ان کے اعتراضات کو بڑے تحمل اور بردباری سے سنتے۔ ان کے پاس آنے والوں میں صرف سارا سکندر تھا، جس نے ان سے کبھی سوال کیا تھا نہ کبھی ان کے کسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ کبھی کسی بات پر اعتراض کرنے والوں میں شامل ہوا نہ کسی بات پر رائے دینے والوں میں۔

وہ فرقان کے ساتھ آتا۔ فرقان نہ آتا تو اکیلا چلا آتا، کمرے کے آخری حصے میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتا، خاموشی سے ڈاکٹر صاحب اور وہاں موجود لوگوں کی گفتگو سنتا۔ بعض دفعہ اپنے دائیں ہاتھیں آہستہ سے اٹالے لوگوں کے احتیاط پر اپنا ایک ہاتھ تکیا کرتا۔

"میں سارا سکندر ہوں، ایک پیکنگ میں کام کرتا ہوں۔"

وہ جب تک امریکہ میں رہا تب تک ہر شے ایک بار وہاں سے ڈاکٹر سیٹھ علی کو فون کرتا رہا مگر فون پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو بہت مختصر اور ایک ہی نوعیت کی ہوتی تھی۔ وہ کمال

کر تا، ڈاکٹر صاحب کمال رہیو کرتے اور ایک ہی سوال کرتے۔

وہ پہلی بار اس سوال پر جب پوچھا تھا جب وہ پاکستان سے چند دن پہلے ہی امریکہ آیا تھا اور ڈاکٹر صاحب اس کی وہ انجی کا پوچھ رہے تھے۔ اسے تعجب ہوا تھا۔

”ابھی تو نہیں۔“ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا تھا۔ بعد میں وہ سوال اسے کبھی ٹیپ نہیں لگا کیونکہ وہ لا شعوری طور پر جان گیا تھا کہ وہ کیا پوچھ رہے تھے۔

آخری بار انہوں نے وہ سوال اس سے جب کیا تھا جب وہ امامہ کی تلاش میں ریلوے اسٹیشن پہنچا تھا۔ جس میں وہ اپنی کھینچنے کے ایک ٹکٹ کے بعد اس نے بیوی کی طرح انہیں کال کیا تھا۔ بیوی جیسی گفتگو کے بعد گفتگو اسی سوال پر آ پہنچی تھی۔

”واکین پاکستان کب آرہے ہیں؟“

بے اختیار سا اور کادول بھر آیا۔ اسے خود کو کپڑ کرنے میں کچھ دیر لگی۔

”اگلے ماہ آجاس گا۔ میں ریحان کی کہہ رہی ہوں۔“ وہ اپنی آکر پاکستان میں ہی کام کر رہی تھی۔

”پھر ٹیکہ ہے، آپ سے اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔“ ڈاکٹر صاحب نے جب کہا تھا۔

”وہاں کیجئے گا۔“ سالار آخر میں کہتا۔

”کروں گا کچھ اور۔“

”اور کچھ نہیں۔ اللہ حافظ۔“ وہ کہتا۔

”اللہ حافظ۔“ وہ جواب دیتے۔ گفتگو کا یہ سلسلہ پاکستان آنے تک جاری رہا جب وہ ان کے پاس ہاتھ دھوئی سے جانے لگا تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

لاہور آنے کے بعد وہ ہاتھ دھوئی سے ان کے پاس جانے لگا تھا۔ اسے ان کے پاس سکون ملا تھا۔ صرف ان کے پاس گزارا ہوا وقت ایسا ہوتا تھا جب وہ کچھ دیر کے لئے عمل طور پر اپنے ڈپریشن سے آزادی حاصل کر لیتا تھا۔ بعض دفعہ ان کے پاس خاموش بیٹھے بیٹھے بے اختیار اس کا دل چاہتا وہ ان کے سامنے وہ سب کچھ اگلے دے جسے وہ اپنے ساتوں سے اپنے اندر دہر کی طرح بھرنے پھر رہا تھا۔ کچھ تاروا، احساسِ جرم۔ بے چینی، بے بسی، شرمندگی، غماز، ہرجیز۔ پھر اسے خوف پیدا ہوتا ڈاکٹر صاحب اس کو پتا نہیں کن نظروں سے دیکھیں گے۔ اس کی بہت دم توڑ جاتی۔

ڈاکٹر سید۔ سید علی ایہام کو دور کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ وہ ان کے پاس خاموش بیٹھا رہتا۔ صرف سنتا، صرف سمجھتا، صرف نتیجے اخذ کرتا۔ کوئی وحید تھی جو سمجھ رہی تھی۔ کوئی چیز تھی جو نظر آنے لگی تھی۔ جن سوالوں کو وہ کئی ساتوں سے سر پر جوہ کی صورت میں لئے پھر رہا تھا ان کے پاس ان کے جواب تھے۔

”اسلام کو کچھ کر سکیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس میں کتنی وسعت ہے۔ یہ ٹھک نظری اور ٹھک دل کا دین نہیں ہے نہ ہی ان دونوں چیزوں کی اس میں مچانگ ہے۔ یہ میں سے شروع ہو کر ہم پر جاتا ہے۔ فرد سے معاشرے تک۔ اسلام آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ جو نہیں سمجھتے سر پر لوپی، ہاتھ میں سچے کپڑے ہر جگہ مسئلے بچھانے بیٹھے رہیں۔ ہر بات میں اس کے حوالے دیتے رہیں۔ نہیں، یہ تو آپ کی زندگی سے۔ آپ کی اپنی زندگی سے حوالہ چاہتا ہے۔ یہ تو آپ سے راست ہادی اور پار سائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ دیانت داری اور نگران چاہتا ہے۔ اعلاص اور احتیاس مانگتا ہے۔ ایک اچھا مسلمان اپنی باتوں سے نہیں اپنے کروڑوں سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔“

سالار ان کی باتوں کو ایک چھوٹے سے ریکارڈ میں ریکارڈ کر لیتا پھر گھر آکر بھی سنتا رہتا۔ اسے ایک دہر کی تلاش تھی، ڈاکٹر سید علی کی صورت میں اسے دور بہر مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”سالار آؤ، اب آج بھی جاؤ۔“ کئی عرصے کے بعد اس نے اس کا بازو کھینچے ہوئے ناراضی سے کہا۔ وہ عمار کی شادی میں شرکت کے لئے اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ عین دن کی چھٹی لے کر حالانکہ اس کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ وہ ایک ہفتے کے لئے آئے۔ شادی کی تقریبات کئی دن پہلے شروع ہو چکی تھیں۔ وہ ان تقریبات کی ”زمینت“ اور ”توسیت“ سے واقف تھا۔ اس لئے گھر والوں کے اصرار کے باوجود وہ عین دن کی رخصت لے کر آیا اور اب وہ عمار کی مہندی کے تقاضوں میں شرکت کر رہا تھا جو عمار اور اس کے سسرال والے مل کر کر رہے تھے۔ عمار اور اس کی دونوں کے عزیز اقارب اور دوست مختلف ٹکڑی اور باپ کاٹوں پر رقص کرنے میں مصروف تھے۔ ایک طرف ان بد تمیزی تھا جو دایاں رہا تھا۔ طبقہ لمبے شرٹس، کھلے سیکے، جسم کے ساتھ چپکے ہوئے کپڑے، باریک ملبوسات، سنگ اور شیشوں کی ساز صیال، میٹ کے بازو، اس کی ٹیلی کی عورتیں بھی دوسری عورتوں کی طرح اسی طرح کے ملبوسات پہنے ہوئے تھیں۔

مسکند گیارہ بج گئی تھی اور وہ تقریب شروع ہونے پر اس بیگ سے سے کافی دیر کچھ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو کارپوریت یا بینکنگ بنگلے سے تعلق رکھتے تھے اور سکندر یا اس کے اپنے بھائیوں کے شاسا تھے۔

مگر پھر مہندی کی رسمات کا آغاز ہونے لگا اور ایسا اسے اسٹیج کی طرف لے گئی۔ اس کی اور عمار بے تکلفی سے اسٹیج پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ پہلی بار اس کی سے مل رہا تھا۔ عمار نے اس کا ہر اس کی کا تعارف کر دیا۔ مہندی کی رسمات کے بعد اس نے وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر کامران اور طیب نے اسے زبردستی روک دیا۔



"بھائی کی مہندی ہو رہی ہے اور تم اس طرح وہاں کونے میں بیٹھے ہو۔" طہیر نے اسے ڈانٹا تھا۔  
"جسمیں پیال ہو نا چاہئے۔"

وہ ان کے کہنے پر وہیں کامران اور اس کی بیوی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک کزن نے ایک بار بھر وہ وہاں اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی جو وہ سب ڈالے ہوئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر قدرے ناگوار کی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اسے صبر کی۔

اگلے چند منٹوں کے بعد وہاں رقص شروع ہو چکا تھا۔ عمار سمیت اس کے سارے بہن بھائی اور کنز رقص کر رہے تھے اور انہیں اسے بھی کھینچنا شروع کر دیا تھا۔  
"نہیں! انہیں نہیں کر سکتا۔ مجھے نہیں آتا۔"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے عذرت کی مگر اس کی عذرت قبول کرنے کے بجائے وہ اور عمار اسے کھینچ کر رقص کرنے والوں کے جھم میں لے آئے تھے۔ کامران اور عمار کی شادی میں وہ بھی ایسے ہی رقص کرتا رہا تھا مگر عمار کی مہندی پر وہ پچھلے سات سالوں میں اتنا لہذا جتنی شرطے کر چکا تھا کہ وہاں اس جھم کے درمیان خالی بازو کھڑے کرنا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔ قدرے بے بس مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسی طرح جھم کے درمیان کھڑا رہا پھر اس نے انہی کے کان میں کہا۔

"اعتنا۔ میں ڈانس بھول چکا ہوں۔ Please let me go۔ (برادری بھائی مجھے جانے دو)۔"  
"تم کرنا شروع کر۔۔۔ آجائے گا۔" انہوں نے جواباً اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اب اسرئی بھی اس جھم میں شامل ہو چکی تھی۔

"میں نہیں کر سکتا۔ تم لوگ کرو۔ میں انجوائے کر رہا ہوں۔ مجھے جانے دو۔"

اس نے مسکراتے ہوئے نکلنے کی کوشش کی۔ اسرئی کی آمد نے اسے اس کوشش میں کامیاب کر دیا۔  
"عروج ہر قوم، ہر نسل کا خواب ہو جیسے اور پھر وہ قومیں جن پر الہامی کتابیں نازل ہوئی ہوں وہ تو عروج کو اپنا حق سمجھتی ہیں مگر کبھی کسی قوم پر عروج صرف اس بنا پر نہیں آیا کہ اسے ایک کتاب اور نبی دے دیا گیا جب تک اس قوم نے اپنے اعمال اور افعال سے عروج کے لئے اپنی طبیعت ثابت نہیں کر دی وہ کسی مرتبہ، کسی مقام، کسی فضیلت کے قابل نہیں ٹھہریں۔ مسلمان قوم یا امت کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے اعلیٰ طبقات تعلیم اور نفس پرستی کا شکار ہیں۔ یہ دونوں چیزیں دبا کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے اور پھر یہ سلسلہ کہیں ڈگتا نہیں۔" اسے وہاں کھڑے الٹا ناچتی ہوئے عورتوں اور مردوں کے جھم کو دیکھتے ہوئے بے اختیار ڈاکٹر سہیل علی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"مومن عیاش نہیں ہو جاتے تب جب وہ رعایا ہوتا ہے نہ تب جب وہ سکران ہوتا ہے۔ اس کی

زندگی کسی جانور یا کبوتر کی زندگی جیسی نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، اپنی نسل کو آگے بڑھانا اور فکا ہو جانا۔ یہ کسی جانور کی زندگی کا اندازہ تو ہو سکا ہے مگر کسی مسلمان کی نہیں۔" سالار بے اختیار مسکرایا۔ وہ آج پھر "جانوروں" اور "حشرات الارض" کا ایک کڑوا کچھ رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی وہ بہت عرصہ پہلے ان میں سے نکل چکا تھا۔ وہاں ہر ایک خوش باش، پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ بلند قصبے اور چمکدار چہرے اور آنکھیں۔ اس کے سامنے طہیر عمار کے سر کے ساتھ رقص کر رہی تھیں۔ انہیں اپنے سب سے بڑے بھائی کامران کے ساتھ۔

سالار نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے دائیں کنبی کو مسلا۔ شاید یہ میز میز رک تھا یا پھر اس وقت اس کا ذہنی اضطراب اسے اپنی کنبی میں ہلکی سی درد کی لہر گزرتی محسوس ہوئی۔ اپنے گلہ مزہ اتار کر اس نے ہائیں ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھیں مسلیں۔ دوبارہ گلہ مزہ آنکھوں پر لگاتے ہوئے اس نے مڑ کر راست تلاش کرنے کی کوشش کی، کچھ جدوجہد کے بعد وہ اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اس دائرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے بخوشی راست دے دیا گیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟" بے ہنگم شور میں طہیر نے بلند آواز میں جانے سے پہلے اس کا بازو پکڑ کر پوچھا تھا۔ وہ اب بھی رقص کرتے کرتے کچھ تھک کر اس کے پاس کھڑی ہوئی تھیں ان کا سانس پھرا ہوا تھا۔  
"مٹی! میں ابھی آتا ہوں۔ نماز پڑھ کر۔"

"آج رہے دو۔۔۔۔۔"

سالار مسکرایا مگر اس نے جواب میں کچھ کہا نہیں بلکہ لٹی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے نری سے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔

وہ اب باہر نکلنے کی جگہ دوڑ کر رہا تھا۔  
"یہ کبھی بارش نہیں ہو سکتا۔ زندگی کو انجوائے کرنا بھی ایک آرٹ ہے اور یہ آرٹ اس بے وقوف کو کبھی نہیں آئے گا۔" انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے کی پشت کو دیکھتے ہوئے قدرے افسوس سے سوچا۔  
سالار نے اس جھم سے نکل کر بے اختیار سکون کی سانس لی تھی۔

وہ جس وقت نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر کے گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ سحر اس وقت بھی گانے میں مصروف تھا۔ اس وقت مسجد کی طرف جانے والا وہ اکپلا تھا۔ شاید گاڑیوں کی لمبی قطاروں کے درمیان سے سڑک پر چلتے ہوئے وہ مسلسل ڈاکٹر سہیل علی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ "سینکڑوں" کے اس مجمع کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جو اس کے گھر پر ہانچ گانے میں مصروف تھے۔ مسجد میں کل "چودہ" لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی تھی۔

ہستان آنے کے بعد اسلام آباد اپنی پوشنگ کے دوران وہ سکندر عثمان کے گھر پر ہی رہتا رہا۔ لاہور آنے کے بعد بھی کسی پوش خانے میں کوئی بڑا گھر پاگل کے لئے منتخب کرنے کے بجائے اس نے فرقان کی بلڈنگ میں ایک فلیٹ کرائے پر لینے کو ترجیح دی۔

فرقان کے پاس فلیٹ لینے کی ایک وجہ اگر یہ تھی کہ وہ لاہور میں اپنی عدم موجودگی کے دوران فلیٹ کے بارے میں کسی عدم تحفظ کا شکار نہیں ہوتا تھا تو دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فلیٹ کے بجائے کوئی گھر لینے پر اسے دو چار ماہ نام مستقل رکھنے پڑتے جب کہ اس کا بہت کم وقت فلیٹ پر گزارنا تھا۔ فرقان کے ساتھ آہستہ آہستہ لاہور میں اس کا سوشل سرکل بہت وسیع ہونے لگا تھا۔ فرقان بہت سوشل آدمی تھا اور اس کا حلقہ احباب بھی خاصا لمبا چوڑا تھا۔ وہ سالار کے دو ڈاؤر ٹیبر اسٹ کو جھٹنے کے باوجود اسے دیکھنا دیکھنا اپنے ساتھ مختلف بلکیوں پر کھینچا رہتا۔

وہ اس رات فرقان کے ساتھ اس کے کسی ڈاکٹر دوست کی ایک پارٹی اور محفل غزل میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ وہ ایک فارم پر ہونے والی پارٹی تھی۔ اس نے سالار کو مدعو کر لیا اور محفل غزل کا سن کر وہ انکار نہیں کر سکا۔

فارم پر شیر کی ایلینٹ کلاس کا اجتماع تھا۔ وہ ان میں سے اکثریت کو جانتا تھا۔ وہ اپنے شناسا کچھ لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ انرجل رہا تھا اور ان ہی باتوں کے دوران اس نے فرقان کی تلاش میں نظر دوڑائی تھی وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سالار ایک بار پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کھانے کے بعد اسے چند لوگوں کے ساتھ فرقان کھڑا نظر آ گیا۔ وہ بھی اس طرف بڑھ آیا۔

”آؤ سالار! میں تمہارا تعارف کروا جاؤں۔“ فرقان نے اس کے قریب آنے پر چند جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ ”یہ ڈاکٹر رہتا ہیں۔“ کچھ کام ہاتھل میں کام کرتے ہیں۔ چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔“ سالار نے ہاتھ ملایا۔

”یہ ڈاکٹر جلال انصاری ہیں۔“ سالار کو اس شخص سے تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ فرقان اب کیا کہہ رہا تھا وہ سن نہیں پایا۔ اس نے جلال انصاری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ دونوں کے درمیان بہت دبی سا معاشرہ ہوا۔ جلال انصاری نے بھی جینا ناستہ پہچان لیا تھا۔

سالار وہاں ایک اچھی شام گزارنے آیا تھا مگر اس وقت اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک اور بری رات گزارنے آیا تھا۔ یادوں کا ایک سیلاب تھا جو ایک بار پھر ہر بند توڑ کر اس پر چڑھائی کر رہا تھا۔ وہ سب اب اس طرف جا رہے تھے جہاں بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اب فرقان تھا۔ جلال انصاری اب اس سے کچھ آگے دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ تھا۔ سالار نے سنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھا۔

دشت خجائی میں اسے جان جہاں

لڑنا ہیں

تیری آواز کے سامنے

تیرے ہونٹوں کے سراب

اقبال بانو کا شروع کر چکی تھیں۔

دشت خجائی میں

دوری کے

فصل خاشاک سے

کھل رہے ہیں

تیرے پیلو کے سن اور گلاب

اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ اپنا سر دھن رہے تھے۔ سالار چند لمحوں کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے اس

فصل کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اسے زندگی میں کبھی کسی شخص کو دیکھ کر حلق نہیں آیا تھا اس دن پہلی بار آ رہا تھا۔

آؤ ہاتھ نہ گز رہا ہے کے بعد اس نے فرقان سے کہا۔

”چلیں؟“ فرقان نے چونک کر اسے دیکھا۔

”ہاں۔“

”اگر۔“

”ابھی تو یہ گرام شروع ہوا ہے۔ تمہیں بتایا تو تھا رات دیر تک یہ محفل چلے گی۔“

”ہاں مگر میں جانا چاہتا ہوں۔ کسی کے ساتھ جگوارو۔ تم بعد میں آ جاؤ۔“

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

”تم کیوں جانا چاہتے ہو؟“

”مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔“ اس نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”اقبال بانو کو شے ہوئے بھی کوئی دوسرا کام یاد آ گیا ہے؟“ فرقان نے قدرے مامقنی انداز

میں کہا۔

”تم بیٹھو میں چلا جاؤں۔“ سالار نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”محبوب باتیں کرتے ہو۔ یہاں سے کیسے جاؤ گے۔ فارم اتنا دور ہے۔ چلو اگر اتنی ہی جلدی ہے تو

چلتے ہیں۔“ فرقان بھی اُنھ کو کھڑا ہو گیا۔



میرزاں سے اجازت لیتے ہوئے وہ دونوں فرقان کی گاڑی میں آ بیٹھے۔

"اب بتاؤ۔ یوں اچانک کیا ہوا ہے؟" گاڑی کو غارم سے باہر لاتے ہوئے فرقان نے کہا۔

"میرزاہاں غصہ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"کیوں...؟" سالار نے جواب نہیں دیا۔ وہ باہر سڑک کو دیکھتا رہا۔

"وہاں سے اٹھ آئے کی وجہ جانی ہے؟"

سالار نے بے اختیار گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ فرقان نے ایک کمر اسانس لیا۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔ تم جلال انصر کی وجہ سے ہی فٹکشن سے بھاگ آئے ہو۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" سالار نے ہتھیار اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم دونوں بڑے عجیب انداز میں آپس میں ملے تھے۔ جلال انصر نے غلاف معمول تمہیں کوئی

اہمیت نہیں دی جب کہ تمہارے جیسی شہرت والے شکر کے سامنے تو اس جیسے آدمی کو کھل اٹھنا چاہئے

تھا۔ وہ تعلقات بنانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، خود تم بھی مسلسل اسے دیکھ رہے تھے۔" فرقان بہت

آرام سے کہہ رہا تھا۔

"تم جلال انصر کو جانتے ہو؟"

سالار نے گردن سیدھی کر لی۔ وہ ایک بار پھر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

"امام۔ اسی شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" بہت دیر بعد اس نے مدغم توڑ میں کہا۔ فرقان کچھ

بول نہیں کیا۔ اسے توقع نہیں تھی جلال اور سالار کے درمیان اس طرح کی کشمکش ہوگی ورنہ وہ شاید یہ

سوال بھی نہ کرتا۔

گاڑی میں بہت دیر خاموشی رہی پھر فرقان نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی ہے کہ وہ جلال جیسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو بڑا

خراست آدمی ہے۔ ہم لوگ اس کو "قصافی" کہتے ہیں۔ اس کی واحد دلچسپی یہ ہے۔ مریض کیسے لاکر

دے گا، کہاں سے لاکر دے گا، اسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ تم دیکھنا آٹھ دس سال میں یہ اسی رفتار کے ساتھ

بڑھ کھاتے ہوئے اب دور کا سب سے اخیر ڈاکٹر ہو گا۔"

فرقان اب جلال انصر کے بارے میں پھر کہہ رہا تھا۔ سالار خاموشی سے سن رہا تھا۔ جب فرقان

نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے کہا۔

"اس کو قسمت کہتے ہیں۔"

"تمہیں اس پر شک آ رہا ہے؟" فرقان نے قدرے جراتی سے کہا۔

"حسد تو میں کر نہیں سکتا۔" سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "یہ جو کچھ تم مجھے اس کے بارے

میں بتا رہے ہو۔ یہ سب کچھ مجھے بہت سال پہلے پتا تھا۔ تب تو جب میں امام کے حلیے میں اس سے ملتا

تھا۔ یہ کیسا ڈاکٹر بیٹے والا تھا مجھے اندازہ تھا مگر آج اس فٹکشن میں اسے دیکھ کر مجھے اس پر بے تحاشہ حلق

آیا۔ کچھ بھی نہیں ہے اس کے پاس۔ معمولی شکل و صورت ہے۔ خاندان بھی خاص نہیں ہے۔ اس جیسے

ہزاروں لاکرز ہوتے ہیں۔ لاپٹی مادہ پرست بھی ہے مگر قسمت دیکھو کہ امام ہاشم جیسی لڑکی اس کے

عشق میں چلا ہوئی۔ اس کے پیچھے خواہ ہو تو پھری۔ میں اور تم اسے قصائی کہہ لیں۔ کچھ بھی کہہ لیں۔

صرف ہماری باتوں سے اس کی قسمت تو نہیں بدل جائے گی نہ اس کی نہ میری۔"

اس نے بات اور خودی چھوڑ دی۔ فرقان نے اس کے چہرے کو دو سوال دھواں ہونے دیکھا۔

"کوئی نہ کوئی خوبی تو ہوگی اس میں کہ... کہ امام ہاشم کو اور کسی سے نہیں صرف اسی سے محبت

ہوتی۔" وہ اب اپنا دونوں آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

"مجھے اگر پتا ہو تاکہ یہاں تم جلال انصر سے ملو گے تو میں تمہیں بھی اپنے ساتھ یہاں نہ لاتا۔"

فرقان نے گاڑی ڈرائیج کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی اگر یہ پتا ہو تاکہ میں یہاں اس کا سامنا کروں گا تو میں بھی کسی قیمت پر یہاں نہ آتا۔"

سالار نے دوا سکرین سے نظر آنے والی تاریک سڑک کو دیکھتے ہوئے اسرو کی سے سوچا۔

کچھ اور سڑے حد خاموشی سے ملے ہوا پھر فرقان نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"تم نے اسے کبھی اسوٹ لانے کی کوشش نہیں کی؟"

"امام کو...؟ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"میں اسے کیسے اسوٹ سکتا ہوں۔ کئی سال پہلے ایک بار میں نے کوشش کی تھی کوئی فائدہ نہیں ہوا

اور اب... اب تو یہ اور بھی مشکل ہے۔"

"تم بیوقوف بھی نہ بن سکتے ہو۔"

"اٹھارہ دوں اس کے بارے میں؟" سالار نے قدرے غفلت سے کہا۔ "وہ تو پتا نہیں ملے پاتا ملے

نہیں اس کے گھر والے مجھ تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ شک تو ان کو کچھ پر پہلے بھی تھا اور فرض کرو میں

ایسا کچھ کر بھی لوں تو تین دو ہفتے میں کیا ہشتار دوں۔ کیا کہوں؟" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"پھر اسے بھول جاؤ۔" فرقان نے بڑی سہولت سے کہا۔

"کوئی سانس لینا بھول سکتا ہے؟" سالار نے ترکی پر ترکی کہا۔

"سالار اب بہت سال گزر گئے ہیں۔ تم آخر کتنی دیر اس طرح اس لاعامل عشق میں جتنا رہو

گے۔ تمہیں اپنی زندگی کو وہ بار دہلان کرنا چاہئے۔ تم اپنی ساری زندگی امام ہاشم کے لئے تو ضائع نہیں

کر سکتے۔"

"میں کچھ بھی ضائع نہیں کر رہا ہوں۔ نہ زندگی کو نہ وقت کو نہ اپنے آپ کو۔ میں اگر ایسا ہاشم کو یاد رکھے ہوئے ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ مجھے اس کے بارے میں سوچنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن میں اس تکلیف کا عادی ہو چکا ہوں۔ ہوں۔ وہ میری پوری زندگی کو dominate کرتی ہے۔ وہ میری زندگی میں نہ آتی تو میں آج یہاں پاکستان میں قریبا سے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ سالار سکندر کہیں اور ہوتا شاید ہوتا ہی نہ۔ مجھ پر اس کا قرض بہت ہے۔ جس آدمی کے مقروض ہوں اس کو جنگی سے بچا کر اپنی زندگی سے کوئی باہر نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں کر سکتا۔"

سالار نے وہ لوگ انداز میں کہا۔

"فرض کر دو وہ پارہ لے مجھ.....؟" فرقان نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ نیکوٹ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد سالار نے کہا۔

"میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔" اس نے بڑی سہولت سے بات بدل دی۔

☆.....☆.....☆

چند سالوں میں فرقان کی طرح اس نے بھی گاؤں میں بہت کام کیا تھا اور فرقان کی نسبت زیادہ حیرت انگیزی سے کیونکہ فرقان کے برعکس وہ بہت زیادہ اثر و سوجھ رکھتا تھا۔ اس نے چند سالوں میں اس گاؤں کی حالت بدل کر رکھ دی تھی۔ صاف پانی، بجلی اور بڑی سڑک تک جاتی ایک چنٹ سڑک اس کے پہلے دو سالوں کی بکھر کر رہی تھی۔ تیسرے سال وہاں ڈاک خانہ، محلہ ڈرامت کا دفتر اور فون کی سہولت آئی تھی اور چار سال اس کے اپنے پانی اسکول میں۔ پھر کلاسز میں ایک این جی او کی مدد سے لڑکوں کے لئے دستکار کی سکھانے کا آغاز کیا گیا۔ گاؤں کی ڈپنٹری میں ایمرلیٹس آگئی۔ وہاں کچھ اور مشینری نصب کی گئی۔ فرقان کی طرح یہ ڈپنٹری بھی اس نے اپنے وسائل سے اسکول کے ساتھ ہی شروع کی تھی اور اسے مزید بہتر بنانے میں فرقان نے اس کی مدد کی تھی۔

فرقان کے برعکس اس کی ڈپنٹری میں ڈاکٹر کی عدم دستیابی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی ڈپنٹری کا باقاعدہ آغاز ہونے سے بھی پہلے ایک ڈاکٹر اس کی کوششوں کی وجہ سے وہاں موجود تھا۔

اسکول پر ہونے والے تمام اخراجات تقریباً ہی کے تھے لیکن ڈپنٹری کو قائم کرنے اور اسے چلانے کے لئے ہونے والے اخراجات اس کے کچھ دو سوست برداشت کر رہے تھے۔ یونیورسٹی میں کام کے دوران بنائے ہوئے کالینک اور دوستیاں اب اس کے کام آ رہی تھیں اور وہ انہیں استعمال کر رہا

تھا۔ وہ یونیورسٹی اور یونیورسٹی میں اپنے بہت سے دوستوں کو پاکستان آنے پر وہاں لایا تھا۔ وہ اب وہاں وہ کینٹنل ٹریڈنگ کی پلاننگ کرنے میں مصروف تھا، مگر چوتھے سال میں صرف کچھ نہیں ہوا تھا کچھ اور بھی ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

سکندر مٹن اس دن سر پھر کے قریب اسلام آباد آئے ہوئے گاڑی کا ٹائر پچھڑ ہونے پر سڑک پر ٹوک گئے۔ ڈرائیور ٹائر بدلنے لگا اور وہ سڑک کے اطراف نظریں دوڑانے لگے۔ تب ان کی نظر ایک سائیکل پر پڑی۔ وہاں لکھے ہوئے گاؤں کے نام نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ سالار سکندر کے حوالے سے وہ نام ان کے لئے نا آشنا نہیں تھا۔

ڈرائیور جب ہڑ بدل کر وہاں ڈرائیو تک سیٹ پر آکر بیٹھا تو سکندر مٹن نے اس سے کہا۔

"اس گاؤں میں چلو۔" انہیں اچانک ہی تجسس پیدا ہوا تھا۔ اس اسکول کے بارے میں جو سالار

سکندر پچھلے کئی سالوں سے وہاں چلا رہا تھا۔

بچی سڑک پر تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہے تھے دس منٹ میں وہ گاؤں کے اندر موجود تھے۔

آہی آہی شروع ہو چکی تھی۔ کچھ بجلی کی دکانیں نظر آنے لگی تھیں۔ شاید یہ گاؤں کا "کنٹرول ایریا" تھا۔

"یہاں بیٹے اتر کر کسی سے پوچھو کہ سالار سکندر کا اسکول کہاں ہے۔" سکندر مٹن نے ڈرائیور کو

ہدایت دی۔ اس وقت انہیں یاد آیا تھا کہ اس نے کبھی ان کے سامنے اسکول کا نام نہیں لیا تھا اور یہاں ان

کی گاڑی موجود تھی وہاں اس پاس کسی اسکول کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کے لئے

چند سال پہلے سکندر مٹن کی گاڑی بے حد اشتیاق یا تجسس کا باعث بنی مگر پچھلے کچھ سالوں میں سالار اور

فرقان کی وجہ سے وہاں دھماکا کاڑیوں کی آمد ہوئی رہتی تھی۔ یہ پہلے کی طرح ان کے لئے تعجب انگیز

نہیں رہی تھی مگر وہ گاڑی وہاں سے ہمیشہ کی طرح گزر جانے کے بجائے جب وہیں کھڑی ہو گئی تو کچھ دم

لوگوں میں تجسس پیدا ہوا۔

سکندر مٹن کی ہدایت پر ڈرائیور بیٹے اتر کر پاس کی ایک دکان کی طرف گیا اور وہاں بیٹھے چند

لوگوں سے اسکول کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"یہاں سالار سکندر صاحب کا کوئی اسکول ہے؟" علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں جی ہے۔ یہ اسی سڑک پر آگے دائیں طرف موڑ مڑنے پر بڑی سی عمارت ہے۔" ایک

آدمی نے بتایا۔

"آپ ان کے کوئی دوست ہیں؟" اس آدمی نے جواب کے ساتھ ساتھ سوال بھی کیا۔

"نہیں میں ان کے والد کے ساتھ آیا ہوں۔"



”والد؟“ اس آدمی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہاں بیٹھے ہوئے قلم لوگ ایک دم سکندر عثمان کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اس آدمی نے اٹھ کر ذرا نیور سے ہاتھ ملایا۔

”سالار صاحب کے والد آئے ہیں بڑی خوش قسمتی ہے۔“ اس آدمی نے کہا اور پھر ذرا نیور کے ساتھ گاڑی کی طرف آنے لگا۔ وہاں بیٹھے ہوئے باقی لوگ بھی کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آئے۔ سکندر عثمان نے دور سے انہیں ایک گروپ کی شکل میں اپنی طرف آنے دیکھا تو وہ کچھ الجھن کا شکار ہو گئے۔ ذرا نیور کے پیچھے آنے والے آدمی نے بڑی عقیدت کے ساتھ کھڑکی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ سکندر عثمان نے کچھ تذبذب کے عالم میں اس سے ہاتھ ملایا جب کہ اس آدمی نے بڑے جوش و خروش سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ان سے مصافحہ کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دوسرے آدمی بھی اب بکھی کر رہے تھے۔ سکندر کچھ الجھن کے انداز میں ان سے ہاتھ مل رہے تھے۔

”آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ صاب“

پہلے اوچھڑ عمر آدمی نے عقیدت بھرے انداز میں کہا۔

”آپ کے لئے چائے لائیں یا پھر بریک۔“ وہ آدمی اسی جوش و خروش سے پوچھ رہا تھا۔

ذرا نیور اب گاڑی اشارت کر چکا تھا۔

”نہیں۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں۔ بس راستہ ہی پوچھنا تھا۔“ انہوں نے جلدی سے کہا۔

ذرا نیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ آدمی اور اس کے ساتھ کھڑے دوسرے لوگ وہیں کھڑے گاڑی کو آگے چلتے دیکھتے رہے پھر اس آدمی نے قدم بامی سے سر ہلایا۔

”سالار صاحب کی اور بات ہے۔“

”ہاں سالار صاحب کی اور ہی بات ہے، وہ کبھی کبھار کھائے پیئے بغیر یہاں سے اس طرح جاتے تھے۔“ ایک دوسرے آدمی نے چکید کی۔ دو لوگ اب واپس قدم بڑھانے لگے۔

سالار گاڑی میں موجود ان چند دکانوں کے پاس ہی اپنی گاڑی کھڑی کر دیا کرتا تھا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے ملنے ان کی پیش کردہ چھوٹی موٹی چیزیں کھاتا تھا وہاں سے پیدل دس منٹ میں اپنے اسکول چلا جاتا تھا۔ دو لوگ باجوس ہوئے تھے۔ سکندر عثمان نے نو گاڑی سے اترنے تک کا تکلف نہیں کیا تھا، کھانا جتنا تو دور کی بات تھی۔

گاڑی اب سڑ سڑ رہی تھی اور سڑ سڑتے ہی ذرا نیور سے مزید کچھ کہتے کہتے سکندر عثمان خاموش ہو گئے۔ گینجلی میٹ پر بیٹھے وٹا اسکرین کے پار نظر آنے والی وسیع و عریض عمارت ان جھولے جھولے کپکپے دکانوں اور کھیلے کھیتوں کے درمیان دور سے بھی حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی تھی۔ سکندر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ وہاں اتنا بڑا اسکول چلا رہا تھا مگر ان کو دم بخود اس اسکول کی دور تک پہنچی ہوئی عمارت

نے نہیں کیا تھا بلکہ اسکول کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر گئے اس سائیں بورڈ نے کیا جس پر تیر کے ایک نشان کے اوپر چلی حروف میں اردو میں تحریر تھا۔ ”سکندر عثمان ہائی اسکول، ذرا نیور گاڑی اسکول کے سامنے روک چکا تھا۔“

سکندر عثمان نے گاڑی سے اتر کر اس عمارت کے گیٹ کے پار عمارت کے ماتھے پر چپکتے ہوئے اپنے نام کو دیکھا، ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی۔ سالار سکندر نے ایک بار پھر انہیں کچھ بولنے کے قائل نہیں رکھا تھا۔ گیٹ بند تھا مگر اس کے دوسری طرف جو کیدار موجود تھا جو گاڑی کو وہاں رکنے دیکھ کر گیٹ کھول رہا تھا۔ ذرا نیور جب تک گاڑی سے اتر چو کیدار باہر آگیا۔

”صاحب شہر سے آئے ہیں ذرا اسکول دیکھنا چاہتے ہیں۔“ ذرا نیور نے جو کیدار سے کہا۔ سکندر عثمان ہنوز اس اسکول پر گئے اپنے نام کو کچھ رہے تھے۔

”سالار صاحب کے حوالے سے آئے ہیں؟“ جو کیدار نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ ذرا نیور نے بلا توقف کہا۔ ”وہی آئے ہیں۔“ سکندر عثمان نے پہلی بار اپنی نظریں ہٹا کر ذرا نیور اور پھر جو کیدار کو دیکھا۔

”میں سالار سکندر کا باپ ہوں۔“ سکندر عثمان نے مستحکم مگر ہزرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ذرا نیور نے حیرانی سے ان کو دیکھا۔ جو کیدار ایک دم بولکھٹا گیا۔

”آپ۔۔۔ آپ سکندر عثمان صاحب ہیں؟“ سکندر کچھ کہے بغیر میکاگی انداز میں گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

☆—☆—☆

وہ شام کو جالنگ ٹریک پر خواجہ سوباگل پر سکندر عثمان کی کال آئی۔ اپنی بے ترتیب سانس پر قابو پاتے ہوئے وہ جالنگ کرتے کرتے رُک گیا اور ٹریک کے پاس ایک تختہ پر بیٹھ گیا۔

”ہیلو! السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔۔۔۔۔ ٹریک پر جو؟“ انہوں نے اس کے پھولے ہوئے سانس سے اندازہ لگایا۔

”جی۔۔۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔“

”کی کیسی ہیں؟“

”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“ سالار ان کی طرف سے کچھ مزید کہنے یا پوچھنے کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف اب خاموشی تھی پھر چند لمحوں کے بعد وہ بولے۔

”میں آج تمہارا اسکول دیکھ کر آیا ہوں۔“

"دیکھ! سالار نے بے ساختہ کہا۔

"کیسا کہ آپ کو؟"

"تم نے یہ سب کیسے کیا ہے سالار؟"

"کیا۔"

"وہ سب کچھ جو وہاں پر ہے۔"

"چتا نہیں۔ بس جوتا گیا۔ مجھے پتا ہوتا تو میں آپ کو خود ساتھ لے جاتا۔ کوئی پر اہم تو نہیں ہوئی؟" سالار کو تشویش ہوئی۔

"وہاں سالار سکندر کے باپ کو کوئی پر اہم ہو سکتی ہے؟" انہوں نے جوابا کہا۔ سالار جانتا تھا وہ سوال نہیں تھا۔

"تم کس طرف سے آ رہی ہو سالار؟"

"پتا نہیں۔ آپ کو پتا ہونا چاہئے۔ میں آپ کا چتا ہوں۔"

"نہیں مجھے۔ مجھے تو کبھی بھی پتا نہیں چل سکا۔" سکندر کا لہجہ عجیب تھا۔ سالار نے دیکھ کر

سناٹا لیا۔

"مجھے بھی کبھی پتا نہیں چل سکا۔ میں تو اب بھی اپنے آپ کو چنے کی کوٹھن کر رہا ہوں۔"

"تم۔ تم۔ سالار ایک انتہائی احمق، کہینے اور غیبت اُتارنا ہو۔"

سالار ہنسا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں واقعی ایسا ہوں۔ اور کچھ۔"

"اور۔۔۔ یہ کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تم میری ادا ہو۔" سکندر مٹھن کی آواز لرز رہی

تھی۔ اس بار چپ رہنے کی جادوئی سالار کی تھی۔

"مجھے اس اسکول کے ہر ماہ کے اخراجات کے بارے میں جانا چاہیے۔ میری فرم ہر ماہ اس رقم کا چیک نہیں بھجووا کرے گی۔"

اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا تو فون رنڈ ہو چکا تھا۔ سالار نے پارک میں بھینکی تار کی میں ہاتھ میں بکڑے مو پائٹی کی روشنی اسکرین کو دیکھا۔ پھر جاگنگ ٹریک پر گئی وہ شنیوں میں وہاں دوڑتے لوگوں کو کچھ دودھ وہیں بھٹا خالی لذت کے عالم میں ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ٹریک پر آ گیا۔

☆۔☆۔☆

رمضہ سے سالار کی بھینکی ملاقات لاہور آنے کے ایک سال بعد ہوئی تھی۔ وہ لندن اسکول آف

اکٹا کس کی گر بیجیٹ تھی اور سالار کے چنگ میں اس کی فیملی ہوتی تھی۔ اس کے والد بہت عرصے سے اس چنگ کے کنٹرول میں سے تھے اور سالار انہیں ذاتی طور پر جانتا تھا۔

رمضہ بہت خوب صورت، ڈچین اور خوش حیران لڑکی تھی اور اس نے وہاں آنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی ہر ایک سے خاصا بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔ ایک کو ایک کے طور پر سالار کے ساتھ بھی اس کی اچھی سلام دعا تھی اور کچھ اس کے والد کے حوالے سے بھی وہ اس کی خاص عزت کرتا تھا۔ چنگ میں کام کرنے والی چند دوسری لڑکیوں کی نسبت رمضہ سے اس کی کچھ زیادہ بے تکلفی تھی۔

لیکن سالار کو قطعاً اندازہ نہیں ہوا کہ کس وقت رمضہ نے اسے کچھ زیادہ پیچیدگی سے لیٹا شروع کر دیا۔ وہ سالار کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔ وہ اس کے آفس میں بھی زیادہ آنے جانے لگی تھی اور آفس کے بعد بھی اکثر اوقات اسے کال کرتی رہتی۔ سالار کو چند بار اس کا رویہ کچھ غلط معلوم لگا لیکن اس نے اپنے ذہن میں انہیں الے شبہات کو بھٹک دیا مگر اس کا یہ اطمینان چارے ایک سال کے بعد ایک واقعے کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

☆۔☆۔☆

سالار صبح آفس میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی پوچھ گیا۔ اس کی فیملی پر ایک بہت بڑا اور خوب صورت گے پڑا ہوا تھا۔ اپنا ہر پٹ کس فیملی پر رکھتے ہوئے اس نے وہ بکے اٹھا کر اس پر موجود کارڈ کھولا۔

"چچی برتھ ڈے نو سالار سکندر"

رمضہ بدلتی

سالار نے بے اختیار ایک مگر اسٹانس لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ آج اس کی ساگرہ تھی مگر رمضہ یہ کیسے جانتی تھی وہ کچھ دیر کسی سوچ میں گم نہیں کے پاس کھڑا رہا پھر اس نے بکے فیملی پر ایک طرف رکھ دیا۔ اپنا کوٹ آئندہ اس نے ریلوے چھتر کی پشت پر لٹا دیا اور ہنسنے پڑنے لگا۔ بکے کے نیچے فیملی پر بھی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا۔ اس نے بیٹھنے کے بعد اس کارڈ کو کھولا۔ چند لمبے تک وہ اس میں گھسی ہوئی خبر پڑھتا رہا پھر کارڈ بند کر کے اس نے اپنی وردہ میں رکھ دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس کارڈ اس کے پر کس رد عمل کا اعتبار کرے۔ چند لمبے دو کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کندھے بھٹک کر اپنا ہر پٹ کس کھولا شروع کر دیا۔ وہ اس میں سے اپنا لپٹ ٹاپ نکال کر بریک کس کو نیچے کارپٹ پر اپنی فیملی کے ساتھ رکھ دیا تھا جب رمضہ اندر داخل ہوئی۔

"چچی برتھ ڈے سالار۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

سالار مسکرایا۔



"جھٹکیس....." زمرد اب ٹھیل کے سامنے پڑی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی، جب کہ سالار لیپ ٹاپ کو کھولنے میں مصروف تھا۔

"بیکے اور گارڈ کے لئے بھی شکر ہے۔ یہ ایک خوشگوار سربراہ تھا۔"

سالار نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا وہ اب اپنا فون لیپ ٹاپ کے ساتھ ایچ کرنے میں مصروف تھا۔

"مگر تمہیں میری برتھ ڈے کے بارے میں بتائیے چلا؟" وہ پوچھ بچھ بغیر نہیں رہا۔

"جنتاب یہ تو میں نہیں، تاؤں کی۔ بس پتا چلتا تھا۔ چلا لیا۔" زمرد نے غلط فہمی سے کہا۔ "اور ویسے بھی دوست آپس میں یہ سوال کبھی نہیں کرتے۔ اگر وہ دوستوں کو ایسی چیزوں کا بھی پتہ نہیں ہوگا تو پھر وہ دوست تو نہیں ہوتے۔"

سالار لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نگہیں جمائے مسکراتے ہوئے اس کی بات سن رہا۔

"اب میں سارے اسٹاف کی طرف سے پارٹی کی ڈیمانڈ کے لئے آئی ہوں۔ آج کا ذکر نہیں ارے؟"

کرنا چاہئے۔ "سالار نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"زمرد! میں اپنا برتھ ڈے سلیمینت نہیں کرتا۔"

"کیوں...؟"

"ویسے ہی....."

"کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بس میں ویسے ہی سلیمینت نہیں کرتا۔"

"پچھلے نہیں کرتے ہو گے مگر اس بار تو کرنی پڑے گی۔ اس بار تو سارے اسٹاف کی ڈیمانڈ ہے۔"

زمرد نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں کسی بھی دن آپ سب لوگوں کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔ میرے گھر پر، ہوش میں، جہاں آپ چاہیں مگر میں برتھ ڈے کے سلسلے میں نہیں کھلا سکتا۔"

سالار نے صاف گوئی سے کہا۔

"یعنی تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے لئے پارٹی اریج کر دیں۔" زمرد نے کہا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اگر تم پورے اسٹاف کو پارٹی نہیں بھی دے سکتے تو کم از کم مجھے ڈر پر تو لے جاسکتے ہو۔"

"زمرد! میں آج رات کچھ مصروف ہوں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔"

سالار نے ایک بار پھر معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں، میں بھی آیاؤں گی۔" زمرد نے کہا۔

"نہیں یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں...؟"

"وہ سب مرد ہیں اور تم ان سے واقف بھی نہیں ہو۔" اس نے بیانا بھلا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" زمرد نے کہا۔

"پھر کل چلتے ہیں؟"

"کل نہیں..... پھر کبھی چلیں گے۔ میں تمہیں بتا دوں گا۔"

زمرد کچھ باپوس ہوئی مگر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے فی الحال باہر نہیں لے جائے گا اور وہ نہیں رکھتا۔

"اوکے....." وہ گھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"کچھ آئندہ ہے، تم نے مانگو نہیں کیا ہوگا۔" سالار نے اسے اُٹھنے دیکھ کر کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" It's alright وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سالار اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس کا خیال تھا ساگر کا وہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی۔

لچے اور کے دور ان اس کے لئے ایک سربراہ پارٹی تیار تھی۔ اس کے پاس مسٹر پال طر نے بڑی گرم جوشی سے ساگر پر ساگر کا وہی تھی۔ وہ پارٹی زمرد نے ارٹھ کی تھی اور ایک اور دو سرے لوازمات کو دیکھتے ہوئے وہ پہلی بار صحیح معنوں میں تشویش میں مبتلا ہوا تھا اگر پہلے زمرد ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی پسندیدگی ظاہر کر رہی تھی تو اس دن اس نے بہت واضح انداز میں یہ بات ظاہر کر دی تھی۔ وہ لچے اور کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ اپنے آفس میں بیٹھا پہلی بار زمرد کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس سے کون سی ایسی غلطی ہوئی تھی، جس سے زمرد کو اس میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ پچھلے کچھ عرصے میں ملے والی چند اچھی لڑکیوں میں سے ایک تھی مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس میں الزام ہونے لگے۔ وہ پچھلے کچھ عرصے سے زمرد کے اپنے لئے خاص رویے کو اس کی خوش اخلاقی سمجھ کر نالارہا تھا، مگر اس دن آفس سے نکلتے ہوئے اس کی طرف سے دیئے جانے والے چند سیکس کو گھر جا کر کھولنے پر اس کے چوہہ طبع روشن ہو گئے تھے۔ وہ ابھی ان حقائق کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو رہا تھا، جب فرقان آگیا۔ ڈرائنگ روم میں پڑے وہ فیکس فور اس کی نظر میں آ گئے۔

"واؤ! آج تو خاصے حقائق اکٹھے ہو رہے ہیں۔ دیکھ لوں؟" فرقان نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سالار نے صرف سر ہلایا، گھڑی پر فوٹر، ٹاپیاں، شرٹس، وہ کچے بعد دیگرے ان چیزوں کو نکال نکال کر دیکھتا رہا۔

"یہ تمہاری بری کا سامان اکٹھا نہیں ہو گیا؟" فرقان نے مسکراتے ہوئے تہہ دیا۔ "خاصا دلی"

کھولی کر گھٹس دیے ہیں تمہارے کو انگڑنے۔"

"صرف ایک کو لیک نے۔" سالار نے مد اعلت کی۔

"یہ سب کچھ ایک نے دیا ہے؟" فرقان کچھ حیران ہوا۔

"ہاں۔"

"کس نے؟"

"رمہ نے۔"

فرقان نے اپنے ہونٹ سکڑے۔

"تم جانتے ہو یہ تمام گھٹس ایک ڈیڑھ لاکھ کی رینج میں ہوں گے۔" وہ اب دوبارہ ان چیزوں پر

نظری ال رہا تھا۔

صرف یہ گھڑی ہی پچاس ہزار کی ہے۔ کوئی صرف کو لیک سمجھ کر واقعی منجی چیزیں نہیں دے گا۔ تم لوگوں کے درمیان کوئی۔۔۔" فرقان بات کرتے کرتے رک گیا۔

"ہم دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ کم از کم میری طرف سے، مگر آج میں پہلی بار پریشان ہو گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ رمہ۔۔۔ مجھ میں کچھ ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔" سالار نے ان چیزوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے۔ چلو تم میں بھی کسی لڑکی نے دلچسپی لی۔" فرقان نے ان ٹیکس کو واپس سینٹرل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی تم بہت کنوارے روئے۔ مجھے ہاتھوں اس سال یہ کام کر لو۔"

"جب مجھے شادی نہیں کرنی تو میں اس سلسلے کو آگے کیوں بڑھاؤں۔"

"سالار دن بہ دن تم بہت impractical کیوں ہوتے جا رہے ہو؟ تمہیں اب سینکل ڈاؤن ہونے کے بارے میں سمجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ ہر لڑکی سے کب تک اس طرح ہانگتے پھر دو گے۔ تمہیں اپنی ایک فیملی شروع کر لینی چاہئے۔ رمہ اچھی لڑکی ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔ تمہارا دن ضرور ہے مگر اچھی لڑکی ہے اور چلو اگر رمہ نہیں تو پھر غم کسی اور کے ساتھ شادی کر لو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم اپنے پیڑھوں کی مدد لے سکتے ہو مگر اب تمہیں اس معاملے کے بارے میں سمجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ تمہیں ان تمام باتوں کے بارے میں غور کرنا چاہئے اور کم از کم دوسرے کی بات کے جواب میں کچھ کہہ ضرور دینا چاہئے۔"

فرقان نے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے کہا اس کا اشارہ اس کی خاموشی کی طرف تھا۔

"اس سے دوسرے کو یہ تسلی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی غم کے سامنے تقریر نہیں کرتا رہا۔" فرقان

نے کہا۔

"تم بھی اپنی شادی کے بارے میں سوچتے نہیں ہو؟"

"کون اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچتا؟" سالار نے مدح آمیز میں کہا۔ "میں بھی سوچتا

ہوں مگر میں اس طرح نہیں سوچتا جس طرح تم سوچتے ہو۔ چائے پیو گے؟"

"آخری جملے کے بجائے تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ کیوں اس بند کرو۔"

فرقان نے ناراضی سے کہا۔ سالار نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے وہ اب چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

رمہ نے حیرانی سے اپنے سامنے پڑے ان ٹیکس کو دیکھا۔ "لیکن سالار! یہ سب چیزیں تمہارا برقعہ ڈے گفٹ ہیں۔"

سالار اگلی صبح ایک ٹائی جھوڑ کر تمام چیزیں واپس اٹھالایا تھا اور اب وہ رمہ کے آفس میں تھا۔

"میں کسی سے انجام بگاڑتے نہیں لیا کرتا۔ ایک ٹائی کافی ہے۔"

"سالار! میں اپنے فریڈز کو اتنے ہی پیٹلے گھٹس دیتی ہوں۔" رمہ نے وضاحت کی کوشش کی۔

"پہینا تم دیتی ہو گی مگر میں نہیں لینا۔۔۔ اگر تم نے زیادہ اصرار کیا تو میں وہ ٹائی بھی لا کر واپس

تمہیں دے دوں گا۔۔۔" سالار نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ رمہ

پچکے چہرے کے ساتھ اسے کمرے سے اٹھانے کی ہمتی رہی۔



## باب ۷

سالار اس دن بیٹھ کی طرح ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ابھی اپنا  
پیکچر شروع نہیں کیا تھا جب ان کے پاس بیٹھے ایک ادھیڑ عمر آدمی لے گیا۔  
”ڈاکٹر صاحب! آدمی کو حیر کا بل لے جائے تو اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔“  
سالار نے گردن موز کر اس شخص کو دیکھا، وہ وہاں پچھلے چند دن سے آ رہا تھا۔  
”اس کی شیلیں سنور جاتی ہیں۔ میں جب سے آپ کے پاس آنے لگا ہوں، مجھے لگتا ہے میں  
ہدایت پا گیا ہوں۔ میرے لئے کام سیدھے ہوئے لگے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ مجھے حیر کا بل لے لیا  
ہے۔ میں..... میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔“  
وہ بڑی عقیدت مندی سے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہنے لگا۔ کمرے میں مکمل خاموشی  
پھاگئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے نرمی سے اس شخص کے ہاتھ پر ہتھکی دیتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”حقی صاحب! میں نے زندگی میں آج تک کسی سے بیعت نہیں لی۔ آپ کے من سے حیر کا بل کا  
ذکر سنا..... حیر کا بل کون ہوتا ہے..... حیر کا بل کس کو کہتے ہیں..... وہ کیا کرتا ہے..... اس کی ضرورت  
کیوں ہوتی ہے؟“

وہ بڑی سنجیدگی سے اس شخص سے پوچھ رہے تھے۔

”آپ حیر کا بل ہیں۔“ اس شخص نے کہا۔

”نہیں، میں حیر کا بل نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر سہیل علی نے کہا۔

”آپ سے مجھے ہدایت ملتی ہے۔“ اس شخص نے اصرار کیا۔

”ہدایت تو استاد بھی دیتا ہے، ماں باپ بھی دیتے ہیں، لیڈر بھی دیتے ہیں، دوست احباب بھی  
دیتے ہیں، کیا وہ حیر کا بل ہو جاتے ہیں؟“

”آپ..... آپ گناہ نہیں کرتے۔“ وہ آدمی گڑبڑا گیا۔

”ہاں، دانستہ طور پر نہیں کرتا، اس لئے نہیں کرتا، کیونکہ گناہ سے مجھے خوف آتا ہے۔ یہاں پر  
بیٹھے بہت سے لوگ دانستہ طور پر گناہ نہیں کرتے ہوں گے، کیونکہ میری طرح انہیں بھی گناہ سے خوف  
آتا ہو گا مگر نادانستگی میں مجھ سے کیا سرزد ہو جاتا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے نادانستگی میں مجھ  
سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔“ وہ آدمی اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”دعا تو ماں باپ کی بھی قبول ہوتی ہے، مجبور اور مظلوم کی بھی قبول ہوتی ہے اور بھی بہت سے  
لوگوں کی قبول ہوتی ہے۔“

”لیکن آپ کی تو ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔“ اس نے اصرار کیا۔

ڈاکٹر سہیل علی صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

”نہیں، ہر دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ میں کئی سالوں سے ہر روز مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی دعا کرتا  
ہوں، ابھی تک تو قبول نہیں ہوئی۔ ہر روز میری کی جانے والی کئی دعائیں قبول نہیں بھی ہوتیں۔“  
”لیکن آپ کے پاس جو شخص دعا کر دانتے کے لئے آتا ہے، اس کے لئے آپ کی دعا ضرور قبول  
ہو جاتی ہے۔“

ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”آپ کے لئے کی جانے والی دعا قبول ہو گئی ہو گی، یہاں بہت سے ایسے ہیں جن کے لئے میری

دعا قبول نہیں ہوتی یا نہیں ہوتیں۔“

وہ اب کچھ بول نہیں سکا۔

”آپ میں سے اگر کوئی بتا سکے کہ حیر کامل کون ہوتا ہے؟“  
وہاں موجود لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے گئے پھر ایک نے کہا۔  
”حیر کامل ایک شخص ہوتا ہے، عبادت گزار شخص، پارسا آدمی۔“  
ڈاکٹر سہیل علی نے سر ہلایا۔

”بہت سے لوگ ٹیکہ ہوتے ہیں، عبادت گزار ہوتے ہیں، پارسا ہوتے ہیں۔ آپ کے ارد گرد ایسے بہت سارے لوگ ہوتے ہیں تو کیا وہ سب حیر کامل ہوتے ہیں؟“

”نہیں، حیر کامل وہ آدمی ہوتا ہے جو دکھاتے کے لئے عبادت نہیں کرتا۔ دل سے عبادت کرتا ہے، صرف اللہ کے لئے۔ اس کی تنگی اور پارسانی ڈھونڈ نہیں ہوتی۔“ ایک اور شخص نے ہاتھ اٹھادیے۔  
”اپنے حلقہ احباب میں آپ میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے شخص کو ضرور جانتا ہو گا، جس کی عبادت کے بارے میں اسے یہ شبہ نہیں ہو تا کہ وہ ڈھونڈ ہے، جس کی تنگی اور پارسانی کا بھی آپ کو یقین ہو تا ہے تو کیا وہ شخص حیر کامل ہے؟“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک اور شخص نے کہا۔

”حیر کامل ایک ایسا شخص ہوتا ہے، جس کے الفاظ میں تاثر ہوتی ہے کہ وہ انسان کا دل بدل دیتے ہیں۔“

”تاثر بھی بہت سے لوگوں کے الفاظ میں ہوتی ہے۔ کچھ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ میں، کچھ کے قلم سے نکلنے والے الفاظ میں، تاثر تو اسٹیج پر کھڑے ایک کمپیئر اور اخبار کا کالم لکھنے والے ایک جرنلسٹ کے الفاظ میں بھی ہوتی ہے تو کیا وہ حیر کامل ہوتے ہیں؟“

ایک اور شخص اٹھا۔ ”حیر کامل وہ ہوتا ہے جسے الہام اور وجدان ہو، جو مستقبل کو بوجھ سکے۔“

”ہم میں سے بہت سارے لوگ اپنے خواب دیکھتے ہیں جن میں مستقبل میں درپیش آنے والے حالات سے ہمیں آگاہی ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ استعارہ بھی کرتے ہیں اور چیزوں کے بارے میں کسی حد تک جان جانتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے، وہ خطرہ کو پہچان جاتے ہیں۔“

”حیر کامل کون ہوتا ہے؟“ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر خاموش رہے، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

”حیر کامل کون ہو سکتا ہے؟“ سارا اراکین آمیز انداز میں ڈاکٹر سہیل علی کے چہرے کو دیکھتے لگا۔

”کیا ڈاکٹر سہیل علی کے علاوہ کوئی اور حیر کامل ہو سکتا تھا اور اگر وہ نہیں تھے تو پھر کون تھا اور کون ہو سکتا ہے؟“

وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک سی گونج تھی۔ ڈاکٹر سہیل علی ایک ایک کا پیرو کچھ رہے تھے، پھر ان کے چہرے کی مسکراہٹ بہت آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی۔

”حیر کامل میں کاملیت ہوتی ہے۔ کاملیت ان تمام چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے جو آپ کہہ رہے تھے۔ حیر کامل وہ شخص ہوتا ہے جو دل سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، ٹیکہ اور پارسا ہوتا ہے۔ اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس حد تک جس حد تک اللہ چاہے۔ اس کے الفاظ میں تاثر بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو ہدایت بھی دیتا ہے مگر اسے الہام نہیں ہوتا اسے وجدان ہوتا ہے۔ وحی آتی ہے اس پر اور وحی کسی عام انسان پر نہیں آتی۔ صرف پیغمبر پر آتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کامل تھا مگر حیر کامل وہ ہے جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

ہر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی حیر کامل کی ضرورت ضرور پڑتی ہے۔ کبھی نہ کبھی انسانی زندگی اس سوڑ پر آکر ضرور کھڑی ہو جاتی ہے جب یہ لگتا ہے کہ ہمارے لیون اور دل سے نکلنے والی دعائیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ ہمارے سجدے اور ہمارے پچھلے ہوئے ہاتھ رمتوں اور نعمتوں کو اپنی طرف موزن نہیں پارہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی تعلق تھا جو ٹوٹ گیا ہے پھر آدمی کا دل چاہتا ہے اب اس کے لئے کوئی اور ہاتھ اٹھائے، کسی اور کے لب اس کی دعا اللہ تک پہنچائیں، کوئی اور اللہ کے سامنے اس کے لئے گڑ گڑائے، کوئی ایسا شخص جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں، جس کے لیون سے نکلنے والی التجائیں اس کے اپنے غلطوں کی طرح واپس نہ موزوی جاتی ہوں پھر انسان حیر کامل کی تلاش شروع کرتا ہے، بھانکنا پھر تاپا، ادنیٰ میں کسی ایسے شخص کے لئے جو کاملیت کی کسی نہ کسی پیڑھی پر کھڑا ہو۔

حیر کامل کی یہ تلاش انسانی زندگی کے ارتقاء سے اب تک جاری ہے۔ یہ تلاش وہ خواہش ہے جو اللہ خود انسان کے دل میں پیو کر تاپا ہے۔ انسان کے دل میں یہ خواہش، یہ تلاش نہ اُتاری جاتی تو وہ پیغمبروں پر کبھی یقین نہ لاتا۔ کبھی ان کی پیروی اور اطاعت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ حیر کامل کی یہ تلاش ہی انسان کو ہر زمانے میں آگاہے جانے والے پیغمبروں کی طرف لے جاتی رہی پھر پیغمبروں کی مبعوثیت کا یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور حیر کامل کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

کون ہے جسے اب یا آئندہ آنے والے زمانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مقام دیا جائے؟

کون ہے جسے آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کاملیت دے دی جائے؟

کون ہے جو آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر شفاعت کا دعویٰ کر سکے؟

جلد اور مستقل خاموشی کی صورت میں آنے والی خاموشی یہ جواب ہم سے صرف ایک سوال



کرتا ہے۔

بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر ہم دنیا میں اور کس وجود کو کھوجے نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیعت شدہ ہوتے ہوئے ہمیں دوسرے کس شخص کی بیعت کی ضرورت رہ گئی ہے؟

بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر چلنے کے بجائے ہمیں دوسرا کون سا راستہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے؟

کیا مسلمانوں کے لئے ایک اللہ، ایک قرآن، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی سنت کافی نہیں؟

اللہ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب کے علاوہ اور کون سا شخص کون سا کلام ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے بچا سکے گا؟

جو ہماری دعاؤں کو قبولیت بخشنے، جو ہم پر نعمتیں اور رحمتیں نازل کر سکے؟

کوئی بیر کامل کا فرقہ بنا سکتا ہے؟ نہیں بنا سکتا۔

ڈاکٹر سید علی کہہ رہے تھے۔

"وہ صرف مسلمان تھے، وہ مسلمان جو یہ یقین رکھتے تھے کہ اگر وہ صراطِ مستقیم پر نہیں گئے تو وہ جنت میں جائیں گے، اس راستے سے نہیں گئے تو اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔

اور صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قرآن پاک میں بتاتا ہے۔ صاف، دو ٹوک اور واضح الفاظ میں۔ وہ کام کریں جس کا حکم اللہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دیتا ہے اور اس کام سے ڈک جائیں جس سے منع کیا جاتا ہے۔

اللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کسی بات میں کوئی ایہام نہیں رکھتے۔ قرآن کو کھولنے، اگر اس میں کہیں دو ٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں کسی دوسرے بیر کامل یا پیغمبر کا ذکر ملے تو اس کی تلاش کرتے رہتے اور اگر ایسا کچھ نظر نہیں آتا تو پھر صرف خوف کھائیے کہ آپ اپنے پیروں کو کس دلدل میں لے جا رہے ہیں۔ اپنی پچاس ساٹھ سالہ زندگی کو کس طرح اپنی ابدی زندگی کی تباہی کے لئے استعمال کر رہے ہیں کس طرح خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔ ہدایت کی تلاش ہے، قرآن کھولنے۔ کیا ہے جو وہ آپ کو نہیں بتا رہا۔ وہ آپ کو معصوم، اچھا اور بے خیر نہیں رہنے دیتا۔ آپ کا اصل آپ کے منہ پر دے رہا ہے۔ کیا اللہ انسان کو نہیں جانتا ہو گا؟ اس مخلوق کو جو اس کی اربوں کھربوں تخلیقات میں سے ایک ہے۔

دعا قبول نہیں ہوتی تو آسمان سے اور وسیلے تلاش کرنے کے بجائے صرف ہاتھ اٹھا لیجئے، اللہ سے

خود مانگیں۔ دے دے تو شکر کریں، نہ دے تو صبر..... مگر ہاتھ آپ خود ہی اٹھائیں۔

زندگی کا قرینہ اور سلیقہ نہیں آ رہا تو سواۓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے جائیں، سب کچھ مل جائے گا آپ کو۔

احقرام ہر ایک کا کریں۔ ہر دلی کا، ہر مومن کا، ہر بزرگ کا، ہر شہید کا، ہر صالح کا، ہر پارہ سارہ..... مگر اپنی زندگیوں میں ہدایت اور رہنمائی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیں کیونکہ انہوں نے آپ تک اپنے ذاتی احکامات نہیں پہنچائے جو کچھ بتایا ہے وہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

ڈاکٹر سید سبط علی کون ہے، کیا ہے، کون جانتا ہے اسے؟ آپ.....؟ آپ کے علاوہ چند سو لوگ۔ چند ہزار لوگ مگر جس بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کر رہا ہوں انھیں تو ایک رب کے قریب لوگ اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ میں تو وہی کچھ کہتا، ہرانا پھر رہا ہوں، جو پودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ کیا نئی بات کہی میں نے؟

ڈاکٹر سید علی خاموش ہو گئے تھے۔ کمرے میں موجود ہر شخص پہلے ہی خاموش تھا۔ انہوں نے وہاں بیٹھے ہر شخص کو جیسے آئینہ دکھایا تھا اور آئینے میں نظر آنے والا عکس کسی کو یوں لارہا تھا، کسی کو لرزہ رہا تھا۔ وہاں سے باہر آکر سالہ بہت دیر تک اپنی گاڑی کی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں پر بندھی آخری پٹی بھی آج کھول دی گئی تھی۔

کئی سال پہلے جب امام باہم سوچے کچھ بغیر گھر سے نکل پڑی تھی تو وہ اس گٹھن کو کچھ نہیں پاتا تھا۔ اس کے نزدیک وہ حقائق تھے۔ بعد میں اس نے اپنے خیالات میں ترمیم کر لی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ کوئی بھی واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہو سکتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دے۔ اس نے اسلام کے بارے میں جاننا شروع کیا تو اسے پتا چلا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی طرح کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان گنت لوگ تھے اور ہر زمانے میں تھے اور سارا رستہ نے اقرار کر لیا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ وہ کسی کو بھی کچھ بھی چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ اس نے کبھی اس محبت کا تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ آج وہاں بیٹھا چلی بار یہ کام کر رہا تھا۔

یہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں تھی، جس نے امام باہم کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صراطِ مستقیم کو دیکھ کر اس طرف چلی گئی تھی۔ اس صراطِ مستقیم کی طرف جسے وہ کسی زمانے میں اندھوں کی طرح دھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی صراطِ مستقیم کی طرف جاتے تھے۔

امام باہم نے کئی سال پہلے بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا تھا۔ وہ بے خوفی اسی ہدایت اور رہنمائی کی عطا کر رہے تھے جو اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ملی تھی۔ وہ آج تک

بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود شناخت نہیں کر پایا تھا اور امام ہاشم نے ہر کام خود کیا تھا۔ شناخت سے اعطائے تک۔ اس کو سالار سکندر کی طرح دوسروں کے کندھوں کی ضرورت نہیں پڑی۔

سالار سکندر نے پچھلے آٹھ سالوں میں امام ہاشم کے لئے ہر جذبہ محسوس کیا تھا۔ عقادت، تضحیک، پیچھا تار، نفرت، محبت، سب کچھ۔ مگر آج وہاں بیٹھے چٹلی ہار سے امام ہاشم سے صدمہ ہو رہا تھا۔ تھی کیا وہ.....؟ ایک عورت۔ ذرا سی عورت..... آسمان کی حور نہیں تھی..... سالار سکندر جیسے آدمی کے سامنے کیا اوقات تھی اس کی۔

کیا میرے جیسا آئی کیو تھا اس کا؟

کیا میرے جیسی کامیابیاں تھیں اس کی؟

کیا میرے جیسا کام کر سکتی تھی وہ؟

کیا میرے جیسا نام کمائ سکتی تھی؟

کچھ بھی نہیں تھی وہ اور اس کو سب کچھ پالیت میں رکھ کر دے دیا اور میں..... میں جس کا آئی کیو یوں ۱۵۰+ ہے مجھے سامنے کی چیزیں دیکھنے کے قابل نہیں رکھا؟

وہ اب آنکھوں میں نمی لئے اندھیرے میں ونڈا سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"مجھے بس اس قابل کر دیا کہ میں باہر نگلوں اور دنیا فتح کر لوں۔ وہ تو بتا جس کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور وہ..... وہ....."

وہ نرک کہہ اسے امام پر غصہ آور تھا۔ آٹھ سال پہلے کا وقت ہو جاؤ وہ اسے "بیچ" کہتا، اب امام پر غصہ آنے پر وہ اسے بھی کہا کرتا تھا مگر آٹھ سال کے بعد آج وہ زبان پر اس کے لئے گالی نہیں لاسکتا تھا۔ وہ امام ہاشم کے لئے کوئی برا لفظ نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صراطِ مستقیم پر خود سے بہت آگے گزری اس عورت کے لئے کون سا زبان سے برا لفظ نکال سکتا تھا؟

اپنے گامز آج کر اس نے اپنی آنکھیں مسٹیں۔ اس کے انداز میں شکست خوردگی تھی۔

"بیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..... صراطِ مستقیم۔" آٹھ سال گئے تھے، مگر حاشائے ختم ہو گئی تھی۔ جواب مل چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو دو دنوں ایک ریستوران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رمضہ آج خاص طور پر تیار ہو کر آئی تھی۔ دو خوش تھی اور گوئی بھی اس کے چہرے سے اس کی خوشی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ سالار بھی۔

ویٹر سے میٹج کارڈ لے کر سالار نے بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ رمضہ نے خیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ اپنا کارڈ نکالے ہوئے تھی۔

"لجج میری طرف سے ہے مگر میٹج آپ ملے کریں۔" سالار نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوکے۔" رمضہ بے اختیار مسکرائی پھر وہ میٹج کارڈ پر نظر دوڑانے لگی اور سالار قرب وچوڑ میں۔

رمضہ نے ویٹر کو کچھ ڈسٹنکٹ کر دائیں۔ جب ویٹر چلا گیا تو اس نے سالار سے کہا۔

"تمہاری طرف سے لجج کی یہ دعوت بڑا اچھا سر پر اثر ہے میرے لئے، پہلے تو مجھے تم نے ایسی کوئی

دعوت نہیں دی؟ بلکہ میری دعوت بھی رد کرتے رہے۔"

"ہاں لیکن اب ہم دونوں کے لئے کچھ باتیں کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ مجھے اسی لئے تمہیں یہاں بلانا

پڑا۔" سالار نے کہا۔

رمضہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ باتیں؟۔ کون سی باتیں؟"

"پہلے لجج کر لیں، اس کے بعد کریں گے۔" سالار نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

"مگر لجج آنے اور کھانے میں کافی وقت لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم وہ باتیں ابھی کر لیں؟"

رمضہ نے قدم سے بے تابی سے کہا۔

"نہیں، یہ بہتر نہیں ہے۔ لجج کے بعد۔" سالار نے مسکراتے ہوئے مکرحتی انداز میں کہا۔

رمضہ نے اس بار اصرار نہیں کیا۔ وہ دونوں ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگے پھر لجج آگیا اور دونوں لجج

میں مصروف ہو گئے۔

لجج سے فارغ ہونے میں تقریباً پانچ گھنٹے لگا، پھر سالار نے ویٹر سے کافی منگوالی۔

"میرا خیال ہے اب بات شروع کرنی چاہئے۔"

رمضہ نے کافی کا پیلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ سالار اب بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ دوسرے جھکائے اپنی

کافی میں لجج بلار ہا تھا۔ رمضہ کی بات پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تم سے اس کارڈ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، جو تم نے دو دن پہلے مجھے بھیجا ہے۔"

رمضہ کا چہرہ قدرے سرخ ہو گیا۔

دو دن پہلے جب وہ شام کو اپنے فلیٹ پر پہنچا تو وہاں ایک کارڈ اور یکے اس کا منتظر تھا۔ وہ ایک بند

باگ کٹنگ میں بینک کے کسی کام کے لئے رہا تھا اور اسی شام وہ ایکس آیا تھا۔ کارڈ رمضہ کا بھیجا ہوا تھا۔

"تمہیں ۱۰ بارود کچھ کر مجھے کتنی خوشی ہو گی اس کا اظہار ناممکن ہے۔"

سالار کارڈ پر لکھے پیغام کو پڑھ کر چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گیا۔ اس کے بدترین خدشات

درست ثابت ہوئے تھے۔ رمضہ اس کے لئے اپنے احساسات کا اظہار کر رہی تھی۔

سالار نے اگلے دوران اس کارڈ کے بارے میں رمضہ سے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن اس نے ویک



ایڈ پراسے لنگی د عورت دے ڈالی۔ رموہ کے ساتھ اب ان تمام باتوں کو کلیئر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔  
”تمہیں کارڈ براگ کا؟“ رموہ نے کہا۔

”نہیں، بیٹھام۔“

رموہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

”آئی ایم سوری، مگر میں صرف..... سالار! میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ میں نے تمہیں کتنا  
سکس کیا۔“

سالار نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

”تم مجھے اچھے لگتے ہو، میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

رموہ نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

”ہو سکتا ہے یہ پروپوزل تمہیں عجیب لگے لیکن میں بہت عرصے سے اس سلسلے میں تم سے بات  
کرنا چاہ رہی تھی۔ میں تم سے غلط نہیں کر رہی ہوں جو کچھ کارڈ میں نے لکھا ہے میں واقعی تمہارے  
لئے وہی جذبات رکھتی ہوں۔“

سالار نے اسے بات مکمل کرنے دی۔ اب وہ کافی کا کپ پیچے رکھ چکا تھا۔

”لیکن میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“ جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے دونوں انداز میں کہا۔  
”کیوں؟“

”کیا اس سوال کا جواب ضروری ہے؟“ سالار نے کہا۔

”نہیں، ضروری نہیں ہے مگر بتانے میں کیا حرج ہے۔“

”تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ سالار نے جواباً پوچھا۔

”کیونکہ تم مختلف ہو۔“

سالار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”عام مردوں جیسے نہیں ہو، وقار ہے تم میں، پکڑ ڈاؤں کر دے۔“

”میں ایسا نہیں ہوں۔“

”جانت کرو۔“ رموہ نے اسے جیسے چیلنج کیا۔

”کر سکتا ہوں مگر نہیں کروں گا۔“ اس نے کافی کا کپ دوبارہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہر مرد سالار سنگھار سے بہتر ہے۔“

”کس لحاظ سے؟“

”ہر لحاظ سے۔“

”میں نہیں مانتی۔“

”تمہارے سامنے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔“

”میں تمہیں جانتی ہوں، ڈیڑھ سال سے تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں۔“

”مردوں کے بارے میں اتنی جلدی کسی رائے پر پہنچنا مناسب نہیں ہوتا۔“

”تمہاری کوئی بات تمہارے بارے میں میری رائے کو تبدیل نہیں کر سکتی۔“ رموہ اب بھی اپنی  
بات پر قائم تھی۔

”تم جس فیملی سے تعلق رکھتی ہو، جس سوسائٹی میں سو کر رہی ہو، وہاں تمہیں مجھ سے زیادہ اچھے  
مرد مل سکتے ہیں۔“

”تم مجھ سے صرف ایسا بات کرو۔“

”رموہ! میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔“

اس نے بالآخر خبر دیا۔ اس ساری گفتگو میں پہلی بار رموہ کی دھمکتا دہانہ

”تم نے..... تم نے کبھی..... کبھی نہیں بتایا۔“

سالار آہستہ سے مسکرایا۔ ”ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی تو کبھی بھی نہیں رہی۔“

”تم اس سے شادی کر رہے ہو؟“

دونوں کے درمیان اس بار خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا۔

”ہو سکتا ہے کچھ مشکلات کی وجہ سے میری وہاں شادی نہ ہو سکے۔“ سالار نے کہا۔

”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکی۔ تم کسی سے محبت کر رہے ہو، یہ جانتے ہوئے کہ وہاں تمہاری  
شادی نہیں ہو سکتی؟“

”کچھ ایسا ہی ہے۔“

”سالار! تم..... تم اتنے جذباتی تو نہیں ہو۔ ایک پریکٹیکل آدمی ہو کر تم کس طرح کی عجیب بات  
کر رہے ہو۔“

رموہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی۔

”فرض کیا کہ وہاں تمہاری شادی نہیں ہوئی تو پھر..... پھر کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گے؟“

”نہیں۔“

رموہ نے نفی میں سر ہلایا۔ I can't believe it (مجھے یقین نہیں آرہا)۔

”مگر ایسا ہی ہے، میں نے اگر کبھی شادی کا سوچا بھی تو دس پندرہ سال بعد ہی سوچوں گا اور دس  
پندرہ سال تک ضروری نہیں کہ میں زندہ رہوں۔“

اس نے بے حد خشک لہجے میں کہتے ہوئے وینر کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

”میں چاہتا ہوں رمہ! کہ آج کی اس گفتگو کے بعد ہم دونوں کے درمیان دوبارہ ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو۔ ہم اچھے کو لگے ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ تعلق ایسے ہی رہے۔ میرے لئے اہنا وقت خالص مست کرو، میں وہ نہیں ہوں، جو تم مجھے سمجھ رہی ہو۔“

وینر قریب آگیا تھا۔ سالار اس کا لایا ہوا ایل او اکر لے لگا۔

رمہ سالار کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سالار اس روز کسی کام سے لٹچ بریک کے بعد آفس سے نکل آیا۔ ریلے کے کراسنگ پر ٹریفک کا اڈو عام دیکھ کر اس نے دور سے ہی گاڑی سوزلی۔ وہ اس وقت کسی ٹریفک جام میں پھنس کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

گاڑی کو پیچھے موڑ کر اس نے ایک دو مہری سڑک پر ٹرن لے لیا۔ وہ اس سڑک پر تھوڑی سی آگے گیا تھا اب اس نے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک بوزومی خاتون کو پیٹھے دیکھا۔ وہ ایک بائی روڈ تھی اور اس وقت بالکل سناٹا تھی۔ خاتون اپنے لباس اور چہرے سے کسی بہت اچھے گھرانے کی نظر آرہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی کچھ چوڑیاں بھی نظر آرہی تھیں اور سالار کو خدشہ ہوا کہ اس اکیلی سڑک پر وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائیں۔ اس نے گاڑی ان کے قریب لے جا کر رک دی۔ خاتون کی سفید رنگت اس وقت سرخ تھی اور سانس پھولا ہوا تھا اور شاید وہ اپنا سانس ٹھیک کرنے کے لئے ہی سڑک کے کنارے بیٹھی تھیں۔

”السلام علیکم اماں! کیا مسئلہ ہے، آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟“

سالار نے اپنے سن گلاسز اتار دئے ہوئے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔

”بیٹا! مجھے رکشہ نہیں مل رہا۔“

سالار ان کی بات پر حیران ہوا۔ وہ مین روڈ نہیں تھی۔ ایک رہائشی علاقے کی بائی روڈ تھی اور وہاں رکشہ ملنے کا امکان نہیں تھا۔

”اماں جی! یہاں سے تو آپ کو رکشہ مل بھی نہیں سکتا۔ آپ کو جانا کہاں ہے؟“

اس خاتون نے اسے اندرون شہر کے ایک علاقے کا نام بتایا۔ سالار کے لئے بالکل ممکن نہیں تھا کہ وہ انہیں وہاں پہنچوڑ آتا۔

”آپ میرے ساتھ آجائیں۔ میں آپ کو مین روڈ پر پہنچا دیتا ہوں۔ وہاں سے آپ کو رکشہ مل جائے گا۔“

سالار نے پیچھے دو دروازے کا الاک کھولا اور پھر اپنی سیٹ سے اتر گیا مگر اماں جی اسے خاصی متاثر نظر آئیں۔ وہ ان کے اندیشوں کو بھانپ گیا۔

”اماں جی! ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شریف آدمی ہوں۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس سڑک سے تو آپ کو رکشہ ملے گا نہیں اور اس وقت سڑک سناٹا ہے، آپ نے زور دینا ہوا ہے، کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے آپ کو۔“

سالار نے نرمی سے ان کے اندیشے دور کرنے کی کوشش کی۔ خاتون نے اپنی ٹھیک درست کرتے ہوئے اپنی چوڑیوں کو دیکھا اور پھر سالار سے کہا۔

”لو! یہ سارا زور تو نکلتی ہے۔“

”نہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی آپ سے یہ تھوڑی پوچھے گا کہ یہ زیور اصل ہے یا نقلی۔“

سالار نے ان کے جھوٹ کا پردہ کھتے ہوئے کہا۔

وہ اب سوچ میں پڑ گئیں۔ سالار کو دیر ہو رہی تھی۔

”ٹھیک ہے اماں جی! آپ اگر مناسب نہیں۔۔۔“

اس نے واپس اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تو اماں جی فوراً بول اٹھیں۔

”نہیں، نہیں۔ میں چلتی ہوں شہارے ساتھ۔ پیٹلے ہی ٹانگیں ٹوٹ رہی ہیں چل چل کے۔“ وہ ٹانگوں پر زور دیتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

سالار نے ان کا بازو کچلا کر انہیں اٹھایا۔ کچھ سیٹ کا دروازہ کھول کر انہیں اندر بٹھار دیا۔

بائی روڈ کو چیزی سے کراس کر کے وہ مین روڈ پر آگیا۔ اب وہ کسی خالی رکشہ کی تلاش میں تھا مگر اسے رکشہ نظر نہیں آیا۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلا دے ہوئے کسی خالی رکشے کی تلاش میں ٹریفک پر نظر پڑا۔

”نام کیا ہے بیٹا تھار؟“ انہوں نے پوچھا۔

”سالار۔“

”سالار؟“ انہوں نے جیسے تصدیق چاہی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے نام کو جگڑتے سنا تھا۔ قصبے کا کوئی نام نہ نہیں تھا۔ وہ پنجابی خاتون تھیں اور اس سے بمشکل اردو میں بات کر رہی تھیں۔

”جی۔“ سالار نے تصدیق کی۔

”یہ کیا نام ہوا، مطلب کیا ہے اس کا؟“ انہوں نے یک دم دلچسپی لی۔



سالار نے انہیں اپنے نام کا مطلب اس بار پنجابی میں سمجھایا۔ اماں جی کو اس کے پنجابی بولنے پر خاصی خوشی ہوئی اور اب وہ پنجابی میں گفتگو کرنے لگیں۔

سالار کے نام کا مطلب پوچھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”میری بڑی بہو کے بابا بیٹا ہوا ہے۔“

وہ حیران ہوا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نام کا مطلب جاننے کے بعد ان کا اگلا جملہ یہ ہو گا۔

”جی..... مبارک ہو۔“ فوری طور پر اسے یہی سوچھا۔

”خیر مبارک۔“

انہوں نے خاصی مسرت سے اس کی مبارکباد وصول کی۔

”میری بہو کا لون آیا تھا، پوچھ رہی تھی کہ اہی! آپ ہم بتائیں۔ میں تمہارا نام دے دوں؟“

اس نے بیک وچ مر دے کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

”دے دیں۔“

”چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔“

اماں جی اب اطمینان سے ٹیگ اُتار کر اپنی بڑی سی چادر کے پلو سے اس کے شیشے صاف کرنے لگیں۔ سالار کو ابھی تک کوئی رکشہ نظر نہیں آیا تھا۔

”تم کتنی بے تمیزی؟“ انہوں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے توڑا تھا۔

”تیس سال۔“

”شادی شدہ ہو؟“

سالار سوچا میں پڑ گیا۔ وہ ہاں کہنا چاہتا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ ہاں کی صورت میں سوالات کا سلسلہ مزید دراز ہو جائے گا اس لئے بہتر یہی تھا کہ انکار کر دے اور اس کا یہ اندازہ اس دن کی سب سے ناش غلطی ثابت ہوا۔

”نہیں۔“

”شادی کیوں نہیں کی؟“

”بس ایسے ہی۔ خیال نہیں آیا۔“ اس نے بھونٹ بولا۔

”اچھا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سالار دعا نہیں کرتا ہاں کہ اسے رکشہ جلدی مل جائے۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

”کیا کرتے ہو تم؟“

”میں بینک میں کام کرتا ہوں۔“

”کیا کام کرتے ہو؟“

سالار نے اپنا مہذبہ بتایا۔ اسے اندازہ تھا کہ اماں جی کے سر کے اوپر سے گزرے گا مگر وہ اس وقت ہکا بکار ہو گیا جب انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”یہ افسر ہوتا ہے نا؟“

وہ بے اختیار ہنس اٹھا۔ اس سے زیادہ اچھی وضاحت کوئی اس کے کام کی نہیں دے سکتا تھا۔

”جی اماں جی!“ افسر ہوتا ہے۔“ وہ محفوظ ہوا۔

”کتنی پڑھے ہو تم؟“

”سولہ جانتیں۔“

اس بار سالار نے اماں جی کا فارمولا استعمال کرتے ہوئے اپنی تعلیم کو آسان لفظوں میں پیش کیا۔ اماں جی کا جواب اس بار بھی حیران کن تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی سولہ جانتیں..... ایم بی اے کیا ہے یا ایم اے اکتا کس؟“

سالار نے بے اختیار پلٹ کر اماں جی کو دیکھا۔ وہ اپنی ٹیگ کے شیشوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

”اماں جی! آپ کو پتا ہے ایم بی اے کیا ہوتا ہے یا ایم اے اکتا کس کیا ہوتا ہے؟“ وہ واقعی حیران تھا۔

”لو مجھے نہیں پتا ہو گا؟“ میرے بڑے بیٹے نے پہلے ایم اے اکتا کس کیا اور پاکستان سے پھر انگلینڈ جا کر اس نے ایم بی اے کیا۔ وہ بھی بینک میں ہی کام کرتا ہے مگر ادھر انگلینڈ میں۔ اسی کا تو بیٹا ہوا ہے۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیٹے ہوئے گردن داپس موڑ لی۔

”تو پھر تم نے بتایا نہیں؟“

”کیا؟“

سالار کو فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ انہوں نے کیا پوچھا تھا۔

”اپنی تعلیم کے بارے میں؟“

”میں نے ایم بی اے کیا ہے۔“

”کہاں سے؟“

”امریکہ سے۔“

”اچھا۔ ماں باپ ہیں تمہارے؟“

”جی۔“

”کتنے بہن بھائی ہیں؟“ سوالات کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا۔

”پانچ۔“ سالار کو کوئی جانے فرار نظر نہیں آ رہی تھی۔

”کتنی بہنیں اور کتنے بھائی؟“

”ایک بہن اور چار بھائی۔“

”شادیاں کتنوں کی ہوئی ہیں؟“

”میرے علاوہ سب کی۔“

”تم سب سے چھوٹے ہو؟“

”نہیں، چوتھے نمبر پر ہوں۔ ایک بھائی چھوٹا ہے۔“

سالار کو اب پہلی بار اپنے ”سوشل ورک“ پر چھٹاواہوئے لگا۔

”اس کی بھی شادی ہو گئی؟“

”جی۔“

”تو پھر تم نے شادی کیوں نہیں کی؟ کوئی عہد کا پتہ تو نہیں ہے؟“

اس بار سالار کے پیروں کے نیچے سے حقیقت میں زمین کھسک گئی۔ وہ ان کی قیادہ شناسی کا تاج کل ہونے لگا۔

”اماں جی! رکش نہیں مل رہا۔ آپ مجھے ایڈریس بتادیں، میں آپ کو خود چھوڑ آ جاؤں۔“

سالار نے ان کے سوال کا جواب گول کر دیا۔

وہ تو اسے پہلے ہی ہو چکی تھی اور رکشے کا ابھی بھی کہیں نام و نشان نہیں تھا اور وہ اس بوڑھی خاتون کو کہیں سڑک پر بھی کھڑا نہیں کر سکتا تھا۔

اماں جی نے اسے پتا بتایا۔

سالار کی کچھ میں نہیں آیا۔ ایک چوک میں کھڑے ٹریفک کا نشیمل کو اس نے دیکھا وہ ہرا کر مدد کرنے کے لئے کہا۔

سالار نے وہ بار دہرائی چلا تا شروع کی۔

”تو پھر تم نے مجھے بتایا نہیں کہ کہیں عہد کا پتہ تو نہیں تھا؟“

سالار کا دل چاہا وہ کہیں ڈوب کر مر جائے۔ وہ خاتون ابھی تک اپنا سوال نہیں بھولی تھیں جبکہ وہ صرف اس سوال کے جواب سے بچنے کے لئے انہیں گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔

”نہیں اماں جی! ایسی کوئی بات نہیں۔“

اس بار اس نے سچیدگی سے کہا۔

”الحمد للہ۔“ وہ اماں جی کی اس ”الحمد للہ“ کا سیاق و سباق سمجھ نہیں پایا اور اس نے اس کا تہہ نہ بھی نہیں کیا۔

اماں جی اب اس کے اماں باپ کے بارے میں کرید کرید کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش فرما رہی تھیں۔ سالار واقعی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

سب سے بڑی گزیر اس وقت ہوئی جب وہ اماں جی کے بتائے ہوئے علاقے میں پہنچا اور اس نے اماں جی سے مطلوب کھلی کی طرف رہنمائی کرنے کی درخواست فرمائی اور اماں جی نے کمال اطمینان سے کہا۔

”اب یہ تو مجھے پتہ ہے کہ اس علاقے میں گھر ہے مگر یہ مجھے معلوم نہیں۔“

وہ بھونچکا رہ گیا۔

”اماں جی! تو گھر کیسے پہنچاؤں میں آپ کو۔ پتے کے بغیر اس علاقے میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں؟“

وہ اپنے گھر پر لکھا نمبر اور نام بتانے لگیں۔

”نہیں اماں جی! آپ مجھے کھلی کا نام بتائیں۔“

وہ کھلی کے نام کی بجائے نشانیاں بتانے لگیں۔

”ملائی کی ایک دکان ہے کھلی کے کونے میں..... بہت کھلی کھلی ہے۔“

وہیں ہے، جن کے بیٹے نے جرمنی میں شادی کی ہے پچھلے ہفتے..... کھلی بڑی اس کی ادھر ہی ہے ہمارے محلے میں..... شادی کی اطلاع ملنے پر بے چاری نے رو رو کر محلہ سر پر اٹھالیا۔“

وہ نشانیاں بتاتے بتاتے کہیں اور نکل گئیں۔

سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کر دی۔

”اماں جی! آپ کے شوہر کا کیا نام ہے؟ گھر کے بارے میں اور کھلی کے بارے میں کچھ تفصیل سے بتائیں، اس طرح تو میں کبھی بھی آپ کو گھر نہیں پہنچا سکوں گا۔“

اس نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”میں سیدہ اماں کے نام سے جانی جاتی ہوں۔ میاں بے چارے تو دس سال پہلے فوت ہو گئے۔“

ان کو تو لوگ بھول بھال سمجھتے اور کھلی کا میں نہیں بتا رہی ہوں، بہت بڑی کھلی ہے۔ تین دن پہلے گھر کے دو

دھکن کھڑکے ہیں، بالکل ختم۔ سیٹ سے جوڑ کر رکھے ہیں۔ ہر ماہ کوئی نہ کوئی آتا کر لے جاتا تھا، اب

بے فکری ہو گئی ہے۔“

سالار نے بے اختیار گھر اسانس لیا۔

”اماں جی! کیا میں یہ کہہ کر لوگوں سے آپ کی کھلی کا پوچھوں کہ گھر کے دو نئے دھکنوں والی کھلی

آپ وہاں کے کسی ایسے شخص کا نام بتائیں جسے لوگ جانتے ہوں جو قدرے معروف ہو۔“

”وہ مرتضیٰ صاحب ہیں جن کے بیٹے مظفر کی ٹانگہ ٹوٹ گئی تھی کل صبح۔“



"اماں جی ایہ کوئی تعارف نہیں ہوتا۔"

وہ اس کی بات پر راماں گئیں۔

"لو بھلا، اب کیا ہر گھر میں ٹانگ ٹوٹتی ہے کسی نہ کسی کی۔"

سالار چپ چاپ گاڑی سے اتر گیا۔ اس پاس کی دکانوں سے اس نے سعید واماں کے بتائے ہوئے "کوائف" کے مطابق نئی تلاش کرنا شروع کی۔ مگر جلد ہی اسے پتہ چل گیا کہ ان نشانوں کے ساتھ وہ کم از کم آج کی تاریخ میں گھر نہیں ڈھونڈ سکتا۔

وہ مایوس ہو کر واپس لوٹا۔

"اماں جی! گھر میں فون ہے آپ کے؟" گاڑی کے اندر گھسنے ہی اس نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔"

سالار نے سکون کا سانس لیا۔

"اس کا نمبر بتائیں مجھے۔" سالار نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

"نمبر کا تو مجھے نہیں پتا۔"

وہ ایک بار پھر دھک سے رو گیا۔

"فون نمبر بھی نہیں پتا؟" اس نے شدید صدمے کے عالم میں کہا۔

"بیٹا! میں نے کون سا بھی فون کیا ہے۔ میرے بیٹے خود کر لیتے ہیں، شے دار بھی خود کر لیتے ہیں۔"

یہ ضرورت ہو تو ہی فون ملا دیتا ہے۔

"ادھر باؤل ٹاؤن میں کس کے پاس مٹی قمیض؟"

سالار کو یک دم خیال آیا۔

"ادھر کچھ رشتے دار ہیں میرے۔ پوتے کی منگوائی دینے گئی تھی۔"

انہوں نے تحریر بنایا۔

سالار نے سکون کا سانس لیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ٹھیک ہے، ادھر ہی چلتے ہیں۔ وہاں کا پتہ بتائیں۔"

"پتہ تو مجھے نہیں پتا۔"

سالار اس بار صدمے سے کچھ دیر کے لئے بول بھی نہ سکا۔

"تو پھر کئی کیسے قمیض آپ؟"

"بیٹا! اصل میں جہاں جانا ہو صدمے کے بچے چھوڑ آتے ہیں، ان ہی کو گھر کا پتہ ہے۔ پچھلے دس

سال سے مجھے وہی لے کر جا رہے ہیں۔ وہ چھوڑ آتے ہیں اور پھر وہاں سے بلال وغیرہ واپس چھوڑ جاتے

ہیں۔ اصل میں یہ بلال وغیرہ بھی پہلے میرے محلے میں ہی رہتے تھے۔ یہی کوئی دس بارہ سال پہلے دوسرے محلے میں اس لئے میرے پورے محلے کو ان کے گھر کا پتہ ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ اسے اب بھی اُمید تھی کہ جہاں سے اس نے ان خاتون کو پک کیا ہے بلال وغیرہ کا گھر وہیں کہیں ہوگا۔

سعید واماں کی گفتگو جاری تھی۔

"آج تو ایسا ہوا کہ بلال کے گھر پر کوئی تھا ہی نہیں، صرف ملازمہ تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر بھی وہ لوگ نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ خود گھر چلی جاؤں اور پھر ماشاء اللہ تم مل گئے۔"

"اماں جی! آپ رشتے والے کو کیا بتائیں؟"

"وہی جو قسمیں بتایا ہے۔"

وہ ان کی بات پر بار بار غصہ ہو گیا۔

"اس سے پہلے کبھی آپ اس طرح پتہ بنا کر گھر پہنچی ہیں؟"

اس نے قدرے افسوس بھرے لہجے میں گاڑی کو روک کر کہنے لگے۔

"نہ... کبھی نہیں... ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

سعید واماں کا اطمینان قابل رشک تھا۔ سالار مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سڑک پر لے آیا۔

"اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

سعید واماں زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکیں۔

"جہاں سے میں نے آپ کو لیا تھا گھر اسی سڑک پر ہو گا۔ آپ نے کوئی لون تو نہیں لیا تھا؟"

سالار نے بیک واپس سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں نے نہیں لیا۔"

سعید واماں نے قدرے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

سالار نے ان کے لہجے پر غور نہیں کیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کا مطلب تھا گھر اس سڑک پر ہی کہیں تھا اور گلیوں کی نسبت کالونی میں گھر تلاش کرنا آسان تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب اسے صرف ایک سڑک کے گھر دیکھنے تھے۔

"تم سگریٹ پیجتے ہو؟"

خاموشی یک دم ٹوٹی۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے چوک گیا۔

"میں...؟"

اس نے بیک واپس میں دیکھا۔ سعید واماں بھی بیک واپس میں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"آ..... نہیں۔"

وہ سوال کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

"کوئی اور نقشہ وغیرہ۔"

وہ اس بار سوال سے زیادہ ان کی بے تکلفی پر حیران ہوا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"بس ایسے ہی۔ اب اتنا لمبا راستہ میں خاموش کیسے رہوں گی۔"

انہوں نے اپنی جھجھوری بتائی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، میں کرسچن ہوں یا کوئی تھر؟"

سالار نے جواباً ان سے پوچھا۔

"نہیں، کہاں۔۔۔ اسی لئے تو میں پوچھ رہی ہوں۔ تو پھر نہیں کرتے؟"

ان کے انداز نے اس بار سالار کو محظوظ کیا۔

"نہیں۔" اس نے مختصر کہا۔ وہ اب سکس پرز کے ہوئے تھے۔

"کوئی گرل فرینڈ ہے؟" سالار کو لگا آستے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اس نے پلٹ کر سعیدہ ماں

کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے کیا پوچھا ہے؟"

"میں نے کہا ہے، کوئی گرل فرینڈ ہے؟" سعیدہ ماں نے "گرل فرینڈ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

سالار کھٹکھٹا کر ہنس پڑا۔

"آپ کو پتا ہے گرل فرینڈ کیا ہوتی ہے؟"

سعیدہ ماں اس کے سوال پر برامان گئیں۔

"کیوں بھئی۔۔۔ دو بیٹے ہیں میرے، مجھے پتا نہیں ہو گا کہ گرل فرینڈ کیا ہوتی ہے۔ جب انہیں

باہر چھینے کے لئے بھیجا تھا تو کہہ کر بھیجا تھا میرے شوہر نے کہ گرل فرینڈ نہیں ہونی چاہئے اور بھر سیتے

میں ایک بار لون آجاتا دونوں کا۔"

سکھل کھل گیا۔ سالار مسکراتے ہوئے سیدھا ہو گیا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں دبا دیا۔

سعیدہ ماں نے بات جاری رکھی۔

"میں دونوں سے سختی سختی کہتم تھا کہ بیٹائیں، انہوں نے کوئی گرل فرینڈ بنائی تو نہیں۔ جب تک

شادیاں نہیں ہوئیں۔ ہر بار فون پر سب سے پہلے وہ انوں قسم کھا کر یہی بتاتا کرتے تھے مجھے۔ سلام بھی بد

نہیں کیا کرتے تھے۔"

وہ فخریہ انداز میں بتاتی جا رہی تھیں۔

"بڑے تابعدار بنے ہیں میرے۔ دونوں نے گرل فرینڈ نہیں بنائی۔"

"آپ نے اپنی پسند سے دونوں کی کہیں شادیاں کی ہیں؟"

سالار نے پوچھا۔

"نہیں، دونوں نے اوہرق اپنی پسند سے شادیاں کی ہیں۔"

انہوں نے سادگی سے کہا۔ سالار کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔

"کیا ہوا؟" سعیدہ ماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، آپ کی بیوی نہیں انگریز ہیں؟"

"نہیں، پاکستانی ہیں مگر وہی رہتی تھیں۔ میرے بیٹوں کے ساتھ کام کرتی تھیں مگر تمہ فٹے کیوں؟"

سعیدہ ماں نے اپنا سوال دہرایا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

سعیدہ ماں کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔

"تو تم نے بتایا نہیں کہ گرل فرینڈ....."

سالار نے بات کاٹ دی۔

"نہیں ہے سعیدہ ماں! گرل فرینڈ بھی نہیں ہے۔"

"ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ۔" وہ ایک بار پھر اس ماشاء اللہ کا سیاق و سباق سمجھنے میں ناکام رہا۔

"گھر چلتا ہے؟"

"نہیں کرائے کا ہے۔"

"کوئی ملازم و خیرہ ہے؟"

"مستقل تو نہیں ہے مگر صفائی وغیرہ کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے۔"

"اور یہ گجڑی تو اپنی ہی ہو گی؟"

"ہی۔"

"اور جھکو کتنی ہے؟"

سالار دہائی سے جواب دیتے دیتے ایک بار پھر چوک۔ گھنگھو کس نوعیت پر جا رہی تھی، فوری طور

پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"سعیدہ ماں! آپ یہاں اکیلا کیوں رہتی ہیں۔ اپنے بیٹوں کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

سالار نے موضوع بدلا۔





”ہاں، میرا یہی ارادہ ہے۔ پہلے تو میرا دل نہیں چاہتا تھا مگر اب یہ سوچا ہے کہ بچی کی شادی کر لوں تو پھر باہر چلی جاؤں گی۔ اسکیلے رجتے رجتے جھگ آگئی ہوں۔“

سالار اب اس سڑک پر آگیا تھا جہاں سے اس نے سعید و اماں کو ٹیک کیا تھا۔

”میں نے آپ کو یہاں سے لیا تھا۔ آپ بتائیں، ان میں سے کون سا گھر ہے؟“ سالار نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے دائیں طرف کے گھروں پر نظر ڈالی۔

”نمبر کا نہیں پتہ۔ گھر کی تو پہچان ہوگی آپ کو؟“

”سید و امالی، انجمن نگاروں کو دیکھ رہی تھیں۔“

”ہاں... ہاں گھر کی پہچان ہے۔“

وہ گھر کی نشانیوں بتانے لگیں جو اتنی ہی مبہم تھیں، جتنا ان کے اپنے گھر کا پتہ۔ وہ سڑک کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ سعید وہاں گھر نہیں پہچان سکیں۔ سالار، بلال کے والد کا نام پوچھ کر گاڑی سے نیچے اتر گیا اور باری باری دونوں اطراف کے گھروں سے سعید وہاں کے بارے میں پوچھنے لگا۔

آدھ ٹھنڈے کے بعد وہ اس سڑک پر موجود ہر گھر میں جا چکا تھا۔ مطلوب نام کے کسی آدمی کا گھر وہاں نہیں تھا۔

”آپ کو ان کا نام ٹھیک سے یاد ہے؟“

وہ تھک پار کر سفید واپاس کے پاس آیا۔

”ہاں..... لو پھٹا اب مجھے نام بھی پتا نہیں ہو گا۔“

مسجد اعلیٰ کے پرچمات۔

”لیکن اس نام کے کسی آدمی کا گھر یہاں نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی آپ کے بارے میں جانتا ہے۔“

سہارا نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو... یہ ساتھ والی سڑک پر دیکھ لو۔“

سعید و اماں نے کچھ فاصلے پر ایک اور سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

”لیکن سعید و اماں! آپ نے کہا تھا کہ گھرا سی سڑک پر ہے۔“ سالار نے کہا۔

”میں نے کب کہا تھا؟“ وہ معترض ہوئے۔

”میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ٹرن تو نہیں لیا۔ آپ نے کہا نہیں۔“ سالار نے انہیں یاد کروایا۔

”دو تو میں نے کہا تھا مگر یہ ہوتا کیا ہے؟“

سیدالاکبر کا دل زوہرا۔

11/22/14

١٠٠ - ١٠١

”آپ کسی اور سڑک سے سڑک تو یہاں نہیں آئیں؟“

”لو تو اس طرح کہتا۔“ سعیدہ اماں کو تسلی ہوئی۔

”میں کیوں یہاں بیٹھ گئی تھی۔ تھک گئی تھی چل چل کر اور یہ مرکز تو چھوٹی سی ہے۔ یہاں میں کیا تھک سکتی تھی؟“

سہارا نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ وہ دین بہت خراب تھا۔

”کس سڑک سے سڑک یہاں آئی تھیں آپ؟“

اس نے سعید و اماں سے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

"میرا خیال ہے....." وہ پہلی سڑک کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

[illegible]

سالار کو یقین تھا وہ سڑک نہیں ہو گی مگر اس نے گاڑی اس سڑک پر سواری۔ یہ تو طے تھا کہ آج سالار کو اسی طرح ضائع ہونا تھا۔

لگایا ایک نوجوان مفلس وہاں آسمان پاس کی مختلف سڑکوں پر سیدھا امان کو لے کر پھر تار ہا گمراہ سے  
مہربانی نہیں ہوتی۔ سیدھا امان کو ہر گھروں سے شناسا لگتا۔ چاہیے جانے پر وہ کہتا شروع کر دیتیں۔

$$= \frac{1}{1} \left( \frac{1}{2} \right)^0 + \frac{1}{2} \left( \frac{1}{2} \right)^1 + \frac{1}{4} \left( \frac{1}{2} \right)^2 + \dots + \frac{1}{2^{n-1}} \left( \frac{1}{2} \right)^{n-1} + \frac{1}{2^n} \left( \frac{1}{2} \right)^n$$

(وہ بات آخر کالونی میں تلاش جھوڑ کر انہیں واپس اسی محلہ میں لے آیا جہاں وہ پہلے ان کا گھر موندتا تھا۔)

مزید ایک ذریعہ گفتگو وہاں ضائع کرنے کے بعد جب وہ تھک کر واپس گاڑی کے پاس آیا تو شام تھی۔

معید و اماں اس کے برعکس اطمینان سے گاڑی میں بیٹھی تھیں۔

1171

انہوں نے سہارا کے اندر بیٹھے ہی پوچھا۔

”نہیں، اب تو رات ہو رہی ہے، تلاش بے کار ہے۔ میں پولیس میں رپورٹ کر دیتا ہوں آپ بکشی یا آپ کے محلے والے آپ کے نہ ملنے پر پولیس سے رابطہ تو کریں گے ہی۔ پھر وہ لے

مسائلہ نے ایک بار پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔



”جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ آہ بے چارہ پریشان ہو رہی ہو گی۔“

سعید واماں کو اپنی بیٹی کا خیال آیا۔ سالار کا دل چاہا وہاں سے کہے کہ وہاں کی بیٹی سے زیادہ بے نشان ہے مگر وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے گاڑی پولیس اسٹیشن لے آیا۔

رپورٹ درج کروانے کے بعد وہ اٹھ کر وہاں سے نکلے گا۔ سعید واماں بھی اٹھ کھڑی ہو گئی۔

”آپ نہیں۔ آپ نہیں رہیں گی۔“

سالار نے ان سے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ہم انہیں یہاں کہاں رکھیں گے، آپ انہیں ساتھ لے جائیں، کسی نے ہم سے رابطہ کیا تو ہم انہیں آپ کا پتہ دے دیں گے۔“ پولیس انسپکٹر نے کہا۔

”لیکن میں تو انہیں آپ کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔“ سالار معترض ہوا۔

”دیکھیں، بوڑھی خاتون ہیں، اگر کوئی رابطہ نہیں کر تا ہم سے تو راست کہاں رہیں گی یہ۔۔۔۔۔ اور اگر کچھ دن اور گزر گئے۔۔۔۔۔“

پولیس انسپکٹر کھانگیا۔ سعید واماں نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”نہیں، مجھے ادھر نہیں رہنا۔ بیٹا میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔ میں ادھر کہاں بیٹھوں گی آدمیوں میں۔“

سالار نے انہیں کوئی بار گھبراتے ہوئے دیکھا۔

”لیکن میں تو۔۔۔۔۔“ اکیلا رہتا ہوں، وہ کہتے کہتے رک گیا، پھر اسے فرقان کے گھر کا خیال آیا۔

”اچھا ٹھیک ہے، چلیں۔“ اس نے ایک گھر اسانس لیتے ہوئے کہا۔

باہر گاڑی میں آکر اس نے موبائل پر فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ انہیں فرقان کے ہاں ٹھہرانا چاہتا تھا۔ فرقان ابھی ہاسٹل میں ہی تھا۔ اس نے موبائل پر ساری صورت حال اسے بتائی۔

”نوٹیشن تو گاؤں میں ہوئی ہے۔“ فرقان نے اسے بتایا۔

”مگر کوئی مسئلہ نہیں، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ انہیں اپنے غلیٹ پر لے جاؤں گا۔ وہ کون سی کوئی نو جوان خاتون ہیں کہ مسئلہ ہو جائے گا۔ تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو رہے ہو۔“

”نہیں، میں ان کے آرام کے حوالے سے کہہ رہا تھا۔ آکر وائٹ گئے انہیں۔“ سالار نے کہا۔

”نہیں گھبراؤ، اچھا چھ لینا تم ان سے، ورنہ پھر کسی ساتھ والے غلیٹ میں ٹھہرا دیں گے، عالم صاحب کی فیلٹی کے ساتھ۔“

”اچھا، تم آؤ پھر دیکھتے ہیں۔“

سالار نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں بیٹا میں تمہارے پاس ہی رہوں گی۔ تم میرے بیٹے کے برابر ہو، مجھے اعتماد ہے تم پر۔“

سعید واماں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

”سالار نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا۔

اس نے راستے میں رک کر ایک ریستورنٹ سے کھانا کیا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اور

ایک دم اسے احساس ہوا کہ سعید واماں بھی دوپہر سے اس کے ساتھ کچھ کھائے بیٹے بغیر ہی پھر رہی ہیں۔

اسے نہ اصرار کا احساس ہوا۔ اپنے غلیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے راستے میں ایک جگہ رک کر

سعید واماں کے ساتھ سب کا تازہ جوس پیلا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی بوڑھے شخص کے ساتھ اتنا وقت

گزار رہا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ کام آسان نہیں تھا۔

غلیٹ میں پہنچ کر وہ ابھی سعید واماں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب فرقان آ گیا۔

اس نے سعید واماں سے خود ہی اپنا تعارف کر دیا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ چند منٹوں میں ہی وہ

سعید واماں کے ساتھ اتنی بے تکلفی کے ساتھ ٹھیکہ بٹھالیا میں گفتگو کر رہا تھا کہ سالار کو رشک آنے لگا۔

اس نے فرقان سے اچھی گفتگو کرنے والا بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے گفتگو کے انداز میں کچھ نہ کچھ ایسا

ضرور تھا کہ وہ سراپا ناول اس کے سامنے کھول کر رکھ دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اتنے سالوں سے دوستی

کے باوجود وہ فرقان کی طرح گفتگو کرنا نہیں سیکھ سکا تھا۔

دس منٹ کے بعد وہ وہاں خاموشی سے کھانا کھانے والے ایک سامع کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جبکہ

فرقان اور سعید واماں مسلسل گفتگو میں مصروف تھے۔ سعید واماں یہ جان کر کہ فرقان ڈاکٹر ہے، اس سے

طبعی مشورے لینے میں مصروف تھیں۔ کھانے کے خاتمے تک وہ فرقان کو مجبور کر چکی تھیں کہ وہ اپنا

میڈیکل باکس لاکر لانا کا چیک اپ کرے۔

فرقان نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ اوکو کومسٹ تھا۔ وہ بڑی حمل حرائی سے اپنا چیک لے آیا۔ اس

نے سعید واماں کا ہلڈ پریش چیک کیا پھر اسلیجو سکوپ سے ان کے دل کی رفتار کو ناپا اور آخر میں ٹیس چیک

کرنے کے بعد انہیں یقین دلایا کہ وہ بے حد تندرست حالت میں ہیں اور ہلڈ پریش ریڈل کی کوئی بیماری

انہیں نہیں ہے۔

سعید واماں یک دم بے حد ہشاش بشاش نظر آنے لگیں۔ سالار ان کے درمیان ہونے والی گفتگو

سننے ہوئے لیکن میں رتن دھرم تاراپ۔ وہ دونوں لائونج کے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

پھر اسی دوران اس نے فون کی کھنٹی سنی۔ فرقان نے فون اٹھایا تھا۔ دوسری طرف ڈاکٹر جیل ملی

تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا۔

"سالار نے پولیس اسٹیشن پر کسی سعید وہام کی خاتون کے بارے میں اطلاع دی تھی۔"

فرقان حیران ہوا۔

"جی وہ نہیں ہیں، ہمارے پاس۔"

"انڈیا کا شکر ہے۔" ڈاکٹر سیٹھ علی نے بے اختیار کہا۔

"ہاں، وہ میری عزیزہ ہیں، ہم انہیں تلاش کر رہے تھے چند گھنٹوں سے۔ پولیس سے رابطہ کیا تو

سالار کا نام اور نمبر دے دیا انہوں نے۔"

فرقان نے انہیں سعید واماں کے بارے میں بتایا پھر سعید واماں کی بات فون پر ان سے کروائی۔

سالار بھی باہر لاؤنٹ میں آ گیا۔

"سعید واماں فون پر گفتگو میں مصروف تھیں۔"

"ڈاکٹر صاحب کی عزیزہ ہیں یہ۔"

فرقان نے وحشی آواز میں اس کے قریب آ کر کہا۔

"ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کی؟" سالار حیران ہوا۔

"ہاں، ان ہی کی۔"

سالار نے بے اختیار اطمینان بھر اسانس لیا۔

"بھائی صاحب کہہ رہے ہیں تم سے بات کروالے کو۔"

سعید واماں نے فرقان سے کہا۔

فرقان نیزی سے ان کی طرف بڑھا اور ریسیور لے کر کانٹ پر کچھ نوٹ کرنے لگا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی

اسے ایڈریس لکھوا رہے تھے۔

سعید واماں نے قدرے حیرانی سے لاؤنٹ کے دروازے میں کھڑے سالار کو دیکھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" ان کی نظریں سالار کے اچہل پر جمی تھیں۔

وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔

"میں۔۔۔ برتن دھو رہا تھا۔"

سالار واپس بکٹن میں آیا اور اس نے اچہل اُتار دیا۔ ویسے بھی برتن وہ تقریباً دھو چکا تھا۔

"سالار! آؤ پھر انہیں چھوڑ آتے ہیں۔"

اسے اپنے عقب میں فرقان کی آواز آئی۔

"یہ کام بعد میں کر لیتا۔"

"تم گاڑی کی چابی لو، میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

انگلے دس منٹ میں وہ نیچے سالار کی گاڑی میں تھے۔ فرقان اگلی سیٹ پر تھا اور اس کے باجود

بجلی سیٹ پر بیٹھی سعید واماں سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سالار کو راستے کے بارے میں

پرہیزات بھی دیتا جا رہا تھا۔

بہت جلد گاڑی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ میں منٹ میں مطلوبہ محلے اور گلی میں تھے۔ بری

گلی میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ دونوں انہیں اندر گلی میں ان کے گھر تک پہنچانے لگے۔ سعید و

اماں کو اب رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی گلی کو پہنچاتی تھیں۔

وہ فخریہ انداز میں کچھ جتاتے ہوئے سالار کو بتاتی تھیں۔

"ملوالمی کی دکان۔ گھر کے سٹنٹ والے ڈھکن۔۔۔ پریز صاحب کا گھر۔۔۔"

"جی اے" سالار مسکراتے ہوئے سر ہلاتا رہا۔

اس نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ ان کی بتائی ہوئی ساری نشانیاں صحیح تھیں۔ صرف وہ اسے ایک غلط

محلے میں لے گئی تھیں۔

"آمنہ بے چاری پر بیٹان ہو رہی ہوگی۔" انہوں نے سڑک اینٹ کی بنی ہوئی ایک حویلی نما در

مختل مکان کے سامنے زکے ہوئے ۵۷۵ نمبر کہا۔

فرقان نے آگے بڑھ کر نکل بھاگی۔ سالار قدرے متانگہ انداز میں حویلی پر نظریں دوڑاتا رہا۔ وہ

یقیناً کافی پرانی حویلی تھی مگر مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے وہ اس گلی میں سب سے باوقار لگ رہی تھی۔

"تم لوگوں کو اب میں نے چائے پینے بھیر جانے نہیں دیتا۔" سعید واماں نے کہا۔

"میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی ہوئی۔ خاص طور پر سالار کو۔ بچہ مجھے سارا دن لئے

پھر تار پڑا۔" سعید واماں نے سالار کے کندھے پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، سعید واماں! چائے ہم پھر بھی نہیں گے، آج ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں سعید واماں! آج چائے نہیں پئیں گے۔ کبھی آکر آپ کے پاس کھانا کھائیں گے۔"

فرقان نے بھی جلدی سے کہا۔

"دیکھ لیتا، ایسا ہو کہ یاد دلاتے رہے نہیں۔"

"لیں، بھلا کھانا کیسے بھولیں گے ہم۔ وہ تو آپ ہالک گوشت کی ترکیب بتا رہی تھیں، وہی بنا کر

کھائے گا۔"

فرقان نے کہا۔ اندر سے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ سعید واماں کی بیٹی دروازہ کھولنے آرہی تھی

اور اس نے دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی سعید واماں اور فرقان کی آوازیں سنی تھیں، اس لئے اس

نے کچھ بھی پوچھے بغیر دروازے کا بولٹ اندر سے اتارتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔



"اچھا سعید، اماں! خدا حافظ۔" فرقان نے سعیدہ امّاں کو دروازے کی میز صیّاں پر بٹختے ہوئے دیکھ کر کہا۔ سالار اس سے پہلے ہی پاٹ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

گاڑی میں بیٹھ کر اسے اشارت کرتے ہوئے سالار نے فرقان سے کہا۔

"تمہاری سب سے ناپسندیدہ ڈش پانک گوشت ہے اور تم ان سے کیا کہہ رہے تھے؟"

فرقان نے قہقہہ لگایا۔ "کہنے میں کیا حرج ہے۔ ویسے ہو سکتا ہے وہ واقعی اتنا اچھا پکائیں کہ میں کھانے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"تم جاؤ گے ان کے گھر؟"

سالار گاڑی میں روڈ پر لاتے ہوئے حیران ہوا۔

"بالکل جاؤں گا۔ وعدہ کیا ہے میں نے اور تم؟"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔" سالار نے انکار کیا۔

"جان نہ پہچان، منہ اٹھا کر ان کے گھر کھانا کھانے بیٹھ جاؤں۔"

"ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کی فرسٹ کزن ہیں وہ اور مجھ سے زیادہ تو تمہاری جان پہچان ہے ان کے ساتھ۔" فرقان نے کہا۔

"وہ اور معاملہ تھا، انہیں مدد کی ضرورت تھی، میں نے مدد کر دی اور بس اتنا ہی کافی ہے۔ ان کے بیٹے یہاں ہوتے تو اور بات تھی لیکن اس طرح اکیلی عورتوں کے گھر میں تو کبھی نہیں جاؤں گا۔" سالار سنجیدہ تھا۔

"میں کون سا اکیلا جانے والا ہوں یا ایسی بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ جانتا ہوں میرا اکیلا ان کے ہاں جانا سب سے نہیں ہے۔ نو شین بھی ان سے مل کر خوش ہو گی۔"

"ہاں، بھابھی کے ساتھ چلے جانا کوئی حرج نہیں۔" سالار مطمئن ہوا۔

"میں جاؤں۔؟ تم کو بھی ساتھ چلنا ہے، انہوں نے تمہیں بھی دعوت دی ہے۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ تم یو آنا کافی ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم ان کے خاص مہمان ہو، تمہارے بغیر تو سب کچھ پیکا رہے گا۔"

سالار کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ اس نے گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے انہیں تم و اماں کے طور پر پسند آگئے ہو۔"

"فضول باتیں مت کیا کرو۔" سالار نے اسے ناراضی سے دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ دیکھ لیڈا، پروجیکٹ زل آئے گا تمہارا اس گھر سے۔ سعیدہ اماں کو تم ہر طرح سے اچھے لگے ہو۔ ہر بات پر چبھی ہے انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں۔ یہ بھی کہ تمہارا اشدائی کا کوئی ارادہ ہے کہ نہیں اور ہے تو سب تک کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا کہ جیسے ہی کوئی اچھا پروجیکٹ زل ملا وہ فوراً کر لے گا پھر وہ اپنی بیٹی کے بارے میں بتانے لگیں۔ اب ہشتی تو نہیں وہ اپنی بیٹی کی کر رہی تھیں اگر ہم اس میں سے پیچاس فیصد بھی بچ کچھ لیں تو بھی وہ لڑکی۔۔۔ کیا نام لے رہی تھیں۔۔۔ ہاں آمنہ۔۔۔ تمہارے لئے بھرتی ہو گی۔"

"شرم آتی چاہئے تمہیں ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کی رشتہ دار ہیں وہ اور تم ان کے بارے میں فضول باتیں کر رہے ہو۔" سالار نے اسے جھڑکا۔

فرقان سنجیدہ ہو گیا۔

"میں کوئی غلط بات نہیں کر رہا ہوں، تمہارے لئے تو یہ اعزاز کی بات ہونی چاہئے کہ تمہاری شادی ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کے خاندان میں ہو۔۔۔"

"جست اسٹاپ! فرقان! یہ مسئلہ کافی ڈسکس ہو گیا، اب ختم کرو۔" سالار نے سختی سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، ختم کرتے ہیں پھر کبھی بات کریں گے۔"

فرقان نے اطمینان سے کہا۔ سالار نے گردن موڑ کر چھٹی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ڈاکٹر ایونگ کر رہے ہو، سڑک پر دھیان رکھو۔" فرقان نے اس کا کندھا حاضیہ چھپایا۔ سالار کچھ ناراضی کے عالم میں سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

سعیدہ اماں کے ساتھ ان کا رابطہ وہیں ختم نہیں ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ ایک شام ڈاکٹر سیٹھ علی کے ہاں تھے جب انہوں نے اپنے لیکچر کے بعد ان دونوں کو روک لیا۔

"سعیدہ! آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں، مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ میں آپ لوگوں کے ہاں انہیں لے جاؤں۔ میں نے ان کو بتایا کہ شام کو وہ لوگ میری طرف آئیں گے، آپ یہیں ٹھہریں۔ آپ لوگوں نے شاید کوئی وعدہ کیا تھا ان کے ہاں جانے کا، مگر کئے نہیں۔"

فرقان نے "مفتی خیر نظروں سے سالار کو دیکھا، وہ نظریں چرا گیا۔

"نہیں، ہم لوگ سوچ رہے تھے مگر کچھ مصروفیت تھی اس لئے نہیں جاپاے۔" فرقان نے جواب دیا۔

وہ دونوں ڈاکٹر سیٹھ علی کے ساتھ ان کے ڈائننگ روم میں چلے آئے جہاں کچھ دیر بعد سعیدہ اماں

بھی آجئیں اور آتے ہی ان کی شکایات اور بار امی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فرقان انہیں "طعن کرنے میں مصروف رہا جبکہ سالار خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگلے ایک اینڈ پر فرقان نے سالار کو سعیدہ امی کی طرف جانے کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ سالار کو اسلام آباد اور پھر وہاں سے گاؤں جانا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مصروفیت تاکر سعیدہ امی سے معذرت کر لی۔

ایک اینڈ گزرنے کے بعد لاہور واپسی پر فرقان نے اسے سعیدہ امی کے پاس گزارے جانے والے وقت کے بارے میں بتایا۔ وہ اپنی فعلی کے ساتھ وہاں گیا تھا۔

"سالار! میں سعیدہ امی کی بیٹی سے بھی ملتا تھا۔"

فرقان نے بات کرتے ہوئے اچانک کہا۔

"بہت اچھی لڑکی ہے۔ سعیدہ امی کے برعکس خاصی خاموش طبع ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔ تم دونوں کی بڑی اچھی گزرے گی۔ نو شین کو بھی بہت اچھی لگی ہے۔"

"فرقان! تم صرف دعوت تک ہی رہو تو بہتر ہے۔" سالار نے اسے ٹوکا۔

"میں بہت سیریس ہوں سالار! فرقان نے کہا۔

"میں بھی سیریس ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہیں پتا ہے فرقان! تم جتنا شادی پر اصرار کرتے ہو، میرا شادی سے اتنا ہی دل اٹکتا جاتا ہے اور یہ سب تمہاری ان باتوں کی وجہ سے ہے۔"

سالار نے صوفیہ کی پشت سے ٹپک لگاتے ہوئے کہا۔

"میری باتوں کی وجہ سے نہیں۔ تم صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم امامہ کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

فرقان یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اوکے..... صاف صاف کہہ دیتا ہوں، میں امامہ کی وجہ سے شادی کرنا نہیں چاہتا پھر.....؟"

سالار نے سر دھری سے کہا۔

"یہ ایک بچکانہ سوچ ہے۔" فرقان اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے، فائن۔ بچکانہ سوچ ہے پھر؟" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"Then you should get rid of it." (جب تمہیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے)۔ فرقان

نے نرمی سے کہا۔

"I don't want to get rid of it... so?" (میں اس سے چھٹکارا نہیں چاہتا..... پھر؟)۔

سالار نے ترکی یہ ترکی کہا۔ فرقان کچھ دیر لاجواب ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

"میرے سامنے دوبارہ تم سعیدہ امی کی بیٹی کی بات مت کرنا اور اگر تم سے وہ اس بارے میں بات کریں بھی تو تم صاف صاف کہہ دینا کہ مجھے شادی نہیں کرنی، میں شادی شدہ ہوں۔"

"اوکے، نہیں کروں گا اس بارے میں تم سے بات۔ مجھے میں آئے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فرقان نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے صلح جوئی سے کہا۔

☆.....☆.....☆

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اس لئے تمہیں بلوا رہا ہے۔" سکندر نے مسکراتے ہوئے سالار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ طیبہ کے ساتھ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور سالار ان کے فون کرنے پر اس ایک اینڈ پر اسلام آباد آیا ہوا تھا۔

سکندر عثمان نے قدرے ستائشی نظروں سے اپنے تیسرے بیٹے کو دیکھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ان کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد اب کپڑے تبدیل کر کے ان کے پاس آیا تھا۔ سفید شلوار قمیض اور گھر میں پہنی جانے والی سیاہ جینز میں وہ اپنے عام سے حلیے کے باوجود بہت یادگار لگ رہا تھا۔ شاید یہ اس کے چہرے کی سنجیدگی تھی یا پھر شاید وہ آج پہلی بار کئی سالوں کے بعد اسے بولے ہوئے سے دیکھ رہے تھے اور وہ احترام کر رہے تھے کہ اس کی شخصیت میں بہت وقار اور ٹھنڈاؤ آگیا ہے۔

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ سالار کی وجہ سے انہیں اپنے سوشل سرکل میں اہمیت اور عزت ملے گی۔ وہ جانتے تھے بہت جگہوں پر اب ان کا تحارف سالار سکندر کے حوالے سے ہوتا تھا اور انہیں اس پر خوشگوار حیرت ہوتی تھی۔ اس نے اپنی پوری ٹیمن اتار میں انہیں بڑی طرح خوار اور پریشان کیا تھا اور ایک وقت تھا جب انہیں اپنے اس بیٹے کا مستقبل سب سے تاریک لگتا تھا۔ اپنی تمام عمر معمولی صلاحیتوں اور قابلیت کے باوجود گھر ان کے اندازے اور غدشات صحیح ثابت نہیں ہوئے تھے۔

طیبہ نے خشک میوے کی پلیٹ سالار کی طرف بڑھائی۔

سالار نے چند کا جو اٹھا لئے۔

"میں تمہاری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کا جو منہ میں ڈالتے ہوئے وہ ایک دم رک گیا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ سکندر عثمان اور طیبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

"اب تمہیں شادی کرنی لینی چاہئے سالار!"

سکندر نے کہا۔ سالار نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے کا جو دوبارہ خشک میوے کی پلیٹ میں دکھ دیئے۔

"میں اور طیبہ تو جبران ہو رہے تھے کہ اتنے رشتے تو تمہارے بھائیوں میں سے کسی کے نہیں آئے



جیسے تیار رہے لئے آ رہے ہیں۔

سکندر نے بڑے گفتگو انداز میں کہا۔

”میں نے سوچا کہ بات دات کریں تم سے۔“

وہ چپ چاپ انہیں دیکھ رہا۔

”زادہ دانی صاحب کو جانتے ہو؟“ سکندر عثمان نے ایک بڑی مٹنی ٹیشل لٹائی کے بیڈ کا نام لیا۔

”ہی۔ ان کی بیٹی میری کونیک ہے۔“

”رہہ نام ہے شاید؟“

”جی۔“

”کیسی لڑکی ہے؟“

دو سکندر عثمان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان کا سوال بہت ”واسطی“ تھا۔

”اچھی ہے۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”تمہیں پسند ہے؟“

”کس لحاظ سے؟“

”میں رمدھ کے پراپر نزل کی بات کر رہا ہوں۔“ سکندر عثمان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”زادہ چپکے لٹی ہفتے سے مجھ سے اس مسئلے میں بات کر رہا ہے۔ اپنی دانک کے ساتھ وہ ایک دو

بار ہماری طرف آیا بھی ہے۔ ہم لوگ بھی ان کی طرف گئے ہیں۔ چپکے ایک اینڈ پر رمدھ سے بھی ملے

ہیں۔ مجھے اور طیبہ کو تو بہت اچھی لگی ہے۔ خوب صورت ہے، بہت well behaved ہے اور تمہارے

ساتھ بھی اس کی اچھی خاصی دوستی ہے۔ ان لوگوں کی خواہش ہے بلکہ اصرار ہے کہ تمہارے ذریعہ

وہ نوں کیملیو میں کوئی رشتہ داری بن جائے۔“

”ایسا میری رمدھ کے ساتھ دوستی نہیں ہے۔“ سالار نے مدھم اور خیرے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ میری کونیک ہے، جان پہچان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر میں

اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

”تم کہیں اور انٹرنل ہو؟“

سکندر نے اس سے پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔ سکندر اور طیبہ کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔

”اگر تمہاری کہیں اور دلچسپی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہمیں خوشی ہو گی وہاں تمہاری

شادی کی بات کرتے ہوئے اور یقیناً ہم تم پر بھی کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے اس مسئلے میں۔“

سکندر نے غریب سے کہا۔

”میں بہت غریب پہلے شادی کر چکا ہوں۔“

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے اسی طرح سر ہٹائے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ سکندر کو کوئی

دشواری نہیں ہوئی یہ سمجھنے میں کہ اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ ان کے چہرے پر یک دم سنجیدگی آ گئی۔

”ایسا کی بات کر رہے ہو؟“

وہ خاموش رہا۔ سکندر بہت دیر تک بے چینی سے اسے دیکھتے رہے۔

”اسنے غریب سے اس لئے شادی نہیں کر رہے؟“

سکندر کو جیسے ایک شاوک لگا تھا۔ ان کا خیال تھا وہ اسے بھلا چکا تھا۔ آخر یہ آٹھ سال پرانی بات تھی۔

”اب تک تو وہ شادی کر چکی ہو گی، اپنی زندگی آرام سے گزار رہی ہو گی۔ تمہاری اور اس کی

شادی تو کب کی ختم ہو چکی۔“

سکندر نے اس سے کہا۔

”نہیں پاپا! اس کے ساتھ میری شادی ختم نہیں ہوئی۔“ اس نے کچلی بار سر اٹھا کر کہا۔

”تم نے اسے نکاح سے میں طلاق کا اختیار دیا تھا اور۔۔۔ مجھے یاد ہے تم اسے ڈھونڈنا چاہتے تھے

تا کہ طلاق دے سکو۔“

سکندر نے جیسے اسے یاد کر دیا۔

”میں نے اسے ڈھونڈا تھا مگر وہ مجھے نہیں ملی اور وہ یہ بات نہیں چاہتی کہ اس کے پاس طلاق کا

اختیار ہے۔ وہ جہاں بھی ہو گی اچھی تک میری ہی بیوی ہو گی۔“

”سالار! آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ ایک دو سال کی بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ جان لگی ہو

کہ طلاق کا اختیار اس کے پاس ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اب بھی تمہاری بیوی ہی ہو۔“

سکندر نے قدر سے مضطرب ہو کر کہا۔

”میرے علاوہ کوئی دوسرا تو اسے یہ نہیں جاسکتا تھا اور میں نے اسے اس حق کے بارے میں نہیں

بتایا اور جب تک وہ میرے نکاح میں ہے مجھے کہیں اور شادی نہیں کرنی۔“

”تمہارا نکاح ٹھیک ہے اس کے ساتھ؟“ سکندر نے بہت مدھم آواز میں کہا۔

”نہیں۔“

”آٹھ سال سے اس سے تمہارا رابطہ نہیں ہوا۔ اگر ساری عمر نہ ہو اب تم کیا کرو گے؟“

وہ خاموش رہا۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

سکندر عثمان کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتے رہے۔

”تم نے مجھ سے بھی یہ نہیں کہا کہ تم اس لڑکی کے ساتھ ایسا مٹلی الوبو ہو۔ تم نے تو مجھے یہی بتایا







وہ نماز پڑھ کر اس کے بالمقابل میز کے دوسری جانب کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ کچھ کے بغیر اس نے میز پر پڑا چائے کا کپ اٹھایا اور اسے پیٹنے لگی۔ لڑکا تب تک برگر لے آیا تھا اور اب ٹیبل پر برگر رکھ رہا تھا۔ سالار کھینچی نظروں کے ساتھ اس برگر کی پیٹ کے کو دیکھ رہا تھا، جو اس کے سامنے رکھی جا رہی تھی۔ جب لڑکے نے پلیٹ رکھ دی تو سالار نے کانٹے کے ساتھ برگر کا اوپر والا حصہ اٹھایا اور تنقیدی نظروں سے غلغلہ بجا جائزہ لیا پھر چھری اٹھا کر اس نے لڑکے سے کہا جو اب امام کے برگر کی پیٹ اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

”یہ شای کہاب ہے۔“

fillings کی اد پر والی نہ کو الگ کر رہا تھا۔

”یہ آٹلیٹ ہے۔“ اس نے نیچے موجود آٹلیٹ کو چھری کی مدد سے تھوڑا اٹھایا۔

”اور یہ کچپ۔ تو چکن کہاں ہے؟“ میں نے جیسے چکن برگر لانے کو کہا تھا؟“

اس نے اکڑ لیجے میں لڑکے سے کہا۔

امام جب تک خاموشی سے برگر اٹھ کر کھانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

”یہ چکن برگر ہے۔“ لڑکے نے قدرے گڑبڑا کر کہا۔

”کیسے چکن برگر ہے؟“ اس میں کہیں چکن نہیں۔“ سالار نے چیلنج کیا۔

”ہم اسے ہی چکن برگر کہتے ہیں۔“ وہ لڑکا اب تروس ہو رہا تھا۔

”اور جو ساہو برگر ہے اس میں کیا ڈالے ہو؟“

”اس میں بس شای کہاب ہو چکا ہے۔ انڈو نہیں ہوتا۔“

”اور انڈو ڈال کر ساہو برگر چکن برگر بن جاتا ہے، چونکہ انڈے سے مرئی نکلتی ہے اور مرئی کے

گوشت کو چکن کہتے ہیں اس لئے directly نہیں تو indirectly یہ چکن برگر بنتا ہے۔“

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ لڑکا کھانے انداز میں بسا۔ امام ان دونوں کی گفتگو پر توجہ

دیے بغیر ہاتھ میں پکڑا برگر کھانے میں مصروف تھی۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ سالار نے کہا۔

لڑکے نے یقیناً سکون کا سانس لیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ چھری اور کانٹے کو رکھ کر سالار نے

باکیں ہاتھ سے برگر کو اٹھالیا۔ برگر کھاتے ہوئے امام نے پہلی بار پیٹ سے سالار کے ہونٹوں تک

باکیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے برگر کے سفر کو تعجب آمیز نظروں سے دیکھا اور یہ تعجب ایک لمحہ میں غائب

ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر برگر کھانے میں مصروف تھی۔ سالار نے اپنے برگر کو دانتوں سے کاٹا ایک لمحہ

کے لئے منہ چلایا اور پھر برگر کو اپنی پیٹ میں اچھال دیا۔

”مفتول برگر ہے۔ تم کس طرح کھا رہی ہو؟“ سالار نے لقمے کو بے شکل حلق سے نکلے ہوئے کہا۔

”کتنے برا نہیں ہے جتنا تمہیں لگ رہا ہے۔“ امام نے بے تاثر انداز میں کہا۔

”ہر چیز میں تمہارا اسٹینڈرڈ ڈیڑا لو ہے امام! وہ چاہے برگر ہو یا شوہر۔“

برگر کھاتے ہوئے امام کا ہاتھ رگ گیا۔ سالار نے اس کے سفید چہرے کو ایک لمبے میں سرخ

ہوتے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر ایک تیار پئے والی مسکراہٹ آئی۔

”میں جلال الضریٰ ہات گرد رہا ہوں۔“ اس نے جیسے امام کو یاد دلایا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ امام نے پر سکون لیجے میں کہا۔

”میرا اسٹینڈرڈ واقعی بہت لو ہے۔“ وہ ایک بار پھر برگر کھانے لگی۔

”میں نے سوچا تم برگر میرے منہ پر دے رہی ہو گی۔“ سالار نے دلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میں دزنی جیسی نعمت کو کیوں ضائع کروں گی۔“

یہ اعتبار برگر نعمت ہے؟“ اس نے قہقہہ آمیز انداز میں کہا۔

”اور کون کون سی نعمتیں ہیں اس وقت تمہارے پاس۔“

”انسان اللہ کی شستوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ذائقہ سمجھنے کی جو حس ہے یہ کتنی

بڑی نعمت ہے کہ میں اگر کوئی چیز کھاتی ہوں تو میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس

نعمت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔“

”اور ان لوگوں میں آپ آف دی لسٹ سالار سمجھو کہ نام ہو گا ہے؟“

اس نے امام کے بات مکمل کرنے سے پہلے ہی تیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔

”سالار سمجھو کہ کم از کم اس طرح کی چیزیں کھا کر انجوائے نہیں کر سکتا۔“

اس شخص نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ سالار یک دم چونک گیا۔ سامنے والی کرسی

اب خالی تھی۔

”ساتھ میں کچھ اور چاہئے؟“ آدمی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

”نہیں، بس چائے کافی ہے۔“ سالار نے چائے کا کپ اپنی طرف کھینچے ہوئے کہا۔

”آپ اسلام آباد سے آئے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”لاہور جا رہے ہیں؟“ اس نے ایک اور سوال کیا۔

اس بار سالار نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ وہ اب چائے کا گھونٹ لے رہا تھا۔ اس آدمی کو

شبہ ہوا اس نے چائے پینے والے شخص کی آنکھوں میں بلکی سی نمی دیکھی ہے۔



"میں کچھ دیر یہاں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔" اس نے چائے کا کپ ہیز پر رکھتے ہوئے سر اٹھائے بغیر کہا۔

وہ شخص کچھ تعجب سے اسے دیکھتا رہا، لیکن کچھ دیر بعد اس نے سالار کو ٹھیل چھوڑ کر کمرے سے نکلے دیکھا۔ وہ آدمی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کچن سے کمرے میں آیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سالار کے پیچھے باہر جاتا، ہیز پر خالی کپ کے نیچے پڑے ایک نوٹ نے اسے روک لیا۔ وہ چھوٹا سا نوٹ کو دیکھتا رہا، پھر اس نے آگے بڑھ کر اس نوٹ کو پکڑا اور تیزی سے کمرے سے باہر آگیا۔ سالار کی گاڑی اس وقت دیواروں میں پڑے ہوئے تین روڈ پر چار دیواری تھی۔ اس آدمی نے حیرانی سے اس دور جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑے اس ہزار روپے کے نوٹ کو برآمدے میں لگی نیوب لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔

"نوٹ اصلی ہے مگر آدمی بے وقوف۔"

اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے زیر لب تھمر دیکھا اور نوٹ کو جیب میں ڈال لیا۔

☆...☆...☆

سکندر عثمان صبح ناخن کی میز پر آئے تو بھی ان کے ذہن میں سب سے پہلے سالار کا خیال آیا تھا۔

"سالار کہاں ہے؟ اسے بلواؤ۔"

انہوں نے ملازم سے کہا۔ "سالار صاحب قورات کو ہی چلے گئے۔"

طیبہ اور سکندر نے بے اختیار ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"کہاں چلے گئے؟ گاڑی؟"

"نہیں، وہاں لایا اور چلے گئے۔ کہہ رہے تھے کوئی ضروری کام ہے، میں صبح آپ کو بتا دوں۔"

سکندر ایک دم اٹھ کر فون کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے سالار کا نمبر ڈائل کیا۔ سوہاگل آف

فون انہوں نے اس کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

وہاں جوانی نشین لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے پیغام دیکر ذکر وائے بغیر فون بند کر دیا۔ کچھ پریشان

تھے وہ دوبارہ ہفتے کی میز پر آ بیٹھے۔

"فون پر کال ٹکٹ نہیں ہوا؟" طیبہ نے پوچھا۔

"نہیں، سوہاگل آف ہے۔ اس کے فلیٹ پر آسرفون لگا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیوں چلا گیا؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" ناشہ کریں۔ "طیبہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم کرو۔ میرا موبائل نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ طیبہ بے اختیار سانس لے کر رہ گئیں۔

☆...☆...☆

سالار نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا، باہر فرقان تھا۔ وہ پلیٹ کر اندر آگیا۔

"تم کب آئے؟" فرقان نے قدرے حیرانی سے اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے کہا۔

"آج صبح۔۔۔" سالار نے صوفے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" "تمہیں گاڑی جانا تھا؟" فرقان نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو پارک میں تمہاری گاڑی دیکھ کر آگیا۔ بندہ آتا ہے تو بتا ہی دیتا ہے۔"

سالار جو اب اس کچھ کے بغیر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" فرقان نے کھلی پارک کے چہرے کو دیکھا اور نشوونما میں جھکا ہوا۔

"کیا ہو؟" سالار نے جواب دیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں، تمہیں کیا ہوا ہے؟" فرقان نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"گھر میں سب خیریت ہے؟"

"ہاں۔۔۔"

"تو پھر تم۔۔۔ سر میں درد ہے؟ میگرین؟"

فرقان اب اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" سالار نے مسکراتے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا تاندھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا۔

"تو پھر ہوا کیا ہے؟ تمہیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

"میں رات سو یا نہیں۔ ذرا سوج کر رہا ہوں۔"

سالار نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

"تو اب سو جاتے۔ یہاں آکر فلیٹ پر، صبح سے کیا کر رہے ہو؟" فرقان نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"سوئے کیوں نہیں؟"

"نیند نہیں آ رہی۔۔۔"

"تم تو سناٹا بنگلوں میں رہ کر سو جاتے ہو، پھر نیند نہ آنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

فرقان کو تعجب ہوا۔

”بس آج نہیں لینا چاہتا تھا میں۔ یا یہ سمجھ لو کہ آج میں سونا نہیں چاہتا تھا۔“

”کھانا کھایا ہے؟“

”نہیں، بھوک نہیں لگی۔۔۔۔۔“

”دونوں رہے ہیں۔“ فرقان نے جیسے اسے بتایا۔

”میں کھانا بھیجاتا ہوں کھالو۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر سو جاؤ پھر رات کو ننگے ہیں آنکھ کے لئے۔“

”نہیں، کھانا مت بھیجوا۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ شام کو انھوں کا قہار چاکر کہیں کھاؤں گا۔“

سالار کہتے ہوئے صوفہ پر لیٹ گیا اور اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ فرقان کچھ دیر بیٹھا اسے دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“

رمضہ نے سالار کے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ اس نے ریسپشن کی طرف جاتے ہوئے سالار کے کمرے کی کھڑکیوں کے چند کٹے ہوئے بلاسٹڈز میں اسے اندر دیکھا تھا۔ کوریڈر میں سے گزر جانے کی بجائے وہ رک گئی۔ سالار ٹیبل پر اپنی کھپیاں نکالے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے ہوئے تھا۔ رمضہ جانتی تھی کہ اسے کبھی بھار میگزین کا دورہ ہوتا تھا۔ وہ ریسپشن کی طرف جانے کے بجائے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

سالار اسے دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔ وہ اب ٹیبل پر کھلی ایک فائل کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ رمضہ نے غر محندی سے پوچھا۔

”ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔“

اس نے رمضہ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ رمضہ واپس جانے کے بجائے آگے بڑھ آئی۔

”نہیں تم ٹھیک نہیں لگ رہے؟“ اس نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم پلیز اس فائل کو لے جاؤ۔ اسے دیکھ لو۔۔۔۔۔ میں دیکھ نہیں پا رہا۔۔۔۔۔“

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے فائل ہنڈل کر کے ٹیبل پر اس کی طرف کھڑکادی۔

”میں دیکھ لیتی ہوں، تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلے جاؤ۔“

رمضہ نے تشویش پھر اسے انداز میں کہا۔

”ہاں، بہتر ہے۔ میں گھر چلا جاؤں۔“ اس نے اپنا بریف کیس نکال کر اسے کھولا اور اپنی چیزیں

اندر رکھنا شروع کر دیں۔ رمضہ بخور اس کا جائزہ لیتی رہی۔

☆.....☆.....☆

وہ کیا رہے آفس سے واپس گھر آیا تھا۔ یہ چوتھا دن تھا جب وہ مسلسل اسی حالت میں تھا۔ یک دم، ہر چیز میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

بینک میں اپنی جاب۔

لمو (LUMS) کے لیکچرر۔

ڈاکٹر سید علی کے ساتھ نشست۔

فرقان کی کمپنی۔

گاؤں کا اسکول۔

مستقبل کے منصوبے اور پلاننگ۔

اسے کوئی چیز بھی اپنی طرف متوجہ نہیں پارہی تھی۔

دو جس امکان کے پیچھے کئی سال پہلے سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا وہ ”امکان“ ختم ہو گیا تھا اور اسے کبھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ختم ہونے سے اس کے لئے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ وہ مسلسل اپنے آپ کو اس حالت سے باہر لانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا اور وہ مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔ محض یہ تصور کہ وہ کس اور شخص کی بیوی بن کر کسی اور کے گھر میں رہ رہی ہوگی۔ سالار سمندر کے لئے اتنا ہی جان لیوا تھا جتنا ماضی کا یہ اندیشہ کہ وہ غلام قہوں میں نہ پھنس گئی ہو اور اس ذہنی حالت میں اس نے عمرہ پر جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ واحد جگہ تھی جو اس کی زندگی میں اچانک آ جانے والی اس بے معنویت کو ختم کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ احرام باندھے خانہ کعبہ کے محن میں کھڑا تھا۔ خانہ کعبہ میں کوئی نہیں تھا۔ دور دور تک کسی وجود کا نشان نہیں تھا۔ رات کے پچھلے پہر آسمان پر چاند اور ستاروں کی روشنی نے محن کے بارش سے منعکس ہو کر وہاں کی ہر چیز کی ایک عجیب سی دو صیادوشی میں تبدیل دیا تھا۔ چاند اور ستاروں کے علاوہ وہاں اور کوئی روشنی نہیں تھی۔

خانہ کعبہ کے خلاف پرکھی ہوئی آیات، سیاہ خلاف پر عجیب طرح سے روشن تھیں۔ ہر طرف گہرا سکوت تھا اور اس گہرے سکوت کو صرف ایک آواز توڑ رہی تھی۔ اس کی آواز۔۔۔۔۔ اس کی اپنی آواز۔۔۔۔۔ وہ مقام ملزوم کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نظریں خانہ کعبہ کے دروازے پر تھیں اور وہ سر اٹھائے بلند آواز سے کہنے لگا۔

”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ۝ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ۝ اِنِّیْ الْحَمْدُ وَالتَّعْمِیْمَةُ لَكَ وَ الْمَلِکُ

لَا شَرِیْکَ لَكَ“



(حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ویکٹ  
 حمد و ثناء سے لئے ہے، نعمت تیری ہے، بادشاہی تیری ہے کوئی حیرا شریک نہیں)۔  
 پوری قوت سے گونجتی ہوئی اس کی آواز خانہ کعبہ کے سکوت کو توڑ رہی تھی۔ اس کی آواز خلا کی  
 دستوں تک جا رہی تھی۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ....."

لنگے پاؤں، نیم بریدہ وہاں کھڑا وہ اپنی آواز پہچان رہا تھا۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ....." وہ صرف اس کی آواز تھی۔ اِنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ لَكَ  
 وَالْمَلِكُ۔"

اس کی آنکھوں سے پتے ہوئے آنسو اس کی ٹھوڑی سے نیچے اس کے پیروں کی انگلیوں پر گر  
 رہے تھے۔

"لَا شَرِيكَ لَكَ....."

اس کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ....."

اس نے خانہ کعبہ کے خلاف پر کندہ آیات کو یک دم بہت روشن دیکھا۔ آثار روشن کہ وہ جگہ گانے  
 لگی تھیں۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی بھی اچانک بڑھ گئی تھی۔ وہ ان آیات کو دیکھ رہا تھا۔ مہیوت سر  
 زدہ۔ کسی معمول کی طرح زبان پر ایک ہی جملہ لئے..... اس نے خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آہستہ  
 آہستہ کھٹکے دیکھا۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ....."

اس کی آواز اور بلند ہو گئی۔ ایک دور کی طرح۔ ایک سالس۔ ایک لے۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ....."

اس وقت پہلی بار اس نے اپنی آواز میں کسی اور آواز کو غم ہوتے محسوس کیا۔

"اِنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ....."

اس کی آواز کی طرح وہ آواز بلند نہیں تھی۔ کسی سرگوشی کی طرح تھی۔ کسی گونج کی طرح، مگر وہ  
 پہچان سکتا تھا وہ اس کی آواز کی گونج نہیں تھی۔ وہ کوئی اور آواز تھی۔

"لَكَ وَالْمَلِكُ....."

اس نے پہلی بار خانہ کعبہ میں اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کو محسوس کیا۔

"لَا شَرِيكَ لَكَ....."

خانہ کعبہ کا دروازہ کھل رہا تھا۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ....."

وہ اس نوائی آواز کو پہچانتا تھا۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ....."

وہ اس کے ساتھ وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

"لَبَّيْكَ اِنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ....."

آواز دائیں طرف نہیں تھی، بائیں طرف تھی۔ کہاں..... اس کی پشت پر۔ چند قدم کے فاصلے پر۔

"لَكَ وَالْمَلِكُ لَا شَرِيكَ لَكَ....."

اس نے جھک کر اپنے پاؤں پر گرنے والے آنسوؤں کو دیکھا اس کے پاؤں بھیگ چکے تھے۔

اس نے سر اٹھا کر خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ اندر روشنی تھی۔ دودھیا  
 روشنی۔ اتنی روشنی کہ اس نے بے اختیار گھٹنے ٹیک دیئے۔ وہ اب سجدہ کر رہا تھا، روشنی کم ہو رہی تھی۔ اس  
 نے سجدے سے سر اٹھایا۔ روشنی اور کم ہو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ اب بند ہو رہا تھا۔ روشنی اور کم ہوئی جا رہی تھی اور اب اس  
 نے ایک بار پھر سرگوشی کی صورت میں وہی نوائی آواز سنی۔

اس بار اس نے مزہ کر دیکھا تھا۔

.....

سالار کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حرم شریف کے ایک برآمدے کے ستون سے سرٹکائے ہوئے تھا۔ وہ  
 کچھ دیر سستانے کے لئے وہاں بیٹھا تھا مگر نیند نے حبیب انداز میں اس پر غلبہ لیا۔

وہ اماند تھی۔ بے شک اماند تھی۔ سفید احرام میں اس کے پیچھے کھڑی۔ اس نے اس کی صرف ایک  
 جھلک دیکھی تھی مگر ایک جھلک بھی اسے یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ وہ اماند کے علاوہ کوئی اور نہیں  
 تھا۔ خانی الذہبی کے عالم میں لوگوں کو ادا حرم سے اُدھر جاتے دیکھ کر بے اختیار اس کا دل بھر آیا۔

آٹھ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا اسے اس عورت کو دیکھنے سے اس نے آج وہاں حرم شریف  
 میں خواب میں دیکھا تھا کسی رزم کو پھر دیکھا تھا۔ اس نے گھاسنا آثار دیکھے اور دونوں ہاتھوں سے  
 چہرے کو ڈھانپ لیا۔

آنکھوں سے اٹھنے کر مانی کو رکھتے، آنکھوں کو مسلتے اسے خیال آیا۔ یہ حرم شریف تھا۔ یہاں  
 اسے کسی سے آنسو پھیلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں سب آنسو بہانے کے لئے ہی آتے تھے۔ اس  
 نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لئے۔ اس پر رقت غاری ہو رہی تھی۔ وہ سر جھکائے بہت دیر وہاں بٹھا رہا تھا۔

پھر اسے یاد آیا وہ ہر سال وہاں عہرہ کرنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ وہ امام باہم کی طرف سے بھی مہرہ کیا کرتا تھا۔

وہ اس کی عاقبت اور لمبی زندگی کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

وہ امام باہم کو ہر پریشانی سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

اس نے وہاں حرم شریف میں اسٹے سالوں میں اپنے اور امام کے لئے ہر دعا مانگ چھوڑی تھی جہاں بھری دعا مانگیں، مگر اس نے وہاں حرم شریف میں کبھی امام کو اپنے لئے نہیں مانگا تھا۔ عجیب بات تھی مگر اس نے وہاں کبھی امام کے حصول کے لئے دعا مانگیں کی تھی۔ اس کے آنسو یک دم قہم گئے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سو کے بعد اس نے عہرے کے لئے احرام باندھا۔ کعبہ کا خوف کرتے ہوئے اس بار دعا مانگا۔ مقام مقبرہ کے پاس جگہ مل گئی۔ وہاں جہاں اس نے اپنے آپ کو خواب میں کھڑے دیکھا تھا۔

اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے اس نے دعا کرنا شروع کی۔

”یہاں کھڑے ہو کر تجھ سے انبیاء دعا مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعاؤں میں اور میری دعا میں بہت فرق ہے۔“

وہ گڑ گڑا ہوا تھا۔

”میں اپنی ہوتا تو بیوی بھی دعا کرتا مگر میں تو عام بشر ہوں اور مہنگا کار بشر۔ میری خواہشات، میری آرزوئیں سب عام ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر کبھی کوئی کبھی عورت کے لئے نہیں رو دیا ہو گا، میری ذلت اور بیعتی کی اس سے زیادہ اچھا کیا ہو گی کہ میں یہاں کھڑا... حرم پاک میں کھڑا ایک عورت کے لئے گڑ گڑا ہوا ہوں مگر مجھے نہ اپنے دل پر اختیار ہے نہ اپنے آنسوؤں پر۔“

یہ میں نہیں تھا جس نے اس عورت کو اپنے دل میں جگہ دی، یہ تو نے کیا۔ کیوں میرے دل میں اس عورت کے لئے اتنی محبت ڈال دی کہ میں تیرے سامنے کھڑا بھی اس کو یاد کر رہا ہوں؟ کیوں مجھے اس قدر بے بس کر دیا کہ مجھے اپنے وجود پر بھی کوئی اختیار نہیں رہا؟ میں وہ بشر ہوں جسے تو نے اپنا تمام کمزوریوں کے ساتھ بنایا۔ میں وہ بشر ہوں جسے تیرے سوا کوئی راستہ نہ دکھانے والا نہیں اور وہ عورت وہ میری زندگی کے ہر راستے پر کھڑی ہے۔ مجھے کہیں جانے کہیں پہنچنے نہیں دے دی یا تو اس کی محبت کو اس طرح میرے دل سے نکال دے کہ مجھے کبھی اس کا خیال تک نہ آئے یا پھر اسے مجھے دے دے۔ وہ نہیں ملے گی تو میں ساری زندگی اس کے لئے ہی روتا رہوں گا۔ وہ مل جائے گی تو تیرے علاوہ میں کسی کے لئے آنسو نہیں بہا سکوں گا۔ میرے آنسوؤں کو خواص ہونے دے۔“

میں یہاں کھڑا تھا ہے پاک عورتوں میں سے ایک کو مانگا ہوں۔

میں امام باہم کو مانگا ہوں۔

میں اپنی نسل کے لئے اس عورت کو مانگا ہوں۔ جس نے آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ جس نے ان کے لئے اپنی زندگی کی تمام آسائشوں کو چھوڑ دیا۔

اگر میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی شے کی ہے، تو مجھے اس کے عوض امام باہم دے دے۔ جو چاہے تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ اب بھی ممکن ہے۔

مجھے اس آزمائش سے نکال دے۔ میری زندگی کو آسان کر دے۔

آخر سال سے میں جس تکلیف میں ہوں مجھے اس سے رہائی دے دے۔

سالار سکندر پر ایک بار پھر رحم کرو، وہی جو میری منگات میں افضل ترین ہے۔

دوسرے جگہ نے وہاں ہلکے رہا تھا اسی جگہ پر جہاں اس نے خود کو خواب میں دیکھا تھا مگر اس بار اس کی پشت پر امام باہم نہیں تھی۔

بہت دیر تک وہاں گڑ گڑانے کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی اب بھی مدھم تھی۔ خانہ کعبہ روشن تھا۔ اب بھی ہندو لور بٹا ہوا تھا۔ لوگوں کا حکم، رات کے اسی پہر بھی اسی طرح تھا۔ خواب کی طرح خانہ کعبہ کا دروازہ بھی نہیں کھلا تھا۔ اس کے باوجود وہاں سے ہٹتے ہوئے سالار سکندر کو اپنے اندر سکون آتا تھا۔

وہ اس کیفیت سے باہر آ رہا تھا جس میں وہ پچھلے ایک ماہ سے تھا۔ ایک عجیب سا قرار تھا جو اس دعا کے بعد اسے ملا تھا اور وہ اسی قرار اور طرانتیت کو لئے ہوئے ایک ہفتے کے بعد پاکستان لوٹ آیا تھا۔

☆.....☆

”میں اگلے سال اپنی انجی ڈی کے لئے امریکہ جا رہا ہوں۔“

فرقان نے بے اختیار چونک کر سالار کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ سالار حیرانی سے مسکرایا۔

”کیا مطلب کا کیا مطلب؟ میں اپنی انجی ڈی کر رہا ہوں۔“

”یوں اچانک؟“

”اچانک تو نہیں۔ اپنی انجی ڈی کرنی تو تھی مجھے۔ بہتر ہے ابھی کر لوں۔“ سالار طعینان سے بتا رہا تھا۔ وہ دونوں فرقان کے گاؤں سے واپس آ رہے تھے۔ فرقان ڈرائیو کر رہا تھا جب سالار نے اچانک اسے اپنی اپنی انجی ڈی کے ارادے کے بارے میں بتایا۔

”میں نے وینک کو بتا دیا ہے، میں نے ریزائن کرنے کا سوچا ہے، لیکن وہ مجھے چھٹی دینا چاہ رہا ہے۔“

”ابھی میں نے سوچا نہیں ہے کہ ان کی اس آفر کو قبول کر لوں یا پھر ریزائن کر دوں۔“



”تم ساری پلاننگ کئے بیٹھے ہو۔“

”ہاں یاد۔۔۔۔۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔۔۔ میں واقعی اگلے سال پلی ایچ ڈی کے لئے چار ماہوں۔“

”چند ماہ پہلے تک تو تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“

”ارادے کا کیا ہے، وہ تو ایک دن میں ہی جاتا ہے۔“

سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے کھڑکی کے شیشے سے باہر نظر آنے والے کھیتوں کو دیکھنے ہوئے کہا۔

”میں ویسے بھی میکینک سے متعلق ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں مگر یہاں میں دیکھتے کچھ سالوں میں اتنا

مصرف رہا ہوں کہ اس پر کام نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں پلی ایچ ڈی کے دو دن میں یہ کتاب لکھ کر شائع

بھی کر دوں۔ میرے پاس کچھ فرصت ہو گی تو میں یہ کام آسانی سے کر لوں گا۔“

فرقان کچھ دیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اس نے کہا۔

”اور اسکول۔۔۔ اس کا کیا ہو گا؟“

”اس کا کچھ نہیں ہو گا۔ یہ ایسے ہی چل رہے گا۔ اس کا نظریہ سچ بھی سمجھ رہا ہوں۔“

گورنر نے وہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ تم ہو۔۔۔ میں نے پایا سے بھی بات کی ہے وہ بھی آیا کریں

گے یہاں پر۔۔۔ میرے نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ یہ اسکول بہت پہلے سالار سکندر کی

تعماتی ہو گی لائنیاں چھوڑ چکا ہے۔ آئندہ بھی اسے ان کی ضرورت نہیں پڑے گی مگر میں مکمل طور پر اس

سے قطع تعلق نہیں کر رہا ہوں۔ میں اس کو دیکھتا ہوں گا۔ کبھی میری مدد کی ضرورت پڑی تو آجایا کروں

گا۔ پہلے بھی تو ایسا ہی کیا کرتا تھا۔“

وہ اب تھرمس میں سے چائے کپ میں ڈال رہا تھا۔

”پلی ایچ ڈی کے بعد کیا کرو گے؟“ فرقان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”واپس آؤں گا۔ پہلے کی طرح میں پر کام کروں گا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں چار ماہوں۔“

سالار نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپکا۔

”کیا چند سال بعد نہیں جاسکتے تم؟“

”نہیں، جو کام آج ہو نا چاہئے اسے آج ہی ہونا چاہئے۔ میرا موڈ ہے آگے بڑھنے کا۔ چند سال

بعد شاید خواہش نہ رہے۔“

سالار نے چائے کے گھونٹ پیئے ہوئے کہا وہ اب بائیں ہاتھ سے ریڈیو کو نیون کرنے میں

مصروف تھا۔

”روٹری (Rotary) کلب والے اگلے ویک اینڈ پر ایک کنٹینر کر رہے ہیں۔ میرے پاس انویٹیشن

آیا ہے۔ چلو گے؟“

اس نے ریڈیو کو نیون کرتے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

”کیوں نہیں چلوں گا۔ ان کے پروگرام دلچسپ ہوتے ہیں۔“

فرقان نے جواب دیا۔ ”گھنگھو کا موضوع بدل چکا تھا۔“

☆ ☆ ☆

اس دن اتوار تھا۔ سالار صبح اچھے سے اٹھا۔

اخبار لے کر سرشیں پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ کچن میں ناشتہ تیار کرنے لگا۔ اس نے صرف دو

ہاتھ دھوا تھا۔ شیو نہیں کی۔ ٹائٹ ڈریس کے اوپر ہی اس نے ایک ڈھیلے ڈھالا سوئیٹر پہن لیا اس نے کپڑے

میں چائے کا پانی ابھی رکھا ہی تھا جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ اخبار ہاتھ میں چکڑے کچن سے باہر آ

کیا، دروازہ کھولنے پر اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب اس نے سعیدہ امیں کو وہاں کھڑا پایا۔ سالار نے

دروازہ کھول دیا۔

”السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟“

اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اس نے کہا۔

”اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟“

انہوں نے بیانی گرم جوشی کے ساتھ اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے۔

”میں بھی ٹھیک ہوں، آپ اچھے اندر آئیں۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک لگتے نہیں رہے ہو۔ کمزور ہو گئے ہو، چرو بھی کالا ہو رہا ہے۔“ انہوں نے اپنی عینک کے

شیشوں کے پیچھے سے اس کے چہرے پر غور کیا۔

”ٹھیک کالا نہیں ہوا۔ میں نے شیو نہیں کی۔“ سالار نے بے اختیار اپنی مسکراہٹ روکی۔ وہ ان

کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔

”لو بھلا شیو کیوں نہیں کی۔ اچھا لڑھی رکھنا چاہتے ہو۔ بہت اچھی بات ہے۔ نیکی کا کام ہے۔

بہت اچھا کر رہے ہو۔“

وہ صوفے پر بیٹھے ہوئے بولیں۔

”نہیں امیں! لڑھی نہیں رکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ آج اتوار ہے۔ دیر سے اٹھا ہوں کچھ دیر پہلے ہی، اس

لئے شیو نہیں کی۔“ وہ ان کی بات پر محظوظ ہوا۔

”دیر سے کیوں اٹھے ہو۔۔۔۔۔ جتنا دیر سے نہ اٹھا کرو۔ صبح جلدی اٹھ کر فجر کی نماز پڑھا کرو۔

پھر سے پر رونق آتی ہے۔ اسی لئے تو تمہارا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ صبح نماز پڑھ کر بندہ قرآن پڑھے پھر میر

کو چلا جائے۔ صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور اللہ بھی خوش ہوتا ہے۔“  
سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں قاتل پڑھ کر سوچا تھا۔ صرف اتوار والے دن ہی ایک سو تالیس ہوں۔ دہشت روز صبح وہی کرتا ہوں جو آپ کہہ رہی ہیں۔“

وہ اس کی وضاحت پر بے حد خوش نظر آنے لگیں۔

”بہت اچھی بات ہے..... اسی لئے تو تمہارا چہرہ چمک رہا ہے۔ روئی نظر آ رہا ہے۔“

انہوں نے اپنے بیان میں ایک بار پھر تبدیلی کی۔

”آپ کیس کی؟“

وہ اپنے چہرے پر کوئی تبصرہ نہیں سننا چاہتا تھا، اس لئے اس نے موضوع بدلا۔

”دہشتا کی؟“

”نہیں، میں دہشتا کر کے آئی ہوں۔ صبح چھ سات بجے میں دہشت کر رہی ہوں۔ کیا وہ سارا ہے

کیا وہ تو میں دو پہر کا کھانا بھی کھا لیتی ہوں۔“

انہوں نے اپنے معمولات سے آگاہ کیا۔

”تو پھر دو پہر کا کھانا کھا لیں۔ سناڑھے دس تو ہو رہے ہیں۔“

”نہیں ابھی تو مجھے ہلک سی نہیں ہے۔ تم میرے پاس آ کر بیٹھو۔“

”میں آتا ہوں ابھی۔“

وہ ان کے انتظار کے باوجود کچن میں آ گیا۔

”پورے چھ ماہ سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی شکل نہیں دکھائی۔ حالانکہ وعدہ

کیا تھا تم نے۔“

اسے کہتا میں ان کی آواز سنائی دی۔

”میں بہت مصروف تھا ماں جی۔“

اس نے اپنے لئے چائے تیار کرتے ہوئے کہا۔

”لو ابھی کیا مصروفیت..... ارے سچے! مصروف وہ ہوتے ہیں، جن کے بیوی بچے ہوتے ہیں

نہ تم نے گھر بھاریا نہ تم گھر والوں کے ساتھ رہ رہے ہو۔ پھر بھی کیجئے جو مصروف تھا۔“

وہ ٹو سڑ سے سانس نکالتے ہوئے ان کی بات پر مسکرایا۔

”اب بیکار کیجیو یہ تمہارے کرنے کے کام تو نہیں ہیں۔“

وہ اسے چائے کی ٹرے لائے دیکھ کر تنگی سے بولیں۔

”میں تو کہتی ہوں یہ کام مرد کے کرنے والے ہی نہیں ہیں۔“

وہ کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے میز پر رتن رکھنے لگا۔

”اب دیکھو بیوی ہوتی تو یہ کام بیوی کر رہی ہوتی۔ مرد اچھا لگتا ہی نہیں ایسے کام کرتے ہوئے۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں جی! مگر اب مجھ پر ہے۔ اب بیوی نہیں ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے۔“

سالار نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں اس کی بات پر ہونگا لگا۔“

”یہ کیا بات ہوئی، کیا کیا جاسکتا ہے؟ ارے سچے ادنیٰ لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تمہارے تو

اپنے ماں باپ بھی ہیں۔ ان سے کہو۔۔۔ تمہارا رشتہ طے کریں۔ یا تم چاہو تو میں کوشش کروں۔“

سالار کو یک دم صورت حال کی حقیقی کا احساس ہونے لگا۔

”نہیں، نہیں اماں جی! آپ چائے چئیں میں بہت خوش ہوں، اپنی زندگی سے۔۔۔ جہاں تک گھر

کے کاموں کا تعلق ہے تو، تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کر لیا کرتے تھے۔“

”لو اب تم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ میں تو تمہاری بات کر رہی ہوں۔“ وہ کچھ گڑبڑا گئیں۔

”آپ یہ جھکٹ لیں اور ایک بھی۔۔۔“

سالار نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”ارے ہاں، جس کام کے لئے میں آئی ہوں وہ تو بھول ہی گئی۔“

”انہیں اچانک یاد آیا، اپنے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا بیگ انہوں نے کھول کر اندر کچھ تلاش کرنا

شروع کر دیا۔

”تمہاری بہن کی شادی طے ہو گئی ہے۔“

سالار کو چائے پیتے بے اختیار اچھوٹا لگا۔

”میری بہن کی..... اماں جی! میری بہن کی شادی تو پانچ سال پہلے ہو گئی تھی۔“

اس نے کچھ ہکا بکا ہوتے ہوئے بتایا۔ وہ اتنی دیر میں اپنے بچک سے ایک کارڈر آدہ کر چکی تھیں۔

”ارے میں اپنی بیٹی کی بات کر رہی تھی۔ آہن کی، تمہاری بہن ہی ہوئی نا۔۔۔“

انہوں نے اس کے جملے پر بڑے افسوس کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کارڈر تھمایا۔

سالار کو بے اختیار ایسی آئی کل تک وہ اسے اس کی بیوی بنانے کی کوشش میں تھی ہوتی تھیں اور اب

ایک دم بہن بنادیا، مگر اس کے باوجود سالار کو بے حاشا اطمینان محسوس ہوا۔ کم از کم اب اسے ان سے یا

ان کی بیٹی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

بہت مسرور سا ہو کر اس نے کارڈر پکڑ لیا۔

”بہت مبارک ہو۔۔۔ کب جو رہی ہے شادی؟“ اس نے کارڈر کھولتے ہوئے کہا۔



کو چلا جائے۔ صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور اللہ بھی خوش ہوتا ہے۔“  
سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں قاتل پڑھ کر سوچا تھا۔ صرف اتوار والے دن ہی ایک سو تین سو تین۔ دہشت روز صبح وہی کرتا ہوں جو آپ کہہ رہی ہیں۔“

وہ اس کی وضاحت پر بے حد خوش نظر آنے لگیں۔

”بہت اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ اسی لئے تو تمہارا چہرہ چمک رہا ہے۔ روئی نظر آ رہا ہے۔“

انہوں نے اپنے بیان میں ایک بار پھر تبدیلی کی۔

”آپ کیس کی؟“

وہ اپنے چہرے پر کوئی تبصرہ نہیں سننا چاہتا تھا، اس لئے اس نے موضوع بدلا۔

”دہشتا کریں گی؟“

”نہیں، میں دہشتا کر کے آئی ہوں۔ صبح چھ سات بجے میں دہشت کر رہی ہوں۔ کیا وہ سارا ہے

کیا وہ تو میں دو پہر کا کھانا بھی کھا لیتی ہوں۔“

انہوں نے اپنے معمولات سے آگاہ کیا۔

”تو پھر دو پہر کا کھانا کھائیں۔ سناڑھے دس تو ہو رہے ہیں۔“

”نہیں ابھی تو مجھے ہلک سی نہیں ہے۔ تم میرے پاس آکر بیٹھو۔“

”میں آتا ہوں ابھی۔۔۔۔۔“

وہ ان کے انتظار کے باوجود کچن میں آگیا۔

”پورے چھ ماہ سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی شکل نہیں دکھائی۔ حالانکہ وعدہ

کیا تھا تم نے۔“

اسے کہتا میں ان کی آواز سنائی دی۔

”میں بہت مصروف تھا ماں جی۔۔۔۔۔“

اس نے اپنے لئے چائے تیار کرتے ہوئے کہا۔

”لو ابھی کیا مصروفیت۔۔۔۔۔ ارے بچے! مصروف وہ ہوتے ہیں، جن کے بیوی بچے ہوتے ہیں

نہ تم نے گھر بھاریا نہ تم گھر والوں کے ساتھ رہ رہے ہو۔۔۔۔۔ پھر بھی کیجئے جو مصروف تھا۔“

وہ ٹو سڑ سے سانس نکالتے ہوئے ان کی بات پر مسکرایا۔

”اب بیکار کیجیو یہ تمہارے کرنے کے کام تو نہیں ہیں۔“

وہ اسے چائے کی ٹرے لائے دیکھ کر تنگی سے بولیں۔

”میں تو کہتی ہوں یہ کام مرد کے کرنے والے ہی نہیں ہیں۔“

وہ کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے میز پر رتن رکھنے لگا۔

”اب دیکھو بیوی ہوتی تو یہ کام بیوی کر رہی ہوتی۔ مرد اچھا لگتا ہی نہیں ایسے کام کرتے ہوئے۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں ماں جی! مگر اب مجھ پر ہے۔ اب بیوی نہیں ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے۔“

سالار نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں اس کی بات پر ہونگا لگا۔“

”یہ کیا بات ہوئی، کیا کیا جاسکتا ہے؟ ارے بچے! دنیا لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تمہارے تو

اپنے ماں باپ بھی ہیں۔ ان سے کہو۔۔۔۔۔ تمہارا رشتہ طے کریں۔ یا تم چاہو تو میں کوشش کروں۔“

سالار کو یک دم صورت حال کی حقیقی کا احساس ہونے لگا۔

”نہیں، نہیں ماں جی! آپ چائے پئیں میں بہت خوش ہوں، اپنی زندگی سے۔۔۔۔۔ جہاں تک گھر

کے کاموں کا تعلق ہے تو وہ تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کر لیا کرتے تھے۔“

”لو اب تم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ میں تو تمہاری بات کر رہی ہوں۔“ وہ کچھ گڑبڑا گئیں۔

”آپ یہ جھکٹ لیں اور ایک بھی۔۔۔۔۔“

سالار نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”ارے ہاں، جس کام کے لئے میں آئی ہوں وہ تو بھول ہی گئی۔“

”انہیں اچانک یاد آیا، اپنے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا بیگ انہوں نے کھول کر اندر کچھ تلاش کرنا

شروع کر دیا۔

”تمہاری بہن کی شادی طے ہو گئی ہے۔“

سالار کو چائے پیتے بے اختیار اچھوٹا لگا۔

”میری بہن کی۔۔۔۔۔ ماں جی! میری بہن کی شادی تو پانچ سال پہلے ہو گئی تھی۔“

اس نے کچھ ہکا بکا ہوتے ہوئے بتایا۔ وہ اتنی دیر میں اپنے بچک سے ایک کارڈر آدھ کر چکی تھیں۔

”ارے میں اپنی بیٹی کی بات کر رہی تھی۔ آہن کی تمہاری بہن ہی ہوئی نا۔۔۔۔۔“

انہوں نے اس کے جملے پر بڑے افسوس کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کارڈر تھمایا۔

سالار کو بے اختیار ایسی آئی کل تک وہ اسے اس کی بیوی بنانے کی کوشش میں تھی ہوتی تھیں اور اب

ایک دم بہن بنادیا، مگر اس کے باوجود سالار کو بے حاشا اطمینان محسوس ہوا۔ کم از کم اب اسے ان سے یا

ان کی بیٹی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

بہت مسرور سا ہو کر اس نے کارڈر پکڑ لیا۔

”بہت مبارک ہو۔۔۔۔۔ کب جو رہی ہے شادی؟“ اس نے کارڈر کھولتے ہوئے کہا۔

"مجھے بخنے۔۔۔"

"جلیں اماں، بی! آپ کی فکر تو ختم ہو گئی۔"

سالار نے "میری" کے بجائے "آپ" کی نکالنے استعمال کیا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے، بہت اچھی جگہ رشتہ ہو گیا۔ میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی پھر میں بھی اپنے بیٹوں کے پاس انگلینڈ چلی جاؤں گی۔"

سالار نے کارڈ پر ایک سرسری سی نظر دوڑائی۔

"یہ کارڈ تمہیں دینے خاص طور پر آئی ہوں۔۔۔ اس بار کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ تمہیں شادی پر آنا ہے، بھائی بن کر رخصت کرنا ہے، بسن کو۔"

سالار نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں ضرور آؤں گا۔"

وہ کپ پیچھے رکھ کر سلاٹس پر بکھن لگانے لگا۔

"یہ فرقان کا کارڈ بھی لے کر آئی ہوں میں۔۔۔ اس کو بھی دینے جانا ہے۔"

انہیں اب فرقان کی یاد ستانے لگی۔

"فرقان کو تو آج بھانجی کے ساتھ اپنے سسرال جانا تھا۔ اب تک تو کھنچکا ہو گا۔ آپ مجھے دے دیں۔ میں اسے دے دوں گا۔" سالار نے کہا۔

"تم اگر بھول گئے تو؟" وہ مطمئن نہیں ہوئیں۔

"میں نہیں بھولوں گا، اچھا میں فون پر اس سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔"

وہ یک دم خوش ہوئیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم فون پر اس سے میری بات کروادو۔"

سالار اٹھ کر فون اسی میز پر لے آیا۔ فرقان کا موبائل نمبر ڈاکٹر کر کے اس نے اسے دیکھ کر دیا اور خود ناشتہ کرنے لگا۔

"فرقان! سعید و اماں آئی ہوئی ہیں میرے پاس۔"

فرقان کے کال ریسپونڈ کرنے پر اس نے بتایا۔

"ان سے بات کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا، اب فرقان اور سعید و اماں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔

دس منٹ بعد جب یہ گفتگو ختم ہوئی تو سالار ناشتہ ختم کر چکا تھا۔ برتن کچن میں رکھتے ہوئے اسے

خیال آیا۔

"آئی کس کے ساتھ تھیں آپ؟" وہ باہر نکل آیا۔

"اپنے بیٹے کے ساتھ" سعید و اماں نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا، بیٹا آگیا آپ کا؟ چھوٹا والا یا بڑا والا؟"

سالار نے دلچسپی لی۔

"میں ساتھ والوں کے راشد کی بات کر رہی ہوں۔" سعید و اماں نے بے اختیار ہرانا۔

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا سعید و اماں کے لئے ہر لڑکا اپنا بیٹا اور ہر لڑکی اپنی بیٹی تھی۔ وہ بڑے آرام سے رشتے گزرتی تھیں۔

"تو وہ کہاں ہے؟" سالار نے پوچھا۔

"وہ چلا گیا۔ موٹر سائیکل پر آئی ہوں اس کے ساتھ و آندھی کی رفتار سے چلائی ہے اس نے۔ نو پیچے بیٹھی ہوں، پورے ساڑھے دس بیچے اور چھپچھا دیا اس نے، میری ایک نہیں سنی اس نے۔ سارا راستہ۔۔۔ بار بار یہی کہتا رہا آہستہ چلا رہا ہوں۔ یہاں اتار تے وقت کہنے لگا آپ کے ساتھ موٹر سائیکل پر میرا آخری سفر تھا۔ دوبارہ کہیں جانا تو تبدیل لے کر جاؤں گا آپ کو۔۔۔"

سالار کو فنی آئی۔ آدھ گھنٹہ میں ملے ہوئے والے راستے کو ڈیڑھ گھنٹہ میں طے کر لے والے کی جھنجھلاہٹ کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ یڑھوں کے ساتھ وقت گزارنا خاصا مشکل کام تھا۔ یہ وہ سعید و اماں کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات میں ہی جان گیا تھا۔

"تو وہاں کیسے جا گئی گی۔ راشد بیٹے آئے گا آپ کو؟"

"ہاں اس نے کہا تو ہے کہ بیچ ختم ہونے کے بعد آپ کو لے جاؤں گا۔ اب دیکھو کب آتا ہے۔" وہ اسے ایک بار پھر اپنی بیٹی اور اس کے ہونے والے سسرال کے بارے میں اطلاعات پہنچانے لگیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بڑی فرمانبرداری سے سنتا رہا۔

اس قسم کی معلومات میں اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر سعید و اماں اب اس کے ساتھ بیکنگ کے بارے میں تو گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کی باتیں رتی بھر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں مگر وہ یوں ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ ہر بات سمجھ رہا ہے۔

دو چہر کا کھانا اس نے ان کے ساتھ کھایا۔ اس نے ان کے ساتھ فریج سے کچھ نکال کر گرم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک بار پھر شادی کے فوائد اور ضرورت پر لکچر نہیں سنتا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریسٹورنٹ فون کر کے لٹکانا آرڈر دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد کھاؤ آگیا۔

کھانے کے وقت تک راشد نہیں آیا تو سالار نے ان کی تشویش کو کم کرنے کے لئے کہا۔

"میں گاڑی پر چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"



وہ فوراً اُتار ہو گئیں۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے، اس طرح تم میرا گھر بھی دیکھ لو گے۔“

”اماں جی! میں آپ کا گھر جانتا ہوں۔“

سالار نے کار کی چابی تلاش کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اس گلی میں تھا جہاں سعید واماں کا گھر تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر انہیں اندر گلی میں دروازے تک چھوڑ گیا۔ انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی، جسے اس نے شکر یہ کے ساتھ رد کر دیا۔

”آج نہیں..... آج بہت کام ہیں۔“

وہ اپنی بات کہہ کر ہچکتا ہوا۔

”سنجے اسی لئے کہتی ہوں شادی کر لو۔ بیوی ہوگی تو خود سارے کام دیکھے گی۔ تم کہیں آ جا سکو گے۔ اب یہ کوئی زندگی ہے کہ چھٹی کے دن بھی گھر کے کام لے کر بیٹھے رہو گے۔“ انہوں نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب میں چاؤں؟“

اس نے کمال فرما کر داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی پاں میں پاں ملائی۔

”ہاں ٹھیک ہے چاؤ، مگر یاد رکھنا شادی پر ضرور آنا۔ فرقان سے بھی ایک بار پھر کہہ دینا کہ وہ بھی آئے اور اس کو کارڈ ضرور پہنچا دینا۔“

سالار نے ان کے دروازے پر گئی ہوئی دُور تل دو بارہ بجائی اور غصہ حافظ کہتے ہوئے پلٹا۔

اپنے چچے اس نے دروازہ کھٹکے کی آواز سنی۔ سعید واماں اب اپنی بیٹی سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

## باب ۸

”چھڑ کیا پروگرام ہے، چلو گے؟“

فرقان نے اگلے دن شام کو اس سے کارڈ لینے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں تو اس ویک اینڈ پر کراچی جا رہا ہوں، آئی بی اے کے ایک سیمینار کے لئے۔ اتوار کو میری واپسی ہوگی۔ میں تو آکر بس سوؤں گا۔“

nothing else۔ تم چلے جانا، میں اتفاقاً دس دوں گا، وہ تم میری طرف سے معذرت کرتے ہوئے دے دیتا۔“ سالار نے کہا۔

”کتھے افسوس کی بات ہے سالار! وہ خود کارڈ دے کر گئی ہیں، انجی محبت سے بلا یا ہے۔“

فرقان نے کہا۔

”جانتا ہوں لیکن میں اوجھڑ جا کر وقت ضائع نہیں کر سکتا۔“

"ہم بس تھوڑی دیر نہیں کے پھر آجائیں گے۔"

"فرقان! میری واپسی کفرم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے میں اتوار کو آجی نہ سکوں یا اتوار کی رات کو آؤں۔"

"بے حد فضول آدمی ہو تم بڑی مانوس ہو گی۔"

"کچھ نہیں ہو گا، میرے نہ ہونے سے ان کی بیٹی کی شادی تو نہیں رک جائے گی۔ ہو سکتا ہے انہیں

پچلے ہی میرے نہ آنے کا اندازہ ہو اور ویسے بھی فرقان! تم اور میں کوئی اتنے اہم مہمان نہیں ہیں۔"

سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہر حال میں اور میری بیوی تو جائیں گے۔ چاہے ہم کم اہم مہمان ہی کیوں نہ ہوں۔" فرقان

نے ناراضی سے کہا۔

"میں نے کب روکا ہے۔ ضرور جاؤ، تمہیں جانا بھی چاہئے۔ سعید اماں کے ساتھ تمہاری بھو

تہ زیادہ بے تکلفی اور دوستی ہے۔" سالار نے کہا۔

"مگر سعید اماں کو میرے بجائے تمہارا زیادہ خیال رہتا ہے۔" فرقان نے جتایا۔

"وہ مروت ہوتی ہے۔" سالار نے اس کی بات کو شجیدگی سے لئے بغیر کہا۔

"جو بھی ہوتا ہے بہر حال تمہارا خیال تو ہوتا ہے انہیں۔ چلو اور کچھ نہیں تو ڈاکٹر سہیل علی کی عزیز

کچھ کر رہی تم ان کے ہاں چلے جاؤ۔" فرقان نے ایک اور حربہ آزمایا۔

"ڈاکٹر صاحب تو خود یہاں نہیں ہیں۔ وہ تو خود شادی میں شرکت نہیں کر رہے اور اگر وہ یہاں

ہوتے بھی تو کم از کم مجھے تمہاری طرف مجبور نہیں کرتے۔"

"اچھا، میں بھی نہیں کرتا تمہیں مجبور۔ نہیں جانا چاہتے تو مت جاؤ۔"

فرقان نے کہا۔

سالار ایک بار پھر اپنے لپ چپ کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک سرسبز و وسیع سبزہ زار تھا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ وسیع کھلے سبزہ زار میں درخت تھے

مگر زیادہ بلند نہیں۔ خوب صورت پھولدار جھاڑیاں تھیں، چاروں طرف خاموشی تھی۔ وہ دونوں کسی

درخت کے سائے میں بیٹھنے کے بجائے ایک پھولدار جھاڑی کے قریب کھلی دھوپ میں بیٹھے تھے۔ اماں

اپنے ہاتھوں کے گرد بازو لپیٹے ہوئے بیٹھی تھی اور وہ کھاس پر چٹ لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ان

دونوں کے جوتے کچھ فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اماں نے اس بار خوب صورت سفید چادر اوڑھ لی تھی۔

تھی۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ اماں اس سے کچھ کہتے ہوئے دور کسی چیز کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے لیٹے لیٹے اس کی چادر کے ایک بالے سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ یوں جیسے دھوپ کی

شعاعوں سے آنکھوں کو بچانا چاہتا ہو۔ اس کی چادر نے اسے عجیب سا سکون اور سرشاری دی تھی۔ اماں

نے چادر کے سرے کو اس کے چہرے سے ہٹانے یا کھینچنے کی کوشش نہیں کی۔ دھوپ اس کے جسم کو

تراوٹ بخش رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے وہ اپنے چہرے پر موجود چادر کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔ اس پر

خودگی طاری ہو رہی تھی۔ وہ نیند اسے اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔

سالار نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے بند پر چٹ لپٹا ہوا تھا۔ کسی چیز نے اس کی نیند کو توڑ

دیا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے کچھ دیر بے چینی سے اپنے ارد گرد کے ماحول کو دیکھتا رہا۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی

جہاں اسے جونا چاہئے تھا۔ ایک اور خواب۔ ایک اور لوٹن۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تب

اس کو اس موبائل فون کی آواز نے متوجہ کیا، جو مسلسل اس کے سر ہانے بج رہا تھا۔ یہ فون ہی تھا جو اسے

اس خواب سے باہر لے آیا تھا۔ قدرے جھنجھلاتے ہوئے اس نے لیٹے لیٹے ہاتھ پوچھا کہ اس نے موبائل

اٹھایا۔ دوسری طرف فرقان تھا۔

"کہاں تھے سالار! کب سے فون کر رہا ہوں۔ انیڈ کیوں نہیں کر رہے تھے؟" فرقان نے اس کی

آواز سنتے ہی کہا۔

"میں سو رہا تھا۔" سالار نے کہا اور اٹھ کر بند پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر اب پہلی بار گھڑی پر پڑی جو

چار بج رہی تھی۔

"تم فوراً سعید اماں کے ہاں چلے آؤ۔" دوسری طرف سے فرقان نے کہا۔

"کیوں؟ میں نے تمہیں بتایا تھا، میں تو۔"

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں، تم نے مجھے کیا بتایا تھا مگر یہاں کچھ ایگر جنسی ہو گئی ہے۔"

"کیسی ایگر جنسی؟" سالار کو تشویش ہوئی۔

"تم یہاں آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔ تم فوراً یہاں پہنچو، میں فون بند کر رہا ہوں۔"

فرقان نے فون بند کر دیا۔

سالار کچھ پریشانی کے عالم میں فون کو دیکھتا رہا۔ فرقان کی آواز سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ

پریشان تھا مگر سعید اماں کے ہاں پریشانی کی نوعیت کیا ہو سکتی تھی۔

پندرہ منٹ میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد گاڑی میں تھا۔ فرقان کی اگلی کال اس نے کار میں

رہیں کی تھی۔

"تم کچھ بتاؤ تو سہی، ہو کیا ہے؟ مجھے پریشان کر دیا ہے تم نے۔" سالار نے اس سے کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور میری آد ہے جو۔ یہاں آؤ گے تو تمہیں پتا چل جائے



کا۔ میں فون پر تفصیلی بات نہیں کر سکتا۔"

فرقان نے ایک بار پھر فون بند کر دیا۔

تیز رفتاری سے ڈرائیج کرتے ہوئے اس نے آدھ گھنٹہ کا سفر تقریباً پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔ فرقان اسے سعیدہ اماں کے گھر کے باہر ہی مل گیا۔ سالار کا خیال تھا کہ سعیدہ اماں کے ہاں اس وقت بہت چمچل پھل ہو گی مگر ایسا نہیں تھا۔ وہاں دور دور تک کسی پارک کے آثار نہیں تھے۔ فرقان کے ساتھ وہ بیرونی دروازے کے بائیں طرف بہتے ہوئے ایک پرانی طرز کے ڈرائنگ روم میں آگیا۔

"آخر ہوا کیا ہے جو تمہیں مجھے اس طرح بلاتا پڑ گیا۔"

سالار اب اُلجھ رہا تھا۔

"سعیدہ اماں اور ان کی بیٹی کے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔" فرقان نے اس کے سامنے والے

صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"کیسا مسئلہ؟"

"جس لڑکے سے ان کی بیٹی کی شادی ہو رہی تھی اس لڑکے نے کہیں اور اپنی مرضی سے شادی کر

لی ہے۔"

"مائی گڈ نیس۔" سالار کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ان لوگوں نے ابھی کچھ دیر پہلے سعیدہ اماں کو یہ سب فون پر بتا کر ان سے معذرت کی ہے۔ وہ

لوگ اب بات نہیں ادا ہے۔ میں ابھی کچھ دیر پہلے ان لوگوں کے ہاں گیا ہوا تھا مگر وہ لوگ واقعی

مجبور ہیں۔ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے، اس لڑکے نے بھی انہیں

صرف فون پر ہی اس کی اطلاع دی ہے۔" فرقان تفصیل بتانے لگا۔

"اگر وہ لڑکا شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو اسے بہت پہلے ہی ماں باپ کو صاف صاف بتا دینا چاہئے

تھا۔ بھاگ کر شادی کر لینے کی ہمت تھی تو ماں باپ کو پہلے اس شادی سے انکار کر دینے کی بھی ہمت ہونی

چاہئے تھی۔" سالار نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"سعیدہ اماں کے بیٹوں کو اس وقت یہاں جو چاہئے تھا وہ اس معاملے کو ہینڈل کر سکتے تھے۔"

"لیکن اب وہ نہیں ہیں تو کسی نہ کسی کو تو سب کچھ دیکھنا ہے۔"

"سعیدہ اماں کے کوئی اور قریبی رشتہ دار نہیں ہیں؟" سالار نے پوچھا۔

"میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب سے بات کی ہے فون پر۔" فرقان نے اسے بتایا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحب بھی فوری طور پر تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں ہوتے تو اور بات تھی۔"

سالار نے کہا۔

"انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری فون پر ان سے بات کر دوں۔" فرقان کی آواز اس

بار کچھ دھیمی تھی۔

"میری بات۔۔۔ لیکن کس لئے؟" سالار کچھ حیران ہوا۔

"ان کا خیال ہے کہ اس وقت تم سعیدہ اماں کی مدد کر سکتے ہو۔"

"ہیں؟" سالار نے چونک کر کہا۔ "میں کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟"

"آمن سے شادی کر کے۔"

سالار دم بخود پلکیں چپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا رخ تو ٹھیک ہے؟" اس نے ہنسنے لگا۔

"ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔" سالار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"پھر تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

وہ ایک جھپٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرقان برقی رفتاری سے اُٹھ کر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"کیا سوچ کر تم نے یہ بات کہی ہے۔" سالار اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"میں نے یہ سب تم سے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر کہا ہے۔" سالار کے چہرے پر ایک رنگ آکر

گزر گیا۔

"تم نے انہیں میرا نام کیوں دیا؟"

"میں نے نہیں دیا سالار! انہوں نے خود تمہارا نام لیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم

سے درخواست کروں کہ میں اس وقت سعیدہ اماں کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی مدد کروں۔"

کسی نے سالار کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچی تھی یا سر سے آسمان، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ وہ

پلٹ کر واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں شادی شدہ ہوں فرقان! تم نے انہیں بتایا۔"

"ہاں، میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ تم نے کئی سال پہلے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا، مگر پھر وہ لڑکی

وہاں سے نہیں نکلی۔"

"پھر؟"

"وہ اس کے باوجود یہی چاہتے ہیں کہ تم آمنہ سے شادی کر لو۔"

"فرقان۔۔۔ میں۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔"

"اور اماں۔۔۔ اس کا کیا ہو گا؟"

"تمہاری زندگی میں اماں کبھی نہیں ہے۔ اسے سالوں میں کون جانتا ہے۔ وہ کہاں ہے۔ ہے بھی

کہ نہیں۔

”فرقان۔۔۔ سالار نے ترشی سے اس کی بات کاٹی۔ ”اس بات کو رہنے دو کہ وہ ہے یا نہیں۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اگر کل امام آجاتی ہے تو تو کیا ہو گا؟“

”تم یہ بات ڈاکٹر صاحب سے کہو۔“ فرقان نے کہا۔

”نہیں، تم یہ سب کچھ سعید واماں کو بتاؤ، آمنہ کو بتاؤ، ضروری تو نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو قبول کر لے جس کی پہلے سے ہی ایک بیوی ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ پھر اسی لڑکے کو قبول کر لیتی جس نے کہیں اور شادی کر لی ہے۔“

”دو دیگر بات لے کر آجاتا تو شاید یہ بھی ہو جاتا۔ مسئلہ تو یہی ہے کہ وہ آمنہ سے دوسری شادی پہ جھگڑا کر نہیں ہے۔“

”اسے ڈھونڈا جاسکتا ہے۔“

”ہاں، ڈھونڈا جاسکتا ہے لیکن یہ کام اس وقت نہیں ہو سکتا۔“

”ڈاکٹر صاحب نے آمنہ کے لئے علاج التجاب کیا ہے۔ میں..... میں آمنہ کو کیا دے سکتا ہوں۔ میں تو اس آدمی سے بھی بدتر ہوں جو ابھی اسے چھوڑ گیا ہے۔“

سالار نے بے چارگی سے کہا۔

”سالار! انہیں اس وقت کسی کی ضرورت ہے، ضرورت کے وقت صرف وہی آدمی سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے، جو سب سے زیادہ قابل اعتبار ہو۔ تم زندگی میں اتنے بہت سے لوگوں کی مدد کرتے آ رہے ہو۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی مدد نہیں کر سکتے۔“

”میں نے لوگوں کی چیز سے مدد کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مجھ سے پیر نہیں مانگ رہے۔“

اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا اس کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔ اس نے نمبر دیکھ کر موبائل سالار کی طرف بڑھادیا۔

”ڈاکٹر صاحب کی کال آ رہی ہے۔“

سالار نے سوتے ہوئے چہرے کے ساتھ موبائل پکڑ لیا۔

وہاں بیٹھے موبائل کان سے لگائے سالار کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں ہر بات، ہر شخص سے نہیں کہی جاسکتی۔ وہ جو کچھ فرقان سے کہہ سکتا تھا وہ ان سے اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں دلائل دے سکتا تھا، نہ جانے بنا سکتا تھا۔ انہوں نے مخصوص نرم لہجے میں اس سے درخواست کی تھی۔

”اگر آپ اپنے والدین سے اجازت لے سکیں تو آمنہ سے شادی کر لیں۔ وہ میری بیٹی جیسی ہے۔ آپ سمجھیں میں اپنی بیٹی کے لئے آپ سے درخواست کر رہا ہوں، آپ کو تکلیف دے رہا ہوں لیکن میں

ایسا کرنے کے لئے مجبور ہوں۔“

”آپ جیسا چاہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔“

اس نے دم آواز میں ان سے کہا۔

”آپ مجھ سے درخواست نہ کریں، آپ مجھے علم دیں۔“ اس نے خود کو کہتے پایا تھا۔

فرقان تقریباً اس منٹ کے بعد اندر آیا۔ سالار موبائل فون ہاتھ میں پکڑے گم سم فرش پر نظریں دھانکے ہوئے تھا۔

”ڈاکٹر صاحب سے بات ہو گئی تمہاری؟“

فرقان نے اس کے ہاتھ میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دم آواز میں اس سے پوچھا۔

سالار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر بیٹھ گیا۔ اس کا موبائل دکھ دیا۔

”میں رخصتی ابھی نہیں کرواؤں گا۔ بس نکاح کافی ہے۔“

اس نے چند لمحوں بعد کہا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔ فرقان کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔ وہ عقدر کا ”شکار“ ہونے والا پہلا انسان نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

سڑک پر گھبراہٹ تفریبات ہونے کے برابر تھی۔ رات بہت تیزی سے گزرتی جا رہی تھی۔ گہری دھند ایک بار پھر مزید چیز کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

سڑک پر چلتے، والی اسٹریٹ لائٹس کی روشنی دھند کو چھتے ہوئے اس ہالکونی کی تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں منڈیر کے پاس ایک اسٹول پر سالار بیٹھا ہوا تھا۔ منڈیر پر اس کے سامنے کافی کا ایک ٹک پڑا ہوا تھا، جس میں سے اٹھنے والی گرم بخار دھند کے پس منظر میں عجیب سی شکلیں بنانے میں مصروف تھی اور وہ..... وہ جتنے پر دونوں ہاتھ پہنے یک تک نیچے سسٹان سڑک کو دیکھ رہا تھا جو دھند کے اس غلاف میں بہت عجیب نظر آ رہی تھی۔

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔ سعید واماں کے گھر کاٹا کے بعد وہ وہاں ڈکا نہیں تھا۔ اسے وہاں عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی لے کر بے مقصد شام سے رات گئے تک سڑکوں پر پھر تار پل اس کا موبائل آف تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے اس وقت کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ موبائل آن ہوتا تو فرقان اس سے رابطہ کرتا۔ بہت سی وسوسا تیں دینے کی کوشش کرتا یا ڈاکٹر صاحب علی رابطہ کرتے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

وہ یہ دونوں چیزیں نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت مکمل خاموشی چاہتا تھا۔ اٹھتی ہوئی بخار کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر چند گھنٹے پہلے کے واقعات کے بارے میں سوچا۔ سب کچھ ایک خواب کی طرح



لگ رہا تھا۔ کاش خواب ہی ہو تا۔ اسے وہاں بیٹھے کی ماہ پہلے حرم پاک میں مانگی جانے والی عیاد آئی۔  
 "تو کیا اسے میری زندگی سے نکال دینے کا فیصلہ ہو ہے؟" اس نے تکلیف سے سوچا۔  
 "تو پھر یہ اذیت بھی تو ختم ہوئی چاہئے۔ میں نے اس اذیت سے رہائی بھی تو مانگی تھی۔ میں نے اس کی یادوں سے فراہ بھی تو چاہا تھا۔" اس نے مندر پر رکھا گرم کافی کا کپ اپنے سرد ہاتھوں میں تھام لیا۔  
 تو رامہ ہاشم بالآخر ختم میری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل گئیں۔  
 اس نے کافی کی تھلی اپنے اندر اتاری۔

"اور اب کیا میں بچھڑاؤں کہ کپاش میں کبھی سعیدہ اماں کو اس سڑک پر نہ دیکھتا میں ان کو لٹ نہ دیتا۔ ان کا کھڑل جانا اور میں انہیں وہاں ڈراپ کر کے آجاتا، ان کو اپنے گھر نہ لاتا نہ رواہ بڑھتے نہ وہ اس شادی پر مجھے ہاتھیں یا پھر کپاش میں آج کر اپنی تن ہی نہ ہوتا۔ یہاں ہو تا ہی نہیں یا میں سو ہاتھ آف کر کے سوتا۔ فون کا ریسیور رکھ دیتا۔ فرقان کی کال ریسیور ہی نہ کرتا پھر کپاش میں ڈاکٹر سیٹھ علی کو نہ جانتا ہو تاکہ ان کے کہنے پر مجھے مجبور نہیں ہو تا پڑتا پھر شاید مجھے یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ اماں میرے لئے نہیں ہے۔" اس نے کافی کا کپ دوبارہ مندر پر رکھ دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر بکھیرے، پھر جیسے کوئی خیال آنے پر اپنا والٹ نکال لیا۔ والٹ کی ایک جیب سے اس نے ایک بڑا شدہ کاغذ نکال کر کھول لیا۔

ذکر انگل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت پر بہت افسوس ہوا۔ چند سال پہلے میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی وہ اب میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔

خدا حافظ

اماں ہاشم

اس نے نوادہ میں کتنی بار اس کاغذ کو پڑھا تھا اسے یاد نہیں تھا۔ اس کاغذ کو چھوٹے ہوئے اسے اس کاغذ میں اماں کا لکس محسوس ہوتا۔ اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا اپنا نام۔ کاغذ پر تحریر ان چند جملوں میں اس کے لئے کوئی اپنائیت نہیں تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اماں کو اس کی موت کی خبر پر بھی کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ خبر اس کے لئے ڈھائی سال بعد ربائی کا پیغام بن کر آئی تھی۔ اسے کیسے افسوس ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ چند جملے اس کے لئے بہت اہم ہو گئے تھے۔

اس نے کاغذ پر لکھے جملوں پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ اس نے آخر میں لکھے اماں ہاشم کے نام کو چھوا۔ پھر کاغذ کو دوبارہ وہی طرح نہ کر کے والٹ میں رکھ لیا۔

مندر پر کافی کا کپ سرد ہو چکا تھا۔ سالار نے ٹھنڈی کافی کے باقی کپ کو ایک ٹھونٹ میں اپنے اندر اُٹھل لیا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی ایک بچے تک لندن سے واپس پاکستان پہنچے رہے تھے اور اسے ان کا انتظار تھا۔ رامہ ہاشم کے بارے میں جو کچھ وہ اتنے سالوں سے انہیں نہیں بتا سکا تھا وہ انہیں اب بتانا چاہتا تھا۔ اپنے ماضی کے بارے میں جو کچھ وہ انہیں نہیں بتا سکا تھا وہ ان سے کہہ دینا چاہتا تھا۔ اسے اب پروا نہیں تھی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

☆.....☆.....☆

رمضان کی چار تاریخ تھیں، جب ڈاکٹر سیٹھ علی واپس آگئے تھے۔ وہ رات کو کافی دیر سے آئے تھے اور سالار نے اس وقت انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ رات کو ان کے پاس پہلے کی طرح جانا چاہتا تھا مگر وہ پہر کو خلاف توقع بینک میں ان کا فون آگیا۔ سالار کے نکاح کے بعد یہ ان کا سالار کے ساتھ تیسرا رابطہ تھا۔ وہ کچھ دیر اس کا حال احوال دریافت کرتے رہے اور پھر انہوں نے اس سے کہا۔

"سالار! آپ آج رات کو نہ آئیں، شام کو آجائیں۔ افطاری میرے ساتھ کریں۔"

"ٹھیک ہے، میں آج آؤں گا۔" سالار نے جانی بھرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر ان کے درمیان مزید گفتگو ہوتی رہی پھر ڈاکٹر سیٹھ علی نے فون بند کر دیا۔

وہ اس دن بینک سے کچھ جلدی نکل آیا۔ اپنے فلیٹ پر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ جب ان کے پاس پہنچا اس وقت افطاری میں ایک ٹھنڈا ہاتھ تھا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کا لازم اسے اجتماع والے بیرونی کمرے کے بجائے سیدھا اندر لاؤنج میں لے آیا تھا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے گفتگو ہونے کے بعد بڑی محبت کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑا۔

"پہلے آپ ایک دوست کی حیثیت سے یہاں آتے تھے، آج آپ گھر کا ایک فرد بن کر یہاں آئے ہیں۔"

وہ جانتا تھا ان کا اشارہ کس طرف تھا۔

"آئیے بیٹھے۔" وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"بہت مبارک ہو۔ اب تو آپ بھی گھر والے ہو گئے ہیں۔"

سالار نے خاموش نظروں اور ہنسی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"میں بہت خوش ہوں کہ آپ کی شادی آنت سے ہوئی ہے۔ وہ میرے لئے میری چوتھی بیٹی کی طرح ہے اور اس دشتے سے آپ بھی میرے داماد ہیں۔"

سالار نے نظریں جھکا لیں۔ اس کی زندگی میں امام باہم کا باب نہ کھلا ہوا ہوتا تو شاید ان کے من سے یہ جملہ سن کر وہ اپنے آپ پر فخر کرتے مگر سالار فرق امام باہم تھی۔ سالار فرق وہی ایک لڑکی بیوہ کر رہی تھی جو تھی اور نہیں تھی۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

”آپ اتنے سوالوں سے میرے پاس آ رہے ہیں آپ نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ نکاح کر چکے ہیں۔ تب لگی نہیں جب ایک دو بار آپ سے شادی کا ذکر ہوا۔“

سالار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”میں آپ کو جانا چاہتا تھا مگر۔۔۔“ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا۔

”سب کچھ بتا دیجیے تھا کہ میں آپ کو کیا بتاتا۔“ اس نے دل میں کہا ”تب وہ تھا آپ کا نکاح؟“

ڈاکٹر سیٹھ علی دھستے لگے میں پوچھ رہے تھے۔ ”سالار نے آٹھ سال پہلے۔ تب میں انیس سال کا تھا۔“ اس نے کسی شکست خوردہ معمول کی طرح کہا پھر وہ آہستہ آہستہ انہیں سب کچھ بتاتا گیا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے اسے ایک بار بھی نہیں ٹوکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک وہ چپ رہے تھے۔

بہت دیر بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

”آمنہ بہت اچھی لڑکی ہے اور وہ خوش قسمت ہے کہ اسے ایک صالح مرد ملا ہے۔“

ان کی بات سالار کو ایک چابک کی طرح لگی۔

”صالح؟ میں صالح مرد نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب! میں تو۔۔۔ اسفل الملقین ہوں۔ آپ مجھے جانتے ہوئے تو میرے لئے کبھی یہ لفظ استعمال کرتے نہ اس لڑکی کے لئے میرا انتخاب کرتے جسے آپ اپنا بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں۔“

”ہم سب اپنی زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر ”زمانہ جاہلیت“ سے ضرور گزرتے ہیں، بعض گزر جاتے ہیں، بعض ساری زندگی اسی زمانے میں گزار دیتے ہیں۔ آپ اس میں سے گزر چکے ہیں۔ آپ کا بچپن تیار ہوا ہے کہ آپ گزر چکے ہیں۔ میں آپ کو بچتا ہوں۔ اسے وہ کوئی گاندہ تو ہے اور دماغ، آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنی ساری زندگی یہ کریں، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ شکر بھی ادا کریں کہ آپ نفس کی تمام بیماریوں سے بچھڑا رہے ہیں۔“

ڈاکٹر نے اپنی طرف نہیں کھنچتی اگر اللہ کے خوف سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں، مگر وہ زخ کا تصور آپ کو ڈراتا ہے، اگر آپ اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں، جس طرح کرنی چاہئے، اگر نیکی آپ کو اپنی طرف راغب کرتی ہے اور برائی سے آپ ڈک جاتے ہیں تو پھر آپ صالح ہیں۔ کچھ صالح ہوتے ہیں، کچھ صالح بنتے ہیں، صالح ہونا خوش قسمتی کی بات ہے، صالح بننا اور عبادی

تکوار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس میں زیادہ تکلیف سنی پڑتی ہے۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ صالح ہیں کیونکہ آپ صالح بنے ہیں، اللہ آپ سے بڑے کام لے گا۔“

سالار کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ انہوں نے ایک بار پھر امام باہم کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا، کچھ نہیں کہا تھا۔ کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی سے نکل گئی؟ کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ آئندہ بھی کبھی اس کی زندگی میں نہیں آئے گی؟ اسے اپنا زندگی آمنہ کے ساتھ ہی گزارنی پڑے گی؟ اس کا دل ڈوبا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے من سے امامہ کے حوالے سے کوئی تسلی، کوئی دلہنہ، کوئی امید چاہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب خاموش تھے۔ وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

”میں آپ کے اور آمنہ کے لئے بہت دعا کروں گا بلکہ میں بہت دعا کر کے آیا ہوں خدا کعبہ میں۔“ وہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ”وہ اللہ سے دعا ہی پر مردہ کے آئے تھے۔ سالار نے سر جھکا لیا۔ دور اذان کی قواز آرہی تھی۔ ملازم انتظار کے لئے بیڑ چار کر رہا تھا۔ اس نے یہ عمل دل کے ساتھ ڈاکٹر سیٹھ علی کے ساتھ بیٹھ کر وہ انتظار کیا پھر وہ اور ڈاکٹر سیٹھ علی نماز پڑھنے کے لئے قریبی مسجد میں چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کے ہاں کھانا کھایا اور پھر اپنے فلیٹ پر واپس آ گیا۔

☆...☆...☆

”نکل میرے ساتھ سعید و اماں کے ہاں چل سکتے ہو؟“

اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کے گھر سے واپسی کے بعد دس بجے کے قریب فرقان کو فون کیا۔ فرقان ہاتھل میں تھا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔

”ہاں، کیوں نہیں۔ کوئی خاص کام ہے؟“

”میں آمنہ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

فرقان کچھ دیر بولی نہیں سکا۔ سالار کا لہجہ بہت ہموار تھا۔ وہاں کسی تلخی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

”کیسی باتیں؟“

”کوئی کشمکش، ایک بات نہیں ہے۔“ سالار نے جیسے اسے تسلی دی۔

”پھر بھی۔“ فرقان نے اصرار کیا۔

”تم پھر امامہ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟“

”تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ چلو گے؟“

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

”ہاں، چلوں گا۔“



"تو پھر میں تمہیں کل ہی بتاؤں گا کہ مجھے اس سے کیا بات کرنی ہے۔"  
اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا، فون بند ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

"تم اس سے امام کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟" فرقان نے گاڑی ڈرائیج کرتے ہوئے سالار سے پوچھا۔

"نہیں، صرف امام کے بارے میں نہیں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"  
"فارغ دیکھ سالار! کڑے سردے اکھاڑنے کی کوشش مت کرو۔" فرقان نے ناراضی سے کہا۔  
"اس کو میری ترجیحات اور مقاصد کا پتہ ہونا چاہئے۔ اب اسے ساری زندگی گزارنی ہے میرے ساتھ۔"

سالار نے اس کی ناراضی کی پروا کئے بغیر کہا۔

"پتا چل جائے گا، سمجھ دو! لڑکی ہے وہ اور اگر کچھ بتانا ہی ہے تو گھبرا کر بتانا، وہاں پینڈورا ہاکیں کھولی کر مت بیٹھنا۔"

"گھبرا کر بتانے کا کیا فائدہ، جب اس کے پاس وہ اپنی کا کوئی راستہ ہی نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ میری باتوں کو سنے، سمجھے، سوچے اور پھر کوئی فیصلہ کرے۔"

"اب کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی وہ۔ تمہارا اور اس کا نکاح ہو چکا ہے۔"

"رخصتی تو نہیں ہوئی۔"

"اس سے کیا فرقی پڑتا ہے۔"

"کیوں نہیں پڑتا۔ اگر اس کو میری بات پر اعتراض ہو تو وہ اس رشتے کے بارے میں نظر ثانی کر سکتی ہے۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

فرقان نے چپکٹی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور اس نظر ثانی کے لئے تم کس طرح کے حقائق اور دلائل پیش کرنے والے ہو اس کے سامنے؟"  
"میں اسے صرف چند باتیں بتانا چاہتا ہوں جس کا جاننا اس کے لئے ضروری ہے۔" سالار نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"وہ ڈاکٹر سید علی کی رشتہ دار ہے، میں اس حوالے سے اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے نہیں کہا ہوتا تو یہ رشتہ قائم بھی نہیں ہوتا لیکن میں....."

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے، تم کو اس سے جو کہنا ہے، کہہ لیا لیکن امام کے ذکر کو ذرا کم ہی رکھنا کیونکہ اگر وہ کسی

بات سے ہرے ہوئی تو وہ یہی بات ہو گی، باقی چیزوں کی پروا وہ شاید نہ کرے۔ آخر آلہ دوسری بیوی ہو گیا کہلاتا آسان نہیں ہوتا۔"

فرقان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور میں چاہتا ہوں، وہ یہ بات محسوس کرے، سوچے، اس کے بارے میں..... ابھی تو کچھ بھی نہیں بکڑا، تم کہتے ہو وہ خوب صورت ہے، پڑھی لکھی ہے، اچھی فیکلٹی سے تعلق ہے اس کا۔"

فرقان نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

"ختم کرو اس موضوع کو سالار! تم کو اس سے جو کہنا ہے اسے جو سمجھانا ہے جا کر کہہ لینا....."

"میں اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

"میں سعید و اماں سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہیں اکیلے میں اس سے بات کروادیں گی۔"

فرقان نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ آدھ گھنٹہ میں سعید و اماں کے ہاں پہنچ گئے تھے۔ دروازہ سعید و اماں نے ہی کھولا تھا اور سالار اور فرقان کو کچھ کر وہ جیسے خوشی سے بے حال ہو گئی تھیں۔ وہ ان دونوں کو اپنی بیٹھک نما کمرے میں لے گئیں۔

"سعید و اماں! سالار، آؤ! تم سے نجائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

فرقان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ سعید و اماں کچھ انہیں۔

"کیسی باتیں؟" وہ اب سالار کی طرف دیکھ رہی تھیں جو خود بھی بیٹھنے کے بجائے فرقان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"میں چند باتیں، جو وہ اس سے کرنا چاہتا ہے مگر پریشانی والی کوئی بات نہیں۔" فرقان نے انہیں تسلی دی۔

سعید و اماں ایک بار پھر سالار کو دیکھنے لگیں۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"اچھا..... پھر تم میرے ساتھ آ جاؤ بیٹا! آؤ اندر ہے۔ اوھر آکر اس سے مل لو۔"

سعید و اماں کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئیں۔ سالار نے ایک نظر فرقان کو دیکھا پھر وہ خود بھی سعید و اماں کے پیچھے چلا گیا۔

بیٹھک بیرونی دروازے کے بائیں جانب تھی۔ دائیں جانب اوپر جانے والی سیڑھیاں تھیں۔ بیرونی دروازے سے کچھ آگے بالکل سامنے کچھ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد گھڑی کا ایک اور پرانی طرز کا بہت بڑا

دروازہ تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا اور وہاں سرخ اینٹوں کا بڑا وسیع صحن نظر آ رہا تھا۔

سعید و اماں کا رخ ان ہی سیڑھیوں کی طرف تھا۔ سالار ان سے کچھ قاصدے پر تھا۔ سعید و اماں اب

سیر حیاں چڑھ رہی تھیں۔ وہ جب سیر حیاں چڑھ کر محسن میں داخل ہو گئیں تو سالار بھی کچھ جھکتا ہوا سیر حیاں چڑھنے لگا۔

وہ سیر حیاں چڑھنے کے محسن کے اطراف دیواروں کے ساتھ کھارپاں بٹائی گئی تھیں جن میں لگے ہوئے سبز پودے اور پتیلیں سرخ ایشیوں سے بنی ہوئی دیواروں کے بیک گراؤ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ محسن کے ایک حصے میں دھوپ تھی اور دن کے اس حصے میں بھی دھوپ بہت حد تیز تھی۔ دھوپ نے سرخ رنگ کو کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔

آہستہ آہستہ سیر حیاں چڑھ کر سالار نے محسن میں قدم رکھ دیا اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ محسن کے دھوپ والے حصے میں رنگی چارپائی کے سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ شاید انجی چارپائی سے آتری تھی۔ اس کی پشت سالار کی طرف تھی۔ وہ سفید کرتے اور سیاہ شلوار میں ملبوس تھی اور ہانک لگی تھی۔ اس کی کمر سے کچھ اوپر اس کے سیاہ تھیلے بال لٹوں کی صورت میں اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا سفید روپے چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے کرتے کی آستینوں کو کنبیوں تک ڈال کر تھوڑے ہوئے سالار کی طرف مڑی تھی۔

سالار سانس نہیں لے سکا۔ اس نے زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی تھی یا پھر اسے اس لڑکی سے زیادہ خوب صورت کوئی نہیں لگا تھا۔ وہ یقیناً آمد تھی۔ اس گھر میں آمد کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ اس سے نظریں نہیں بناسکا۔ کسی نے اس کے دلی کو مٹھی میں لیا تھا۔ وہ حزن کی زندگی گزار رہا تھا۔ آستین ہونے والے آمد کی پہلی نظر سعید واماں

اس کے اور آمد کے درمیان بہت فاصلہ تھا۔ آستین ہونے والے آمد کی پہلی نظر سعید واماں پر پڑی۔

”سالار بیٹا آیا ہے۔“

سعید واماں بہت آگے بڑھ آئی تھیں۔ آمد نے گردن کو توڑ چھا کرتے ہوئے محسن کے دروازے کی طرف دیکھا۔ سالار نے اسے بھی مٹھکے دیکھا پھر وہ مڑی۔ اس کی پشت ایک بار پھر سالار کی طرف تھی۔ سالار نے اسے جھٹکے اور چارپائی سے روپے اٹھا لئے۔ وہ اپنے کو پیٹنے پر پھیلاتے ہوئے اس نے اس کے ایک پلے کے ساتھ اپنے سر اور پشت کو بھی دھانپ لیا تھا۔

سالار اب اس کی پشت پر بکھرے ہال نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اسے آمد کے اطمینان نے حیران کیا تھا۔ وہاں کوئی گھبراہٹ، کوئی جلدی، کوئی حیرانی نہیں تھی۔

سعید واماں نے مڑ کر سالار کو دیکھا پھر اسے دروازے میں ہی کھڑے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”اور سے بیٹا وہاں کیوں کھڑے ہو اندر آؤ۔ تمہارا پٹائی گھر ہے۔“

آمد نے دوپٹہ اوڑھنے کے بعد مڑ کر اسے ایک بار پھر دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پٹکیں چھپکائے بغیر وہ پٹخوہ ہے جس و حرکت۔

آمد کے چہرے پر ایک رنگ آکر مڑ گیا۔ وہ اب آگے آگیا تھا۔

”یہ آمد ہے، میری بیٹی۔“ سعید واماں نے اس کے قریب آنے پر تعارف کر دیا۔

”السلام علیکم! سالار نے آمد کو کہتے سنا۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اسے دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ تڑپ رہا تھا۔ آمد نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔

”سالار! تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔“

سعید واماں نے آمد کو بتایا۔

آمد نے ایک بار پھر سالار کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے ایک وقت نظریں نہائیں۔

آمد نے سعید واماں کو دیکھا اور سالار نے آمد کی کلائیوں تک مہندی کے نقش و نگار سے بھرے ہاتھوں کو۔

ایک دم اسے لگا کہ وہ اس لڑکی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

”سالار بیٹا! اندر کمرے میں چلتے ہیں۔ وہاں تم اطمینان سے آمد سے بات کر لینا۔“

سعید واماں نے اس بار سالار کو مخاطب کیا۔

سعید واماں کہتے ہوئے اندر پر آمد کے کی طرف بڑھیں۔ سالار نے آمد کو سر جھکائے ان کی پیروی کرتے دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا اسے اندر جاتا دیکھتا رہا۔ سعید واماں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔ آمد نے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑتے مڑتے اسے دیکھا۔ سالار نے برق رفتاری سے نظر جھکا لیا۔ آمد نے مڑ کر اسے دیکھا پھر شاید وہ حیران ہوئی۔ سالار اندر کیوں نہیں آ رہا تھا۔ سالار نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر جھکائے قدم آگے بڑھا دیئے۔ آمد کچھ مطمئن ہو کر مڑ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

سالار جب کمرے میں داخل ہوا تو سعید واماں پہلے ہی ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ آمد لائٹ آن کر رہی تھی۔ سالار کو دھوپ سے اندر آکر ٹھٹھکی کا احساس ہوا۔

”بیٹو بیٹا!“ سعید واماں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ سالار کرسی پر بیٹھ گیا۔ آمد انت آن کرنے کے بعد اس سے کچھ فاصلے پر ان کے بالفاظ ایک کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

سالار منتظر تھا کہ سعید واماں چند لمحوں میں وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں گی۔ فرقان نے واضح طور پر

انہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے جوابی میں بات کرنا چاہتا تھا، مگر چند لمحوں کے بعد سالار کو اندازہ ہو گیا کہ اس



کابہہ انتظار ہے کار تھا۔ وہ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ سالار تنہائی میں آمد سے ملنا چاہتا تھا یا پھر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ تنہائی صرف فرقان کی عدم موجودگی کے لئے تھی۔ سالار نے انہیں اس میں شامل نہیں کیا ہو گا پھر وہ ابھی سالار کو اتنا قابل اعتبار نہیں سمجھتی تھیں کہ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اکیلا چھوڑ دیتیں۔

سالار کو آخری اندازہ صحیح لگا۔ وہ اس سے جو کچھ اور جتنا کچھ کہنا چاہتا تھا، سعیدہ اماں کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا، وہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو کھٹکالنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ تو کہہ ہی تھا وہ کچھ نہیں ڈھونڈ سکا۔ اس کا ذہن خالی تھا۔

نیم تار ایک ٹنگل کمرے میں پائفل خاموشی تھی۔ وہ اب دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے فرش پر نظر میں جمائے ہوئے تھا۔

آمد نے کمرے میں کوئی فنیسی لائٹ روشن کی تھی۔ اونچی دیواروں والا فرنیچر سے بھرا ہوا دوسرا عرصہ کمرہ شاید ٹنگل روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ دروازے تھے اور تمام دروازے بند تھے۔ کمرے میں موجود واحد کھڑکی پر آمد نے کھلی تھی اور اس کے آگے پردے تھے۔ فرش کو بھاری بھر کم میروں نقش و نگار کے قالین سے ڈھکا گیا تھا اور فنیسی لائٹ کمرے کو چاروں طرف روشن کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

کم از کم کمرے میں سالار کو تاریکی ہی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ اس کے احساسات تھے یا پھر۔ مجھے اپنے opinion سے آج ضرور ملنا چاہئے۔ قریب کے ساتھ ساتھ شاید میری دور کی فکر بھی کمزور ہو گئی ہے۔

سالار نے مایوسی سے سوچا۔ سینئر ٹیمپل کے دوسری طرف بھی آمد کو وہ کچھ نہیں پاتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نظر قالین پر جمادی پھر اس نے ایک دم آمد کو اٹھتے دیکھا۔ وہ دیوار کے پاس جا کر کچھ اور لائٹس آن کر رہی تھی۔ کمرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں جھلکا اٹھا۔ فنیسی لائٹ بند ہو گئی۔ سالار حیران ہوا۔ آمد نے پہلے ٹیوب لائٹ آن کیوں نہیں کی تھی، پھر چونکہ اسے احساس ہوا وہ بھی خروں تھی۔

آمد دوبارہ پھر اس کے سامنے کاؤچ پر آکر نہیں بیٹھی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر سعیدہ اماں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس بار اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسی طرح قالین کو گھورتا رہا۔ سعیدہ اماں کا صبر بالآخر جواب دے گیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کھٹکال کر سالار کو متوجہ کیا۔

”مگر جی! وہ باتیں جو تم نے آمد سے تنہائی میں کرنی تھیں۔“

انہوں نے سالار کو بڑے پیار سے یاد دلایا۔

”اتنی دیر سے چپ بیٹھے ہو، میرا تو دل ہول رہا ہے۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیا، پھر سعیدہ اماں اور آمد کو باری باری دیکھا۔

”کچھ نہیں، میں اس انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔“

اس نے اپنے لہجے کو جتنی الامکان ہموار رکھتے ہوئے کہا۔ سعیدہ اماں کے چہرے پر بیاضیت آگئی۔

”قراٹنی سی بات تھی اور فرقان نے مجھے ذرا ہی دیا۔ ہاں ہاں ضرور دیکھو، کیوں نہیں۔ بیوی ہے تمہاری۔“ وہ اُنھ کو کھڑا ہو گیا۔

”آپ ان سے کہہ دیں کہ سامان پیک کر لیں، میں باہر انتظار کرتا ہوں۔“

دور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا سعیدہ اماں سے بولا۔ آمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعیدہ اماں بھی حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”مگر جی! تم تو صرف کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے اس سے، پھر رخصتی..... میرا مطلب ہے میں چاہتی تھی باقاعدہ رخصت کروں اور.....“

سالار نے نرمی سے سعیدہ اماں کی بات کاٹی۔

”آپ یہ سمجھ لیں کہ میں باقاعدہ رخصت کروانے کے لئے ہی آیا ہوں۔“

سعیدہ اماں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر یوں لیں۔

”ٹھیک ہے جی! تم اگر ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی کسی مگر انتظار کے لئے نہ کہ۔ چند گھنٹے ہی باقی ہیں، کھانا تو کھا کر جاؤ۔“

”نہیں، بیٹھے اور فرقان کو کچھ کام ہے۔ میں اسے صرف ایک گھنٹے کے لئے لے کر آیا تھا۔ دوبارہ دیر ڈکنا ممکن نہیں ہے میرے لئے۔“ وہ کھڑے کھڑے کہہ رہا تھا۔

”لیکن اماں! مجھے تو سامان پیک کرنے میں بہت دیر لگے گی۔“

آمد نے وہیں کرسی پر بیٹھتے ہوئے پہلی بار ساری گفتگو میں حصہ لیا۔ سالار نے مڑ کر اسے دیکھے بغیر سعیدہ اماں سے کہا۔

”سعیدہ اماں! آپ ان سے کہیں یہ آرام سے بیٹنگ کر لیں، میں باہر انتظار کروں گا۔ جتنی دیر یہ چاہیں۔“

وہ اب کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فرقان نے حیرانی سے سالار کو دیکھا۔ وہ بیٹنگ میں داخل ہو رہا تھا۔

”تم اتنی جلدی واپس آگئے، میں تو سوچ رہا تھا کہ تم خاصی دیر کے بعد واپس آؤ گے۔“

سالار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بیٹھ گیا۔

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"خیریت ہے۔"

"ہاں۔"

"آمنہ سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"چلیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں آمنہ کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔"

"کیا؟" فرقان بھونچکا رہ گیا۔

"تم تو اس سے بات کرنے کے لئے آئے تھے۔"

سالار جواب دینے کے بجائے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ یک دم دشمنی کا کیوں سوچ لیا؟"

"نہیں سوچ لیا۔"

اس بار فرقان نے اسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

☆.....☆.....☆

وہ گھٹنے کے بعد آمنہ جب فرقان اور سالار کے ساتھ سالار کے غلیٹ پر پہنچی تھی، تب افطار میں زیادہ وقت نہیں تھا۔ سالار نے افطاری کا سامان راستے سے لے لیا تھا۔ فرقان ان دونوں کو افطاری کے لئے اپنے غلیٹ پر لے جانا چاہتا تھا مگر سالار اس پر رضامند نہیں ہوا۔ فرقان نے اپنی بیوی کو بھی سالار کے غلیٹ پر بلوایا۔

افطاری کے لئے ٹھیل فرقان کی بیوی نے ہی تیار کیا تھا۔ آمنہ نے مدد کرنے کی کوشش کی تھی جسے فرقان اور اس کی بیوی نے رد کر دیا۔ سالار نے مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ موبائل لے کر بالکونی میں بیٹھا۔ کہا۔ اذان میں بیٹھے کھڑکیوں کے عیشوں کے پار آمنہ نے اسے بالکونی میں ٹھیلے موبائل پر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

اس نے معیہ ہالماں کے گھر سے اپنے غلیٹ تک ایک بار بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ یہ صرف فرقان تھا جو وہ قافو کتا سے مخاطب کرتا تھا اور اب بھی یہی ہو رہا تھا۔

سالار نے دو خاموشی افطار کی میز پر بھی نہیں توڑی۔ فرقان اور اس کی بیوی ہی آمنہ کو مختلف چیزیں سرہ کرتے رہے۔ آمنہ نے اس کی خاموشی اور سرد مہری کو محسوس کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

افطار کے بعد وہ فرقان کے ساتھ مغرب کی نماز کے لئے نکل آیا تھا۔ فرقان کو مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد باہر چل جانا تھا۔

مسجد سے نکل کر فرقان کے ساتھ کار پارکنگ کی طرف آتے ہوئے فرقان نے اس سے کہا۔

"تم بہت زیادہ خاموش ہو۔" سالار نے ایک نظر اسے دیکھا مگر کچھ کہے بغیر چل پڑا۔

"کیا تمہیں کچھ کہنا نہیں ہے؟"

وہ مسلسل اس کی خاموشی کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

مغرب کے وقت ہی دھند مودار ہونے لگی تھی۔ ایک گھر اس اس کے گراس نے فرقان کو دیکھا۔

"نہیں، مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

چند لمبے ساتھ چلنے کے بعد فرقان نے اسے بتاتے سنا۔

"میں آج کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں ہوں۔"

فرقان کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔ ساتھ چلتے چلتے اس نے سالار کا کندھا چھو لیا۔

میں تمہارے احساسات سمجھ سکتا ہوں لیکن زندگی میں یہ سب ہو چکا ہے، تم امام کے لئے جو

کچھ کر سکتے تھے تم نے کیا۔ جتنا دھتکار کر سکتے تھے تم نے کیا۔ آٹھ نو سال کم نہیں ہوتے۔ اب تمہاری

قسمت میں اگر یہی لڑکی ہے تو ہم یا تم کیا کر سکتے ہیں۔"

سالار نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس گھر میں آپا امام کا مقدر نہیں تھا۔ آمنہ کا مقدر تھا۔ سو وہ آگئی۔ اس سے نکاح ہوئے سات

دن ہوئے ہیں اور آج بھی دن وہ یہاں ہے۔ امام کے ساتھ نکاح کو نو سال ہونے والے ہیں اور وہ آج

تک تمہارے پاس نہیں آسکی۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ امام تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔"

وہ پوری دلچسپی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہاری بہت ساری خواہشات ہوئی ہیں۔ بعض خواہشات اللہ پوری کر رہا ہے، بعض نہیں کرتا۔

ہو سکتا ہے امام کے نہ ملنے میں تمہارے لئے بہتری ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ نے تمہیں آمنہ ہی کے لئے رکھا

ہو۔ ہو سکتا ہے آج سے چند سال بعد تم اسی بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکو۔"

وہ دونوں اب پارکنگ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان کی گاڑی شریعہ میں ہی کھڑی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جس کی ہر خواہش پوری ہو، جس نے جو چاہا ہو



پالیا ہو پھر شکوہ کس بات کا۔ آمنت کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔

دو دونوں اب گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان نے ذرا نیچے سیٹ کا دروازہ کھول دیا مگر بیٹے سے پہلے اس نے سالار کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے باری باری اس کے دونوں گالوں کو نرمی سے چوما۔

”تھیں یہی یاد رکھنا چاہئے کہ تم نے ایک نیکی کی ہے اور اس نیکی کا اجر اگر تمہیں یہاں نہیں ملے گا تو اگلی دنیا میں مل جائے گا۔“

دو اب سالار کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار سر کو ہلکا سا خم کرتے ہوئے تھوڑا سا مسکرایا۔

فرقان نے ایک گہرا سانس لیا۔ آج کے دن یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اس نے سالار کے چہرے پر دیکھی تھی۔ اس نے خود بھی مسکراتے ہوئے سالار کی پشت پیچھا کیا اور ذرا نیچے سیٹ پر بیٹھ گیا۔

سالار نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ فرقان انٹیشن میں چابی لگا رہا تھا۔ جب اس نے سالار کو کھڑکی کا شیشہ اٹکی سے بجاتے دیکھا۔ فرقان نے شیشہ نیچے کر دیا۔

”تم کہہ رہے تھے کہ تم نے آج تک کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا جس نے جس چیز کی بھی خواہش کی ہو اسے مل گئی ہو۔“

سالار کھڑکی پر جھکے پر سکون آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ فرقان نے ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بے حد پر سکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

”پھر تم مجھے دیکھو کیونکہ میں وہ انسان ہوں، جس نے آج تک جو بھی چاہا ہے اسے وہ مل گیا ہے۔“

فرقان کو لگا اس کا ذہن غم کی وجہ سے متاثر ہو رہا تھا۔

”جسے تم میری نیکی کہہ رہے ہو وہ دراصل میرا ”اجر“ ہے جو مجھے زمین پر ہی دے دیا گیا ہے۔ مجھے آخرت کے انتظار میں نہیں رہنا پڑا اور میرا مقدر آج بھی وہی ہے جو نو سال پہلے تھا۔“

وہ ظہیر ظہیر کر گہری آواز میں کہہ رہا تھا۔

”مجھے وہی صورت دی گئی ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی، امام باہم اس وقت میرے گھر پہنچے۔“

فرقان دم بخود رہ جاتے ہوئے اس کی پشت دیکھتا رہا۔ وہ کیا کہہ کر گیا تھا اس کی کچھ میں نہیں آیا۔

”شاید میں ٹھیک سے اس کی بات نہیں سن پایا۔۔۔ یا پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔ یا پھر شاید اس نے مہر کر لیا ہے۔۔۔ امام باہم۔۔۔“ سالار اب بہت دور نظر آ رہا تھا۔

## باب ۹

لاہور پہنچنے کے بعد اس کے لئے اگلا مرحلہ کسی کی مدد حاصل کرنے کا تھا مگر کس کی؟ وہ ہاشم نہیں جاسکتی تھی۔ وہ جو یہ اور باقی لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ اس کے گھر والے اس کی دوستوں سے واقف تھے اور چند گھنٹوں میں وہ اسے لاہور میں ڈھونڈنے والے تھے، بلکہ ہو سکتا تھا اب تک اس کی تلاش شروع ہو چکی ہو اور اس صورت حال میں ان لوگوں سے رابطہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس کے لئے صبیحہ کی صورت میں واحد آپشن رہ جاتا تھا، مگر وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ وہ ابھی پشاور سے واپس آئی تھی یا نہیں۔

صبیحہ کے گھر پر ملازم کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ ابھی پشاور میں ہی تھے۔

”واپس کب آئیں گے؟“ اس نے ملازم سے پوچھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر ایک دو دن تک آ جائیں گے۔“ اس نے امام کو بتایا۔

"کیا آپ کے پاس وہاں کا فون نمبر ہے؟" اس نے قدرے مایوسی کے عالم میں پوچھا۔

"جی، وہاں کا فون نمبر میرے پاس ہے۔" ملازم نے اس سے کہا۔

"وہ آپ مجھے دے دیں۔ میں فون پر اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اسے کچھ تسلی ہوئی۔ ملازم اسے اندر لے آیا۔ ڈرائنگ روم میں اسے بتایا کہ اس نے وہ نمبر لادیا۔

اس نے موبائل پر وہی پیسے پیسے سمیٹ کر رنگ کیا۔ فون پشاور میں گھر کے کسی فرد نے اٹھایا تھا اور اسے بتایا کہ سمیٹر باہر لگی ہوئی ہے۔

امامہ نے فون بند کر دیا۔

"سمیٹر سے میری بات نہیں ہو سکی۔ میں کچھ دیر بعد اسے دوبارہ فون کروں گی۔" اس نے پاس بکھڑے ملازم سے کہا۔

"تھپ تھپ میں بیٹھیں بیٹھوں گی۔"

ملازم سر جاتے ہوئے چلا گیا۔ اس نے ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ سمیٹر کو فون کیا۔ وہ اس کی کال پر حیران تھی۔

اس نے اسے مختصر طور پر اپنا گھر چھوڑ آنے کے بارے میں بتایا۔ اس نے اسے سالار سے اپنے گھر کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی سمیٹر اس سارے معاملے کو کس طرح دیکھے گی۔

"امامہ! تمہارے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اس معاملے میں کورٹ سے رابطہ کرو۔ تبدیلی مذہب کے حوالے سے یہ دو ٹوک بات ہے۔" سمیٹر نے اس کی ساری گفتگو سننے کے بعد کہا۔

"میں یہ کرنا نہیں چاہتی۔"

"کیوں؟"

"سمیٹر! میں پہلے ہی اس مسئلے کے بارے میں بہت سوچ چکی ہوں۔ تم میرے باپ کی پوزیشن اور اثر و رسوخ سے واقف ہو۔ پریس کو طوفان اٹھا دے گا۔ میری فیملی کو بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں یہ تو نہیں چاہتی کہ میرے گھر پر جھراؤ ہو، میری وجہ سے میرے گھر والوں کی زندگی کو خطرہ ہو اور آج تک انسانی لوگوں نے اسلام قبول کر کے کورٹ پر دیکھیں لینے کی کوشش کی ہے ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کورٹ وہاں ایمان بھگوا دیتی ہے۔ وہ جیل بھجوانے کے مترادف ہے۔ کیس کا فیصلہ کتنی دیر تک ہو، کچھ پتا نہیں۔"

گھر والے ایک کے بعد ایک کیس فائل کر رہے ہیں۔ کتنے سال اس طرح گزر جائیں، کچھ پتا نہیں جو تاگر کسی کو کورٹ آزاد رہنے کی اجازت دے دے بھی دے تو وہ لوگ اسے مسئلہ کھڑے کرتے رہتے ہیں کہ بہت ساری لوگیاں واپس گھر والوں کے پاس چلی جاتی ہیں۔ میں تو دارالامان میں اپنی زندگی

برپا کرنا چاہتی ہوں۔ یہی لوگوں کی نظروں میں آنا چاہتی ہوں۔ میں نے خاموشی کے ساتھ گھر چھوڑا ہے اور میں اسی خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ سکتی ہوں امامہ! لیکن مسائل تو تمہارے لئے ابھی بھی کھڑے کئے جائیں گے۔ وہ تمہیں تلاش کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا زور لگا دیں گے اور ان لوگوں کے لئے مسائل پیدا ہوں گے جو تمہیں بنا دیں گے اور وہ جب تمہیں دھمکا کر شروع کر دیں گے تو مجھ تک پہنچنا تو ان کے لئے بہت آسان ہو گا۔ تمہاری مدد کر کے ہمیں بہت خوشی ہو گی مگر میرے ابو بچا چاہیں گے کہ مدد چھپ کر کرنے کے بجائے کھل کر کی جائے اور کورٹ اس معاملے میں یقیناً تمہارے حق میں اپنا فیصلہ دے گا۔ تم ابھی میرے گھر پر ہی رہو۔ میں اس بارے میں ملازم کو کہہ دیتی ہوں اور آج ہی اپنے ابو سے بات کرتی ہوں ہم کوشش کریں گے، کل لاہور واپس آجائیں۔"

امامہ نے ملازم کو بلا کر فون اس کے حوالے کر دیا۔ سمیٹر نے ملازم کو کچھ ہدایات دیں اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

"میں سمیٹر بی بی کا کمرہ کھول رہا ہوں، آپ وہاں چلی جائیں۔" ملازم نے اس سے کہا۔

وہ سمیٹر کے کمرے میں چلی آئی مگر اس کی تنہا لیش اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سمیٹر کے نقطہ نظر کو سمجھ سکتی تھی۔ وہ یقیناً یہ نہیں چاہتی تھی کہ خود سمیٹر اور اس کی فیملی پر کوئی مصیبت آئے۔ اس معاملے میں سمیٹر کے اندیشے درست تھے۔ اگر باشم نہیں کو یہ پتا چل جائے کہ اسے سمیٹر کی فیملی نے بنا دی تھی تو وہ ان کے چالی دشمن بن جاتے۔ شاید اس لئے سمیٹر نے اس سے قانون کی مدد لینے کے لئے کہا تھا مگر یہ راستہ اس کے لئے زیادہ دیر خواہ تھا۔

جماعت کے اتنے بڑے لیڈر کی بیٹی کا اس طرح مذہب چھوڑ دینا پوری جماعت کے مد پر طمانچہ کے مترادف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سے پورے ملک میں جماعت اور خود ان کے خاندان کو کتنی ذک پہنچے گی اور وہ اس بے عزتی سے بچنے کے لئے کس حد تک جاسکتے تھے، امامہ چاہتی نہیں تھی، مگر اندازہ کر سکتی تھی۔

وہ سمیٹر کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی جب اس کے ذہن میں ایک جھماکے کے ساتھ سیدہ مریم جیٹلی کا خیال آیا تھا۔ وہ سمیٹر کی دوست اور کلاس فیلو تھی۔ وہ اس سے کئی بار ملتی رہی تھی۔ ایک بار سمیٹر کے گھر پر ہی مریم کو اس کے قبول اسلام کا پتا چلا تھا۔ وہ شاید سمیٹر کی واحد دوست تھی جسے سمیٹر نے امامہ کے بارے میں بتا دیا تھا اور مریم بہت حیران نظر آتی تھی۔

"تمہیں اگر کبھی میری کسی مدد کی ضرورت ہوئی تو مجھے ضرور بتانا بلکہ بلا جھجک میرے پاس آجانا۔"



اس نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ امام سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ بعد میں بھی امام سے ہونے والی ملاقاتوں میں وہ ہمیشہ اس سے اسی گرم جوشی کے ساتھ ملتی رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے اس کا کیوں خیال آیا تھا وہ کس حد تک اس کی مدد کر سکتی تھی مگر اس وقت اس نے اس سے بھی رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے موبائل سے فون کرنا چاہا مگر موبائل کی بٹری ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اسے دی چارج کرنے کے لئے لگا پایا وہ خود لاؤنچ میں آکر اپنی ڈائری سے مریم کا نمبر نکال کر فون کرنے لگی۔

فون ڈاکٹر سیٹ علی نے اٹھایا تھا۔

"میں مریم سے بات کرنا چاہتی ہوں، میں ان کی دوست ہوں۔"

اس نے اپنا شمارف کروایا۔ اس نے پہلی بار مریم کو فون کیا تھا۔

"میں بات کروا رہی ہوں۔" انہوں نے فون ہولڈر کھینچے گا کہا۔ کچھ سیکنڈز کے بعد امام نے دوسری

طرف مریم کی آواز سنی۔

"ہیلو۔۔۔"

"ہیلو مریم! میں امام سے بات کر رہی ہوں۔"

"امام۔۔۔ امام ہاشم؟" مریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ اسے اپنے بارے میں بتاتی گئی۔ دوسری طرف عمل خاموشی تھی جب اس نے بات ختم کی تو مریم نے کہا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں صبیحہ کے گھر پر ہوں، مگر صبیحہ کے گھر کوئی نہیں ہے۔ صبیحہ پتھر میں ہے۔"

اس نے صبیحہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں اسے نہیں بتایا۔

"تم وہیں دو۔ میں ڈرائیور کو بھیجواؤں۔ تم اپنا سامان لے کر اس کے ساتھ آ جاؤ۔۔۔ میں

اتنی دیر میں اپنی ای ڈرائیور سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ اس نے ڈاکٹر سیٹ علی کے گھر کی جانے والی کال سالار کے موبائل سے نہیں کی تھی ورنہ سکندر عثمان ڈاکٹر سیٹ علی کے گھر بھی پہنچ جاتے اور اگر امام کو یہ خیال آ جاتا کہ وہ موبائل کے بل سے اسے فیس ڈاکٹ کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ لاہور آکر ایک بار بھی موبائل استعمال نہ کرتی۔

یہ ایک اور اتفاق تھا کہ ڈاکٹر سیٹ علی نے اپنے آفس کی گاڑی اور ڈرائیور کو اسے لینے کے لئے بھیجا لیا تھا ورنہ صبیحہ کا ملازم مریم کی گاڑی اور ڈرائیور کو بھیجا لیتا کیونکہ مریم اکثر وہیں آیا کرتی تھی اور

صبیحہ کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی یہ جان جاتے کہ وہ صبیحہ کے گھر سے کہاں گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آدھ گھنٹہ کے بعد ملازم نے ایک گاڑی کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

"کیا آپ جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"مگر صبیحہ بی بی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ یہاں رہیں گی۔"

"نہیں۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔۔۔ اگر صبیحہ کا فون آئے تو آپ اسے بتادیں کہ میں پہلی گئی ہوں۔"

اس نے دانستہ طور پر اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ مریم کے گھر جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ پہلی بار مریم کے گھر گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے وہاں جا کر ایک بار پھر مریم اور اس کے والدین کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا پڑے گا۔ وہ ذہنی طور پر خود کو سوالوں کے لئے تیار کر رہی تھی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

"ہم لوگ تو ناشتہ کر چکے ہیں تم ناشتہ کرو۔"

مریم نے پورچ میں اس کا استقبال کیا تھا اور اسے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ اندر لاؤنچ میں ڈاکٹر سیٹ علی اور ان کی بیوی سے اس کا تعارف کروایا گیا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ امام کے چہرے پر اتنی سرگرمی اور پریشانی تھی کہ ڈاکٹر سیٹ علی کو اس پر ترس آیا۔

"میں کھانا لگواتی ہوں۔ مریم تم اسے اس کا کمرہ دکھا دو۔۔۔ تاکہ یہ کپڑے بیچ کر لے۔" سیٹ علی کی بیوی نے مریم سے کہا۔

وہ جب کپڑے بدل کر آئی تو ناشتہ لگ چکا تھا۔ اس نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔

"امام! اب آپ جا کر سو جائیں۔ میں آفس جا رہی ہوں، شام کو وہاں پریم آپ کے مسئلے پر بات کریں گے۔"

ڈاکٹر سیٹ علی نے اسے ناشتہ ختم کرتے دیکھ کر کہا۔

"مریم! تم اسے کمرے میں لے جاؤ۔" وہ خود لاؤنچ سے نکل گئے۔

وہ مریم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"امام! اب تم سو جاؤ۔ تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تم پچھلے کئی گھنٹوں سے نہیں سو سکی۔

عام طور پر تھکن اور پریشانی میں نیند نہیں آتی اور تم اس وقت اس کا شکار ہو گی۔ میں تمہیں کوئی ٹیبلٹ لا کر دیتی ہوں اگر نیند آگئی تو ٹھیک ہے ورنہ ٹیبلٹ لے لینا۔"

دوسرے سے باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد اس کی دادیسی ہوئی، پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ پیڑا ہڈی نکل پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

”تم بالکل ریشمیں ہو کر سو جاؤ۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سمجھو کہ تم اپنے گھر میں ہو۔“ وہ کمرے کی لائٹ آف کرتی ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے مگر ابھی تک باہر بہت دھند تھی اور کمرے کی کڑکیوں پر دے ہونے کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ اس نے کسی معمول کی طرح ٹیبلٹ پانی کے ساتھ نگلی لی۔ اس کے بغیر غنڈ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ذہن میں اسے بہت سے خیالات آ رہے تھے کہ بیل پر لپٹ کر غنڈ کا انتظار کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے اپنے احتساب پر ایک ٹیبلٹ کا دھاری ہوئی ٹیبلٹیں کیں۔

☆ ☆ ☆

وہ جس وقت وہ بارہوا غلی اس وقت کمرہ مکمل طور پر تاریک ہو چکا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر درجاری طرف گئی اور اس نے لائٹ جلا دی، وال کا کاک رات کے ساڑھے گیارہ بج رہا تھا۔ وہ فوری طور پر اندازہ نہیں کر سکی کہ یہ اتنی لمبی ٹیبلٹ کا اثر تھی یا پھر پچھلے کئی دنوں سے صبح طور پر نہ سو سکتے کی۔

”جو کچھ بھی تھا وہ صبح سے بہت بہتر حالت میں تھی۔ اسے بے حد بھوک لگ رہی تھی، مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ گھر کے افراد اس وقت جاگ رہے ہوں گے یا نہیں۔ بہت آنکلی سے وہ دروازہ کھول کر لاؤنج میں نکل آئی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور اسے دیکھ کر مسکرائے۔

”ابھی خند آئی؟“ وہ بڑی ہنست سے بولے۔

”جی.....؟“ اس نے مسکرائے کی کوشش کی۔

”اب ایسا کریں کہ دوسرے کچن ہے، وہاں چلی جائیں۔ کھانا کھا لیں۔ گرم کریں۔ وہاں نکل کر

نئی کھالیں اس کے بعد چائے کے دو کپ بنا لیں اور یہاں آ جائیں۔“

وہ چمکے بغیر کچن میں چلی گئی۔ فریج میں دیکھا اور کھانا نکال کر اس نے گرم کیا اور کھانے کے بعد چائے کے دو گلاس پینے لگی۔ چائے کا ایک کپ بنا کر اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کو دیا۔

وہ کتاب میز پر رکھ چکے تھے۔ دوسرا کپ لے کر وہ ان کے بالماٹیل دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اندازہ کر چکی تھی کہ وہ اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے۔

”چائے بہت اچھی ہے۔“

انہوں نے ایک سب سے لے کر مسکراتے ہوئے کہا اور اچھی تروس تھی کہ ان کی تعریف پر مسکرائیں۔

شکر ادا کر سکی۔ وہ صرف انہیں دیکھتی رہی۔

”امامہ! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی دیر رائے نہیں ہو سکتی مگر فیصلہ بہت بڑا ہے اور اسے بڑے فیصلے کرنے کے لئے بہت بہت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اسی تم عمری میں، مگر بعض دفعہ فیصلے کرنے کے لئے اتنی جرأت کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی ان پر قائم رہنے کے لئے ہوتی ہے۔ آپ کو کچھ عرصہ بعد اس کا اندازہ ہو گا۔“

وہ بڑے غم سے ہونے لپچے میں کہہ رہے تھے۔

”میں آپ سے یہ جانتا چاہتا ہوں کہ کیا مذہب کی تبدیلی کا فیصلہ صرف مذہب کے لئے ہے یا کوئی اور وجہ بھی ہے۔“

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”میرا خیال ہے مجھے زیادہ واضح طور پر یہ سوال پوچھنا چاہئے کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کسی لڑکے میں دلچسپی رکھتی ہیں اور اس کے کہنے پر یا اس کے لئے آپ نے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کیا ہو یا مذہب بدلنے کا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ یہ مت سوچنا کہ اگر ایسی کوئی وجہ ہوگی تو میں آپ کو برا سمجھوں گا یا آپ کی مدد نہیں کروں گا۔ میں یہ صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اگر ایسا ہو تو پھر مجھے اس لڑکے اور اس کے گھر والوں سے بھی ملنا ہو گا۔“

ڈاکٹر سیٹھ علی سوالی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت امامہ کو پہلی بار مریم سے اتنی دیر سے رابطہ کرنے پر حیرت آ رہی تھی کہ سالار کے بوائے ڈاکٹر سیٹھ علی، جلال سے یا اس کے گھر والوں سے بات کرتے تو شاید۔ ”اس نے پوچھنا دل سے لگی میں سر ہلا دیا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”میں آپ کو واقعی یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے؟“ انہوں نے ایک بار پھر پر سکون انداز میں اس سے کہا۔

”جی۔۔۔ میں نے اسلام کسی لڑکے کے لئے قبول نہیں کیا۔“ وہ اس بار جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ اس نے اسلام واقعی جلال العصر کے لئے قبول نہیں کیا تھا۔

”پھر آپ کو یہ اندازہ ہونا چاہئے کہ آپ کو کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”مجھے اندازہ ہے۔“

”آپ کے والد باغی عین صاحب سے میں واقف ہوں۔ جماعت کے بہت سرگرم اور بار سوشل لیڈر ہیں اور آپ کا ان کے مذہب سے تائب ہو کر اس طرح گھر سے چلے آجانے کے لئے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔ آپ کو ڈھونڈنے اور واپس لے جانے کے لئے وہ زمین آسمان ایک کر دیں گے۔“



"مگر میں کسی بھی قیمت پر واپس نہیں جاؤں گی۔ میں نے بہت سوچ بچ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"مگر آپ نے مجھ کو دیا ہے۔ اب آپ آگے کیا کریں گی؟" امام کو اندیشہ ہوا کہ وہ اسے کورٹ میں جانے کا مشورہ دیں گے۔

"میں کورٹ میں نہیں جاؤں گی۔ میں کسی کے بھی سامنے آنا نہیں چاہتی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سامنے آکر میرے لئے بہت زیادہ مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"پھر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟" انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سامنے نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میڈیکل کالج میں اپنی اسٹڈیز جاری نہیں رکھ سکیں گی۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"میں ایسے بھی خود تو میڈیکل کی تعلیم انور ذکر بھی نہیں سکتی۔"

"اور اگر کئی دوسرے میڈیکل کالج میں کسی دوسرے شہر یا صوبے میں آپ کی مانڈیشن کروادی جائے تو؟"

"نہیں، وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ ان کے ذہن میں بھی سب سے پہلے یہی آئے گا کہ میں مانڈیشن کروانے کی کوشش کروں گی اور اسے تھوڑے سے میڈیکل کالج میں مجھے ڈھونڈنا بہت آسان کام ہے۔"

"پھر.....؟"

"میں بی ایس سی میں کسی کالج میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں مگر کسی دوسرے شہر میں..... لاہور میں وہ ایک ایک کالج چھانداریں گے اور میں اپنا نام بھی بدلوانا چاہتی ہوں..... اگر آپ ان دونوں کاموں میں میری مدد کر سکیں تو میں بہت آسان مند رہوں گی۔"

ڈاکٹر سیٹھ علی بہت دیر خاموش رہے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ پھر انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"امام! اب بھی کچھ عرصہ آپ کو سہل دینا چاہئے، پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش میں کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ چند ہفتے انتظار کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں آگے کیا کرنا ہے۔"

آپ اس گھر میں بالکل محفوظ ہیں۔ آپ کو اس حوالے سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کورٹ میں نہیں جانا چاہئیں؟ میں آپ کو اس کے لئے مجبور بھی نہیں کروں گا اور آپ کو یہ ذہن نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی یہاں تک آجائے گا یا آپ کو زبردستی یہاں سے لے جائے گا۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی کسی بھی طرح کی زبردستی نہیں کر سکتا۔"

انہوں نے اس رات اسے بہت سی تسلیاں دی تھیں۔ اسے ڈاکٹر سیٹھ علی کی شکل دیکھ کر بے اختیار ہاشم بینک یاد آتے رہے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرے دن ڈاکٹر سیٹھ علی شام پانچ بجے کے قریب اپنے آفس سے آئے تھے۔

"صاحب آپ کو اپنی اسٹڈی میں بارہے ہیں۔"

وہ اس وقت مریم کے ساتھ کچن میں تھی جب ملازم نے آکر اسے پیغام دیا۔

"آؤ امام! بیٹھو!" اسٹڈی کے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہونے پر ڈاکٹر سیٹھ علی نے

اس سے کہا وہ اپنی ٹیبل کی ایک دروازے سے کچھ ہچکر نکال رہے تھے وہ وہاں رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آج میں نے کچھ معلومات کروائی ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش

میں کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔"

انہوں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سارا سکندر کوئی ہے؟"

ان کے اگلے سوال نے اس کے دل کی دھڑکن کو چند لمحوں کے لئے روک دیا تھا۔ وہ اب کرسی پر

بیٹھی اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے کی فٹ ہوتی ہوئی رنگت نے انہیں یہ بتا دیا کہ وہ نام امام کے لئے رنجی نہیں تھا۔

"سارا! ہمارے ساتھ..... والے..... گھر..... میں..... رہتا..... ہے۔" اس نے اچھٹے ہوئے کہا۔

"اس نے میری بہت مدد کی ہے۔ گھر سے نکلنے میں..... اسلام آباد سے لاہور مجھے وہی پھوڑ کر گیا تھا۔"

وہ دانش زک مئی۔

"میں اس کے ساتھ کالج کے بارے میں بھی بتانا چاہئے؟" وہ کوٹھ میں تھی۔

"آپ کے والد نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے، آپ کو اغوا کرنے کے الزام میں۔"

امام کے چہرے کی رنگت اور زرد ہو گئی۔ اسے تو یقین نہیں تھی کہ سارا سکندر اتنی جلدی پکڑا جائے

پکارا اب اس کے گھر والے یقیناً جلال الصرک بھی پہنچ جائیں گے اور وہ کالج اور اس کے بعد کیا وہ یہاں آجائیں گے۔

"کیا وہ پکڑا گیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"نہیں..... یہ ٹریس آؤٹ کر لیا گیا تھا کہ وہ اس رات کسی لڑکی کے ساتھ لاہور تک آیا تھا لیکن

اس کا اصرار ہے کہ وہ آپ نہیں تھیں۔ کوئی دوسری لڑکی تھی۔ اس کی کوئی گرل فرینڈ..... اور اس نے اس

کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔"

ڈاکٹر سیٹھ علی نے دانستہ طور پر یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی کوئی طوائف تھی۔

”پولیس اسے گرفتار اس کے اپنے والد کی وجہ سے نہیں کر سکی۔ اس کے ثبوت دینے کے باوجود آپ کے گھر والوں کا بھی اصرار ہے کہ آپ کی گمشدگی میں وہی ملوث ہے۔ امامہ! کیا لڑکا ہے یہ سالار سکندر؟“

ڈاکٹر سیٹھ علی نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

”بہت برا۔“ بے اختیار امامہ کے منہ سے نکلا۔ ”بہت ہی برا۔“

”مگر آپ تو یہ کہہ رہی تھیں کہ اس نے آپ کی بہت مدد کی ہے۔ پھر۔“

”ہاں اس نے میری مدد کی ہے مگر وہ بہت بڑے کردار کا لڑکا ہے۔ میری مدد شاید اس نے اس لئے کی ہے کیونکہ میں نے ایک بار اسے فرسٹ ایڈ دی تھی۔ اس نے فوٹو انش کی کوشش کی تھی جب۔ اور شاید اس نے بھی اس نے میری مدد کی ہو کی کیونکہ میرا بھائی اس کا دوست ہے۔ ورنہ وہ بہت برا لڑکا ہے۔ وہ ذہنی مرعیش ہے۔ چار نہیں چُپ کر جاتی کرتا ہے۔ چُپ حرکتیں کرتا ہے۔“

امامہ کے ذہن میں اس وقت اس کے ساتھ کئے گئے سفر کی یاد تازہ تھی جس میں وہ پورا دستہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی رہی تھی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے سر ہلایا۔

”پولیس آپ کی فریڈز سے بھی پوچھ چکے ہیں اور صبر کے گھر تک بھی پولیس گئی ہے۔ صبر چٹاور سے۔ ایشی آنٹی ہے، مگر مریم نے صبر کو یہ نہیں بتایا کہ آپ ہمارے یہاں ہیں۔ آپ اب صبر سے رابطہ مت کریں۔ اسے فون بھی مت کریں کیونکہ ابھی وہ اس کے گھر کا اغراض آہر و پیشانی رکھیں گے اور فون کو بھی وہ خاص طور پر چیک کریں گے، بلکہ آپ اب کسی بھی وہ سست سے فون پر کالنگ مت کرنا نہ ہی یہاں سے باہر جانا۔“

انہوں نے اسے ہدایات دیں۔

”صبرے پاس موبائل ہے۔ اس پر بھی کالنگ نہیں کر سکتی؟“

وہ چونکے۔

”آپ کا موبائل ہے؟“

”نہیں، اسی لڑکے سالار کا ہے۔“

وہ سالار تک پہنچ گئے تو موبائل تک بھی پہنچ جائیں گے۔ ”وہ بات کرتے کرتے ذک کہ گئے۔“

”جو کال آپ نے ہمارے گھر کی تھی وہ اس موبائل سے کی تھی؟“ اس بار ان کی آواز میں کچھ تشویش تھی۔

”نہیں، وہ میں نے صبر کے گھر سے کی تھی۔“

”آپ اب اس موبائل پر دوبارہ کوئی کال کرنا نہ کال رہے ہو کرنا۔“ وہ کچھ مطمئن ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

اگلے کچھ دنوں میں اسے ڈاکٹر سیٹھ علی سے اس کی تلاش کے سلسلے میں اور خبریں موصول ہوتی رہی تھیں۔ ان کے ذرائع معلومات جو بھی تھے مگر وہ بے حد ہوشی تھے۔ اسے ہر جگہ ڈھونڈنا جاری رکھا۔ میڈیکل کالج، ہاسٹل، کلاس لیوڈ..... اسٹریٹ، روم سٹریٹ اور فریڈز..... ہاشم عین نے اسے ڈھونڈنے کے لئے نئے نئے کھسار انویس کیا تھا۔ میڈیا کی مدد لینے کا نتیجہ ان کے لئے ہر سو کی ثابت ہوتا۔ وہ جس حد تک اس کی گمشدگی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کر سکتے تھے کر رہے تھے، مگر وہ پولیس کی مدد حاصل کرنے ہوئے تھے۔ ان کی ہمت بھی اس سلسلے میں ان کی پارٹی مدد کر رہی تھی۔

دو لوگ صبر تک پہنچ گئے تھے مگر وہ یہ جان نہیں پاتے تھے کہ وہ انہوں نے آنے کے بعد اس کے گھر گئی تھی۔ شاید یہ صبر کے ان دنوں چٹاور میں ہونے کا نتیجہ تھا جن دنوں امامہ اپنے گھر سے ملی آئی تھی۔ ورنہ شاید صبر اور اس کے گھر والوں کو بھی کچھ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا۔

مریم نے صبر کو امامہ کی اپنے باں سوچو گی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس نے کھلی طور پر ان کا ہر کیا تھا جیسے امامہ کی اس طرح کی گمشدگی باقی اسٹوڈنٹس کی طرح اس کے لئے بھی حیران کن بات تھی۔

☆.....☆.....☆

چند دن بعد جاننے کے بعد جب امامہ کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر سیٹھ علی کے ہاں محفوظ ہے اور کوئی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو اس نے سالار سکندر کو فون کیا۔ وہ اس سے نکاح کے بچہ زلیخا چاہتی تھی اور جب پہلی بار یہ جان کر اس کے چہرے کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ سالار نے نہ تو طلاق کا حق اسے تفویض کیا تھا اور نہ ہی وہ اسے طلاق دینے کا کوئی ارادہ رکھتا تھا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کے گھر پہنچنے کے بعد اس نے پہلی بار موبائل کا استعمال کیا تھا اور وہ بھی کسی کو بتائے بغیر اور سالار سے فون پر بات کرنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا ثبوت سے احساس ہوا۔ اسے سالار جیسے شخص پر کبھی بھی اس حد تک اعتماد نہیں کرنا چاہئے تھا اور اسے بچہ زلیخا کو دیکھنے میں کتنا وقت لگ سکتا تھا جو اس نے انہیں دیکھنے سے اجتناب کیا اور پھر آخر اس نے بچہ زلیخا کی ایک کاپی فوری طور پر اس سے کیوں نہیں لی۔ کم از کم اس وقت جب وہ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔

اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شخص اس کے لئے کتنی بڑی مصیبت بن گیا تھا اور آئندہ آنے والے دنوں میں..... وہ اب ہر بات پر پہچتاری تھی۔ اگر اسے اندازہ ہو چکا کہ وہ ڈاکٹر سیٹھ علی جیسے آدمی کے پاس پہنچ جائے گی تو وہ کبھی بھی نکاح کرنے کی حماقت نہ کرے گی اور سالار جیسے آدمی کے ساتھ تو کبھی



بھی نہیں۔

اور اگر اسے یقین ہو تاکہ ڈاکٹر سیٹھ علی ہر حالت میں اس کی مدد کریں گے تو وہ کم از کم سالار کے بارے میں ان سے جھوٹ نہ بولتی پھر وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لینے و مگر اب جب وہ انہیں بڑے دعوے اور یقین کے ساتھ یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ کسی بھی طرح ان لوگوں کی جتنی تو اس کا کاشاف اور وہ بھی اس لڑکے کے ساتھ..... جس کی برائیوں کے بارے میں وہ ڈاکٹر سیٹھ علی سے بات کر چکی تھی اور جس کے بارے میں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امام کے والدین نے اس کے خلاف دعوہ کا کیس خالی کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگر اب ڈاکٹر سیٹھ علی کو یہ حقائق بتانے کی کوشش کرے گی تو ان کا رد عمل کیا ہو گا اور وہ کم از کم اس وقت وہ واحد لڑکا نہ کھانے کو ملے کے لئے تیار نہیں تھی۔

اگلے کئی دن اس کی بھوک پیاس بالکل ختم ہو گئی۔ "مستقبل یک دم جھوٹ بن گیا تھا اور سالار سکندر..... اسے اس شخص سے اتنی نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ اگر وہ اس کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے شرم کر دیتی۔ اسے عجیب عجیب خدشے اور اندیشے تنگ کرتے رہتے۔ پہلے اگر اسے صرف اپنے مگر والوں کا خوف تھا تو اب اس خوف کے ساتھ سالار کا خوف بھی شامل ہو گیا تھا اگر اس نے بھی میری تلاش شروع کر دی تو اور اس کے ساتھ ہی اس کی حالت خیر ہونے لگی۔

ان کا دروازہ پیک دم کم ہونے لگا تھا۔ وہ پہلے بھی خاموش رہتی تھی مگر اب اس کی خاموشی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ شدید ذہنی اور جسمانی تھک رہی تھی اور یہ سب کچھ ڈاکٹر سیٹھ علی اور ان کے گھر کے افراد سے پوشیدہ نہیں تھا۔ ان سب نے اس سے باری باری ان اچانک آنے والی تبدیلیوں کی وجہ جاننے کی کوشش کی لیکن وہ انہیں نالقی رہی۔

"تم پہلے بھی اس اور پریشان لگتی تھی مگر اب ایک دو ہفتے سے بہت زیادہ پریشان لگتی ہو۔ کیا پریشانی ہے امام؟"

سب سے پہلے مریم نے اس سے اس بارے میں پوچھا تھا۔

"نہیں، کوئی پریشانی نہیں۔ بس میں گھر کو مس کرتی ہوں۔"

امام نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں، میں یہ نہیں مان سکتی۔ آخر اب اچانک ان کیوں مس کرنے لگی انہیں کہ کھانا پینا بھول گئی ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے ہیں اور وزن کم ہوتا جا رہا ہے۔ کیا تم بیمار ہونا چاہتی ہو؟"

وہ مریم کی کہنی بوٹی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی بھی اس کی پریشانی کا اندازہ نہ کر سکتا تھا، شاید یہ اندازہ بھی کہ یہ پریشانی کسی نئے مسئلے کا نتیجہ

تھی مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھی۔ وہ سالار کے ساتھ ہونے والے ٹکان اور اس سے متعلقہ خدشات کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی تھی۔

"مجھے اب اپنے گھر والے زیادہ یاد آنے لگے ہیں۔ جوں جوں دن گزر رہے ہیں مجھے زیادہ یاد آ رہے ہیں۔"

امام نے مدغم آواز میں اس سے کہا اور یہ جھوٹ نہیں تھا، اسے واقعی اب اپنے گھر والے پہلے سے زیادہ یاد آنے لگے تھے۔

وہ کبھی بھی ان کا باعزتہ ان سے الگ نہیں رہی تھی اور وہ بھی عمل طور پر اس طرح کٹ کر۔ لاہور بائبل میں رہتے ہوئے بھی وہ مینیج میں ایک بار ضرور اسلام آباد جاتی اور ایک دو بار وہ سیم یا باغیم مین لاہور اس سے ملنے چلے آتے اور لون تو وہ اکثر ہی کرتی رہتی تھی مگر اب یک دم اسے یوں لگنے لگا جیسے وہ سندھ میں موجود کسی دیرینہ جڑ سے پر آن نہیں ہو۔ جہاں دور دور تک کوئی قاتل نہیں اور وہ پھر سے..... جن سے اسے سب سے زیادہ محبت تھی وہ خواہوں اور خیلوں کے علاوہ نظر آتی نہیں سکتے تھے۔ پتا نہیں مریم اس کے جواب سے مطمئن ہوئی یا نہیں مگر اس نے موضوع بدل دیا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو گا کہ اس طرح اس کا ذہن بٹ جائے گا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر سیٹھ علی کی تین بیٹیاں تھیں، مریم ان کی تیسری بیٹی تھی۔ ان کی بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی، جب کہ مریم ابھی سینہ بیکل کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے امام کو اپنی بڑی دونوں بیٹیوں سے بھی متعارف کر دیا تھا۔ وہ دونوں بیرون شہر متعمیم تھیں اور ان کا رابطہ زیادہ تر فون کے ذریعہ ہی ہو جاتا مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ امام کے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے دوران وہ دونوں باری باری کچھ دنوں کے لئے وہاں آئیں۔

امام سے ان کا رد یہ مریم سے مختلف نہیں تھا۔ ان کے رویے میں اس کے لئے محبت اور مانوسیت کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن امام کو انہیں دیکھ کر بیٹھ اپنی بڑی بیٹیوں یاد آ جاتی اور پھر جیسے سب کچھ یاد آ جاتا۔ اپنا گھر..... بابا..... بڑے بھائی..... و سیم..... اور سعد..... سعد سے اس کا کوئی غریبی رشتہ نہیں تھا۔ ان کی جماعت کے بااثر خاندان اپنے گھروں میں اولاد ہونے کے باوجود بے سہارا یا یتیم بچوں میں سے کسی ایک لڑکے کو گود لینے لگے تھے۔ یہ اپنی جماعت کے افراد کی مستقبل میں تعداد بڑھانے کے لئے کوششوں کا ایک ضروری حصہ تھی۔ ایسا بچہ ہمیشہ عام مسلمانوں کے بچوں میں سے ہی ہوتا اور ہمیشہ لڑکا ہوتا۔ سعد بھی اسی سلسلے میں بہت چھوٹی عمر میں اس کے گھر آیا تھا۔ وہ اس وقت اسکول کے آخری سالوں میں تھی اور اسے گھر میں ہونے والے اس عجیب افسانے نے کچھ حیران کیا تھا۔

"ہم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنے کے لئے سعد کو گود لیا ہے، چاکر ہم بھی دوسروں کو لوگوں پر احسانات کرئیں اور نیکی کا یہ سلسلہ جاری رہے۔"

اس کی امی نے اس کے اشتہار پر اسے تانا تھا۔

"تم سمجھو دو تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔"

تب اسے اپنے بابا و دادی پر بہت غر ہو ا تھا۔ وہ کہتے "عظیم لوگ تھے کہ ایک بے سہارا بچے کو اچھی زندگی دینے کے لئے گھر لے آئے تھے، اسے اپنا نام دے رہے تھے۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے ساتھ بانٹ رہے تھے۔ اس نے جب غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہی ایک بچہ اس کے تاپا ا عقلم کے گھر پر بھی کیوں تھا۔ ایسا ہی ایک بچہ اس کے چھوٹے چچا کے گھر پر کیوں تھا؟ ایسے ہی بہت سے دوسرے بچے ان کے جانتے، اگلے کچھ اور بااثر خاندانوں کے گھر پر کیوں تھے؟ اس کے لئے میں بھی کافی تھا کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے تھے۔ ان کی بنیاد امت ایک "اچھے کام" کی ترہ بنا کر رہی تھی۔ یہ اس نے بہت بعد میں جانا تھا کہ اس "اچھے کام" کی حقیقت کیا تھی؟

سعد اس سے بہت باتوں تھا۔ اس کا زیادہ وقت امام کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ شروع کے کئی سال امام کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ہی سوتا رہا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد میڈیکل کالج سے وہ سب بھی اسلام آباد آئی وہ۔ سعد کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتاتی رہتی۔ وہ اکتا چھوٹا تھا کہ کسی چیز کو منطقی طریقے سے نہیں سمجھایا جاسکتا تھا مگر وہ اس سے صرف ایک بات کہتی رہی۔

"جیسے اللہ ایک ہو تب اسی طرح تمام سے تغیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک ہی ہیں۔ ان سا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

وہ اسے ساتھ یہ تاکید بھی کرتی رہتی کہ وہ ان دونوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں کچھ کو بھی نہیں بتائے اور امام یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی یہ کوشش بے کار تھی۔ سعد کو بچپن ہی سے مذہبی اجتماعات میں لے جایا جانے لگا تھا اور وہ اس اثر کو قبول کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی کہ وہ میڈیکل کی تعلیم کے بعد سعد کو لے کر اپنے گھرانوں سے الگ ہو جائے گی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ کس قدر مشکل کام تھا۔ اس نے گھرت بھاگتے ہوئے بھی۔ سعد کو اپنے ساتھ لے آئے گا سوچا تھا مگر یہ کام ناممکن تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے لاتے ہوئے خود بھی پکڑی جائے۔ وہ اسے وہاں چھوڑ آئی تھی اور اب ڈاکٹر سیٹ علی کے ہاں پہنچ جانے کے بعد اسے اس کا پار بار خیال آتا اگر وہ کسی طرح اسے وہاں لے آتی تو وہ بھی اس والدین سے نکل سکتا تھا مگر ان تمام سوچوں، تمام خیالوں نے اپنے گھروالوں کے لئے اس کی بہت کم نہیں کیا۔ اپنے گھرانوں کے لئے نہ جلال وافر کے لئے۔

وہ ان کا خیال آنے پر جو وہاں شروع ہوتی تو ساری رات روتی ہی رہتی۔ شروع کے دنوں میں وہ

ایک الگ کمرے میں تھی اور مریم کو اس کا اندازہ نہیں تھا مگر ایک رات وہاں ایک اس کے کمرے میں اپنی کوئی کتاب لینے آئی۔ رات کے چھپتے پھر اسے قطعاً یہ اندازہ نہیں تھا کہ امام جاگ رہی ہو گی اور نہ صرف جاگ رہی ہو گی بلکہ روتی ہو گی۔

امام کے کمرے کی لائٹ آف کئے اپنے بیڈ پر کھل ا اوڑھے رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا تو اس نے کھل سے چرے کو اچانک لیا۔ وہ نہیں جانتی تھی مریم کو کیسے اس کے جاننے کا اندازہ ہو ا تھا۔

"امام اچانک رہی ہو؟"

اس نے امام کو آواز دی۔ امام نے حرکت نہیں کی مگر پھر مریم اس کی طرف چلی آئی اور اس نے کھل اس کے چرے سے ہٹا دیا۔

"بھیرے اللہ۔ تم روتی ہو۔ اور اس وقت؟"

وہ اس کے پاس ہی ٹھوٹیش کے عالم میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ امام کی آنکھیں برنی طرح سو جاتی ہوئی تھیں اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے میکا ہوا تھا، مگر اسے سب سے زیادہ اندامت اس طرف پکڑے جانے کی تھی۔

"اس لئے تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی کیونکہ تم روتی رہتی ہو اور صبح یہ کہہ دیتی ہو کہ رات کو سو نے میں وقت ہوئی اس لئے آنکھیں سو جاتی ہوئی ہیں۔ اس تم آج سے یہاں نہیں سو گی۔" اٹھو میرے کمرے میں چلو۔"

اس نے کچھ برہمی کے عالم میں اسے سمجھ کر اٹھایا۔ امام ایک لفظ نہیں بول سکی۔ وہ اس وقت بے حد شرمندہ تھی۔

مریم نے اس کے بعد اسے اپنے کمرے میں ہی سانا شروع کر دیا۔ راتوں کو دیر تک رونے کا وہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر نیند پر اس کا اب بھی کوئی اختیار نہیں تھا۔ اسے نیند بہت دیر سے آتی تھی۔

کئی بار مریم کی عدم موجودگی میں اس کی میڈیکل کی کتابیں دیکھتی اور اس کا دل بھرتا۔ وہ جانتی تھی سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

صبح مریم اور ڈاکٹر سیٹ علی کے گھرت چلے جانے کے بعد وہ سارا دن اپنی کے ساتھ گزار دیتی یا شاید وہ سارا دن اس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ اسے اکیلا نہ رہنے دینے کی کوشش میں مصروف رہتی تھیں مگر ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ چاہتیں کہ کن سوچوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

اس نے سالانہ کے ساتھ دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کی ذہنی پریشانی میں اضافے کے علاوہ اس رابطے سے اسے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا۔



اسے ڈاکٹر سبط علی کے پاس آئے تھیں مادہ ہو گئے تھے جب ایک دن انہوں نے راستہ کو اسے بلایا۔  
 ”آپ کو اپنا گھر چھوڑنے کا وقت گزر گیا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کی تلاش ابھی تک ختم تو نہیں کی ہو گی مگر چند ماہ پہلے والی مددی و عیوضی نہیں رہی ہو گی اب۔۔۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ آپ اب آکے کیا کرنا چاہتی ہیں۔“  
 انہوں نے مختصر تمہید کے بعد کہا۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا میں اسٹریز چاری رکھنا چاہتی ہوں۔“

وہ اس کی بات پر کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

”اگاہ! آپ نے اپنی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“ وہ ان سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

”شادی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟“ وہ بے اختیار ہلکا لی۔

”آپ جن حالات سے گزر رہی ہیں ان میں آپ کے لئے سب سے بہترین راستہ شادی ہی ہے کسی اچھی ٹیلی میں شادی ہو جانے سے آپ اس عدم تحفظ کا فکارت نہیں رہیں گی جس کا شکار آپ ابھی ہیں۔ میں چند ایسے لڑکوں اور لٹلیئرز کو جانتا ہوں میں چاہتا ہوں ان میں سے کسی کے ساتھ آپ کی شادی کر دی جائے۔“

وہ بالکل سفید چہرے کے ساتھ انہیں چپ چاپ دیکھتی رہی۔ وہ ان کے پاس آنے سے بہت پہلے اپنے لئے اسی حل کو منتخب کر چکی تھی اور اسی ایک حل کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ سالار سکندر سے نکاح کی حرافت کر چکی تھی۔

اس وقت اگر وہ سالار سکندر سے نکاح نہ کر چکی ہوتی تو وہ بلا خیل و حجت ڈاکٹر سبط علی کی ہاست ماننے پر تیار ہو جاتی۔ وہ جانتی تھی ان حالات میں کسی اچھی ٹیلی میں شادی اسے کئی اور کن مصیبتوں سے بچا سکتی تھی۔ اس نے آج تک بھی خود مختار زندگی نہیں گزاری تھی۔ وہ اپنی ہر چیز کے لئے اپنی ٹیلی کی محتاج رہی تھی اور وہ یہ تصور کرتے ہوئے بھی خود فرد رہتی تھی کہ آخر وہ کب اور کس طرح صرف اپنے دل بولتے پر زندگی گزار سکے گی۔

مگر سالار سے وہ نکاح اس کے گلے کی ایسی بڑی بن گیا تھا جسے وہ نہ نکل سکتی تھی اور نہ اچھل سکتی تھی۔  
 ”نہیں میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔“

”کیوں؟“ اس کے پاس اس سوال کا جواب موجود تھا، مگر حقیقت بتانے کے لئے حوصلہ نہیں تھا۔  
 ڈاکٹر سبط علی اس کے بارے میں کیا سوچتے یہ کہ وہ ایک جھوٹی لڑکی ہے جو اب تک انہیں دھوکا دیتے ہوئے ان کے پاس رہ رہی تھی۔

”یہ کیا کہ شاید۔۔۔ وہ سالار سے شادی کے لئے ہی اپنے گھر سے نکلی تھی اور باقی سب کچھ کے بارے میں جھوٹ بول رہی تھی۔“

اور اگر انہوں نے حقیقت جان لینے پر اس کی مدد سے معذرت کرنی یا اسے گھر سے بلے جانے کا کہا تو۔۔۔؟ اور اگر انہوں نے اس کے والدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔؟ وہ عین مادہ سے ڈاکٹر سبط علی کے پاس تھی۔ وہ کہتے ایسے انسان تھے وہ بخوبی جانتی تھی لیکن وہ اس قدر غور و فکر اور محتاط تھی کہ وہ کسی قسم کا رستہ لینے پر تیار نہیں تھی۔

”میں پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں تاکہ کسی پر بھی بوجھ نہ بنوں۔ کسی پر بھی۔۔۔ شادی کر لینے کی صورت میں اگر مجھے بعد میں کبھی کسی پر بیثباتی کا سامنا کرنا پڑا تو میں کیا کروں گی۔ اس وقت تو میرے لئے شاید تعلیم حاصل کرنا بھی ممکن نہیں رہے گا۔“

اس نے ایک لمبی خاموشی کے بعد جیسے کسی فیصلہ پر پہنچنے ہوئے ڈاکٹر سبط علی سے کہا۔  
 ”اگاہ! ہم بیٹھ آپ کی مدد کرنے کے لئے موجود ہیں گے۔ آپ کی شادی کر دینے کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ میرے گھر سے آپ کا تعلق ختم ہو جائے گا یا میں آپ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ آپ میرے لئے چہ تھی بنی ہیں۔“  
 اگاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا جو آپ چاہیں گی وہی ہو گا یہ صرف میری ایک تجویز تھی۔“  
 ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

”کچھ سال گزر جانے دیں اس کے بعد میں شادی کر لوں گی۔ جہاں بھی آپ کہیں گے۔“ اس نے ڈاکٹر سبط علی سے کہا ”مگر ابھی فوری طور پر نہیں۔“

ابھی مجھے سالار سکندر سے جان چھڑانی ہے۔ اس سے طلاق لینے کا کوئی راستہ تلاش کرنا ہے۔“  
 وہ ان سے بات کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”کس شہر میں پڑھنا چاہتی ہیں آپ؟“  
 ڈاکٹر سبط علی نے اس پر مزید کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔

”کسی بھی شہر میں، میری کوئی ترجیح نہیں ہے۔“ اس نے ان سے کہا۔  
 ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ اپنے گھر سے آئے ہوئے اپنے سارے ڈاکو منٹس اپنے پاس موجود رات اور رقم بھی لے آئی تھی۔ جب ڈاکٹر سبط علی نے اس گفتگو کے چند دن بعد ایک دن اسے بلا کر ملتان میں اس کے ایڈیشن کے پھیلے کے بارے میں بتانے کے ساتھ اس کے ڈاکو منٹس کے بارے میں پوچھا تو وہ اس جگہ کو لے کر





وہ مکان چلی آئی، یہ اس کے لئے ڈھنگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ ایک مشکل اور تکلیف دہ دور۔۔۔ وہ اسٹیشن میں رہ رہی تھی اور وہ جیسب زندگی تھی۔ بعض دفعہ اسے اسلام آباد میں اپنا گھر اور خاندان کے لوگ اتنی شدت سے یاد آتے کہ اس کا دل چاہتا وہ بھاگ کر ان کے پاس پہنچ جائے۔ بعض دفعہ وہ بغیر کسی وجہ کے رونے لگتی۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ جلالپور سے ریلوے کرے۔ اسے وہ بے تحاشا یاد آتا۔ وہ بی ایس سی کر رہی تھی اور اس کے ساتھ بی ایس سی کرنے والی لڑکیاں وہی تھیں جو ایف ایس سی میں میرٹ لسٹ پر جنکس آ گئی تھیں اور اب وہ بی ایس سی کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں جانے کی خواہش مند تھیں۔

”مید نکل کا بیٹا۔ ڈاکٹر اس کے لئے بہت عرصے تک یہ دونوں الفاظ غلط سمجھ رہے۔ کئی بار وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر حیران ہوتی رہتی۔ آخر وہاں کیا تھا جو ہر چیز کو غلطی کی دیت بنا رہا تھا۔ کئی بار اسے جو کہ یہ سب کیا جانے والی اپنی باتیں یاد آتیں۔

”میں اگر ایک کلمہ نہیں بول سکتی تو میں تو خدا ہی نہیں رہ سکتی گی۔ میں مر جاؤں گی۔“

وہ حیران ہوئی، وہ مری تو نہیں تھی۔ اسی طرح وہ عدہ تھی۔

"پاکستان کی سب سے مشہور آن لائن پبلیکیشن"

اس کے پاس گھر نہیں تھا۔

اس کے پاس گھر والے نہیں تھے۔ اس کے پاس اسچر نہیں تھا۔ میڈیکل کی تعلیم نہیں تھی۔  
جہاں بھی نہیں تھا۔ وہ زندگی کی اتنا آسائشوں سے ایک ہی جھٹکے میں غروم ہو گئی تھی جن کی وہ  
عادتی تھی اور اس کے باوجود وہ زندہ تھی۔ امام کو کبھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بیمار تھی یا کبھی ہو سکتی  
تھی مگر وہ ہو گئی تھی۔

وقتے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تکلیف میں کمی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یوں جیسے اسے صبر آ رہا تھا۔ اللہ کے بعد شاید زمین پر یہ ڈاکٹر سید علی تھے جن کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تھی۔

میں نے میں ایک بار ایک ایڈیٹر وہان کے پاس لاہور آئی۔ وہ وقتاً فوقتاً اسے ہاسٹس فلان کرتے رہتے، اسے کچھ نہ کچھ لکھواتے رہتے۔ ان کی بیٹیاں اور بیوی بھی اس کا بہت شہل رہ سکتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک ان کے گھر کا ایک فرد بن چکی تھی، مگر یہ لوگ نہ جوتے نہ میرا کیا ہوتا۔ وہ کئی بار سوچتی۔

☆... ☆... ☆

مکان میں اپنے قیام کے دوران بھی اس نے سالار سکندر کو کبھی اپنے ذہن سے فراموش نہیں کیا تھا۔ تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ طور پر شروع کرنے کے بعد وہ ایک بار اس سے رابطہ کرنا چاہتی تھی اور اگر وہ

میں نے اسے طلاق دینے سے انکار کر دیا تو وہ اب بالآخر زاکر سیٹھ علی کو اس تمام معاملے کے بارے میں بتا رہا ہے۔

اور سالار سے روپے اس لیے لیائیں کسی جی کے احتیاج سے خار شہو نے کے بعد لا اور آنے سے پہلے کیا۔ اپنے پاس موجود سالار کے موبائل کا استعمال وہ بہت پہلے ترک کر چکی تھی۔

دو نہیں جانتی تھی کہ دو سال کے عرصہ میں سالار و بادشاہی مہربان کی فہرہ کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یا پھر اس نے فہرہ کو استعمال کر دیا، جو اس نے اسے اپنا مہربان دے دینے کے بعد دیا تھا۔

ایک پلی سی اس نے اس نے سب سے پہلے اس کا تیا نمبر ڈاکی کیا۔ وہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں تھا، پھر اس نے اپنے پاس موجود موبائل کے نمبر کو ڈاکی کیا۔۔۔ وہ نمبر بھی کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔

اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب ہم کو کئی تیسرا نمبر لے ہوئے تھا اور وہ نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔

اس نے باغی خراس کے گھر کا نمبر ۱۱ اکل کیا کچھ دیر تک تکی ہوئی رہی، پھر خون اٹھایا گیا۔

”کیا؟“ کسی عورت نے دوسری طرف سے کہا۔

۱۶ بیگو میں ماہارنکندر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" ابھامہ نے کہا۔

”مبارک رہا جسے ہے۔۔۔! آپ کو کون بولی رہی تھی۔“

امام کو اپنا تک مفسوس ہوا جیسے اس عورت کے لہجے میں ایک دم تجسس پیدا ہو گیا تھا۔

امام کو پتا نہیں کیوں اس کی آواز سُنا سارگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہنا چاہے اسے اس صورت کے جڑی برعوض آواز میں کہے۔ "امام، بی بی! آپ امام بی بی ہیں؟"

ایک کر تے کہا کہ امام نے بے اختیار کر لیا ہوا ہے۔ وہ کون سی جہی جس نے اسے صرف آواز سے پہچان لیا تھا۔ اسے سالوں بعد بھی۔ اور اپنی جلدی اور وہ بھی سالہاں تک رہے گھر پر۔

کچھ دیر اس کے ہاتھ کا پختہ رہے۔ وہ دلی ہی او کے اندر والے کیمپوں میں تھی اور کچھ دیر سیو راہی طرح ہاتھ میں لئے ٹانگی رہی۔

”جو بھی جو مجھے دارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسلام آباد سے اتنی دور ہوں کہ یہاں مجھے تکف کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے خود وہ دارنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس نے سوچا اور پی سی او کے مالک کو ایک بار پھر کال ملانے کے لئے کہا۔

فون کی کھنٹی بجنے پر اس بار فون فوراً اٹھالیا گیا تھا مگر اس بار نیلے والا کوئی مرد تھا اور وہ سالار فون تھا۔ یہ وہ آواز سننے ہی جان گئی تھی۔

"میں مہاکار سکندر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

٤٤٢

مر دے گھر دہی آواز میں کہا۔ اس بار امام کو کوئی شک نہیں لگا۔

"ہی۔۔۔" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"آپ ان سے پیری بات کروادیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" دوسری طرف سے اس مرد نے کہا۔

"کیوں نا؟"

"سالار زندہ نہیں ہے۔"

"کیا.....؟" بے اختیار امام کے حلق سے نکلا۔

"وہ مر گیا؟"

"ہاں....."

"کب.....؟"

اس بار مرد خاموش رہا۔

"آپ سے آخری بار ان کا رابطہ کب ہوا؟"

اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس آدمی نے کہا۔

"چند سال پہلے..... ڈھائی سال پہلے۔"

"ایک سال پہلے اس کی اسجھ ہوئی ہے۔ آپ....."

امام نے کچھ بھی اور سننے سے پہلے فون بند کر دیا۔ کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ وہ آزاد ہو چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک انسان کے طور پر اسے اس کی موت پر افسوس ہونا چاہئے تھا مگر اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اگر اس نے اس طرح اسے طلاق دینے سے انکار کیا تو وہ جیتنا اس کے لئے دکھ محسوس کرتی مگر اس وقت ڈھائی سال کے بعد اسے بے اختیار سکون اور خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ تو اس کے سر لگی ہوئی تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔

اسے اب ڈاکٹر سیٹھ علی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ صحیح معنوں میں آزاد ہو چکی تھی۔ وہ اس کا رہنما بن چکی تھی۔ آخری دن تھا اور اس رات اس نے سالار سکندر کے لئے بخشش کے لئے دعا کی۔

وہ اس کی موت کے بعد اسے معاف کر چکی تھی اور وہ اس کی موت پر بے پناہ خوش تھی۔

۲۰۰۰ء ۲۰۰۱ء ۲۰۰۲ء

اس سے فون پر بات کرنے والی وہی ملازمہ تھی جو سالار کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں بھی کام کرتی رہی تھی اور اس نے امام کی آزاد کو فوراً پہچان لیا تھا۔ امام کے فون بند کرتے ہی وہ کچھ اخطراب اور جوش و خروش کے عالم میں سکندر عثمان کے پاس پہنچ گئی۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس دن طبیعت کی

تربائی کی وجہ سے وہ گھبر رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ایک لڑکی کا فون آیا ہے۔ وہ سالار صاحب سے بات کرنا چاہتی تھی۔"

"تو تم بات کروادیں۔" سکندر عثمان نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ

سالار بھی ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا اور گھر پر ہی موجود تھا۔ ملازمہ کچھ چنگچائی۔

"صاحب جی! امام نہ پائی تھیں۔"

سکندر عثمان کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹے چھوٹے بھاؤ ایک دم اس پر اسے نظر آنے لگے۔

"امام ہاشم..... ہاشم تین کی بیٹی؟" ملازمہ نے انہماک میں سر ہلا دیا۔ سکندر عثمان کا سر گھومتے لگا۔

"تو کیا سالار ہر ایک کو بے وقوف بنا رہے۔ وہ انہی تک امام کے ساتھ رابطہ میں ہے اور وہ

جانتے کہ وہ کہاں ہے۔ تو پھر پتہ تو اس سے ملنا بھی رہا ہو گا۔" انہوں نے بے اختیار سوچا۔

"اس نے تمہیں خود اپنا نام بتایا؟" انہوں نے چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں نے ان کی آواز پہچان لی اور جب میں نے ان کا نام لیا تو انہوں نے فون بند کر

دیا۔" ملازمہ نے سکندر عثمان کو بتایا "مگر مجھے یقین ہے وہ ان ہی کی آواز تھی۔ مجھے کم از کم اس بارے

میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔" اس سے پہلے کہ سکندر عثمان کچھ کہتے انہوں نے فون کی گھنٹی سنی مگر اس بار

وہ ڈاکٹنگ روم میں موجود انکسٹیشن کی طرف بڑھ گئے اور انہوں نے فون آٹھایا۔ دوسری طرف موجود

لڑکی ایک بار پھر سالار سکندر کا پوچھ رہی تھی۔ ان کے استفسار پر اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امام ہاشم

ہی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھیں مگر بے اختیار ان کے دل میں آیا کہ وہ اسے سالار کے مرنے کی خبر دے

دیں، تاکہ وہ وہ بارہ کبھی ان کے گھر فون نہ کرے۔ انہیں اس سے بات کر کے یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا

کہ وہ بہت عرصے سے سالار کے ساتھ رابطہ نہیں کر سکی ہے اور اس کے پاس ان کے بیان کی صداقت کو

پرکھنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ وہ بارہ رابطہ نہ کرتی تو ان کی جان اس سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ سکتی تھی۔

وہ ابھی تک اس ایک سال کو اپنے ذہن سے نہیں نکال سکتے تھے۔ جب امام کی آمد کی خبر کے فوراً بعد سالار

پر طبع ہونے کی وجہ سے ہاشم تین احمد نے ان کے لئے ہر قسم کی پریشانی گزری کی تھی۔

بہت سے سرکاری دفاتر جہاں پہلے ان کی فرم کی فائلز بہت آسانی سے نکل آتی تھیں۔ میٹروں

پہنچی رہیں۔ ان کے گھر ہفتگی آمیز کارڈز اور خط آتے رہے۔ کئی لوگوں نے بالواسطہ طور پر ان پر دباؤ

ڈالا کہ وہ ہاشم تین احمد کی بیٹی کی وابستگی کے لئے ان کی مدد کریں۔ ایک لمبے عرصے تک سالار کی گھرائی کی

گئی اور گھرائی کا یہ سلسلہ صرف پاکستان ہی نہیں باہر بھی جاری رہا، مگر جب کسی طرف بھی امام سے اس کے

رابطے کا کوئی ثبوت سامنے نہیں ملا تو وہ رفتہ رفتہ تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

سکندر عثمان کی بے پناہ کوشش کے باوجود بھی ہاشم تین کے ساتھ ان کے تعلقات بحال نہیں



ہوئے مکران کی طرف سے عدم تحفظ کا اندیشہ قسم ہو کیا تھا اور اب اُسی سال بعد وہ لڑکی ایک بار پھر سالار سے رابطہ کرنا چاہتی تھی وہ کسی صورت بھی دوبارہ ان حالات کا سامنا نہ خود کرنا چاہتے تھے نہ ہی سالار کو کرنے دینا چاہتے تھے۔

اگر وہ خود ہاشم مبین احمد کی نگر کے آدمی نہ ہوتے تو اب تک وہ اس سے زیادہ نقصان اٹھا چکے ہوتے، جتنا نقصان انہوں نے اس ایک سال اور خاص طور پر شروع کے چند ماہ میں اٹھایا تھا۔ وہ امامہ کو اس طلاق نامے کی ایک کاپی بھجوانا چاہتے تھے، جو سالار کی طرف سے انہوں نے تیار کیا تھا اور انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ جائز تھا یا نہیں۔ وہ صرف امامہ کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ سالار یا اس کے خاندان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہونا چاہئے نہ ہی ہو گا۔

اگر کچھ تھا بھی تو وہ سالار کی موت اور اس سے بھی پہلے کے خیر بدہ اس طلاق نامے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا مگر یہ ایک اور انتخاب تھا کہ امامہ نے ان کی بات مکمل طور پر سنے بغیر فون بند کر دیا انہوں نے فون کو نہیں آؤٹ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ ملتان کے ایک پی سی او کا ثابت ہوا۔ سالار ایک ہفتہ کے بعد واپس امریکہ جاسے والا تھا اور انہوں نے اس ایک ہفتہ اس کی مکمل طور پر نگرانی کر دی۔ وہ ملازمین کو ہدایت دے چکے تھے کہ کسی کا بھی فون آئے وہ کسی بھی صورت سالار سے بات نہ کروائیں، چاہے فون کسی مرد کا ہو یا عورت کا جب تک وہ خود یہ جان نہ لیتے کہ فون کرنے والا کون تھا۔ ملازمہ کو بھی دو تین کے ساتھ مل کر چکے تھے کہ وہ سالار کو امامہ کی اس کال کے بارے میں نہ بتائے۔ ایک ہفتے کے بعد جب سالار واپس امریکہ چلا گیا تو انہوں نے سکھ کا سامن لیا۔

سر پر آئی ہوئی آفت ایک بار پھر نکل گئی تھی۔ سالار کی، ایسی کے چند ہفتے کے بعد انہیں ایک لڑائی موصول ہوا تھا۔

امامہ نے لاہور واپس پہنچنے کے بعد وہ موبائل چل دیا تھا۔ وہ اسے واپس نہیں بھجوا سکتی تھی اور سالار کی وفات کے بعد اب یہ امکان نہیں تھا کہ کبھی اس کے ساتھ آنا سامنا ہونے کی صورت میں وہ اسے وہ موبائل واپس دے سکے گی۔ اس نے موبائل بیچنے سے ملنے والی رقم کے ساتھ اپنے پاس موجود کچھ اور رقم شامل کی۔ وہ اندازاً ان کاڑھ کے مل کی رقم تھی، جو زمانی تین سال پہلے سالار نے ادا کئے ہوں گے اور چند دوسرے اخراجات جو اپنے گھر قید کے دوران وہاں سے لاہور فرار کے دوران سالار نے اس پر کئے تھے۔ اس کے ساتھ سکندر عثمان کے نام ایک مختصر نوٹ بھجوا دیا تھا۔ ٹریڈر فیکس۔ اس کے سر پر موجود اس آدمی کا فرض بھی اتر گیا تھا۔

اس رقم اور اس کے ساتھ ملنے والے نوٹ سے سکندر عثمان کو تسلی ہو گئی تھی کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ نہیں کرے گی اور یہ بھی کہ اس نے واقعی ان کی بات پر یقین کر لیا تھا۔

## باب ۱۰

**ملتان سے** بی ایس سی کرنے کے بعد وہ لاہور چلی آئی تھی۔ اسے گھر چھوڑے تین سال ہونے والے تھے اور اس کا خیال تھا کہ اب کم از کم اس طرح اسے تلاش نہیں کیا جائے گا، جس طرح پہلے کیا جاتا رہا تھا۔ اگر کیا بھی گیا تو صرف میڈیکل کالج پر نظر رکھی جائے گی۔ اس کا یہ انداز صحیح ثابت ہوا تھا۔ اس نے پنجاب یونیورسٹی میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کے لئے ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی وہ سب حد محسوس نہیں۔ یہ لاہور تھا یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی اسے پہچان سکتا تھا۔ ملتان میں وہ صرف چادر اوڑھ کر کانٹا جاتی تھی۔ لاہور میں اس نے کھاب لگا کر شروع کر دیا۔ لاہور میں دوبارہ واپسی کے بعد وہ ڈاکٹر سیٹھ علی کے ساتھ نہیں رہی تھی، وہ مسیحا داماں کے پاس رہنے لگی تھی۔

سعیدہ اماں سے اس کی پہلی ملاقات ڈاکٹر سیٹھ علی نے ملتان جانے سے پہلے لاہور میں کروائی تھی۔ سعیدہ اماں کے بہت سے عزیز واقارب ملتان میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر سیٹھ علی، اماں کو ان سے آگاہ کرنا چاہتے تھے، تاکہ ملتان میں قیام کے دوران کسی بھی ضرورت یا ایمر غرضی میں وہ ان کی مدد لے سکے۔

سعیدہ اماں ایک پینشنڈ ستر سالہ بے حد باوقوفی اور ایکٹو عورت تھیں۔ لاہور کے اندرون شہر میں ایک پرانی ٹولٹی میں تجارتی تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا جبکہ دو بیٹے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں مقیم تھے۔ وہ دونوں شادی شدہ تھے اور ان کے بے حد اصرار کے باوجود سعیدہ اماں باہر جانے پر تیار نہیں تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے باری باری ہر سال پاکستان آیا کرتے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ ڈاکٹر سیٹھ علی سے ان کی قربت داری تھی۔ وہ ان کے گرن ہو تے تھے۔

ڈاکٹر سیٹھ علی نے اماں کے بارے میں پہلے ہی سعیدہ اماں کو بتا دیا تھا، اسی لئے جب وہ ان کے ساتھ ان کے گھر پہنچی تو وہ بڑی گرم جوشی سے اس سے ملی تھیں۔ انہوں نے ملتان میں موجود تقریباً پچھتر برسے دار کے بارے میں تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھیں اور پھر شاید اس سب کو بھائی جانتے ہوئے انہوں نے خود ساتھ چل کر اسے ہاسٹل چھوڑ آنے کی آفر کی جسے ڈاکٹر سیٹھ علی نے نرمی سے رد کر دیا تھا۔

”نہیں آپ! آپ کو زحمت ہوگی۔“ ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ نہیں مانے تھے۔

”بہتر تو یہ ہے بھائی صاحب کہ آپ اسے میرے بھائیوں میں سے کسی کے گھر ٹھہرا دیں۔ بھئی کو مگر جیسا آرام اور ماحولی ملے گا۔“

انہیں اچانک ہاسٹل پر اعتراض ہونے لگا اور پھر انہوں نے ہاسٹل کی زندگی کے کئی مسائل کے بارے میں روشنی ڈالی تھی مگر ڈاکٹر سیٹھ علی اور خود وہ بھی کسی کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ہاسٹل بہترین آپشن تھا۔

☆.....☆.....☆

سعیدہ اماں سے اس کی دوسری ملاقات ملتان جانے کے چند ماہ بعد اس وقت ہوئی تھی، جب ایک دن اچانک اسے کسی خاتون ملاقاتی کی اطلاع ہاسٹل میں دی گئی تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ وہاں اس طرح اچانک اس سے ملنے کون آسکتا تھا اور وہ بھی ایک خاتون..... مگر سعیدہ اماں کو کچھ کر وہ حیران رہ گئی۔ وہ اس سے اسی گرم جوشی سے ملی تھیں، جس طرح لاہور میں ملی تھیں۔ وہ تقریباً دو ہفتے ملتان میں رہی تھیں اور ان دو ہفتوں میں کئی بار اس سے ملنے آئیں۔ ایک بار وہ ان کے ساتھ ہاسٹل سے ان کے بھائی کے گھر بھی گئی۔

پھر یہ جیسے ایک معمول بن گیا تھا۔ وہ چند ماہ بعد ملتان آئیں اور اپنے قیام کے دوران باقاعدگی

سے اس کے پاس آتی رہتیں۔ وہ خود جب میٹے میں ایک بار لاہور آتی تو ان سے ملنے کے لئے بھی جاتی۔ کئی بار جب اس کی چھٹیاں زیادہ ہوتیں تو وہ اسے وہاں ٹھہرنے کے لئے اصرار کرتیں۔ دو کئی بار وہاں رہی تھی۔ شرحاٹوں کا بنا ہوا وہ پرانا گھر اسے اچھا لگتا تھا پھر یہ تنہائی کا وہ احساس تھا جو وہاں کے ساتھ شیئر کر رہی تھی۔ اس کی طرح وہ بھی تنہا تھیں۔ اگرچہ ان کی یہ تنہائی ان کے بعد وقت میل بول کی وجہ سے کم ہو جاتی تھی مگر اس کے باوجود اماں ان کے احساسات کو بتا کر خوشی کے کچھ کئی تھی۔

لاہور واپس شفٹ ہونے سے بہت عرصہ پہلے ہی انہوں نے اماں سے یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ایم ایس سی لاہور سے کرنا چاہو رہی ہے اسے ساتھ رکھنے کے لئے اصرار کرنا شروع کر دیا۔

اسی عرصے کے دوران ڈاکٹر سیٹھ علی کی سب سے بڑی بیٹی ان کے پاس اپنے بچوں سمیت کچھ عرصہ کے لئے رہنے چلی آئیں۔ ان کے شوہر بی ایچ ڈی کے لئے بیرون ملک چلے گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر سیٹھ علی کے سچے تھے۔ جانے سے پہلے وہ اپنی فیملی کو ان کے پاس ٹھہرا گئے۔ ڈاکٹر سیٹھ علی کے گھر میں جگہ کی کمی نہیں تھی مگر اماں اب ان کے گھر میں رہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اپنے بیرون پر کھڑا ہونا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی کے احساسات کا وہ جو پہلے ہی اسے زیر بار کر رہا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کرے اور اس کے بعد اس کے چاہ کرنے پر بھی وہ اسے کہیں اور رہنے نہ دیتے لیکن اگر وہ پہلے ہی علیحدہ رہائش اختیار رکھتی تو اس کے لئے ان سے اپنا ہات منوانا آسان ہو جاتا۔ سعیدہ اماں کا گھر اسے اپنی رہائش کے لئے بہت مناسب لگا تھا۔ وہ چاہ شروع کرنے پر انہیں مجبور کر کے کرائے کی مدد میں کچھ نہ کچھ لینے پر مجبور کر سکتی تھی مگر ڈاکٹر سیٹھ علی شاید یہ سب کچھ گوارا نہ کرتے۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر سیٹھ علی کے لئے اس کا فیصلہ ایک شاک کی طرح تھا۔

”کیوں آؤ! میرے گھر پر کیوں نہیں رو سکتیں آپ؟“ انہوں نے بہت ناراضی سے اس سے

کہا۔ ”سعیدہ آپا کے ساتھ کیوں رہنا چاہتی ہیں؟“

”وہ بہت اصرار کر رہی ہیں۔“

”میں انہیں سمجھا دوں گا۔“

”نہیں، میں خود بھی ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ رہوں گی تو ان کی تہائی دور ہو جائے گی۔“

”یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس جب چاہیں جا سکتی ہیں، مگر ساتھ رہنے کے لئے نہیں۔“

”بلیز، آپ مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے دیں، میں وہاں زیادہ خوش رہوں گی۔ میں اب

آہستہ آہستہ اپنے بیرون پر کھڑا ہونا چاہتی ہوں۔“



ڈاکٹر سہیل علی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”جی ہاں پر کھڑے ہونے سے کیا مراد ہے آپ کی؟“

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

”میں آپ پر بہت لمبے عرصے تک بوجھ نہیں دینا چاہتی۔ پہلے ہی میں بہت سال سے آپ پر

انحصار کر رہی ہوں، مگر ساری زندگی تو میں آپ پر بوجھ بن کر نہیں گزار سکتی۔“

وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ اسے لگا اس کے آخری جملے نے ڈاکٹر سہیل علی کو تکلیف دی تھی۔

اسے پچھتاوا ہوا۔

”میں نے کبھی بھی آپ کو بوجھ نہیں سمجھا آمنہ ابھی بھی نہیں۔ بیسٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں اور میرے

لئے آپ ایک بیٹی کی طرح ہیں پھر یہ بات۔۔۔ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔“

”میں جانتی ہوں ابوالکریم میں صرف اپنی فیملی کی بات کر رہی تھی۔ دوسرے پر ذمہ داری نہ ہوتا

بہت تکلیف دہ بات ہے۔ میں سعید واماں کے ساتھ رہ کر زیادہ پرسکون رہوں گی۔ میں انہیں پے (pay)

کروں گی۔ آپ کو میں کبھی پے (pay) کرتا چاہوں بھی تو نہ کر سکوں گی۔ شاید مجھے دس نوکریاں بھی ملیں

تو میں آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں آتا سکتی مگر اب اس۔۔۔ اب اور نہیں۔۔۔ میں نے زندگی کو

گزارنے کے سارے طریقے ابھی سیکھے ہیں۔ مجھے سمجھنے دیں۔“

ڈاکٹر سہیل علی نے اس کے بعد اسے دوبارہ اپنے گھر میں رہنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے لئے

بھی ان کی احسان مند تھی۔

سعید واماں کے ساتھ رہنے کا تجربہ اس کے لئے بائبل میں ڈاکٹر سہیل علی کے ہاں رہنے سے

بالکل مختلف تھا۔ اسے ان کے پاس ایک عجیب سی آزادی اور خوشی کا احساس ہوا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہتی

تھیں۔ صرف ایک ملازمہ تھی جو دن کے وقت آکر گھر کے کام کر دیا کرتی تھی اور شام کو وہ انہیں چلی جایا

کرتی تھی۔ وہ بے حد سوشل لائف گزارتی تھیں۔ محلے میں ان کا بہت آنا جانا تھا اور نہ صرف محلے میں بلکہ

اپنے رشتے داروں کے ہاں بھی اور ان کے گھر بھی اکثر کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا۔

انہوں نے محلے میں ہر ایک سے امداد کا تعارف اپنی بھانجی کہہ کر دیا تھا اور چند سالوں کے بعد

یہ تعارف بھانجی سے بیٹی میں تبدیل ہو گیا تھا، اگرچہ محلے والے پچھلے تعارف سے واقف تھے، مگر اب کسی

نئے لے والے سے جب وہ امداد کو بیٹی کی حیثیت سے متعارف کروائیں تو کسی کو کوئی جھجھک نہیں ہوتا تھا۔

لوگ سعید واماں کی عادت سے واقف تھے کہ وہ کتنا محبت بھرا دل رکھتی تھیں۔ ان کے بیٹے بھی امداد سے

واقف تھے، بلکہ وہ باقاعدگی سے فون پر سعید واماں سے بات کرتے ہوئے اس کا حال احوال بھی دریافت

کرتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی اور سچے بھائی اس سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔

ان کے بیٹے ہر سال پاکستان آیا کرتے تھے اور ان کے قیام کے دوران بھی امداد کو کبھی ایسا محسوس

نہیں ہوتا تھا، جیسے وہ ان کی فیملی کا حصہ نہیں تھی، بعض دفعہ اسے یوں ہی لگتا جیسے دو واقعتی سعید واماں کی

بیٹی اور ان کے بیٹوں کی بہن تھی۔ ان دونوں کے بچے اسے بھر پور کیا کرتے تھے۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر سہیل علی کے توسط سے ایک

فارما سیوٹیکل کمپنی میں جاب شروع کر دی تھی۔ اس کی جاب بہت اچھی تھی اور پہلی بار اس نے مالی طور پر

بھی خود مختاری حاصل کر لی تھی۔ یہ ویسی زندگی نہیں تھی جو وہ اپنے والدین کے گھر گزارتی تھیں نہ ہی ویسی

تھی جیسی زندگی کے وہ خواب دیکھا کرتی تھی مگر یہ ویسی بھی نہیں تھی جن خدشات کا وہ گھر سے نکلنے

ہوئے شکار تھی۔ وہ ہر ایک کے بارے میں نہیں کہہ سکتی مگر اس کے لئے زندگی ہجرات کا دوسرا نام تھی۔

سالار سکندر جیسے لڑکے سے اس طرح کی مدد۔۔۔ ڈاکٹر سہیل علی تک رسائی۔۔۔ سعید واماں جیسے خاندان کا

ماننا۔ تعلیم کا مکمل کرنا اور پھر وہ جاب۔۔۔ صرف جلال العصر تھا جس کا خیال ہمیشہ اسے تکلیف میں مبتلا کر

دیتا تھا اور شاید وہ اسے مل جاتا تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔

آٹھ سالوں نے اس میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ گھر سے نکلنے وقت دو جاتی تھی کہ

اب دنیا میں اس کے خڑے اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اسے کبھی سے کوئی توقعات وابستہ کرنی تھیں نہ ہی

ان کے پرانے ہونے پر تکلیف محسوس کرتی تھی۔ اس کا رونا دھونا بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم

ہو چکا تھا۔ بیس سال کی عمر میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوف زدہ اور پریشان ہونے والی امداد ہاشم آہستہ

آہستہ اپنا وجود کھوئی گئی تھی۔ نئی سواد ہو نے والی امداد زیادہ پر اعتماد اور مضبوط اعصاب رکھتی تھی مگر اس

کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ محتاط بھی ہو گئی تھی۔ ہر چیز کے بارے میں اپنی مشکوک کے بارے میں، اپنے

غور و اطوار کے بارے میں۔

ڈاکٹر سہیل علی اور سعید واماں دونوں کے خاندانوں نے اسے بہت محبت اور اپنائیت دی تھی لیکن

اس کے باوجود وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے، جو انہیں قابل اعتراض یا

ناگوار لگے۔ ہاشم بہین کے گھر میں اسے یہ ساری احتیاطیں سنیں کرنی پڑتی تھیں مگر وہاں سے نکل کر اسے

یہ سب کچھ سیکھنا پڑا تھا۔

سعید واماں کی گمشدگی کے دوران وہ آفس میں تھی۔ چار بجے کے قریب جب وہ گھر آئی تو گھر پر

تاڑا لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس ٹالے کی دوسری چابی تھی، کیونکہ اس سے پہلے بھی سعید واماں کی بار

اوپر نوکر چلی جایا کرتی تھیں۔ اسے تشویش نہیں ہوئی۔

لیکن جب مغرب کی آواز ان ہونے لگی تو وہ پہلی بار گھر میں ہوئی کیونکہ وہ شام کو بتائے بغیر کبھی یوں

غائب نہیں ہوتی تھیں۔ ساتھ والوں کے ہاں پتا کرنے پر اسے پتا چلا کہ ان کا بیٹا انہیں ہاں کے گھر صبح

تجوز کر آیا تھا۔ سعید و اماں پہلے بھی اکثر ہاں آتی جاتی رہتی تھیں، اس لئے اماں ان لوگوں کو اب بھی خرچ جاتی تھیں۔ اس نے وہاں فون کیا تو اسے بنا چلا کہ وہ وہاں سے جا چکی تھیں اور تب پہلی بار اسے صحیح معنوں میں تشویش ہونے لگی۔

اس نے باری باری ہر اس جگہ پنا کیا جہاں وہ جا سکتی تھیں مگر وہ کہیں بھی نہیں ملیں اور تب اس نے ڈاکٹر سیط علی کو اطلاع دی۔ اس کی حالت تب تک بے حد خراب ہو چکی تھی۔ سعید و اماں کا میل جول اپنے محلے تک ہی تھا۔ وہ اندرون شہر کے علاوہ کسی جگہ کو ابھی طرح نہیں جانتی تھیں۔ انہیں کسی دوسری جگہ جانا ہو تا تو وہ ہمسایوں کے کسی لڑکے کے ساتھ جاتیں یا پھر اماں کے ساتھ اور یہی بات اماں کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

دوسری طرف سالار اندرون شہر کے سوا شہر کے تمام پوش علاقوں سے واقف تھا۔ اگر اسے اندر ان شہر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی ہو تھیں تب بھی وہ سعید و اماں کے اوپر دوسرے بچے کے باوجود کسی نہ کسی طرح ان کے گھر تک پہنچ جاتا۔

ڈاکٹر سیط علی نے رات کے است سعید و اماں کی خیریت سے اپنے کسی جاننے والے کے پاس ہونے کی اطلاع دی اور اماں کی جیسے جہاں میں جان آئی۔

مزید ایک گھنٹے کے بعد دروازے کی بیل بجی تھی اور اس نے تقریباً بھاگتے ہوئے جانکر دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ سے اس نے سعید و اماں کے پیچھے کھڑے ایک خوش فہم آدمی کو دیکھا، جس نے دروازہ کھلنے پر است سلام کیا اور پھر سعید و اماں کو خدا حافظ کہتے ہوئے مڑ گیا اور اس دوسرے دروازے پر چلے گئے۔ سعید و اماں نے اس کی طرف پشت تھی۔ اماں نے اس پر غور نہیں کیا وہ تو بے اختیار سعید و اماں سے لپٹ گئی تھی۔

سعید و اماں اگلے کئی دن اس کے سامنے ان دنوں کا نام لیتی رہیں، سالار اور فرکان۔ اماں کو پھر بھی شب نہیں ہو کہ وہ سالار سالار سیکر بھی ہو سکتا تھا۔ مرد و لڑکے زندہ نہیں ہو سکتے تھے اور اسے اگر اس کی موت کا یقین نہ بھی ہو تا تب بھی سالار سیکر جیسا شخص نہ تو ڈاکٹر سیط علی کا شہسوار ہو سکتا تھا نہ ہی اس میں اس طرح کی اچھائیاں ہو سکتی تھیں جن اچھا بیروں کا ذکر سعید و اماں و نگار کرتی رہتی تھیں۔

اس کے کچھ عرصے بعد اس نے جس شخص کو اس رات سعید و اماں کے ساتھ بیڑ جیوں پہ کھڑے دیکھا تھا اس شخص سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ فرکان اپنی بیوی کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ اسے وہ اور اس کی بیوی وہ تو ان اچھے لگے تھے پھر وہ چند ایک بار اور ان کے گھر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی شہساری میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اسے جانب کرتے تب دو سال ہو چکے تھے۔ کچھ دہشت شاید اور اسی طرح گزر چاہا۔ اگر وہ اتفاقاً

ایک روز اس سڑک سے نہ گزرتی جہاں جلال کے بنائے ہوئے ہاسٹل کے باہر اس کا نام آویزاں تھا۔ جلال انصر کا نام اس کے قدم روک دینے کے لئے کافی تھا مگر کچھ دیر تک ہاسٹل کے باہر اس کا نام دیکھتے رہنے کے بعد اس نے طے کیا تھا کہ وہ وہاں اس سڑک پر کبھی نہیں آئے گی۔

جلال شادی کر چکا تھا۔ یہ وہ گھر چھوڑے دست ہی سالار سے جان چکی تھی اور وہ وہاں اس کی زندگی میں نہیں آتا چاہتی تھی مگر اس کا یہ فیصلہ دیرپا ثابت نہیں ہوا۔

دو ہفتے کے بعد فارما ہو چکی کنبھ کے آفس میں ہی اس کی ملاقات راجہ سے ہوئی۔ راجہ وہاں کسی کام کے لئے آئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے تو اسے اپنے سامنے کچھ کر اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کاروبار میں ظاہر کرے۔ یہ مشکل راجہ نے آسان کر دی۔ وہ اس سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملی تھی۔

"تم یک دم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ کالج اور ہاسٹل میں تو ایک لمبا عرصہ طوقان بچا رہا۔"

راجہ نے چھوٹے ہی اس سے پوچھا۔ اماں نے مسکراتے کی کوشش کی۔

"میں میں گھومتی تھی تھی۔ کیوں گئی تھی تم تو جانتی ہی ہو گی۔" اماں نے مختصر کہا۔

"ہاں، مجھے کچھ اندازہ تو تھا ہی مگر میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ ایسے ہم لوگوں کی بڑی کم ہمتی آتی۔ میری جو بیوی راجہ سب کی پوچھیں تک نے پوچھ گچھ کی ہم سے۔ انہیں تو پتہ چتا ہی نہیں تھا تمہارے بارے میں۔ مگر ہاسٹل اور کالج میں بہت ساری باتیں پھیل گئی تھیں تمہارے بارے میں۔"

راجہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"تم اکیلی ہی گئی تھیں؟" اس نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا۔

"ہاں۔" اماں انصر کام پر جانے کا کہتے ہوئے بولی۔

"مگر گئی کہاں تھیں؟"

"کہیں نہیں، لیکن لاہور میں تھی۔ تم بتاؤ، تم کیا کر رہی ہو آج کل اور جو بیوی..... باقی سب۔"

اماں نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"میں پریکٹس کر رہی ہوں لاہور میں۔ جو بیوی اسلام آباد میں ہوتی ہے۔ شادی ہو گئی ہے اس کی ایک ڈاکٹر سے۔ میری بھی جارہی ہے ہوتی ہے۔ تمہیں تو پتا ہو گا کلاس فیلو تھا میرا۔"

اماں مسکرائی۔ "اور ذہیب؟" اس کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔

"ہاں، ذہیب آج کل انگلینڈ میں ہوتی ہے۔ ریڈیو کی کر رہی ہے وہاں اپنے شوہر کے ساتھ۔"

اس کے بھائی کے ہاسٹل میں ہی فاروق پریکٹس کرتے ہیں۔

اماں نے بے اختیار است دیکھا۔ "جلال انصر کے ہاسٹل میں؟"

"ہاں، اسی کے ہاسٹل میں۔ وہ اسٹوڈنٹس یونین کر کے آیا ہے کچھ عرصے پہلے لیکن بے چارے کے



راجہ بڑی ٹرینڈی ہوئی ہے۔ چند ماہ پہلے طلاق ہو گئی ہے۔ حال تک۔ اتنا اچھا بندہ ہے مگر۔"

امامہ اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی۔

"طلاق..... اکیوں؟"

"پتا نہیں، فاروقی نے پوچھا تھا اس سے کہ وہ اتنا راسخ و مستحکم نہیں ہوئی۔ بیوی بھی بڑی اچھی تھی اس کی۔ ڈاکٹر ہے وہ بھی لیکن پتا نہیں کیوں طلاق ہو گئی۔ ہم لوگوں کا تو خاصا آہنا تھا ان کے گھر میں۔ ہمیں کبھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ ایسا کوئی مسئلہ ہے دونوں کے درمیان۔ ایک بیٹا ہے تین سال کا۔ وہ چلا کے پاس ہی ہے۔ اس کی بیوی اب اس کے چلے گئی ہے۔"

راہد لا پور والی سے تمام قصبات بتا رہی تھی۔

"تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ یہ تو میں جان گئی ہوں کہ یہاں جا ب کر رہی ہو، مگر اسٹریٹ تو تم نے کھل نہیں کی۔"

"ایسا ایس میں کیا ہے کچھ سڑکیں۔"

"اور شاہی وغیرہ؟"

"وہ ابھی نہیں۔"

"جو شمس کے ساتھ تمہارا جھگڑا ختم ہوا یا نہیں؟"

امامہ نے تیرت سے اس کو دیکھا۔

"نہیں۔" پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔

وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی پھر چلی گئی۔ امامہ باقی کا سارا وقت آفس میں ڈسٹرب رہی۔ اس نے جلال انصر کو کبھی بھلا نہیں تھا۔ وہ اسے بھلا نہیں سکتی تھی۔ اس نے صرف اپنی زندگی سے اس کو الگ کر دیا تھا مگر وہاں بیٹھے ہوئے اس دن اسے احساس ہوا کہ یہ بھی ایک خوش کمائی یا خود فرستی کے ساتھ الگ نہیں تھا۔ وہ جلال انصر کو اپنی زندگی سے الگ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ صرف اس کی زندگی میں داخل ہو کر اسے کسی پریشانی سے دوچار کرنا چاہتی تھی نہ ہی اس کی ازدواجی زندگی کو خراب کرنا چاہتی تھی لیکن یہ وہ جانتے کے بعد کہ اس کی ازدواجی زندگی پہلے ہی ناکام ہو چکی ہے اور وہ ایک بار پھر اکلیا تھا۔ اسے آٹھ سال پہلے وہ کس طرح اس شخص کے حصول کے لئے بچوں کی طرح چلتی رہی تھی۔ وہ اسے مل نہیں کر سکی تھی۔ جب بہت سی دیا دیاں، بہت سی رکاوٹیں تھیں جنہیں وہ پار کر سکتی تھی نہ جلال انصر یا مکمل تھا۔

مگر اب بہت وقت گزر چکا تھا۔ ان رکاوٹوں میں سے اب کچھ بھی ان دونوں کے درمیان نہیں تھا۔ یہ اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ ایک شاہی کر چکا تھا یا اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔

"مجھے اس کے پاس ایک بار پھر جانا چاہئے، شاید وہ اب بھی میرے بارے میں سوچتا ہو شاید اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہو۔" امامہ نے سوچا تھا۔

اس نے آخری بار فونی پر بات کرتے ہوئے اس سے جو کچھ کہا تھا، امامہ اس کے لئے اس کو معاف کر چکی تھی۔ جلال کی جگہ جو بھی ہو تا وہ یہی کہتا۔ صرف ایک لڑکی کے لئے تو کوئی بھی اسے رنک نہیں لیتا اور پھر اس کا کیریئر تھا جسے وہ ماننا چاہتا تھا۔ اس کے پیش کی اس سے کچھ امیدیں تھیں جنہیں وہ شمع نہیں کر سکتا تھا۔ میری طرح وہ بھی مجبور تھا۔ بہت سال پہلے کہے گئے اس کے جملوں کی بازگشت نے بھی اسے دلیراشتہ یا اپنے لیلے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

"مجھے اس کے پاس جانا چاہئے۔ جو سکتا ہے یہ مومن مجھے اللہ نے ہی دیا ہو۔ جو سکتا ہے اللہ نے میری دعاؤں کو اب قبول کر لیا ہو۔ جو سکتا ہے اللہ کو مجھ پر اب رحم آ گیا ہو۔"

وہ بار بار سوچ رہی تھی۔

"دن اس طرح اچانک رہا میرے سامنے کیوں آ جاتی۔ مجھے کیوں یہ پتا چلا کہ اس کی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ جو سکتا ہے اب میں اس کے سامنے جاؤں تو۔۔۔۔۔" وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ جلال انصر کے پاس وہ بارہ جانا چاہتی تھی۔

☆ — ☆ — ☆

"میں ڈاکٹر جلال انصر سے ملنا چاہتی ہوں۔" امامہ نے ریسپشنسٹ سے کہا۔

"اپائنٹ منٹ ہے آپ کی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، اپائنٹ منٹ نہیں ہے۔"

"پھر تو وہ آپ سے نہیں مل سکیں گے۔ اپائنٹ منٹ کے بغیر وہ کسی پچھٹ کو نہیں دیکھتے۔" اس نے بے پروائی سے اشارہ میں کہا۔

"میں پچھٹ نہیں ہوں، ان کی دوست ہوں۔" امامہ نے کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر صاحب چاہتے ہیں کہ آپ اس وقت ان سے ملنے آئیں گی؟" ریسپشنسٹ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"ایک منٹ، میں ان سے پوچھتی ہوں۔" اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" "دور ریسپشنسٹ کا چہرہ دیکھتے گئی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"امام! شرم۔" اسے یاد نہیں اس نے کتنے سالوں بعد اپنا نام لیا تھا۔

"نمر اکوئی خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی دوست ہیں۔ امام ہاشم نام ہے ان کا۔"

وہ دوسری طرف سے جلال کی گفتگو سنتی رہی۔

"او کے سر۔" پھر اس نے دیکھ کر دیکھ دیا۔

"آپ اندر چلی جائیں۔" رپیشنسٹ نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ جلال انصر کا ایک سرٹیکس باہر نکل رہا تھا اور وہ خود اپنی بیڑ کے پیچھے کھڑا تھا۔ امام نے اس کے چہرے پر حیرت دیکھی تھی۔ وہ اپنے دھڑکنے والی آواز باہر تک سن سکتی تھی۔ اس نے جلال انصر کو آٹھ سالوں سے یاد رکھتے ہوئے کے بعد دیکھا تھا۔ امام نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد نہیں آیا۔

"What a pleasant surprise! Imam!" (کیسا خوشگوار سرپرائز ہے امام!)

جلال نے آگے بڑھ کر اس کی طرف آئے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے تم کئی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

وہ اس کے چہرے سے اسے نظر میں نہائے انصر ہوئی۔ پچھلے آٹھ سال سے یہ چہرہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا تھا اور یہ آواز بھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، تو بیٹھو۔"

اس نے اپنی ٹھیک کے سامنے چابی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خود ٹھیک کے دوسری جانب اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ہمیشہ سے چلتی تھی۔ وہ جلال انصر کو جب بھی دیکھے کہ اس کا دل ایسی طرح بے قابو ہو گا مگر اتنی خوشی، ایسی سرشاری تھی جو وہ اپنے رنگ و پے میں خون کی طرح دروزنی محسوس کر رہی تھی۔

"کیا آپ کی؟" چائے، کافی، سوٹڈ ورنک؟ "وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جو آپ چاہیں۔"

"او کے، کافی منگوا لیتے ہیں۔" انہیں پسند تھی۔

وہ انصر کام آغا کر کسی کو کافی بھجوانے کی ہدایات دے رہا تھا اور وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ڈانٹیں اب نہیں تھیں۔ اس کا سیر انسانی شکل میں طور پر تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کا وزن پہلے کی نسبت کچھ بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت بہت پر اعتماد اور بے تکلف نظر آ رہا تھا۔

"تم آج کل کیا کر رہی ہو؟" رپیشور رکھتے ہی اس نے امام سے پوچھا۔

"ایک فارما سیونیکل کمپنی میں کام کر رہی ہوں۔"

"انکم بی بی ایس تو بھول کر دیا تھا تم نے۔"

"ہاں، ایم ایس سی کیا ہے یکسٹری میں۔"

"کون سی کمپنی ہے؟" امام نے نام بتایا۔

"وہ جو بہت اچھی کمپنی ہے۔"

وہ کچھ دیر اس کمپنی کے بارے میں تعریفی تبصرہ کرتا رہا۔ وہ چاب چاب اسے دیکھتی رہی۔

"میں اسے جتنا خوشامد دیکھتی رہی کہ اسے آیا ہوں۔"

وہ اپنے بارے میں بتاتے لگے۔ وہ چھپکے چھپکے بغیر کسی معمول کی طرح اسے دیکھتی رہی۔ بعض لوگوں کو صرف دیکھنا ہی کتنا کافی "ہوتا ہے۔ اس نے اسے بات کرتے دیکھ کر سوچا تھا۔

"ایک سال وہاں ہے اس ہاسٹل کو شروع کئے اور بہت اچھی پرنٹس چھپ رہی ہے میری۔"

وہ یوں رہا کہ کافی آگلی تھی۔

"خیریں میرا چاہیے چاہا؟" وہ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"میں نے آپ کے ہاسٹل کے بورڈ پر آپ کا نام پڑھا تھا پھر راجہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ جانتے ہوں گے۔" راجہ بھی واقف تھی اس سے۔

"راجہ چاروق کی بات کر رہی ہو۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کا شوہر ڈاکٹر فاروق میرے ساتھ کام کر رہے۔" اس نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہی۔" پھر میں یہاں آ گئی۔"

امام نے ابھی کافی نہیں لی تھی۔ کافی بہت گرم تھی اور بہت گرم چیزیں نہیں پی جیتی تھی۔ اس نے کسی زمانے میں میز کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے شخص کو آئیڈل کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں سرخوبی تھی، مگر وہ خوبی بڑا ایک مکمل مرد میں ہونی چاہئے۔ یہ وہ خوبی جو وہ اپنے شوہر میں دیکھنا چاہتی تھی۔ ساڑھے آٹھ سال گزر گئے تھے اور امام کو یقین تھا کہ وہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ چہرے سے ڈانٹنے کے بہت جانے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کو اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ رہی ہو۔ اپنے ہاسٹل کی کھمبائی کے قہقہے اس کے سامنے پڑھتے ہوئے بھی امام اس کی اسی آواز کو اپنے کانوں میں کو جی محسوس کر رہی تھی، جسے آواز نے ایک بار اس کی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ آسان کر دیا تھا۔

وہ اس کے منہ سے کامیاب پرنٹس اور شہرت کا سن کر مسرور تھی۔ جلال نے زندگی میں ان ہی کامیابیوں کو سہینے کے لئے ساڑھے آٹھ سال پہلے اسے چھوڑ دیا تھا مگر وہ خوش تھی۔ آج سب کچھ جلال



ناصر کی منہ می میں تھا۔ کم از کم آج فیصلہ کرنے میں اسے کسی دعواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

"تم نے شادی کر لی؟" بات کرتے کرتے اس نے اچانک پوچھا۔

"نہیں۔" امامہ نے مدہم آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر تم کہاں رہتی ہو؟ کیا اپنے عزیزوں کے پاس ہو؟" جلال اس بار کچھ سنجیدہ تھا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اکیلی رہتی ہوں، عزیزوں کے پاس کیسے جا سکتی تھی۔" اس نے مدہم آواز میں کہا۔

"آپ نے شادی کر لی؟" جلال نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

"ہاں، شادی کر لی اور علیحدگی بھی ہو گئی۔ تین سال کا ایک بڑا ہے میرا۔ میرے پاس ہی ہوتا ہے۔"

جلال نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری۔" امامہ نے اظہارِ افسوس کیا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھا ہوا یہ شادی ختم ہو گئی۔"

"It was not a marriage, it was a mess." (یہ شادی نہیں تھی ایک کھجور تھا)۔

جلال نے کافی کا کپ ٹھیک پر رکھتے ہوئے کہا، کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر اس خاموشی کو

امامہ نے توڑا۔

"بہت سال پہلے ایک بار میں نے آپ کو پوچھ لیا تھا جلال؟"

جلال اسے دیکھنے لگا۔

"پھر میں نے آپ سے شادی کے لئے ریکوریٹ کی تھی۔ آپ اس وقت مجھ سے شادی نہیں

کر سکتے۔"

"کیا میں یہ ریکوریٹ آپ سے دوبارہ کر سکتی ہوں؟"

اس نے جلال ناصر کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

"آپ تو حالات بدل چکے ہیں۔ آپ کسی پرنسپل نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے عزیزوں کے کسی مددگار

کا آپ کو اندیشہ ہو گا نہ ہی آپ کے عزیزوں اعتراض کریں گے۔ اب تو آپ مجھ سے شادی کر سکتے ہیں۔"

وہ جلال کا جواب سننے کے لئے زکی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ اس کی خاموشی نے امامہ کے اعصاب

کو تھل تھل کیا۔ شاید یہ اس لئے خاموش ہے کیونکہ اسے اپنی پہلی شادی بایٹے کا خیال ہو گا۔ امامہ نے سوچا۔

مجھے اسے بتانا چاہیے کہ مجھے اس کی پہلی شادی کی کوئی پروا نہیں ہے، نہ ہی اس بات پر اعتراض کہ اس کا

ایک بیٹا بھی ہے۔

"جلال! مجھے آپ کی پہلی شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"امامہ! یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"محبت کی بات نہیں ہے امامہ! اب بہت وقت گزر چکا ہے۔ ویسے بھی ایک شادی ناکام ہونے کے

بعد میں فوری طور پر دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنے کیرئیر پر دھیان دینا چاہتا ہوں۔"

"جلال! آپ کو مجھ سے تو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ میرے ساتھ تو آپ کی شادی ناکام

نہیں ہو سکتی۔"

"پھر بھی۔۔۔ میں کوئی رسک نہیں لےنا چاہتا۔" جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

جلال نے ایک مہر اسانس لیا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں امامہ! اس پر زینٹن میں نہیں ہوں کہ تم سے شادی کر سکوں۔"

وہ م سادھے اسے دیکھتی رہی۔

"یہ شادی میں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ دوبارہ میں اپنی مرضی نہیں کرنا چاہتا۔ دوسری شادی میں

اپنے عزیزوں کی مرضی سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ اپنے عزیزوں کو میرے بارے میں بتا دیں۔ شاید وہ آپ کو اجازت دے دیں۔" اس نے

دوبارہ ہونے والے کے ساتھ کہا۔

"نہیں بتا سکا۔ دیکھو امامہ! کچھ حقائق ہیں جن کا سامنا مجھے اور تمہیں بہت حقیقت پسندی سے کرنا

چاہیے۔ میں اپنے لئے تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی زمانے میں،

میں بھی تمہارے ساتھ اٹھنا چاہتا ہوں۔ کچھ لوگ محبت کرتا تھا۔ میں آج بھی تمہارے لئے دل میں بہت

خاص جذبات رکھتا ہوں اور جیسے رکھوں گا مگر زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزار لی جا سکتی۔"

وہ لڑکا۔ امامہ کافی کے کپ سے اٹھتے دھوئیں کے پار اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تم جب سات آٹھ سال پہلے اپنا گھر چھوڑ دی تھیں تو میں نے تمہیں سمجھا تھا کہ اس طرح نہ کرو

لیکن تم نے اس معاملے کو اپنی مرضی کے مطابق چن لیا۔ اپنے عزیزوں کو مجھ سے شادی کے لئے کوئی

کمرے کے بجائے تم مجھے بخیر کرتی رہیں کہ میں تم سے چھپ کر شادی کر لوں۔ میں ایسا نہیں کر سکا اور

نہ ہی یہ مناسب تھا۔ مذہب کی بات اپنی جگہ، مگر مذہب کے ساتھ معاشرہ بھی تو کوئی چیز ہوتا ہے جس

میں ہم رہتے ہیں اور جس کی ہمیں پروا کرنی چاہیے۔"

امام کو یقین نہیں آیا۔ وہ یہ سب اس شخص کے منہ سے سن رہی تھی۔

”تم تو چلی گئیں مگر تمہارے جانے کے بعد تمہارا اس طرح نایب ہو جانا کتنا بڑا سکیٹل ثابت ہوا اس کا قصہیں اندازہ نہیں۔ تمہارے جیسے شخص نے پریس میں یہ خبر آنے نہیں دی مگر پورے میڈیکل کالج کو تمہارے اس طرح چلنے جانے کا پتا تھا۔ پولیس نے تمہاری بہت ساری فریڈز اور کلاس فیلوز سے تمہارے بارے میں انوسٹی گیشن کی۔ ذرا شب بھی اس میں شامل تھی۔ خوش قسمتی سے ہم بچ گئے۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”میں نے اسے سال محنت کر کے اپنا ایک مقام بنایا ہے۔ میں اتنا بہادر نہیں ہوں کہ میں تم سے شادی کر کے لوگوں کی چہ گوئیوں کا نشانہ بنوں۔ میرا اصرار تھا ڈاکٹر کی کیونٹی میں ہے اور امام ہاشم کی میری بیوی کے طور پر دانا چاہیے۔ سکیٹل لازماً کر دے گی۔ تم سے شادی کر کے میں لوگوں سے نظریں نہیں چھانا چاہتا۔ تم اتنے سال کہاں رہی ہو، کیسے رہی ہو، یہ بہت اہم سوالات ہیں۔ میرے بیٹے کو تمہاری کسی بات پر یقین نہیں آئے گا اور مجھے لوگوں کی نظروں میں اپنا یہ مقام برقرار رکھنا ہے۔ تم بہت اچھی ہو مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو اور میں کسی سکیٹل لائڈ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ میری بیوی کا کردار اچھا نہیں ہے۔ آئی ہو پ، تم میری پوزیشن کو سمجھ سکتی ہو۔“

کافی کے کپ سے امامتد حواں ختم ہو چکا تھا مگر جلال اصرار کا چہرہ ابھی کسی دعوویں کے پیچھے چھپا نظر آ رہا تھا پھر اس کی آنکھوں میں اترنے والی دھند تھی جس نے جلال اصرار کو نایب کر دیا تھا۔

کری کے دونوں ہاتھوں کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”ہاں، میں سمجھ سکتی ہوں۔“ اس نے اپنے آپ کو کہتے جا۔ ”خدا حافظ۔“

”آئی ایم سوری امام! جلال معذرت کر رہا تھا۔ امام نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ پیچھے نیند کی حالت میں چلنے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔

شام کے سات بج چکے تھے، اندھیرا چھا چکا تھا۔ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس اور ٹیون سائن بورڈز روشن تھے۔ سڑک پر بہت زیادہ ٹریفک تھی۔ اس پورے روڈ پر دونوں طرف ڈاکٹرز کے کلینک تھے۔ اسے یاد تھا کسی زمانے میں اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا بھی ایسا ہی کلینک ہو جا۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ بھی اپنے نام کے آگے اسی طرح کو الی ٹیکشن کی ایک لمبی لسٹ دیکھنا چاہتی تھی بالکل ویسے ہی جس طرح جلال اصرار کے نام کے ساتھ تھیں۔ بالکل ویسے ہی جس طرح اس روڈ پر لگے ہوئے بہت سے ڈاکٹرز کے ناموں کے ساتھ تھی۔ یہ سب ہو سکتا تھا یہ سب ممکن تھا اس کے ہاتھ کی منگی میں تھا اگر وہ۔ وہ بہت سال پہلے اپنے گھر سے نکلی ہوئی۔

وہ بہت دیر تک جلال کے ہاسٹل کے باہر سڑک پر کھڑی خالی الدن کی کیفیت میں سڑک پر دوڑتی ٹریفک کو دیکھتی رہی۔ اس کی کچھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں جائے اس نے ایک بار پھر سڑک ہاسٹل کے ماتھے پر جھٹکا ہے الیکٹرک بورڈ پر ڈاکٹر جلال اصرار کا نام دیکھا۔

”تم اچھی لڑکی ہو، مگر لوگ قصہیں اچھا نہیں سمجھتے۔“

اسے چند منٹ پہلے کہے ہوئے اس کے الفاظ یاد آئے، وہاں کھڑے اسے پہلی بار بتا چلا کہ اس نے اپنی پوری زندگی ایک طرف محبت میں گزاری تھی۔ جلال اصرار کو اس سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ نہ سازھے آٹھ سال پہلے، نہ ہی اب۔ اس کو صرف امام کی ضرورت نہیں تھی، اس کے ساتھ مسلک باقی چیزوں کی بھی ضرورت تھی۔ اس کا لمبا چوڑا فیملی بیک گراؤنڈ۔ سوسائٹی میں اس کے خاندان کا نام اور مرتبہ۔ اس کے خاندان کے کانٹیکٹس۔ اس کے خاندان کی دولت۔ جس کے ساتھ تھی وہ کر وہ سب لگا کر راتوں رات اپر کلاس میں آ جاتا۔ اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ وہ صرف اس کی محبت میں جتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار بھی اس کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ وہ تم از تم یہ یقین ضرور رکھے گا کہ وہ غلط راستے پر نہیں چل سکتی مگر وہ پھر غلط تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک سکیٹل لائڈ لڑکی تھی جس کے دفاع میں اپنی فیملی یا دوسرے لوگوں سے کچھ کہنے کے لئے اس کے پاس کوئی الفاظ نہیں تھا۔ سازھے آٹھ سال پہلے گھر چھوڑتے ہوئے وہ چاہتی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ کہیں گے۔ وہ اپنے لئے کانٹوں بھر رات وہ ہر اچھی زبان میں اور کھڑکرتی نظریں چین رہی تھی مگر اس نے یہ سبھی نہیں سوچا تھا کہ ان لوگوں میں جلال اصرار بھی شامل ہو گا۔ زہر انگشتی زبانوں میں ایک زبان اس کی بھی ہو گی۔ وہ زندگی میں کم از کم جلال اصرار کو اپنے کردار کے اچھا ہونے کے بارے میں کوئی صفائی یا وضاحت نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ اس کو کوئی صفائی دے ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے لفظوں نے سازھے آٹھ سال بعد پہلی بار اسے صبح معنوں میں حقیقت کے سچے ہوئے صحرائیں بھینک دیا تھا۔ وہ معاشرے کے لئے ایک outcast بن چکی تھی۔

”تو امام ہاشم یہ ہے تمہاری اوقات، ایک سکیٹل لائڈ اور stigmatized (دامغ دار) لڑکی اور تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی تھیں۔“

دو طرف ہاتھ پر چلنے لگی۔ ہر بورڈ، ہر ٹیون سائن کو پڑھتے ہوئے۔ وہاں لگے ہوئے بہت سے ڈاکٹروں کے ناموں سے وہ واقف تھی۔ ان میں سے کچھ اس کے کلاس فیلوز تھے۔ کچھ اس سے جو نیچر، کچھ اس سے سینئر اور وہ خود کہاں کھڑی تھی کہیں بھی نہیں۔

”تم دیکھنا امام، تم کس طرح ڈائل و خواہو گی۔ تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، کچھ بھی نہیں۔“ اس کے کانوں میں ہاشم تین کی آواز گونجنے لگی تھی۔ اس نے اپنے کانوں پر سیال مارے کو کہتے



محسوس کیا۔ اس پاس موجود دو دھنیاں اب اس کی آنکھوں کو اور چند حیاتے لگی تھیں۔ جہاں دھیرا آؤی نہیں تھا۔ بس وہ دو نہیں تھا جو سمجھ کر وہ اس کی طرف لگی تھی۔ کیا دھیرا کا تھا جو اس نے نکالیا تھا۔ جان بوجھ کر کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ بھی ایک مادہ پرست تھا مکمل مادہ پرست۔ صرف اس کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس کے لئے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ وہ براؤنی نہیں تھا۔ اس کی اپنی اخلاقیات تھیں اور وہ ان کے ساتھ ہی رہا تھا۔ امام ہاشم کو آج اس نے وہاں قیامت بتادی تھیں۔ اس نے ایسی تھنک اور فقیر آٹھ سالوں میں پہلی بار دیکھی تھی اور وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں سے وہ غریبوں کا مجموعہ سمجھتی رہی تھی اور غریبوں کے اس مجموعے کی فکروں میں وہ کیا تھی؟ گھر سے بھاگی ہوئی ایک اسکول لڑکائی۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں سے اتر رہا تھا اور اس میں سب کچھ بہ رہا تھا۔ سب کچھ اس نے بے رحمی کے ساتھ آنکھوں کو گڑا۔ اپنی چادر کے ساتھ کیلے چہرے کو خشک کرتے ہوئے ایک رکھنے کو روک کر وہ اس میں بیٹھ گئی۔

درد اذہ معید واماں نے کھولا تھا۔ دوسرے جگہ اس طرح اندر داخل ہوئی کہ اس کے چہرے پر ان کی نظر نہ پڑی۔

”کہاں تھیں تم امام۔۔۔ اراست ہو گئی۔ میرا قول تمہارا ہوا تھا۔ ساتھ والوں کے گھر جانے ہی والی تھی میں کہ کوئی تمہارے آفس چاکر تمہارا اچھا کرے۔“

معید واماں درد اذہ بند کر کے تشریف لے گئی۔

”نہیں نہیں اس۔۔۔ اب اس آفس میں کچھ کام تھا اس لئے دیر ہو گئی۔“

اس نے ان سے چند قدم آگے چلتے ہوئے پیچھے مڑے بغیر ان سے کہا۔

”پہلے تو بھی تھیں آفس میں دیر نہیں ہوئی۔ پھر آج کیا ہو گا کہ رات ہو گئی۔ آخر آج کیوں اتنی دیر روکا انہوں نے تمہیں؟“ معید واماں کو اب بھی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

”اس کے بارے میں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آئندہ دیر نہیں ہو گی۔“ وہ اسی طرح اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ہوئی۔

”کمانا گرم کر دوں یا تھوڑی دیر بعد کھاؤ گی؟“ انہوں نے اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں، میں کمانا نہیں کھاؤں گی۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کے لئے سونا چاہتی ہوں۔“

اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”درد کیوں ہو رہا ہے؟ کوئی دوائی دے دوں یا چائے بنا دوں؟“ معید واماں کو اور تشریف لافتی ہوئی۔

”اماں! پلیز مجھے سونے دیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہوئی تو میں آپ سے کہہ دوں گی۔“

اس کے سر میں واقعی درد ہو رہا تھا۔ معید واماں کو شاید اندازہ ہو گیا کہ ان کی تشریف لاف اس وقت اسے بے آرام کر رہی ہے۔

”ٹھیک ہے تم سو جاؤ۔“ وہ جانے کے لئے ہلکی۔

امام نے اپنے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی، اس نے اسی طرح اندھیرے میں درد اذہ کو بٹھایا اور اپنے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اپنا مکمل تھنک کر اس نے سیدھا لیٹتے ہوئے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ وہ اس وقت صرف سونا چاہتی تھی۔ وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی نہ جہاں دھیرا سے ہونے والی کچھ دیر پہلے کی گفتگوں ہی کچھ اور۔۔۔ درد وہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اسے خند کیسے آگئی یہ وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ بہت گہری نیند سو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اس سے تین قدم آگے کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ ہاتھ بڑھاتی تو اس کا کندھا چھو سکتی۔ وہ پس ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اس کے کندھے سے اوپر خاک کعبہ کے کھلتے ہوئے درد اذہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ نور کے اس سیلاب کو دیکھ رہی تھی جس نے وہاں موجود ہر چیز کو اپنی پلیٹ میں لپٹے شرواع کر دیا تھا۔ وہ خاک کعبہ کے خلاف ہر تحریر آیات کو باسانی دیکھ سکتی تھی۔ وہ آسمان پر موجود ستاروں کی روشنی کو یکدم بڑھتے محسوس کر سکتی تھی۔

ان میں سے آگے کھڑا شخص ٹلیپ پڑھ رہا تھا۔ وہاں گونجنے والی واحد آواز اسی کی آواز تھی۔ خوش اماں آواز۔۔۔ اس نے بے اختیار اپنے آپ کو اس کے پیچھے وہی کلمات دہراتے پہلے اسی طرح جس طرح وہ پڑھ رہا تھا، محرز پر لب پھر وہ اپنی آواز اس کی آواز میں ملائے گی۔ اسی کی طرح مگر زبرد۔۔۔ پھر اس کی آواز بلند ہونے لگی پھر اس کو احساس ہوا۔۔۔ وہ اپنی آواز اس کی آواز سے بلند نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے کوشش ترک کر دی۔ وہ اس کی آواز میں آواز ملائی رہی۔

خاک کعبہ کا درد اذہ مکمل چکا تھا۔ اس نے اس شخص کو آگے بڑھ کر درد اذہ سے کے پاس جاکر کھڑے ہونے دیکھا۔ اس نے اسے ہاتھ آسان کی طرف اٹھاتے دیکھا۔ وہ دھیرا کا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ اب وہ نیچے چڑھ کر زمین پر سجدہ کر رہا تھا۔ کعبہ کے درد اذہ سے کے سامنے۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ اب وہ کھڑا ہو رہا تھا۔ وہ پلٹنے والا تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز شناسا تھی مگر چہرہ وہ چہرہ دیکھنے بغیر۔۔۔ وہ اب مڑ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک دم بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ چند لمحوں کے لئے اسے لگا دو دھیں ہو، خانہ کعبہ میں۔ پھر جیسے وہ حقیقت میں واپس آگئی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلادی اور پھر بیڈ پر آکر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اسے خواب دیکھنے کی جڑ نکات سمیت یاد تھا۔ وہاں جیسے اس نے کوئی فلم دیکھی ہو۔ مگر اس آدمی کا چہرہ وہاں نہیں، کچھ سکی نہیں۔ اس کے مرنے سے پہلے اس کی آنکھ کھلی تھی۔

"خوش الحاق آواز، جلالِ انصر کے سوا کس کی ہو سکتی ہے۔" اس نے سوچا۔

مگر وہ شخص اور از قوت قہ جلالِ انصر سا نہ تھا۔ اس شخص کے احرام میں سے نکلے ہوئے کندھے اور بازوؤں کی رنگت صاف تھی اور اس کی آواز وہ شناسا تھی۔ وہ یہ پہچان نہیں پاری تھی کہ وہ آواز جلال کی تھی یا کسی اور کی۔

غواب بہت جلد تھا مگر اس کے سر کا دروغ عجب ہو چکا تھا اور وہ حیران کن طور پر پرسکون تھی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کی۔ وال کا ایک ایک بھار ہاتھ۔ اماں کو پار آتا وہ رات کو عشا کی نماز پڑھے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اس نے پہلے بھی تبدیلی نہیں کی تھی۔ سونے سے پہلے وضو کیا تھا۔ اس نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے کمرے سے باہر آگئی۔ "سیدہ اماں کے کمرے میں رہ گئی تھی۔ وہ سو رہی تھیں۔ پورے گھر میں کبھی خاموشی بھائی ہوئی تھی۔ سکن میں بلب بلب رات کا آواز آتا تھا۔ کبھی دھند کی موجودگی بھی بلب کی روشنی میں محسوس کی جاسکتی تھی۔ صحن کی دیواروں کے ساتھ چڑھتی سبز پتیلیں، سرخ آستانوں کی دیواروں کے ساتھ بالکل مامکت تھیں۔ وہ درختوں کے لئے صحن کے دوسری طرف موجود یا تھو، دم میں جاتا تھا جتنی بھی گرمیوں میں جانے کے بجائے اور آمد کے استون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اپنے سویر کی آستینوں کو اوپر کرتے ہوئے اس نے اپنی ٹرٹ کے آستینوں کے مٹن کھولے جو بے لکڑی اور بے فولد کر دیا۔ چند لمحوں کے لئے اسے بھر بھری آئی۔ کتنی بہت زیادہ تھی پھر وہاں بیٹوں کو دیکھنے لگی۔ ایک بار پھر حالِ انصر کے ساتھ شام کو جو نے والی طاقت استیلا آ رہی تھی مگر اس بار اس کی باتوں کی کوئی استے اٹھ بار نہیں کر رہی تھی۔

بھیری میوی خجائی کی تڑنے کی ڈکی

میں تو سر جاتا مگر ساتھ نہ ہوتا میرا

تیرا ہیر کیاں دھن پر جب ٹوٹتی ہیں

نور ہو جاتا ہے کچھ اور دیرا میرا

کچھ نہیں باتیں شاہوں سے یہ شیدا میرا

اس کی دولت ہے کلک نقش کتب پامیرا

ایک افسردہ می مگر بہت اس کے جو لٹوں پر نمودار ہوئی۔ مگر رے ہوئے پھیلے سارے آٹھ

ملاؤں میں یہ آواز۔ اور یہ الفاظ اس کے ذہن سے کبھی معدوم نہیں ہوئے تھے اور پھر اسے کچھ دیر پہلے کے خواب میں سنائی۔ سیدہ اماں وہ دوسری آواز یاد آئی۔

"لیک اللہم لیک، لیک لا شریک لك لیك، ان الحمد والنعمة لك والصلک لا شریك لك۔"

وہ آواز بائیس اور شناسا تھی مگر جلالِ انصر کی آواز کے علاوہ وہ اور کسی آواز سے مختلف نہیں تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خواب میں دیکھے ہوئے اس منظر کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ مقام شرم، خانہ کعبہ کا کھلا دروازہ، خلافت کعبہ کی دور روشن آیات۔۔۔ دو پرسکون، غلطی سے غلط راستے۔ خانہ کعبہ کے دروازے سے بچوٹی دور دورہ عیار دہشی اور سجدہ کرنا تلیم پڑھتا وہ مرد۔ اماں نے آنکھیں کھول دیں۔

تھک دم تک وہ صحن میں اتنی دھند میں نظر نہ آئی کہ اس کے پار سے میں سو جاتی رہی۔

اس آدمی کے پرہیز کنہے کی پشت پر پٹکے پٹکے بالوں میں زخم کا ایک مندر شدہ نشان تھا۔ اماں کو حیرت ہو رہی تھی۔ غواب کی اس طرح کی جڑ نکات اسے پہلے کبھی یاد نہیں رہی تھیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار خانہ کعبہ کو خواب میں دیکھا تھا اور وہیں بیٹھے اسے خواہش ہوئی تھی کہ کاش وہ کبھی اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو۔ اسی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے خالی ہو، وہاں صرف وہ ہو، وہ اندازہ نہیں لگا سکی وہ کتنی دیر وہاں اسی طرح نہیں رہی۔ وہ اپنے گرد و پیش میں تب لوٹی تھی جب سیدہ اماں تہجد پڑھنے کے لئے وضو کرنے کی خاطر باہر صحن میں آگئی تھیں۔ اماں کو وہاں اس وقت کچھ کر وہ حیران ہوئی تھیں۔

"تہما سے سر کا درو کیا ہے؟" اس کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے پوچھا۔

"اب تو درو نہیں ہے۔" اماں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"رات کو کھانا کھائے بغیر ہی سو گئی تھیں؟" وہ اس کے پاس برآمدے کے غلطے فرش پر بیٹھنے ہوئے بیٹھیں۔

وہ خاموش رہی۔ "سیدہ اماں ایک گرم آبی شال اوڑھے ہوئے تھیں۔ اماں نے ان کے کندھے پر اپنا چہرہ لگادیا۔ اس کے سن چہرے کو گرم شال سے ایک عجیب سی آسودگی کا احساس ہوا۔

"اب تم شادی کر لو آمد!" سیدہ اماں نے اس سے کہا۔ وہ اسی طرح گرم شال میں اپنا چہرہ چھپائے رہی۔ "سیدہ اماں پہلی بار یہ بات نہیں کہہ رہی تھیں۔

"آپہ کر دیں۔" وہ ہمیشہ ان کی اس بات پر خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔ کیوں؟ "آپہ خود بھی نہیں جانتی تھی لیکن آج پہلی بار وہ خاموش نہیں رہی تھی۔

"تم کچھ کہہ رہی ہو؟" سیدہ اماں اس کی بات پر حیران ہوئی تھیں۔



"میں بچہ کی دہی ہوں۔" اماں نے سر ان کے کندھے سے اٹھالیا۔  
 "تمہیں کوئی پسند ہے؟" سعید اماں نے اس سے پوچھا وہ سر جھکائے مٹک کے فرش کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی مجھے پسند ہے؟ نہیں مجھے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔" سعید اماں کو اس کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہیں اس نے ایک بار پھر ان کی مثال میں اپنا چہرہ چھپالیا۔

"تمہاری شادی ہو جائے تو میں بھی انگلیٹہ چلی جاؤں گی۔"  
 انہوں نے اس کے سر کو چھپتاتے ہوئے کہا اور اس کے سر کو چھپتاتے ہوئے ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ ان کی مثال میں منہ چھپائے بچکوں سے دور رہی تھی۔

"آمت! آمت! چٹا گیا ہوا؟" انہوں نے پریشان ہو کر اس کا چہرہ اٹھانے کی کوشش کی۔  
 وہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ وہ اسی طرح ان کے ساتھ لگ کر روئی رہی۔  
 "اٹھ کے لئے... کچھ تو تباؤ کیوں رو رہی ہو؟" اودل کر فٹ ہو گئیں۔

"کچھ نہیں..... بس ایسے ہی..... سر میں درد ہو رہا ہے۔" انہوں نے زبردستی اس کا گیلیا چہرہ اوپر کیا تھا۔ وہ اب اپنی آستینوں سے چہرہ پچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سعید اماں سے آنکھیں نہیں ملائی تھیں۔ "سعید اماں بیکار ہے یا تمہارے کسی طرح جانے دیتے ہیں۔"

سعید اماں اس کی شادی کی بات کرنے والی آگیلی نہیں تھیں۔ اس کی تعظیم مکمل ہونے کے بعد ڈاکٹر سید علی نے ایک بار پھر اس سے شادی کا ذکر کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی جب اس نے کیوں اتفاق کر دیا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اب آزاد تھی۔

"مجھے کچھ عرصہ جا ب کر لینے دیں اس کے بعد میں شادی کروں گی۔" اس نے ڈاکٹر سید علی سے کہا تھا۔ شاید یہ پچھلے کئی سالوں سے ڈاکٹر سید علی پر مایہ طور پر ایک بوجھ بننے کا احساس تھا جس سے وہ نجات حاصل کرنا چاہتی تھی یا پھر کہیں اس کے لاشعور میں یہ چیز تھی کہ ڈاکٹر سید علی کو اس کی شادی پر ایک بار پھر اعتراضات کرنے پڑیں گے اور وہ یہ جانتی تھی کہ وہ ان اعتراضات کے لئے خود کچھ منع کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے یہ بات ڈاکٹر سید علی کو نہیں بتائی تھی مگر اس نے ان سے جا ب کی اجازت لے لی تھی۔

شاید وہ ابھی کچھ عرصہ مزید جا ب کرتی رہتی۔ مگر جلال انصر سے اس ملاقات کے بعد وہ ایک تکلیف دہ ذہنی دھچکے سے دو چار ہوئی تھی اور اس نے ایک دم سعید اماں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ وہ نہیں جانتی۔ سعید اماں نے ڈاکٹر سید علی سے اس بات کا ذکر کیا یا نہیں مگر وہ خود ان دونوں مکمل طور پر اس کے لئے رشتے کی تلاش میں سرگرداں تھیں اور اس کو خوش کامیاب فیصلہ کی صورت میں اٹھا تھا۔

فید ایک کنبھی میں اچھے خد سے پر کام کر رہا تھا اور اس کی شہرت بھی بہت اچھی تھی۔ فید کے گھر والے اسے کنبی یا دیکھ کر ہی پسند کر گئے تھے اور اس کے بعد سعید اماں نے ڈاکٹر سید علی سے اس رشتے کی بات کی۔

ڈاکٹر سید علی کو کچھ مائل ہوا..... شاید وہ اس کی شادی اب بھی اپنے جانے والوں میں کرنا چاہتے تھے۔ مگر سعید اماں کی فید اور اس کے گھر والوں کی یہ پتلہ تفریقوں کے بعد اور فید اور اس کے گھر والوں سے خواتین کے بعد انہوں نے سعید اماں کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے فید کے بارے میں بہت چٹان میں گردائی تھی اور پھر وہ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

فید کے گھر والے ایک سال کے اندر شادی کرنا چاہتے تھے لیکن پھر اچانک انہوں نے چند ماہ کے اندر شادی پر اصرار کرنا شروع کر دیا۔ یہ صرف ایک اتفاقی ہی تھا کہ ڈاکٹر سید علی اسی دوران اپنی کچھ مصروفیات کی وجہ سے انگلیٹہ میں تھے جب فید کے گھر والوں کے اصرار پر تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ سعید اماں فون پر ان سے مشورہ کرتی رہی تھیں اور ڈاکٹر سید علی نے انہیں اپنا اتفاق کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ فوری طور پر وہاں سے نہیں آ سکتے تھے البتہ انہوں نے کلام آنٹی کو واپس پاکستان بھیج دیا تھا۔

اس کی شادی کی تیاری کلام آنٹی اور مریم نے ہی کی تھی جو راہ پونڈی سے کچھ مٹھوں کے لئے اپنی سرسرا لایا اور آگئی تھی۔ ڈاکٹر سید علی نے اس کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد فون پر اس سے طوطی گفتگو کی تھی۔ ان کی تین بیٹیوں کی شادی ان کے اپنے خاندان میں ہی ہوئی تھی اور ان کے سرسرا میں سے کسی نے بھی جینے نہیں لیا تھا، مگر ڈاکٹر سید علی نے تین بیٹیوں کے جینے کے لئے مخصوص کی جانے والی رقم انہیں تحفہ سے دی تھی۔

"سازے آٹھ سال پہلے جب آپ میرے گھر آئیں تھیں اور میں نے آپ کو اپنی بیٹی کہا تھا تو میں نے آپ کے لئے بھی کچھ رقم رکھ دی تھی۔ وہ رقم آپ کی لمانت ہے۔ آپ اسے ویسے لے لیں یا پھر میں مریم اور کلام سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ کے جینے کی چیز پر اسے خرچ کریں۔ سعید آپ کی خواہش تھی کہ شادی ان کے گھر پر ہو ورنہ میں چاہتا تھا کہ یہ شادی میرے گھر پر ہو۔ آپ کے گھر پر....."

انہوں نے اس سے کہا تھا۔  
 "مجھے اس بات پر بہت رنج ہے کہ میں اپنی بیٹی جی جی کی شادی میں شرکت نہیں کر سوں گا مگر شاید اس میں ہی کوئی بہتری ہے۔ میں پھر بھی آخری وقت تک کوشش کروں گا کہ کسی طرح شادی پر آ جاؤں۔"  
 وہ ان کی باتوں کے جواب میں بالکل خاموش رہی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہی ہی اصرار کیا تھا کہ وہ اپنی شادی پر اپنی رقم خرچ کرے گی اور نہ ہی یہ کہ وہ شادی ان کی رقم سے نہیں کرنا چاہتی۔ اس دن اس کا دل چاہا تھا ان کا ایک اور احسان لینے کو۔ وہ اس پر اسے احسان کر چکے تھے کہ اب اسے ان احسانوں کی عادت ہونے لگی تھی۔ اسے صرف ان سے ایک گلہ تھا وہ آخر اس کی شادی میں شرکت کیوں

نہیں کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

قید کے گھر والوں کا امرار تھا کہ شادی سادگی سے ہو اور اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ اماں خود بھی شادی سادگی سے کرنا چاہتی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ قید کے گھر والوں کا سادگی پر اصرار اصل کچھ اور ہو جاتا ہے۔

اس کا نکاح بہندی والی شام کو ہوتا تھا مگر اس شام کو سہ پہر کے قریب قید کے گھر والوں کی طرف سے یہ اطلاع ہوئی تھی کہ نکاح اگلے دن یعنی شادی والے دن ہی ہو گا۔ جب تک اسے سید اماں کو کوئی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ قید کے گھر میں کوئی مسئلہ تھا۔ بہندی کی ویسے بھی کوئی بچی چڑی تقریب نہیں تھی۔ صرف سید اماں کے بہت قریبی لوگ تھے یا پھر نزدیکی سمجھنے والے۔ نکاح کی تقریب کے لئے جس کھانے کا انتظام کیا گیا تھا وہ ان لوگوں کو سرا کر دیا گیا۔

شادی کی تقریب بھی سادگی سے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ چار بیٹے بارہ لڑکیاں تھیں جنہیں قید کے قریب رہتی تھی لیکن بارہ آنے سے ایک محنت پہلے قید کے گھر والوں نے سید اماں کو قید کی روپوشی کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے اس رشتے سے معذرت کر لی۔

اماں کو چار بیٹے تک اس سادہ معارطے کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ قید کے گھر سے عروسی لباس پہلے بھوانا گیا تھا اور وہ اس وقت وہاں پہنچے تقریباً چھ بجے مریم اس کے کمرے میں چلی آئی۔ اس کا چہرہ سوتا ہوا تھا۔ اس نے اماں کو کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کہا۔ اس نے اماں کو فوری طور پر یہ نہیں بتایا تھا کہ قید کے گھر والے انکار کر کے چاہتے تھے۔ اس نے اماں سے صرف یہی کہا کہ قید کے گھر والوں نے شادی کی سہولت کر دی ہے اس کے گھر میں کسی قریبی مزاج کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ یہ بتا کر بہت افراتفری میں کمرے سے نکل گئی۔ اماں نے کپڑے تبدیل کر لئے لیکن اس وقت اس کی بھینٹ سس نے اسے اس پریشانی سے آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے مریم کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی اور باہر موجود لوگوں کے تاثرات نے اس کے تمام شہادت کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ سید اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کلثوم آنٹی، بیوٹ، نور العین آیا۔ ہمسائے میں رہنے والی چند عورتیں، مریم اور سید اماں۔ مریم سید اماں کو پانی چاہ رہی تھی۔ وہ بہت غرضال نظر آ رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل کی دھڑکن نہ کی۔ انہیں کیا ہوا تھا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی سب کی نظریں اس پر پڑیں۔ بیوٹ آپاں کی طرف تیزی سے بڑھیں۔

”آمنہ! تم باہر آ جاؤ۔“ انہوں نے اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔

”اماں کو کیا ہوا ہے؟“ وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ کلثوم آنٹی نے کمرے میں موجود لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ وہ سید اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

”انہیں کیا ہوا ہے؟“ اس نے بے تابی سے مریم سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ سید اماں کا چہرہ آنسوؤں سے بھینکا ہوا تھا۔ وہ اماں کو دیکھ رہی تھیں مگر اسے یوں لگا جیسے وہ اس وقت اسے دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔ گاس ہاتھ سے بتاتے ہوئے انہیں ملنے لگا۔ ساتھ لگا کر وہ باہر نکل کر دیا۔

گھر والی ہو چکا تھا۔ صرف ڈاکٹر۔ بیوٹ کی فلیکس دہیں پر تھی۔

”کیا ہو اماں؟“ مجھے بتائیں۔“ اماں نے انہیں نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

”قید نے اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر گھر سے جا کر کسی اور کے ساتھ شادی کر لی ہے۔“ مریم نے دم دم آواز میں کہا۔ ”دلوگ کچھ دیر پہلے معذرت کرنے آئے تھے۔ وہ لوگ یہ رشتہ ختم کر چکے ہیں۔“ چند منٹ تک وہ بالکل سادہ رہی تھی۔ فون کی گردش، دل کی دھڑکن، چلتی ہوئی سانس۔ چند سیکنڈز سب کچھ جیسے رک گیا تھا۔

”کیا میرے ساتھ یہ بھی ہوا تھا؟“ اس نے بے اختیار سوچا۔

”کوئی بات نہیں اماں! آپ کیوں رو رہی ہیں؟“ اس نے بڑی سہولت سے سید اماں کے آنسو صاف کئے۔ سب کچھ ایک بار پھر بھائی ہو گیا تھا سو اس کی دھمکتے ہوئی تھی۔

”آپ پریشان نہ ہوں۔“ سید اماں کو اس کی باتوں پر اور روئے آیا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں۔۔۔“ اماں نے انہیں بات کھل کرنے نہیں دی۔

”اماں! جیوڑیں ہاں۔ کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ لیٹ جائیں۔ کچھ دیر آرام کر لیں۔“ وہ انہیں پر سکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں تمہارے دل کی حالت کو کچھ سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے غم کو چاہتی ہوں۔ آمنہ! میری بیٹی مجھے محالہ کر دے۔“ سب میری وجہ سے ہی ہوا ہے؟“ انہیں تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

”مجھے کوئی غم نہیں ہے اماں! کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سید اماں سے کہا۔

سید اماں یک دم روتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

اماں کسی سے کوئی بات کہے بغیر ایک بار پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے بلے پر تمام چیزیں اسی طرح چڑی ہوئی تھیں۔ اس نے انہیں سینا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس وقت وہاں بیٹھی رو رہی ہوتی مگر وہ غیر معمولی طور پر پرسکون تھی۔



"اگر میں جلال کے نہ ملے پر میر کر نکلی ہوں تو یہ تو پھر ایک ایسا شخص تھا جس کے ساتھ میری کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی۔" اس نے اپنے عروسی لباس کو نہ کرتے ہوئے سوچا۔

"زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا، یہاں بھی لوگوں کے سامنے نظر میں چر کر اور سر جھکا کر چلنا پڑے گا۔ کچھ باتیں اور بے حاشی برداشت کرنی پڑے گی تو پھر کیا ہو۔ اس میں میرے لئے کیا کیا ہے۔"

مریم کرتے میں داخل ہوئی اور اس کے ساتھ چیزیں سیٹلے لگی۔

"ابو کو خون کر دیا ہے۔" اس نے امام کو بتایا۔

وہ جھٹکا ہار کچھ جھپٹائی۔

"کیوں خواہ مخواہ تم لوگ انہیں تنگ کر رہے ہو۔ انہیں وہاں سکون سے رہنے دو۔"

"اتنا برا حادثہ ہو گیا ہے اور تم۔"

اس نے مریم کی بات کاٹ دی۔

"مریم میری زندگی میں اس سے بڑے حادثے ہو چکے ہیں۔ یہ کیا معنی رکھتا ہے۔ مجھے تکلیف سب سے کی بات ہو چکی ہے۔ تم معیدہ ماں کو قتل دو۔ مجھے کچھ نہیں ہوا میں بائگل ٹھیک ہوں اور ابو کو بھی خواہ مخواہ تنگ نہ کرو۔ دو وہاں پر بیٹان ہوں گے۔"

مریم کو چیزیں سمیٹتے ہوئے وہاں داخل لگی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور نکلتی۔ کلثوم آنٹی، معیدہ ماں کے ساتھ یک دم اندر آ گئیں۔ امام کو ان دونوں کے چہرے بہت عجیب لگے۔ کچھ دیر پہلے کے برعکس وہ دونوں بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔ اس کے کسی سوال سے پہلے کلثوم آنٹی نے اسے سالار کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ دو دم بخود ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو تمہارا نکاح اس سے کر دیا جائے؟" آنٹی نے اس سے پوچھا۔

"سچا علی اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے ۱۰۰۰ روپے بہت اچھا لڑکا ہے۔" وہ اسے قلی دیتے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اگر ابو اسے جانتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ جیسا کہز سمجھیں کریں۔"

"اس کا ایک دو سو تھم ہے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔" وہ اسے سٹالے پر کچھ جیران ہوئی تھی مگر اس نے فرقان سے ملنے سے انکار نہیں کیا۔

"میرے دوست نے آٹھ نو سال پہلے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اپنا پسند ہے۔"

وہ چپ چاپ فرقان کو دیکھتی رہی۔

"وہ آپ سے شادی پر تیار ہے، مگر وہ اس لڑکی کو طلاق دینا نہیں چاہتا۔ تجھ وجوہات کی بنا پر وہ

لڑکی اس کے ساتھ نہیں رہی لیکن وہ اب بھی اسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ سب بتا دوں تاکہ اگر آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہو تو اس بات کو یقینی بن کر دیں گے لیکن میں آپ سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ شاید وہ لڑکی اسے کبھی بھی نہ ملے۔ آٹھ نو سال سے اس کا میرے دوست کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ یہ ایک سو سو سی اسی ہے۔ جس پر وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔ ڈاکٹر سید علی صاحب آپ کو اپنی بیٹی سمجھتے ہیں اور اس حوالے سے آپ میری بہن کی طرح ہیں۔ اسی وقت اس صورت حال سے نکلنے کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ وہ لڑکی اسے کبھی بھی نہیں ملے گی کیونکہ نہ تو وہ اسے پسند کرتی تھی نہ ہی آج تک اس نے اس سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر اتنا لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"دوسری بیوی..... تو امام باقم یہ ہے تمہاری وہ فقیر جو اب تک تم سے پوشیدہ تھی۔" اس نے سوچا۔

"اگر ڈاکٹر سید علی اس شخص کے بارے میں یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کو میرے لئے منتخب کر رہے ہیں تو ہو سکتا ہے میرے لئے یہی بہتر ہو۔ میں جلال کی بہن تو دوسری بیوی بننے کے لئے تیار تھی، اس سے محبت کرنے کے باوجود۔ اور اس شخص کی بیوی بننے پر مجھے کیا اعتراض ہو گا جس سے مجھے محبت بھی نہیں ہے۔"

اسے ایک بار پھر جلال یاد آیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان کی بیوی جب بھی آئے وہ اسے رخصت کئے ہیں۔ میں بڑی خوشی سے ان کو یہ اجازت دیتی ہوں۔" مدیم آہ ازمیں کسی مال کے بغیر اس نے فرقان سے کہا۔

پندرہ منٹ بعد اسے پہلا شاک اس وقت لگا تھا جب نکاح خواں نے اس کے سامنے سالار سکندر کا نام لیا تھا۔

"سالار سکندر..... ولد سکندر عثمان۔" اسے نکاح خواں کے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ نام ایسے نہیں تھے جو ہر شخص کے ہوتے۔

"سالار سکندر..... سکندر عثمان؟ اور پھر اس ترتیب میں کیا..... یہ..... شخص زندہ..... ہے۔؟"

اس کے سر پر جیسے آسمان آگرا تھا۔ اس کے چہرے پر چادر کا کچھ ٹکٹ نہ ہوتا تو اس وقت اس کے چہرے کے تاثرات نے سب کو پریشان کر دیا ہوتا۔ نکاح خواں اپنے کلمات دو بار دہرا رہا تھا۔

امام کا بھائی بانی اور دل ڈوب رہا تھا اگر یہ شخص زندہ تھا تو..... میں تو اب تک اس کے نکاح میں

بار اس نے بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں پر نقش و نگار بنوائے تھے نہ صرف ہاتھوں پر بلکہ ہیروں پر بھی۔  
وہ اپنے ہیروں کو دیکھتے تھے۔ مثال کو اپنے کردار پر لپیٹتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو اس کے نیچے پھیلایا۔

"اسجد سے جلال۔ جلال سے فہد۔ اور فہد سے سالار۔۔۔ ایک شخص کو میں نے روک دیا، وہ نے مجھے روک کر دیا اور نہ تھا شخص جو میری زندگی میں شامل ہوا، وہ سب سے بدترین ہے۔ سالار سکندر۔"

اس کے اندر دھواں سا بھر گیا۔ وہ اپنے اسی طبقے کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔ کھانا گریبان، گلے میں لٹکنی زنجیر، ہر ہینڈ میں بندھے ہال، چھتی ہوئی ٹھیک آئینہ نظریں، وہ انہیں کال پر مذاق اڑاتی مسکراہٹ کے ساتھ چلنے والے ڈاکٹر، گھاسیوں میں لٹکے جینز اور ریلیٹ، عورتوں کی قصور وائی ٹنگ، جینز۔

وہ جیسے اس کے زندگی کے سب سے خوب صورت خواب کی سب سے بیکارک تعبیریں کو سامنے آیا تھا۔ اس کے دل میں سالار سکندر کے لئے ذوق یہ ابر عزت نہ تھی۔

"میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بدی نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا براہ میری زندگی میں آئے۔" اس نے کئی سال پہلے فون پر اس سے کہا تھا۔

"مثلاً یہ اسی لئے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی کیونکہ ایک مردوں کے لئے نیک عورت نہیں ہوتی ہیں، تمہارے بھی نہیں۔"

سالار نے جواب کیا تھا۔ امام نے اپنے ہونٹ ہچکچاتے ہوئے۔

"چاہے کچھ ہو جائے سالار! میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ تم واقعی مر جاتے تو زیادہ اچھا تھا۔" وہ بڑبڑاتی تھی۔

اس وقت ایک لمبے کے لئے بھی اسے خیال نہیں آیا تھا کہ سالار سکندر نے کبھی اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

☆۔☆۔☆

ڈاکٹر سیٹھ علی جس رات پاکستان، اب اس نے آئے تھے اس رات امام الہ کے گھر پر ہی تھی مگر رات کو اس نے ان سے سالار کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مریم ابھی لاہور میں ہی تھی اس لئے وہ سب آئینہ میں خوش گپیوں میں مصروف رہے۔

اگلے دن صبح بھی وہ سب اسی طرح اٹھتے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ امام کو ان تمام کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ انٹیلیجنٹ سے امام اور سالار کے لئے کر آئے تھے۔ امام خاموشی سے سنتی رہی۔

"سالار بھائی کو تو آج افطار دی پر ملائیں۔" یہ مریم کی تجویز تھی۔

ڈاکٹر سیٹھ علی نے مریم کے کہنے پر سالار کو فون کیا۔ امام جب بھی خاموش رہی۔

وہ پیر کو نماز پڑھنے کے لئے باہر جانے لگی تو امام ان کے ساتھ باہر چلے گئے۔

"اب دیکھو آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ابھی؟" ڈاکٹر سیٹھ علی قدرے حیرانی سے بولے۔

"نہیں، آپ نماز پڑھ آئیں پھر وہاں پر۔"

وہ کچھ دیر تنہا تھی اسے دیکھتے رہے اور پھر کچھ کے بغیر باہر چلے گئے۔

☆۔☆۔☆

"میں سالار سے ملائی لیکن باتیں نہیں ہوئیں۔" وہ مسجد سے واپس پر اسے لے کر اپنی اسٹڈی میں آگئے تھے اور امام نے بلا کسی تمہید یا توقف کے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"آمنہ! وہ دم بخود رہ گئے۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ مسلسل فرش پر غور رہی تھی۔

"آمنہ! آپ کے ساتھ اس کی دوسری شادی ضرور ہے لیکن اس کی پہلی شادی کا کوئی پتا نہیں ہے۔ فرقان بتا رہا تھا کہ تقریباً نو سال سے ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں ہے اور شادی بھی نہیں، صرف نکاح ہوا تھا۔"

ڈاکٹر سیٹھ علی اس کے انکار کو پہلی شادی کے ساتھ جوڑ رہے تھے۔

"کون جانتا ہے وہ کہاں ہے، کہاں نہیں۔ نو سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔"

"میں اس کی پہلی شادی کو جانتی ہوں۔" اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

"آپ؟" ڈاکٹر سیٹھ علی کو یقین نہیں آیا۔

"وہ میں ہوں۔" اس نے پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ بولے کے قابل نہیں رہے تھے۔

"آپ کو یاد ہے نو سال پہلے میں ایک لڑکے کے ساتھ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی جس کے بارے میں آپ نے مجھے بعد میں بتایا تھا کہ میری فیملی نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے۔"

"سالار سکندر۔۔۔۔۔" ڈاکٹر سیٹھ علی نے بے اختیار اس کی بات کاٹی۔

"یہ وہی سالار سکندر ہے؟" امام نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جیسے شاک میں تھے۔ سالار سکندر سے ان کی فرقان کے توسط سے پہلی ملاقات امام کے گھر سے چلے آنے کے چار سال بعد ہوئی تھی اور ان کے ذہن میں کبھی یہ نہیں آیا کہ اس سالار کا امام سے کوئی تعلق ہو سکتا تھا۔ چار سال پہلے سے جاننے والے ایک نام کو وہ چار سال بعد ملنے والے ایک دوسرے شخص کے ساتھ تھی نہیں کر سکتے تھے اور کبھی دیکھے اگر وہ چار سال پہلے والے سالار سے ہی ملے مگر وہ جس شخص سے ملے تھے وہ حافظ قرآن تھا۔ اس



ہوں۔ میرے خدا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر سیٹھ علی اسے کہتے جاتے ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک لٹرار برپا تھا۔

”آؤ۔۔۔ بیٹا! میں کہوں۔“ سعید و اماں نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”سالار سکھ دیجیے شخص کے لئے ہاں۔“

اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں لے کر پھینچا۔ وہ ”ہاں“ کے علاوہ اس وقت کچھ اور کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ خوف اور شاک کے عالم میں اس نے کائنات پر ہر شے کے لئے تھے۔

”کاش کوئی مجھ کو۔۔۔ یہ وہ سالار سکھ رہے ہو۔ یہ سب ایک اتفاق ہو۔“ اس نے اللہ سے دعا کی تھی۔

ان سب لوگوں کے کمرے سے چلے جانے کے بعد مریم نے اس کے چہرے سے ہار دینا دی۔

اس کے چہرے کا رنگ بالکل سفید ہو چکا تھا۔

”کیا ہو؟“ مریم کی تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ وہ کچھ نہیں سکتی۔ وہ اس سے لیا کہ وہ ہی تھی۔ اس کا ذہن نہیں اور تھا۔

”مریم! Just do me a favour! لیا۔“ اس نے مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میں نے کچھ نہ کر لیا ہے، مگر میں آج رخصتی نہیں چاہتی۔ تم سعید و اماں سے کہو کہ وہ آج میری رخصتی نہ کریں۔ پلیز۔“

مریم اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”کیوں؟“

”میں تم اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھو، کچھ بھی نہیں۔ سعید و اماں سے کہو میں ابھی رخصتی نہیں چاہتی۔“

اس کے لہجے میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ مریم آنسو کر باہر نکل گئی۔ وہ بہت جلد ہی واپس آگئی۔

”اماں! رخصتی نہیں ہو رہی ہے۔ سالار بھی رخصتی نہیں چاہتا۔“

اماں کے ہاتھوں کی کینچا پٹت کچھ تم ہو گئی۔

”ابو! کونوں آنے والا ہے تمہارے لئے۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

اس نے اماں کو حیرت انگیز دیکھا۔ وہ فون سننے کے لئے دوسرے کمرے میں آگئی۔ انہوں نے ہاتھ دے بعد اسے فون کیا تھا۔ وہ اسے مبارکبادیں دے رہے تھے۔ اماں کا دل روئے کو چاہا۔

”سالار بہت اچھا انسان ہے۔“ وہ کہہ رہے تھے۔ ”میری خواہش تھی کہ آپ کی شادی اسی سے ہو، مگر چونکہ آپ سعید و اماں کے پاس رہ رہی تھیں اس لئے میں نے ان کی خواہش اور احتجاج کو مقدم سمجھا۔“

وہ سانس لینے تک کے قابل نہیں رہی تھی۔

”مجھے یہ علم نہیں تھا کہ سالار نے اس سے پہلے کبھی شادی کی تھی مگر تو ذرا دیر پہلے فرقان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ صرف ضرور نکاح کیا جائے والا کوئی نکاح تھا۔ فرقان نے مجھے تفصیل نہیں بتائی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میرے جانتے والوں میں سالار سے اچھا کوئی شخص ہو تا تو اس کے نکاح کے بارے میں جان لینے کے بعد میں آپ کی شادی سالار سے کرنے کے بجائے کہیں اور کر دیتا لیکن میرے ذہن میں سالار کے علاوہ اور کوئی آیا ہی نہیں۔ آپ خاموش کیوں ہیں آؤ؟“

انہیں بات کرنے کرتے اس کا خیال آیا۔

”ابو! آپ! آپس کب آئیں گے؟“

”میں ایک ہفتے تک آ رہا ہوں۔“ ڈاکٹر سیٹھ علی نے کہا۔

”مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ مجھے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے۔“

”آپ فرمیں! میں جیسا؟“ ڈاکٹر سیٹھ علی کو اس کے لہجے نے پریشان کیا۔

”آپ پاکستان آ جائیں پھر میں آپ سے بات کروں گی۔“ اس نے خفیہ لہجے میں کہا۔

ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔

اور ات کو سونے سے پہلے ضرور کرنے کے لئے ہاتھ رام میں لگی۔ ضرور کرنے والوں آتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن میں برآمد ہوئے کیڑیوں پر بیٹھ گئی۔ گھر میں اس وقت کوئی مہمان نہیں تھا۔ وہ اور سعید و اماں بیٹھ کی طرح تھا۔ سعید و اماں ٹھکانے کی وجہ سے بہت جلد سو گئیں۔ وہ سالار کے ساتھ گھر میں موجود کام نہ پاتی رہی۔ سالار سے اس بیٹے کے قریب ملا رہی اپنا کام ختم کر کے سونے کے لئے چلی گئی۔ وہ شادی کے کاموں کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے وہیں رہ رہی تھی۔ اماں، بہن اور اپنے کمرے کے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام پھرتی رہی۔

وہ جس وقت ان سب کاموں سے فارغ ہوئی اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ وہ بہت تھکا چکی تھی مگر سونے سے پہلے ضرور کرنے کے بعد صحن سے گزرتے ہوئے ایک دم ہی اس کا دل اپنے کمرے میں جانے کو نہیں چاہا۔ وہاں وہ آئے میں بیٹھ گئی۔ صحن میں چلنے والی روشنیوں میں اس نے اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر لگی ہوئی ہینڈی کو دیکھا۔ ہینڈی بہت اچھی رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کبھی نہ تک سرخ نکلے ہوئوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے گل بہت ساہوں کے بعد کچلی بارہ سے شرق سے ہینڈی لگوائی تھی۔ اسے ہینڈی بہت پسند تھی۔ تیاروں کے علاوہ بھی وہ اکثر اپنے ہاتھوں پر ہینڈی لگا کر کرتی تھی مگر سالار سے آٹھ سال پہلے اپنے گھر سے نکل آئے کے بعد اس نے کبھی ہینڈی نہیں لگائی تھی۔ غیر محسوس طور پر ان تمام چیزوں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی مگر سالار سے آٹھ سال کے بعد پہلی

کے اندازہ اخراج اور رفتار میں کہیں اس ذہنی مرض کا گھس نہیں پایا جاتا تھا۔ بس کا حال انہیں امام نے کئی بار دہرایا تھا۔ ان کا دھوکا کھانا تھا ایک قطری امر قلیا پھر یہ سب اسی طرح سے "طے کیا گیا تھا۔"

"اور آپ نے کونسا سال پہلے اس سے شادی کی تھی؟" وہ اب بھی بے یقینی کا شکار تھے۔

"صرف نکاح۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"اور پھر اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ ڈاکٹر سیٹھ ملی بہت دیر غائب رہے تھے پھر انہوں نے ایک گھبراہٹ سے بولنے کا بہانہ کیا۔"

"آپ کو کچھ پریشان کرنا چاہئے تھا؟" اس نے آپ کی مدد کرنا تھا۔

امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ غریب کہتے ہیں، مجھے آپ پریشان کر لینا چاہئے تھا مگر اس وقت میرے لئے یہ بہت مشکل تھا۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں اس وقت کس ذہنی کیفیت سے گزار رہی تھی یا پھر شاید میری قسمت میں یہ آزمائش بھی لکھی تھی اسے آگاہی تھا۔"

وہ بات کرتے کرتے ڈکی ابھر اس نے تم آنکھوں کے ساتھ سر اٹھا کر ڈاکٹر سیٹھ علی کو دیکھا اور مسکراتے کی کوشش کی۔

"لیکن اب تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو آپ طلاق لینے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں، میں اب اس طلاق میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ آہ! میں نے اس سے آپ کی شادی کروائی ہے۔" انہوں نے مجھے اسے یاد دلایا۔

"ابھی لئے تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ آپ اس سے مجھے طلاق دلا دیں۔"

"لیکن کیوں، میں کیوں اس سے آپ کو طلاق دلا دوں؟"

"یہ تو... کیونکہ وہ ایک... اچھا آدمی نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنی زندگی کو سالار جیسے آدمی کے ساتھ گزارنے کا نہیں سوچا۔ ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔" وہ بے حد دلیرانہ طور پر کہتی تھی۔

"میں نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی اب اس نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی مگر اس بار مجھے اللہ سے بہت شکایت ہے۔"

وہ گویا گھر کے کونے میں بولی۔

"میں اتنی محبت کرتی ہوں اللہ سے... اور دیکھیں اللہ نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میرے لئے دنیا کے سب سے برے آدمی کو چنا۔"

وہ اب رورہی تھی۔

"لڑکیاں دیکھنا کچھ مانگتی ہیں... میں نے تو کچھ بھی نہیں مانگا، صرف ایک "ساحل آدمی" مانگا تھا۔"

اس نے مجھے دو تھک نہیں دیا۔ کیا اللہ نے مجھے کسی ساحل آدمی کے قاتل نہیں سمجھا۔" وہ بچوں کی طرح رورہی تھی۔

"امام! وہ ساحل آدمی ہے۔"

"آپ کیوں اسے ساحل آدمی کہتے ہیں؟" وہ ساحل آدمی نہیں ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں، میں اس کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میں بھی اس کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"آپ اس کو اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔ وہ شراب پیتا ہے، وہ نفسیاتی مریض ہے کئی بار خودکشی کی کوشش کر چکا ہے۔ گریبان کھلا چھوڑ کر پھر مارتا ہے۔ عورت کو دیکھ کر اپنی نظر تک پٹکی رکھتا نہیں ہاتا اور آپ کہتے ہیں وہ ساحل آدمی ہے؟"

"امام! میں اس کے ماضی کو نہیں جانتا، میں اس کے حال کو جانتا ہوں۔ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں کرنا ہو آپ کہہ رہی ہیں۔"

"آپ کیسے کچھ سکتے ہیں کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرتا۔ وہ جوہر اور مکار ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔"

"اگر وہ ایسا ہی ہے۔"

"تو سکتا ہے اسے واقعی آپ سے محبت ہو۔ وہ آپ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔"

"مجھے ایسی محبت کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اس کی فکر دوس سے کھن آتی ہے۔ مجھے اس کے بھلے گریبان سے کھن آتی ہے۔ میں ایسے کسی آدمی کی محبت نہیں چاہتی۔ وہ بدل نہیں سکتا۔ ایسے لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ وہ صرف اپنے آپ کو پیچھا لیتے ہیں۔"

"نہیں، سالار ایسا کچھ نہیں کر رہا۔"

"ابو! میں سالار جیسے کسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں کرتی۔ وہ ہر چیز کا مذاق اڑاتا ہے۔ مذہب کا اندازہ لگاتی گا، عورت کا... کیا ہے جسے وہ جنگلوں میں اڑاتا نہیں جانتا۔ جس شخص کے نزدیک میرا اپنے مذہب کو چھوڑ دینا ایک حماقت ہے، جس کے نزدیک مذہب پر بات کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے جو صرف "What is next to ecstasy" کا مطلب جانتے کے لئے خود کشیاں

کر رہا پھر مارتا ہو، جس کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف عشق ہے۔ وہ میرے ساتھ محبت کرے بھی تو کیا صرف محبت کی دنیا ہو؟ میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں؟ میں نہیں گزار سکتی۔"

"منازحہ آٹھ سال سے وہ آپ کے ساتھ قائم ہونے والے اس اتفاق پر رشتے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ آپ کو آپ کے قہار سے نظریات اور عقائد کو چاہئے ہوئے ہیں اور وہ آپ کے انتظار میں



بھی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ آپ اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائیں گی۔ کیا ان ساری خواہشوں کے ساتھ اس نے اپنے اندر کچھ تبدیلی نہیں کی ہو گی؟

”میں نے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار لی۔ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہا۔ وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھی۔“ مجھے حق ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ نہ رہوں۔“

”لیکن اللہ یہ کیوں کر رہا ہے کہ اس شخص کو بار بار آپ کے سامنے لا رہا ہے۔ دودھ آپ کا نکاح ہوا اور دونوں دھند اسی آدمی سے۔“

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”میں نے زندگی میں ضرور کوئی کچھ کیا ہو گا، اس لئے میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔“ اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آدمی! آپ کبھی ضد نہیں کرتی تھیں بھرا ب کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“ ڈاکٹر سید علی حیران تھے۔

”آپ مجھے مجبور کریں گے تو میں آپ کی بات مان لوں گی کیونکہ آپ کے مجھ پر اتنے احسانات

ہیں کہ میں تو آپ کی کسی بات کو رد کر ہی نہیں سکتی لیکن آپ اگر یہ کہیں گے کہ میں اپنی مرضی اور خوشی

کے ساتھ اس کے ساتھ زندگی گزاروں تو وہ میں کبھی نہیں کر سکوں گی۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ

کتنا تعلیم یافتہ ہے، کتنے اچھے مہدے پر کام کر رہا ہے یا مجھے کیا اے سکا ہے۔ آپ ایک ان پڑھ آدمی سے

شادی کر دیتے لیکن وہ اچھا انسان ہو تا تو میں کبھی آپ سے کوئی شکوہ نہیں کرتی لیکن سالار وہ آنکھوں

دیکھی کبھی ہے جس کو میں اپنی خوشی سے نہیں بچ سکتی۔ آپ سالار کے بارے میں وہ جانتے ہیں، جو آپ

نے سنا ہے۔ میں اس کے بارے میں جو جانتی ہوں وہ میں نے دیکھا ہے۔ ہم چند روز سال ایک دوسرے

کے ہمسائے رہے ہیں۔ آپ تو اس کو چند سالوں سے جانتے ہیں۔“

”آدمی! میں آپ کو مجبور کبھی نہیں کروں گا۔ یہ رشتہ آپ اپنی خوشی سے قائم رکھنا چاہیں گی تو

ٹھیک ہے لیکن صرف میرے کہنے پر اسے قائم رکھنا چاہو تو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ

ایک بار سالار سے مل لیں پھر بھی اگر آپ کا یہی مطالب ہو تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔“

ڈاکٹر سید علی بے حد شہید تھے۔

اسی وقت ملازم نے آکر سالار کے آنے کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر سید علی نے اپنی گھڑی پر ایک نظر

روٹائی اور ملازم سے کہا۔

”انہیں اندر لے آؤ۔“

”یہاں؟“ ملازم حیران ہوا۔

”ہاں، یہیں پر۔“ ڈاکٹر سید علی نے کہا۔

امام اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”میں ابھی اس طرح اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

اس کا اشارہ اپنی حورم آنکھوں اور سرخ چہرے کی طرف تھا۔

”آپ نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ آپ اسے دیکھ لیں۔“ انہوں نے دھجے لہجے میں اس

سے کہا۔

”یہاں نہیں، میں اندر کمرے میں اس کو دیکھ لوں گی۔“

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ اوپر کھلا تھا۔ اس نے اسے بند نہیں کیا۔

کمرے میں تاریکی تھی۔ اوپر کھلے دروازے سے لائٹ سے آنے والی روشنی اتنی کافی نہیں تھی کہ کمرے

کے اندر اچھی طرح سے دیکھا جاسکے۔ وہ اپنے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو مسلا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں سے وہ

لائٹ کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ نو سال کے بعد اس نے اوپر کھلے دروازے سے لائٹ میں اس شخص کو

نمودار ہو کر دیکھا جسے وہ ایک خوش عرصہ پہلے مردہ سمجھ چکی تھی جس سے زیادہ غرت اور کین اسے کبھی

کسی سے محسوس نہیں ہوئی تھی جسے وہ بدترین لوگوں میں سے ایک سمجھتی تھی اور جس کے نکاح میں وہ پچھلے

کئی سالوں سے تھی۔

تقریر کیا اس کے علاوہ کسی اور چیز کو کہتے ہیں؟

اپنی آنکھوں میں آخری دھند کو اس نے انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔ ڈاکٹر سید علی اس سے

کچھ مل رہے تھے۔ اس کی پشت ہمارے کی طرف تھی۔ اس نے ملاحظہ کرنے سے پہلے ہاتھ میں پکڑے

ہوئے پھول اور ایک پکٹ سینئر بیکل پر رکھا تھا۔ معالج کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور جب پہلا بار امام

نے اس کا چہرہ دیکھا۔

کلاگریان، کچھ میں ہلکی زنجیریں، ہاتھوں میں نکلے بیٹھ، زبردستی میں بندھے بالوں کی پونچھ وہاں

ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ کریم نگر کے ایک سادہ شلوار سوٹ پہنا سکتے پہنے ہوئے تھا۔

”ہاں ظاہری طور پر بہت بدل گیا ہے۔“ اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی

یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کبھی..... اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ اب ڈاکٹر سید علی سے باتیں کر رہا تھا۔

ڈاکٹر سید علی اسے شادی کی مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ وہاں بیٹھی ان دونوں کی آواز میں آسانی سن رہی

تھی اور وہ ڈاکٹر سید علی کے استہدار پر انہیں امام کے ساتھ ہونے والے اپنے نکاح کے بارے میں

تیار ہاتھا۔ وہ اپنے دیکھناؤ سے کا اظہار کر رہا تھا جس طرح اس نے طلاق کی شادی کے بارے میں اس سے

جھوٹ بولا۔ جس طرح اس نے طلاق کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا۔

"میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اتنی تکلیف کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ وہ میرے ذہن سے نکلتی ہی نہیں۔"

وہ دیکھتے لیجے میں ڈاکٹر سیٹ علی کو تار اتار۔

”بہت عرصے تو میں بیمار رہا۔ اسی سبب مجھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے دریاگی تھی۔ یہ کہہ کر کہ میں ایک مسلمان ہوں، قسم ثبوت پر یقین رکھنے والا مسلمان۔ میں دھوکا نہیں دوں گا اسے اور میری ہمتی کی ابتداء دیکھیں کہ میں نے اسے دھوکا دیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر گھر سے نکل آئی اور میں اس کا لاشیٰ نذرانہ دے رہا ہوں۔ اس رات میں اسے لاہور چھوڑنے آیا تھا، اس نے مجھ سے راستے میں کہا تھا کہ ایک دن مجھے جڑ جڑ کی کچھ آجائے گی، تب مجھے اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔“

وہ عجیب سے انداز میں بستا تھا۔

”اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ مجھے واقعی ہر چیز کی سمجھ آ گئی۔ اسے سالوں میں، میں نے اللہ سے اپنی دعاؤں اور توبہ کی ہے کہ۔“

وہ ہنس کر تے کرتے لڑکے گیلا امام نے اسے سینہ میل کے شیشے کے تھارے پر اپنی انگلی پھیرتے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”بعض دنوں مجھے قہقہے آتے تھے کہ شاید میری دعا اور توجہ قبول ہوگئی۔“

”مگر اس دن میں آمد کے ساتھ نکاح کے کاغذات پروں سے اتر کر رہا تھا تو مجھے اپنی امانت کا پتا چل گیا۔ میری وہ عاقل تو پہلے بھی قبول نہیں ہوئی۔ ایسا ہوتا تو مجھے امانت ملتی، آمد نہیں۔ خواہش تو اللہ انسان کو دے دیتا ہے کہ مجھروں کے علاوہ کوئی چیز جسے پروا نہ کرے کسی سکن۔ میری خواہش یہ نکاح میں نے اللہ سے کیا مانگا۔ ایک ایسی لڑکی جسے کسی اور سے محبت ہے، وہ تو مجھے افضل المسلمین سمجھتی ہے، جسے میں نو سال سے اذھون رہا ہوں مگر اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔“

اور میں - میں خواہش لئے پھر رہا ہوں اس کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کی۔ یوں جیسے وہ مل جی جائے گی، یوں جیسے وہ مل گی تو میرے ساتھ رہنے کو تیار ہی ہو جائے گی، یوں جیسے وہ جلال و اشرف کو ہلا چکی ہو گی۔ دیوں بھٹی اور دیوں بھٹی عبارت کہ جاتا تو شاید اللہ میرے لئے یہ "مختر" کر دیتا یا میرے جیسے آدمی کے لئے - میری اوقات تو یہ ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بخشش مانگتے ہیں۔ میں وہاں کھڑا ہو کر بھی اسے شایانگہ نہ پاؤں۔ شاید اللہ کو یہی برا لگے۔"

اہمہ کے جسم سے ایک کرنٹ گزرا تھا۔ ایک جھبکے کی طرح وہ خواب سے یار آیا تھا۔

”میرے والد! اس نے اپنے دونوں ہاتھوں - قوس چوس رکھے گئے۔ وہ بے نیچہی سے سارا ار کو دیکھ رہی

تھی۔ وہ خواب میں اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔ کیا وہ یہ شخص تھا، یہ جو میرے سامنے بیٹھا ہے۔ یہ آدمی ؟؟ اس نے جب خواب میں اس آدمی کو جلال سمجھا تھا مگر اسے یاد آیا تھا جلال دراز قد نہیں تھا، وہ آدمی دراز قد تھا۔ سالار سکندر دراز قد تھا۔ اس کے ہاتھ کا پٹنہ لگے تھے۔ جلال کی رنگت گندمی تھی۔ اس آدمی کی رنگت صاف تھی۔ سالار سکندر کی رنگت صاف تھی۔ اس نے خواب میں اس آدمی کے کندھے پر ایک تیسری چیز بھی دیکھی تھی۔ ۱۰ تیسری چیز ؟

اس نے کچھ بچے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو نکھلایا اور پروٹھا مپ لیا۔

وہ مقررہاں کے نہ رہنے کی باتیں کر رہا تھا اور۔ اندر ڈاکٹر سید علی خامنوش تھے۔ وہ کیوں خامنوش تھے۔ یہ صرف وہ اور امام چاہتے تھے، سااار سکند و خیمیں۔ امام نے انہی آنکھیں رگڑیں اور چہرے سے ہاتھ ہٹا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر جتنے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس شخص کو دیکھا۔

نہ دوہلی تھا نہ درائش صرف بچے دل سے توجہ کرنے والا ایک شخص تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ جلال اور اس کے درمیان کیا چیز آکر کھڑی ہو گئی تھی جس نے اسے سالوں میں جلال کے لئے اس کی ایک بھی دعا قبول نہیں ہونے دی۔ کون سی چیز آخری وقت میں فیہ کی جگہ اس کے لئے آئی تھی۔

اس شخص میں کوئی نہ کوئی بات تو ایسی ہو گی کہ اس کی دعائیں قبول ہوئیں، میری نہیں۔ ہر بار مجھے  
چاہا کہ اسی کی طرف بھیجا گیا۔

اس نے نم 7 ٹخموں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کو اسے صالح آدمی کہتے سنا۔ وہ چلتی تھی وہ یہ بات کس کے لئے کہہ رہے تھے۔ وہ سالار کو نہیں بتا رہے تھے۔ وہ امام کو بتا رہے تھے۔ وہ اسے صالح قرار نہ بھی دیتے تب بھی وہ اسے صالح ماننے پر مجبور تھی۔

اس کے پاس جو گواہی تھی وہ دنیا کی ہر گواہی سے بڑھ کر تھی۔ اس کے پاس جو ثبوت تھا اس کے بعد اور کسی ثبوت کی ضرورت تھی۔ نہ گواہی۔ اسے کیا "عنا" دیا گیا تھا اور اسے کیا "جنا" دیا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی..... صرف وہی جان سکتی تھی۔

اقتصادی کے بعد سالانہ اور ذاتی سطح پر ملحقہ ہونے کے لئے چلے گئے۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی آئی۔ ان کے آنے سے پہلے اس نے ملازم کے ساتھ مل کر کھانا لگا دیا تھا۔ سالار کا دل ابھی کھانے کے بعد ہوئی تھی اور اس کے جانے کے بعد دو اکثر بیٹا چلی جس وقت کچن میں آئے، اس وقت اما۔ کچن کی میز پر میٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی دھو رہی تھیں مگر اس کا چہرہ اب سکون تھا۔

”میں نے سہارا کو آپ کے بارے میں نہیں بتایا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اب جلد از جلد اس



سے مل کر بات کر لیں۔"

ڈاکٹر سیٹھ غنی نے اس سے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ پانی پیتے ہوئے رک گئی۔ "اے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے اور میں اللہ کے انتخاب کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا ہے کہ وہ توبہ کر چکا ہے وہ نہ بھی کرنا دیکھا ہے جو تاجیسا پہلے تمہارے ساتھ تھا میں اس کے پاس چلی جاتی اگر میں جان لیتی کہ اے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے۔"

دو اب وہ بارہ پانی پی رہی تھی۔ "آپ اس سے کہیں مجھے لے جائے۔"

☆.....☆.....☆

سالار جس وقت مغرب کی نماز پڑھ کر آیا جب تک امام فرکان کی زیوی کے ساتھ کھانے کی میز لگا چکی تھی۔ فرکان اور سالار کی عدم موجودگی میں اس بار آئمہ اصرار کر کے اس کے ساتھ کام کرنے لگی تھی۔

سالار کے آنے پر وہ اپنے قلیٹ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ سالار اور امام نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں مجھے بچوں کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ وہ بے چارے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"آپ انہیں بھی بلا لیں۔" سالار نے کہا۔

"نہیں بھئی، میں اس قسم کی فضول حرکت نہیں کر سکتی۔ امام تو پھر تمہیں بتا رہے یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے گی۔" نوشین نے اپنی بیٹی کا نام لیا۔

"سالار بڑا پیار کرتا ہے امام کے ساتھ۔"

فرکان کی چوٹی نے امام سے کہا۔ ایک لمحے کے لئے سالار اور امام کی نظریں ملیں پھر سالار برقی رفتار سے مڑ کر ٹیبل پر پڑے گلاس میں جگ سے پانی اٹھ لے لگا۔ نوشین نے حیرانی سے امام کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا مگر وہ سمجھ نہیں پائیں۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ۔ سہری بھی میں سالار کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔ تم لوگ کچھ تیار مت کرنا۔"

ان کے جانے کے بعد سالار دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔ امام کو مخاطب کئے بغیر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا لیکن اس نے کھانا شروع نہیں کیا۔

امام چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد سالار نے اپنے سامنے بڑی پلیٹ میں چاول نکالا شروع کئے۔ کچھ چاول نکال لینے کے بعد اس نے دائیں ہاتھ سے چاولوں کا ایک چمچ مڑ میں ڈالا۔ چند لمحوں کے لئے امام کی نظر اس کے دائیں ہاتھ سے

ہوتی ہوئی اس کے چہرے پر گئی۔ سالار اس کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا وہ کیا دیکھ رہی تھی۔ کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا۔ امام کو اس کی خاموشی اب بری طرح چھینے لگی تھی۔ آخر وہ اس سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟

"کیا مجھے دیکھ کر اتنا شاک لگا ہے اسے؟" پھر؟

اسے اپنی بھوک غائب ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے اپنی پلیٹ میں موجود کھانا ختم کرنا مشکل لگنے لگا۔ سالار اس کے برعکس بہت اطمینان اور تیز رفتاری سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے جس وقت کھانا ختم کیا اس وقت عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔

امام کے کھانا ختم کرنے کا انتظار کئے بغیر وہ میز سے اٹھ کر اپنے بندہ روم میں چلا گیا۔ امام نے اپنی پلیٹ پیچھے سرکا دی۔

وہ میز پر پڑے برتن سینے لگی جب اس نے سالار کو تبدیل شدہ لباس میں برآمد ہوتے دیکھا۔ ایک بار پھر اسے مخاطب کئے بغیر وہ قلیٹ سے نکل گیا تھا۔ امام نے بچے ہوئے کھانے کو فریج میں رکھ دیا۔ برتنوں کو منگ میں رکھنے کے بعد اس نے میر صاف کی اور خود بھی نماز پڑھنے چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ عشاء کی نماز کے بعد جس وقت واپس لوٹا اس وقت وہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ سالار اپنے پاس موجود چائی سے قلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ سالار لاؤنج سے گزرے ہوئے رک گیا۔ کچن کے دروازے کی طرف امام کی پشت تھی اور وہ منگ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا دوپٹہ لاؤنج کے صوفے پر پڑا ہوا تھا۔

سالار نے پہلی بار اسے سعیدہ اماں کے ہاں کچھ گھنٹے پہلے دوپٹے کے بغیر دیکھا تھا اور اب وہ ایک بار پھر اسے دوپٹے کے بغیر دیکھ رہا تھا۔

نو سال پہلے دھمو کرتے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار امام کو اس چادر کے بغیر دیکھنے کی خراش پیدا ہوئی تھی جو وہ اوڑھے رکھتی تھی۔ نو سال بعد اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اس نے نو سال میں کئی بار اسے اپنے گھر میں "محسوس" کیا تھا مگر آج جب وہ اسے وہاں "دیکھ" رہا تھا تو وہ دم بخود تھا۔ اس کے سیاہ بال ڈھیلے اچالے انداز میں جوڑے کی شکل میں لپیٹے گئے تھے اور سفید سوئیٹر کی پشت پر وہ یک دم بہت لکڑیاں ہو گئے تھے۔

نکارنا سے پر آمیزہ مبین والدہ ہاشم مبین احمد کو اپنی بیوی کے طور پر تسلیم کرنے کا اقرار کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے بھی کوئی شک پیدا نہیں ہوا تھا۔ یہی ہاشم مبین احمد کے نام نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ سعیدہ اماں کی "بیٹی" سے شادی کر رہا تھا۔ اس کا نام امام ہاشم بھی ہو تا تب بھی اس کے

دعوت، گمان میں بھی یہ کبھی نہیں آتا کہ یہ وہی امام تھی، کوئی اور نہیں اور اسے سیدہ ولایت کے گمن میں کھڑا دیکھ کر اسے ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ اس کا انکار کس سے ہوا تھا۔

☆—☆...☆

"نصیب چائے امار انوسال میں کھتے ہیں، کھتے کھتے، کھتے کھتے ہوتے ہیں؟"

ناموسیقی ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی آواز میں جسم کو چٹخا دینے والی ٹھنڈک تھی۔ اما۔ نے جو ٹیٹ بیٹھنے سے پہلے مل بند کر دیا۔ وہ اس کے چیلنجے ٹکڑا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ انٹر مڑنے کی کوشش کرتی تو اس کا کندھا ضرور اس کے سینے سے ٹکرا جاتا۔ اس نے مڑنے کی کوشش نہیں کی۔

وہ اپنی گردن کی پشت پر اس کے سانس لینے کی مدد کر رہا تھا۔ وہ اب اس کے جواب کا انتظار تھا۔ اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ سب کے کناروں پر ہاتھ جمائے ہوئے تھے تو بے چند آخری نظروں کو دیکھتے رہی۔

”کیا ان سوالوں میں ایک بار بھی تم نے میرے بارے میں سوچا؟ سہارا کے بارے میں؟“

اس کے سوالیہ مشقوں کو چار حصے تھے۔ وہ ایک بار پھر چپ رہی۔

”What is next for ecology?” جواب کا اقبال کے بغیر کہہ رہا تھا۔

”تم نے کہا تھا تم نے لٹھیک کہا تھا۔“ —It was painful

622440

"میں یہاں اس گھر میں ہر جگہ تمہیں اتنی یاد کیج چکا ہوں کہ اب تم میرے سامنے نہ تو مجھے پیش  
 نہیں آ رہے۔"

امامہ نے سبک کے کناروں کو اور مضبوطی سے تھام لیا۔ بائیسوں کی کیک پائٹ کو روکنے کے لئے وہ دو دو کچم ٹکس کر نکلتی تھی۔

”مجھے لگتا ہے، میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں کھولوں گا تو“

وہیڑکے امام نے آنکھیں بند کر لیں۔

"تو سب کچھ ہو گا، بس تم نہیں ہو گی۔ آنکھیں بند کرواں گا تو....."

امام نے آنھیں کھول دیں۔ اس کے کال بجک رہے تھے۔

”تو بھی اس خواب میں، دباؤ نہیں چاہا ہوں گا۔ تم وہاں بھی نہیں ہو گی۔ مجھے تمہیں ساتھ لگاتے ڈر لگتا ہے۔ تم بڑھاپوں کا تو سب کچھ تحلیل ہو جائے گا جیسے پانی میں نظر آنے والا گیس۔“

وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ ذرا جھٹکتا تو اس کے ہونٹ اس کے بالوں کو چھو جاتے مگر وہ اسے چھو نہیں چاہتا تھا۔

”اور تم ہو گویا امام۔؟ آئمہ۔؟ میرا وہم۔؟ یا پھر کوئی مجروح۔؟“

”کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھے مجھے تم سے“<sup>11</sup>

وہ سمجھ کہتے کہتے زک گیا۔ اماں کی آنکھوں سے نقشہ والا پانی اس کے چہرے کو بھگو تا ہوا اس کی خورزی سے ٹپک رہا تھا۔ وہ کیوں زکا تھا وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے زک کی میں کبھی خاموشی اتنی ہی نہیں لگی تھی جتنی اس وقت لگی تھی۔ وہ بہت دیر خاموش رہا اتنی دیر کہ وہ اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی اور تب اسے پتا چلا وہ کیوں خاموش ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ اب بھی بھیجے ہوا تھا۔

دو دونوں زندگی میں پہلی بار ایک دوسرے کو اپنے قریب سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے قریب سے کہ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں نظر آنے والے اپنے اپنے عکس کو بھی دیکھ سکتے تھے پھر سالار نے اس سے نظریں ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

(۱) اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے کو صاف کر رہا تھا۔

”نعم مجھ سے اور میں تم سے کیا چھپاؤں گے؟“ سوالدار۔ ”اسب کچھ تو جانتے ہیں، ہم ایک دوسرے کے بارے میں۔“

امام نے مدغم آواز میں کہا کہ سالار نے ہاتھ روک کر سر اٹھایا۔

"میں کچھ نہیں چھپا رہا۔ میں آنسوؤں کو صاف کر رہا ہوں تاکہ تمہیں اچھی طرح دیکھ سکوں۔ تم بھر کسی دھند میں اپنی ہولی نظر نہ آؤ۔"

وہ اس کے مکان کی گاہیں تنگ والے فُن سونہیں کو دیکھ رہا تھا، جنہیں اس نے بہت سال پہلے بھی دیکھا تھا۔ فرق صرف یہ تھا آج وہ بہت قریب تھے۔ ایک بار اُن سوتوں نے اسے بہت زلایا بھی تھا۔ وہ موقی توج بھی لا رہا ہے تھے اپنے ہر لکڑے کے ساتھ (اُہم سے جنیش..... جنیش سے وہم بیٹے ہوئے۔ وہ اپنے کانوں کی لوڈوں پر اس کی کویت محسوس کر رہی تھی۔

”میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی تمہارے اچھے قریب گھڑے ہو کر تم سے بات کر رہا ہوں گا۔“

وہ مسئلہ ایا تھا لیکن تم آنکھوں کے ساتھ — امام نے اس کے دائیں گال میں چھ لٹکوں کے لئے  
 پتھر نے وہاں گڑھا کیا۔ مسکراتے ہوئے اس کے صرف ایک گال میں ڈائیل پڑا تھا۔ دائیں گال میں اور  
 نو سال پہلے امام کو اس ڈائیل سے بھی بڑی جھنجھلاہٹ ہوتی تھی۔ نو سال کے بعد اس ڈائیل نے چپکلی بار  
 عجیب سے انداز میں اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

”میں نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں بھی تمہارے بہن میں موجود اسیر رہنے کو ہاتھ لگاؤں گا اور“



وہ اب اس کے دائیں کان میں بلک رہے تھے جو نے مٹی کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے روک رہا تھا۔  
”اور تم... تم مجھے ایک چھپر نہیں بھیج مارو گی۔“

امام نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اگلے لمحے وہ نیلے پیرے کے ساتھ بے اختیار ہنسی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

”جس میں ابھی بھی وہ تھیل چا رہے۔ وہ ایک reflex action تھا اور کچھ نہیں۔“

امام نے ہاتھ کی پشت سے اپنے ہیکے ہوئے گالوں کو صاف کیا۔ وہ ایک بار پھر مسکرایا۔ ”میں ایک بار پھر نمودار ہوا۔ اس نے بہت آہستگی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے ہاتھ تھام لئے۔“

”تم جانتا چاہتے ہو کہ میں اسے سال کہاں رہی، کیا کرتی رہی، میرے بارے میں سب کچھ؟“

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ رہا تھا۔

”میں کچھ جانتا نہیں، چاہتا، کچھ بھی نہیں۔ تمہارے لئے اب میرے پاس کوئی اور سوال نہیں ہے۔“

میرے لئے کافی ہے کہ تم میرے سامنے کھڑی ہو، میرے سامنے تو ہو۔ میرے جیسا آدمی کسی سے کیا تحقیق کرے گا۔“

امام کے ہاتھ سالار کے سینے پر اس کے ہاتھوں کے نیچے دبے تھے۔ پانی نے اس کے ہاتھوں کو سرد کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تھی وہ کیوں اس کے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کے ہاتھوں کی خشک شمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بڑا کسی بچے کے سر ہاتھوں میں حرارت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کے سینے پر ہاتھ رکھے دو سویرے کے نیچے سے اس کے دل کی دھڑکن کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ بے ترتیب تھی۔ تیز... پر جوش... کچھ کھینچی ہوئی... کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہوئی۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ اس وقت اس کے دل تک پہنچی ہوئی تھی، اسے شہ نہیں تھا۔

وہ شخص اس سے محبت کرتا تھا، کیوں کرتا تھا؟ اس کا جواب سامنے کھڑا ہوا شخص بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے اس شخص سے یہ سوال کیا بھی نہیں تھا۔ سالار کی آنکھیں پر سکون انداز میں بند تھیں نہ بھی ہوتیں تب بھی ان آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اب اسے کوئی آنکھیں نہیں ہو رہی تھی۔ ان آنکھوں میں جو کچھ نو سال پہلے تھا اب نہیں تھا۔ جواب تھا وہ نو سال پہلے نہیں تھا۔

”ہم کیا ہیں، ہماری محبتیں کیا ہیں، کیا چاہتے ہیں، کیا پاتے ہیں۔“

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اترنے لگی تھی۔

”جلال اللہ... اور سالار سکندر... خواب سے حقیقت... اور حقیقت سے خواب... زندگی

کیا اس کے سوا اور کچھ ہے؟“

امام نے آہستگی سے اپنے ہاتھ کھینچے۔ سالار نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ٹاپے کے لئے ابھرنے والے تار کو صرف وہی پہچان سکتی تھی۔

پریشانی، اضطراب، خوف... تینوں میں سے کچھ تھا۔ امام نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا پھر سیاہ سونٹر کے گلے سے باہر نکلے ہوئے سفید کالرڈ کو دیکھا۔ کچھ کہے بغیر بہت نرمی کے ساتھ اس کی گردن کے گرد بازو جامل کر تے ہوئے اس نے سالار کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے پہلی بار سالار کے گولوں کی ہلکی سی ربک کو محسوس کیا۔ نو سال پہلے وہ بہت چیز قسم کے پرفورم استعمال کرتا تھا۔ نو سال بعد...؟

سالار بالکل سانس تھا، یوں جیسے اسے یقین نہیں آیا ہو۔ چند لمحوں کے بعد اس نے بڑی نرمی کے ساتھ امام کے گرد اپنے بازو پھیلائے۔

”I am honoured“ (یہ میرے لئے اعزاز ہے)۔

امام نے اسے دھم آواز میں کہتے سنا۔ وہ اس کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سالار کے ساتھ خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار اس کے دائیں جانب تھا، وہ وہاں ان کی آخری رات تھی۔ وہ پچھلے چند دن سے وہاں تھے۔ کچھ دیر پہلے انہوں نے تہجد ادا کی تھی۔ وہ تہجد کے نوافل کے بعد وہاں سے چلے جایا کرتے تھے۔ آج نہیں گئے، آج وہیں بیٹھے رہے۔ ان کے اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان بہت لوگ تھے اور بہت فاصلہ تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں جہاں بیٹھے تھے وہاں سے وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔

وہاں بیٹھتے وقت ان دونوں کے ذہن میں ایک ہی خواب تھا۔ وہ اس رات کو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ حرم پاک کے فرش پر اس جگہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے سالار سورۃ رحمن کی تلاوت کر رہا تھا۔ امام جان بوجھ کر اس کے برابر میں بیٹھنے کی بجائے بائیں جانب اس کے عقب میں بیٹھ گئی۔ سالار نے تلاوت کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اپنے برابر والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ امام اٹھ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اب خانہ کعبہ کے دروازے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔

امام بھی خانہ کعبہ کو دیکھنے لگی۔ وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے اس غرض المان آواز کو سنتی رہی جو اس کے شوہر کی تھی۔ فہامی الاء رہکھا دیکھا ہاں۔

اور تم اپنے پیر و دو گار کی کون کون سی نعمتوں کو چھوڑاؤ گے۔

”تم جو کچھ کر رہی ہو امام! تم اس پر بہت ہچکچاؤ گی۔ تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔“

نو سال پہلے ہاشم بیمن نے اس کے چہرے پر ٹھیکر مارا تھا۔  
"ساری دنیا کی اہل سنت اور رسوائی، بدنامی اور بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

انہوں نے اس کے چہرے پر ایک اور ٹھیکر مارا۔

"تمہارے بھی لڑکیوں کو اٹھ ڈالیں اور خوار کرنا ہے۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑنا۔"  
امام کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ایک وقت آئے گا جب تم دوبارہ ہماری طرف لوٹو گی۔ منت سہیت کرو گی۔ مگر کڑاؤ کی۔ تب ہم تمہیں دھکا دیں گے۔ تب تم چیخ چیخ کر اپنے منہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگو گی۔ کیونکہ اس میں غلط تھی۔"  
امام انگلیاں آنکھوں سے مسکرائی۔

"میری خواہش ہے بابا!" اس نے زبردست کہا۔ "مگر زندگی میں ایک بار میں آپ کے سامنے آؤں اور آپ کو بتا دوں کہ کچھ لیجئے، میرے چہرے پر کوئی اہل سنت، کوئی رسوائی نہیں ہے۔ میرے اٹھ اور میرے پیچھے سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری حفاظت کی۔ مجھے دنیا کے لئے قہشا نہیں بنانا، نہ دنیا میں بنانا ہے نہ ہی آخرت میں میں کسی رسوائی کا سامنا کروں گی اور میں آج اگر یہاں موجود ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں سیدھے راستے پر ہوں اور یہاں بیٹھ کر میں ایک بار پھر اقرار کرتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے بعد کوئی پیغمبر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ وہی سچ کا مل ہیں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ ان سے کامل ترین انسان، و سر او کوئی نہیں۔ ان کی نسل میں بھی کوئی ان کے برابر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے آنے والی زندگی میں بھی بھی اپنے ساتھ شریک کر دے نہ ہی مجھے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کسی کو لاکڑا کرنے کی جرأت ہو۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ زندگی مجھے سیدھے راستے پر رکھے۔ بے شک میں اس کی کسی نعمت کو نہیں چھوڑ سکتی۔"

سالار نے سورہ رحمن کی تلاوت ختم کر لی تھی۔ چند لمحوں کے لئے وہ ڈکا بھر سید سے مل چلا گیا۔  
سید سے اٹھنے کے بعد وہ کھڑا ہوتے ہوئے رُک گیا۔ امام آنکھیں بند کئے دونوں ہاتھ پیچھا لئے دعا کر رہی تھی۔ وہ اس کی دعا ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ امام نے دعا ختم کی۔

سالار نے اٹھنا چاہا، وہ اٹھ نہیں سکا۔ امام نے بہت نرمی کے ساتھ اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تاکہ جس سے محبت ہوئی وہ نہیں ملتا۔ ایسا جاپا ہے کیوں ہوتا ہے؟"  
رات کے اُس چھپے پھر نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ بھیگی آنکھوں اور مسکراتے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"محبت میں صدق نہ ہو تو محبت نہیں ملتی۔ نو سال پہلے میں نے جب جلال سے محبت کی تو پورے صدق کے ساتھ کی۔ دعائیں، دو جھٹے، مٹیں، کیا تھا جو میں نے نہیں کر چھوڑا مگر وہ مجھے نہیں ملا۔"  
دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی نرم گرفت میں اس کے گلے پر دھرا تھا۔

"پتا ہے کیوں؟ کیونکہ اس وقت تم بھی مجھ سے محبت کر لے گئے تھے اور تمہاری محبت میں میری محبت سے زیادہ صدق تھا۔"

سالار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی تھوڑی سے پچھتے والے آنسو اب اس کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔ سالار نے دوبارہ امام کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے اب لگتا ہے کہ اللہ نے مجھے بہت یاد سے دیکھا تھا۔ وہ مجھے کسی اپنے شخص کو سوچنے پر تیار نہیں تھا وہ میری ناکھری کر رہا تھا۔ مجھے ضائع کرنا اور جلال میرے ساتھ سب کچھ کرتا۔ وہ میری قدر سمجھ کر ۱۲ نو سال میں اللہ نے مجھے ہر حقیقت بتادی۔ ہر شخص کا اندر اور باہر دکھایا اور پھر اس نے مجھے سالار سکندر کو سنا کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم وہ شخص ہو جس کی محبت میں صدق ہے۔ تمہارے علاوہ اور کون تھا جو مجھے یہاں لے آتا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا تم نے مجھ سے پاک محبت کی تھی۔"

وہ بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اب اس کے ہاتھ کو نرمی سے چومتے ہوئے باری باری اپنی آنکھوں سے نکارتی تھی۔

"مجھے تم سے کتنی محبت ہو گی، میں نہیں جانتی۔ دل پر میرا اختیار نہیں ہے مگر میں جتنی زندگی تمہارے ساتھ گزاروں گی تمہاری وفادار اور فرمانبردار رہوں گی۔ یہ میرے اختیار میں ہے۔ میں زندگی کے ہر مشکل مرحلے پر آزمائش میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ میں اچھے دنوں میں تمہاری زندگی میں آئی ہوں۔ میں برے دنوں میں بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی اس نے جتنی نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اس نرمی سے چھوڑ دیا۔ وہ اب سر ہٹا کے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو صاف کر رہی تھی۔  
سالار کچھ کہے بغیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دو خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ اسے زمین پر اُتاری جائے والی سانچ اور مجتہدین عورتوں میں سے ایک شخص دی گئی تھی۔ وہ عورت جس کے سامنے نو سال اس نے ہر وقت اور ہر جگہ دعا کی تھی۔

کیا سالار سکندر کے لئے عفتوں کی کوئی حد رہ گئی تھی اور اب جب وہ عورت اس کے ساتھ تھی تو اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنی بھاری ذمہ داری اپنے لئے لے بیٹھا تھا۔ اسے اس عورت کا لکھل بھلا ہوا تھا جو نیکی اور پارسائی میں اس سے کہیں آگے تھی۔

امام اٹھ کھڑی ہوئی۔ سالار نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ تھام کر وہاں سے جانے کے لئے قدم



بڑھا دیئے۔ اسے اس عورت کی حفاظت سونپ دی گئی تھی، جس نے اپنے اختیار کی زندگی کو اس کی طرح کسی آلائش اور غلاظت میں نہیں ڈبویا، جس نے اپنی تمام جسمانی اور جذباتی کمزوریوں کے باوجود اپنی روح اور جسم کو اس کی طرح نفس کی بھیٹ نہیں چڑھایا۔ اس کا ہاتھ تھامے قدم بڑھاتے ہوئے اسے زندگی میں پہلی بار پار سائی اور تقویٰ کا مطلب سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے تھی۔ وہ حرم پاک میں بیٹھے اور چلتے لوگوں کی قطاروں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

وہ اپنی پوری زندگی کو جیسے فلم کی کسی اسکرین پر چلنا دیکھ رہا تھا اور اسے بے تحاشا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ گناہوں کی ایک لمبی فہرست کے باوجود اس نے صرف اللہ کا کرم دیکھا تھا اور اس کے باوجود اس وقت کوئی اس سے زیادہ اللہ کے غضب سے خوف نہیں کھا رہا تھا۔ وہ شخص جس کا آئی کیو لیول ۱۵۰+ تھا اور جو فوٹو گرافک میموری رکھتا تھا نو سال میں جان گیا تھا کہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ بھی زندگی کے بہت سارے مقامات پر انسان کسی اندھے کی طرح ٹھوکر کھا کر گر سکتا تھا۔ وہ بھی گرا تھا بہت بار..... بہت مقامات پر..... تب اس کا آئی کیو لیول اس کے کام آیا تھا نہ اس کی فوٹو گرافک میموری۔

ساتھ چلتی ہوئی لڑکی وہ دونوں چیزیں نہیں رکھتی تھی۔ اس کی مٹھی میں ہدایت کا ایک ننھا سا جگنو تھا اور وہ اس جگنو سے اُمدتی روشنی کے سہارے زندگی کے ہر گھپ اندھیرے سے کوئی ٹھوکر کھائے بغیر گزر رہی تھی۔